

— سَوَاح —

حضرت بی ثالث

مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی

رحمۃ اللہ علیہ

جلد سوم

تالیف

سید محمد شاہد سہارنپوری

ناشر

کتب یادگار شاخ محمد مفتی سہارنپور

دَعْوَتِ وَتَبْلِغ کے، حضرت جی ثالث

حضرت مولانا

محمد انعام الحسن کاندھلوی

عالم انسانیت کی وسیع ترین تحریک "دعوت و تبلیغ" کے حضرت جی
ثالث حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب کاندھلوی کے سوانح حیات
یورپ، افریقہ، امریکہ اور ممالک عربیہ و اسلامیہ کے دعوتی اسفار، اور
آپ کے دورِ امارت میں عالمی سطح پر ہونے والی تبلیغی مہمائی۔ و

جدوجہد

نیز آپ کی دعوتی بصیرت، کمالات و خصوصیات، اخلاق و عادات
کا دل آویز تذکرہ، سانحہ وفات اور تعزیتی خطوط وغیرہ

تالیف — سید محمد شاہد غفرلہ سہارنپوری

ناشر

مکتبہ یادگار شیخ محلہ مفتی سہارنپوری

نام کتاب ————— سوانح حضرت جی ثالث مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی

(جلد سوم)

تالیف ————— سید محمد شاہد غفرلہ سہارنپوری

بار اول ————— شوال المکرم ۱۴۱۹ھ جنوری ۱۹۹۹ء

ناشر ————— مکتبہ یادگار شیخ محلہ مفتی سہارنپور یو پی ۲۰۱۰۰۱۳۳

ٹیلی فون: ۱۲۰۵۷۷۷۷-۱۳۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عرفِ اولیں

اللہ جل شانہ کے فضل و کرم سے سوانحِ حضرت جی ثالث کی جلد ثالث قارئین کے مطالعہ میں آرہی ہے۔ اس جلد کا پسندیدہ عنوان ”دعوت کی بصیرت اور اس کا فہم و ادراک“ دعوتی و تبلیغی کام میں مصروف افراد کے لیے بڑی اہمیت اور کشش اپنے اندر رکھتا ہے اور ایک طرح سے راجیانِ عالم کے لیے ایک طرزِ دعوت اور طریقہ دعوت کی رہنمائی اور رہبری کرتا ہے۔ اس باب کے مطالعہ سے جہاں اس عالی اور مبارک محنت کی نزاکتیں اور باریکیاں سامنے آئیں گی۔ وہیں اس حقیقت کا بھی احساس ہوگا کہ امت کے تمام طبقات میں اجتماعیت پیدا کرنے والا قیمتی عمل اپنے نام لیواؤں سے کس قدر محنت، جدوجہد اور خاموش قربانیوں کا تقاضا کرتا ہے اور کس قدر اخلاص، اللہیت، تواضع و عاجزی اور فناءیت کا مطالبہ کرتا ہے۔

اللہ جل شانہ، و عم نوالہ ان صفاتِ جمیلہ اور اوصافِ جلیلہ سے ہم سب کو مالا مال فرمائے اور فکر الیاسی، جہد یوسفی اور بصیرت انعامی سے بھرپور حصہ ہم سب کو مرحمت فرمائے کہ اس ناچیز مصنف کی نگاہ میں یہی اس باب بلکہ پوری کتاب کا مرکزی کردار اور بنیادی پیغام ہے۔

سید محمد شاہد غفرلہ
یکم شوال ۱۴۱۹ھ (یوم العید)
مطابق ۱۹ جنوری ۱۹۹۹ء

فہرست مضامین جلد سوم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۰۰	۷۔ سفر سری لنکا ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء	۴	حرف اولیں
۱۰۲	۸۔ سفر پاکستان، اردن، انگلینڈ، فرانس		چودھواں باب
۱۰۹	۹۔ سعودی عرب ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء	۱۱	ممالک غیر میں تبلیغی نقل و حرکت
	۱۰۔ سفر سری لنکا ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء		اجتماعات اور آپ کے تبلیغی اسفار
	۱۱۔ سفارتش رری یونین، ملاوی، زمبیا	۱۱	مقامات سفر، سنین سفر اور تعداد سفر
	سوڈان، سعودی عرب۔	۱۲	۱۔ سفر سری لنکا ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء
۱۱۱	۱۲۔ سفر ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء	۲۲	۲۔ سفر تھائی لینڈ، بلیشیا، سنگا پور، برما
	۱۱۔ سفر انگلینڈ، امریکہ، کنڈا، پاکستان		۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء
۱۱۳	۱۳۔ سفر ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء		۱۲۔ سفر کویت، عراق، انگلینڈ، فرانس، اسپین
	۱۲۔ سفر پاکستان، امارات عربیہ متحدہ		مراکش، ترکی، لبنان، شام، اردن
۱۱۷	۱۴۔ سعودی عرب ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء	۳۰	سعودی عرب ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء
	۱۳۔ سفر انگلینڈ، بلجیم، فرانس، اردن	۸۳	سفر سری لنکا ۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء
۱۱۸	سعودی عرب ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء		۱۵۔ سفر دبئی، شارجہ، سعودی عرب
	۱۴۔ سفر پاکستان، تھائی لینڈ، سنگا پور	۸۵	۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء
۱۲۳	بنگلہ دیش ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء		۱۶۔ سفر افریقہ، لیبیا، موزمبیق، زیمبیا
۱۲۶	۱۵۔ سفر سری لنکا ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء		ملاوی، زمبیا، تنزانیہ، کینیا
۱۳۰	۱۶۔ سفر بنگلہ دیش، تھائی لینڈ		سعودی عرب ۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۸۸	اتفاق و استحار اور اجتماعیت	۱۲۸	سنگاپور ۱۲۰۲ھ / ۱۹۸۳ء
۱۹۲	ناموافق جگہوں میں کام کا طریقہ	۱۲۹	سفر جاپان، کیلی فورنیا، امریکہ
۱۹۶	جماعت میں نکلنے والوں کو نصائح و ہدایات	۱۳۱	فرانس، سعودی عرب
۲۱۲	واپسی والوں کو نصائح اور ہدایات	۱۳۵	۱۲۰۵ھ / ۱۹۸۵ء
۲۱۴	پرانے احباب کو مشورے اور ہدایات	۱۳۵	سفر انگلینڈ ۱۲۱۵ھ / ۱۹۹۴ء
۲۲۲	مرکز میں دو ماہی ترتیب اور اس کا آغاز	۱۳۵	پندرہواں باب
۲۲۵	سہ ماہی جوڑ اور اس کی غرض و افادیت	۱۳۵	دعوت کی بصیرت اور اس کا فہم و
۲۲۷	کارکنان ہند کے جوڑ اور ان کا آغاز	۱۳۵	ادراک
۲۲۹	مسجد و اجتماعت کے امور	۱۳۷	دعوت کی بصیرت اور اس کے فہم و
۲۳۲	مشورے کی اہمیت اور اس کے اصول و آداب	۱۳۷	ادراک میں حضرت جی ثالث کا مرتبہ و مقام
۲۳۸	تبلیغی مراکز میں دعوتی فکر پر زور	۱۵۰	فکر الیاسی، زبان یوسفی اور بصیرت انعامی
۲۵۶	علم اور علماء کی اہمیت اور ان کا مقام	۱۵۵	دعوت و تبلیغ کے چھ نمبر
۲۶۶	برادران وطن سے گفتگو اور اس کا کام	۱۶۲	دعوت اور داعی
۲۷۰	طرز و اسلوب	۱۷۰	اعمال کی اہمیت اور اس کی تاکید
۲۷۱	وزراء و حکام اور اہل سیاست کو دعوت	۱۷۳	آخرت کی کامیابی اعمال سے ہے
۲۹۸	مستورات میں کام کا طریقہ اور ترتیب	۱۷۵	ماحول کا سدھار اور دینی زندگی
۳۰۴	کام کرنے والوں کے لیے آزمائش ضروری ہے	۱۷۸	ذات اور شخصیت کے بجائے اصول اور کام پر زور
۳۰۹	اجتماعات اصل نہیں، کام اصل ہے	۱۸۰	دعوت کا استقبال اور اپنی ذات پر خوف
	مثبت پہلو پر زور اور منفی رجحان	۱۸۵	طریقہ اسلاف پر سختی اور ثبات قدمی

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۶۷	علاقت کا آغاز	۳۱۹	سے اجتناب
۳۶۸	ہسپتال روانگی		سولہواں باب
۳۶۸	آخری لمحات وفات		بیعت و طریقہ بیعت اور اہل ارادت
۳۶۹	نماز جنازہ و تدفین	۳۲۷	کی اصلاح و تربیت
۳۷۰	حلیہ اور سراپا		بیعت و طریقت سے متعلق بعض اہم
۳۷۱	عالم انسانیت کے حضرت جی	۳۳۲	ارشادات و فرمودات
۳۷۲	علماء و مشائخ اور اصحاب قلم کے	۳۳۷	بیعت کا طریقہ اور اس کے الفاظ
	تعزیت نامے	۳۴۰	خطبہ بیعت
۳۷۳	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	"	عہد و پیمان
"	مولانا عبدالرشید ارشد پاکستان	۳۴۱	تعلیمات
۳۷۴	مولانا محمد اکبر القاسمی میوات	۳۴۲	خط کے ذریعہ بیعت
"	مولانا احترام الحسن کاندھلوی	۳۴۳	معمولات کی پابندی اور اس کا اہتمام
۳۷۵	مولانا حبیب الرحمن عمری اعظمی	۳۵۳	اہل ارادت کے لیے معمولات اور وظائف
"	مولانا مفتی محمد نعیم صاحب پاکستان	۳۵۷	اصلاح و تربیت کے چند واقعات
۳۷۶	مولانا مرغوب احمد لاچوری		سترہواں باب
"	مولانا خواجہ خان محمد صاحب	۳۶۳	حیات مستعار کا آخری سفر
۳۷۷	حضرت سید نفیس شاہ الحسینی پاکستان		اور نسخہ وفات
"	مولانا سمیع احمد شمش	۳۶۴	اجتماع کیر وہ ضلع مظفرنگر
"	مولانا سید محمد رابع حسنی	۳۶۵	آخری اجتماع کا آخری بیان
۳۷۸	جناب اقرار احمد عباسی پاکستان	۳۶۶	کاندھلہ آمد
"	مولانا مفتی خالد محمود پاکستان	"	دہلی روانگی

صفحہ	عنوانات	صفحات	عنوانات
۳۹۰	ماہنامہ البدر کا کوری	۳۷۹	مولانا محمد فاروق قریشی پاکستان
۳۹۱	الفسر قان لکھنؤ	"	مولانا محمد اسلم شیخوپوری
"	ندائے شاہی مراد آباد	۳۸۰	مولانا عبدالعظیم ندوی
"	نرجمان الاسلام بنارس	۳۸۰	مولانا محمد ولی رحمانی
۳۹۲	ماہنامہ النیر پاکستان	۳۸۱	مولانا مفتی محمد جمیل خاں
۳۹۳	ہفت روزہ نئی دنیا دہلی	۳۸۲	مولانا محمد انوار عالم
"	ماہنامہ الرشاد، اعظم گڑھ		دینی جرائد ماہنامے اور اخبارات
۳۹۴	ماہنامہ رضوان لکھنؤ	۳۸۳	کی طرف سے اظہار عقیدت و تعزیت
"	وقف گزٹ پنجاب	"	ماہنامہ الحق، اکوڑہ خٹک پاکستان
	بیرونی ممالک کے اصحاب دعوت	۳۸۴	ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ پاکستان
۳۹۶	اور اہل شوریٰ کے تعزیتی خطوط اور فیکس	۳۸۵	ماہنامہ دارالسلام، مالیر کوئٹہ پنجاب
"	جناب احفاظ احمد امریکہ	۳۸۶	ماہنامہ الاشرف، پشاور پاکستان
"	فیکس منجانب محمد یونس و عبدالسلام دہلوی	"	ماہنامہ الحمد، کراچی
۳۹۶	محمد عبدالصمد اور دیگر احباب جدہ	۳۸۷	روزنامہ ندیم بھوپال
۳۹۷	فیکس اہل شوریٰ موریشس	۳۸۷	ماہنامہ اشرف العلوم، حیدر آباد
"	فیکس مسٹر عبدالرؤف فیجی	۳۸۷	روزنامہ قومی آواز، دہلی
۳۹۸	فیکس مولانا عثمان بھاگل و دیگر	۳۸۸	ماہنامہ بانگ درا لکھنؤ
"	احباب مدینہ منورہ	"	ماہنامہ معارف اعظم گڑھ
"	فیکس مولانا عبدالمنان و دیگر مدینہ منورہ	"	روزنامہ جنگ کراچی ۱۲ جون
۳۹۹	فیکس احباب مسجد صبحان کویت	۳۸۹	روزنامہ جنگ لاہور
			ماہنامہ الداعی دیوبند

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۴۵۲	اسلامیان ہند کے مصائب پر فکر و کڑواہن	۳۹۹	عکس مکتوب فضیلۃ الشیخ عبدالفتاح ابو غدہ
۴۵۷	محبوبیت و مقبولیت اور رعب و ہدایت	۴۰۰	فیکس احباب تیونس
۴۶۳	حسن معاشرت اور ادائیگی حقوق	۴۰۱	فیکس احباب تھائی لینڈ
۴۶۶	زاہدانہ مزاج اور سادہ زندگی	۴۰۲	فیکس احباب جدہ سعودی عرب
۴۷۸	شفقت و محبت اور دلداری و خوش مزاجی	۴۰۳	فیکس شیخ معمر اللیثی آسٹریلیا
۴۹۰	شادی اور غمی پر معمول	۴۰۴	فیکس مکتوب شیخ محمد رشید فارسی سعودی عرب
۴۹۲	استغنیٰ اور شانِ بے نیازی	۴۰۵	فیکس عبدالقادر حسن کابل افغانستان
۴۹۸	مشورے کا اہتمام اور اس کی پابندی	۴۰۶	فیکس از جنوبی افریقہ
۴۹۹	ایمانی بصیرت اور مؤمنانہ فراست	۴۰۷	فیکس احباب الجزائر
۵۰۸	معمولات	انہار وادی باب کمالات و خصوصیات اخلاق و صفات معمولات و عادات	
۵۰۹	سفر کے معمولات		
۵۱۰	مرکز نظام الدین سے روانہ ہوتے وقت	۴۰۸	اللہ جل شانہ کی ذات پر اعتماد و یقین
۵۱۲	نماز	۴۱۰	شدائد پر صبر و تحمل
۵۱۳	مشورہ	۴۱۵	نقل روایات میں احتیاط
۵۱۴	رفقاء کی رعایت	۴۱۷	ذہانت و کاوت اور حاضر جوابی
۵۱۵	معائنہ جلسہ گاہ	۴۲۸	تواضع و خود انکاری اور عبدیت و فتائیت
۵۱۶	کھانا	۴۳۸	نمائش اور خود نمائی سے احتراز
۵۱۷	سامان سفر	۴۴۱	کمال تقویٰ اور کمال احتیاط
۵۱۸	نماز فجر	۴۴۲	سنت کا اہتمام اور حب نبی علیہ السلام
۵۱۹	نماز ظہر		
۵۲۰	نماز عصر		

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۵۱۳	آخری دور کے معمولات	۵۱۶	نماز مغرب
۵۲۵	لباس اور یوم جمعہ کے معمولات	۵۱۷	نماز عشاء
۵۲۶	رمضان المبارک کے معمولات	"	سونے سے قبل
۵۳۰	مختلف عادات اور معمولات و اہتمام	"	ڈاک و مطالعہ
	انیسواں باب	۵۱۸	سفر سے واپسی
۵۳۳	دعا کی اہمیت اس کا مقام اور آخری اجتماع کی آخری دعا	"	مرکز کے قیام میں آپ کے معمولات
۵۳۴	دعا کی حقیقت و اہمیت	"	نماز تہجد
۵۲۵	قبولیت دعا	۵۱۹	نماز فجر
"	قبولیت دعا کی تین صورتیں	"	ناشتہ
۵۳۶	دعا کے اصول و آداب	۵۲۰	روانگی اور رخصتی و مصافحہ
	دعا کی طاقت و قوت پیدا ہونے پر	"	کھانا اور قیلولہ
۵۳۷	ایک اہم مکتوب	۵۲۱	نماز ظہر
	اجتماعی دعاؤں کے ساتھ انفرادی	"	نماز عجم
۵۳۸	دعا پر زور	"	نماز مغرب
۵۳۹	آخری اجتماع کی آخری دعا	۵۲۲	نماز عشاء

بہودھواں باب

مالک غیر میں تبلیغی نفل و حرکت اجتماعات اور آپ کے دعوتی اسفار

کوئی بزم ہو، کوئی انجمن، یہ شعار اپنا قدیم ہے
جہاں روشنی کی کمی ملی، وہیں اک چرخ جلا دیا

ممالک غیر میں تبلیغی نقل و حرکت اجتماعاً، اور آپ کے دعوتی اسفار

انسانیت کی صلاح و فلاح اور مخلوق کا صحیح اور مضبوط تعلق اپنے خالق و مالک سے جو جائے۔ اس عظیم اور بلند و بالا مقصد کو لے کر حضرت مولانا نے عرب و عجم، یورپ و امریکہ، ایشیا اور افریقہ کے متعدد سفر فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور آپ کے اخلاص سے بھرپور جذبہ دعوت کی لاج رکھتے ہوئے ان سفروں کے وسیع و عمیق نتائج و ثمرات بھی حیرت انگیز طور پر ظاہر فرمائے۔ چنانچہ افرادی طاقت بڑھنے کے ساتھ ساتھ میدان محنت وسیع تر ہو کر نکلنے والوں کی تعداد میں حیرت انگیز طریقہ پر اضافہ ہوا، اور عرب و عجم میں ہونے والے اجتماعات میں ممالک غیر سے شرکت کرنے والے وفود کی تعداد بھی بڑھتی چلی گئی۔

حضرت مولانا نے جن ممالک میں پہنچ کر وہاں توحید و سنت کی شمع روشن کی، اور بھولی بھٹکی انسانیت کو داریں کی صلاح و فلاح کا درس دیتے ہوئے دائمی راحت و کامیابی کی طرف بلایا۔ ان ممالک کے نام اور ان کے سنین سفر (بترتیب حروف تہجی) یہاں پیش کئے جاتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ حضرت مولانا تیس (۳۳) بیرونی ممالک میں ایک سو بیالیس (۱۳۴) مرتبہ تشریف لے گئے۔

مقامات سفر

سنین سفر

تعداد سفر

اردن

۱

۱۲۹۳ھ
۱۹۷۲ء۱۳۹۸ھ
۱۹۷۸ء۱۴۰۲ھ
۱۹۸۲ء

تیس مرتبہ

تعداد اسف	سنین سف	مقامات سف
چھ مرتبہ	۱۳۹۲ھ ۱۹۴۲ء ۱۳۹۸ھ ۱۹۴۸ء ۱۴۰۰ھ ۱۹۸۰ء ۱۴۰۲ھ ۱۹۸۲ء ۱۴۰۵ھ ۱۹۸۵ء ۱۴۱۳ھ ۱۹۹۳ء	۲ انگلینڈ
ایک مرتبہ	۱۳۹۲ھ ۱۹۴۲ء	۳ اسپین
دو مرتبہ	۱۴۰۱ھ ۱۹۸۱ء ۱۳۹۳ھ ۱۹۴۳ء	۴ امارات عربیہ متحدہ
دو مرتبہ	۱۴۰۵ھ ۱۹۸۵ء ۱۴۰۰ھ ۱۹۸۰ء	۵ امریکہ
ایک مرتبہ	۱۳۹۲ھ ۱۹۴۲ء	۶ برما
ایک مرتبہ	۱۴۰۲ھ ۱۹۸۲ء	۷ بلجیم
چوبیس مرتبہ		۸ بنگلہ دیش
سیتالیس مرتبہ		۹ پاکستان
تین مرتبہ	۱۳۹۲ھ ۱۹۴۲ء ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳ء ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۲ء	۱۰ تھائی لینڈ
ایک مرتبہ	۱۳۹۲ھ ۱۹۴۲ء	۱۱ ترکی
ایک مرتبہ	۱۳۹۵ھ ۱۹۴۵ء	۱۲ تھرانہ
ایک مرتبہ	۱۴۰۵ھ ۱۹۸۵ء	۱۳ جاپان
ایک مرتبہ	۱۳۹۵ھ ۱۹۴۵ء	۱۴ رھوڈیشیا
ایک مرتبہ	۱۳۹۹ھ ۱۹۴۹ء	۱۵ ری یونین
دو مرتبہ	۱۳۹۹ھ ۱۹۴۹ء ۱۳۹۵ھ ۱۹۴۵ء	۱۶ زامبیا
تیس مرتبہ		۱۷ سعودی عرب
پانچ مرتبہ	۱۳۸۴ھ ۱۹۴۴ء ۱۳۹۳ھ ۱۹۴۳ء ۱۳۹۶ھ ۱۹۴۶ء ۱۳۹۹ھ ۱۹۴۹ء ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳ء	۱۸ سری لنکا
تین مرتبہ	۱۳۹۲ھ ۱۹۴۲ء ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳ء ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۲ء	۱۹ سنگاپور
ایک مرتبہ	۱۳۹۹ھ ۱۹۴۹ء	۲۰ سوڈان
ایک مرتبہ	۱۳۹۲ھ ۱۹۴۲ء	۲۱ شام
ایک مرتبہ	۱۳۹۲ھ ۱۹۴۲ء	۲۲ عراق
چار مرتبہ	۱۳۹۲ھ ۱۹۴۲ء ۱۳۹۸ھ ۱۹۴۸ء ۱۴۰۲ھ ۱۹۸۲ء ۱۴۰۵ھ ۱۹۸۵ء	۲۳ فرانس

ایک مرتبہ	۱۳۹۲ھ ۱۹۷۲ء	کویت	۲۳
ایک مرتبہ	۱۳۹۵ھ ۱۹۷۵ء	کینیا	۲۵
ایک مرتبہ	۱۳۹۰ھ ۱۹۷۰ء	کناڑا	۲۶
ایک مرتبہ	۱۳۹۲ھ ۱۹۷۲ء	لبنان	۲۷
ایک مرتبہ	۱۳۹۵ھ ۱۹۷۵ء	لبنیا	۲۸
دو مرتبہ	۱۳۹۲ھ ۱۹۷۲ء	میشیا	۲۹
ایک مرتبہ	۱۳۹۲ھ ۱۹۷۲ء	مراکش	۳۰
ایک مرتبہ	۱۳۹۵ھ ۱۹۷۵ء	موزمبیق	۳۱
دو مرتبہ	۱۳۹۹ھ ۱۹۷۹ء	ملاوی	۳۲
ایک مرتبہ	۱۳۹۹ھ ۱۹۷۹ء	ماریشش	۳۳

اس طویل فہرست میں حرمین شریفین (سعودی عرب) پاکستان اور بنگلہ دیش کے اسفار کی تفصیلات قارئین گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں، البقیہ دعوتی اسفار کی عہد ساز اور دل نواز تاریخ یہاں پیش کی جاتی ہے۔

سفر سری لنکا

(۱)

۱۳۸۷ھ — ۱۹۶۷ء

سری لنکا میں دعوتی و تبلیغی کام کے آغاز کے متعلق مولانا مفتی محمد رضوان صاحب — (سری لنکا) لکھتے ہیں کہ :

”سری لنکا میں سب سے پہلے دعوتی و تبلیغی کام مولانا عبدالملک مراد آبادی کے ذریعہ پہنچا۔ موصوف ۱۳۵۲ھ میں ہمارے یہاں تشریف لائے اور کولمبو کی ایک مسجد میں قیام کر کے کام کی شرعات کی، ۱۳۵۲ھ میں مولانا محمد یوسف صاحب نے مولانا محمد داؤد صاحب کو بھیجا۔ موصوف اس زمانے میں بمبئی میں

حجاج میں کام کر رہے تھے وہیں سے ڈنڈا گیل ہوتے ہوئے بحری جہاز سے سری لنکا پہنچے، اور کو لمبو پہنچ کر ایک مسجد میں مقیم ہو گئے۔ اس مسجد میں پہلی مرتبہ مولوی داؤد صاحب نے نماز کے بعد اعلان کیا کہ ہے کوئی ایسا شخص جو میری بات کا ترجمہ کرے اس پر ایک صاحب مترجم بن کر سامنے آئے۔ ۱۹۵۲ء میں پاکستان سے بھی ایک جماعت سری لنکا پہنچی تھی۔ مرکز نظام الدین سے مولانا رحمت اللہ صاحب کی بھی متعدد مرتبہ سری لنکا آمد ہوئی۔

یہاں پر تقریباً ایک سو سالہ ایک قدیم ادارہ ”الہیچۃ الاسلامیہ“ کے نام سے ہے جس میں علماء کثیر تعداد میں ہیں ان حضرات نے شروع سے ہی تبلیغ کی سرپرستی اور جماعتوں کی رہنمائی کی۔ ۱۹۶۲ء کے اوائل میں حاجی حنیف مرحوم حاجی اویس مرحوم، حاجی انور، حاجی فواد وغیرہ کی ملاقات مولانا یوسف صاحب سے ہوئی اور اس موقع پر حاجی حنیف صاحب کو مقامی کام کا ذمہ دار بنایا گیا۔

۱۹۸۱ء میں حاجی حنیف صاحب کے انتقال کے بعد مولانا محمد انعام احسن صاحب نے پورے سری لنکا میں کام کرنے کے لیے ایک مجلس شوریٰ بنائی جس کے ارکان تھے، حاجی فاروق امریکن، جناب نجم الدین صاحب، حاجی محمود بے، حاجی اویس، حاجی انصار، حاجی انور، حاجی جابر، حاجی عمر، جناب شاہ الحمید، جناب محی الدین اور خواجہ صاحب یہ سب حضرات شوریٰ کے ارکان نام زد ہوئے، اب ان میں سے جناب شاہ الحمید، جناب محی الدین خواجہ صاحب اور حاجی اویس کا انتقال ہو چکا بقیہ حضرات موجود ہیں۔

سری لنکا میں جب یہ دعوتی عمل ترقی پا گیا اور عمومی طور پر وہاں والوں کا رجحان اس عمل خیر کی طرف ہو گیا تو حضرت مولانا انعام احسن صاحب کو دعوت سفر دی گئی اور آپ نے وہاں کا سفر فرمایا۔

۱۔ تحریر مفتی صاحب موصوف بنام راقم سطور۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے وصال کے بعد دیار غیر کا یہ سب سے پہلا سفر ہے جو حضرت مولانا نے اپنی امارت کے ابتدائی زمانہ میں فرمایا۔ نظام سفر کی تعیین اور مشورہ کے لیے جب سری لنکا کے خواص کی ایک جماعت حضرت مولانا کی خدمت میں دہلی پہنچی تو آپ نے ان سے اس سفر کے اصول و ضوابط اور شرائط فرماتے ہوئے جو گفتگو فرمائی، اس سے حضرت مولانا کے دعوتی احساسات و خیالات اور مزاج و طبیعت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک مجلس میں جو اسی مقصد کے لیے منعقد کی گئی تھی، ان حضرات کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"دنیا کے اذہان نمائش کو کامیابی جانتے ہیں ہم اسے ناکامی جانتے ہیں اصل یہ ہے کہ کام سامنے آئے ہمارے آنے کو کوئی امتیازی شان نہ دیکھائے عام سیدھے سادھے طریقوں سے ہمیں رکھا جائے اگر تم ہمیں اجازت دو کہ ہم اپنا چکا کر کھائیں۔ تو یہ تمہارے اجتماع کی خاص ہنج ہوگی۔ جماعتیں جماعتوں کو دعوت دیں اجتماع کی دعوت نہ دیں دن کو چل پھر کر ساری طاقت لگاؤ تاکہ لوگ تیار ہوں، رات کو رو کر اللہ سے مانگیں، خرچ کے لیے چندہ کا نام نہ ہو بلا خرچ کے کرو یا کم خرچ کرو، عمومی کھانا نہ کرنا کھانے پینے کی ذمہ داری لینے سے تو اصل کام سے توجہ ہٹ جاتی ہے صورت ایسی کر دو کہ آنے والے مہمانوں کو تکلیف نہ ہو اور تم اس میں مشغول نہ ہو، ضرورت کی چیزوں کی رکائیں جلسے سے دور لگاؤ تاکہ جلسہ بازار نہ بنے جلسے کے آس پاس دکان و بازار نہ ہو، ورنہ سید کی شکل بن جائے گی، رکائیں دور ہوں تاکہ جلسہ والے فارغ رہیں اور دعا مانگنے کے لیے بیت اللہ پر ایک جماعت بھیج دو"۔

اس سفر کے لیے مرکز سے حضرت مولانا کی روانگی چودہ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ (۲۱ اگست ۱۹۶۷ء) میں مدراس کے لیے ہوئی۔ روانگی سے قبل آپ نے مرکز کے مقیمین اور سائنڈہ کو جمع فرما کر بڑی کارآمد اور مفید نصیحتیں فرمائیں اور اس پر متوجہ فرمایا کہ دعوت کی یہ محنت اللہ جل شانہ

کا بہت بڑا انعام اور فضل ہے اگر اس کی ناقدری کی گئی تو سخت محرومی کا اندیشہ ہے۔
عین روانگی کے وقت ادویہ صالحہ کے لیے جو مکتوب آپ نے حضرت شیخ رح کو تحریر فرمایا
اس کی چند سطور یہ ہیں:

”اس وقت پونے چھ بجے ہیں ۶ بجے سے پہلے نماز پڑھ کر روانہ ہونا ہے۔
دعاؤں کی خصوصی درخواست ہے۔ اللہ جل شانہ اس سفر کو ہمارے لیے اور
عام تبلیغ والوں کے لیے اور پوری امت کے لیے ذریعہ ترقی و دفع بلیات و
آفات ارضی و سماوی فرمائے“ لہ

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۴ء اگست جمعرات میں حضرت مولانا، نیز مولانا محمد ہارون صاحب
وغیرہ مدراس سے بذریعہ طیارہ کو لمبو پہنچے اور ۱۹ تا ۲۳ جمادی الاولیٰ (۲۶ تا ۳۰ اگست)
میں ہونے والے اجتماع میں شریک ہوئے۔

دہلی سے یہ حضرات شریک قافلہ تھے۔ مولانا محمد ہارون، مولانا محمد عمر، مولانا محمد عمران
خاں صاحب، نواب میاں بھوپال، الحاج نجم الدین، الحاج حافظ عبدالعزیز، الحاج محمد شفیع
دہلوی اس پانچ روزہ اجتماع میں حضرت مولانا کے مختلف مجالس میں آٹھ بیانات حسب
ترتیب ذیل ہوئے:

پہلا بیان جس سے اجتماع کا افتتاح ہوا۔ ۱۹ کی صبح میں بعد فجر ہوا، اس موقع پر
آپ نے آیت کریمہ قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ تلاوت فرما کر
انسان کا اشرف المخلوقات ہونا اور اس کا اعلیٰ منصب داعی ہونا اور ہجرت و لغت
پر اپنی جان و مال خرچ کرنے کو تفصیل کے ساتھ بتلایا۔

دوسرا بیان کام کرنے والے رفقاء اور پرائوں میں بیس جمادی الاولیٰ میں ہوا
اس بیان کا ایک اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے: فرمایا:

”پوری دنیا ہماری محنت کا میدان ہے ہمیں اپنی محنت کا میدان پوری

دنیا کو جانا ہے ۛ

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

پوری دنیا کو میدان عزت بان کر قدم اٹھانا ہے اور اپنی ذات اور اپنے علاقے سے لے کر پورے عالم کا فکر کرنا ہے۔ سچا اور سچا استی ہونا یہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) والی ذمہ داری کو اپنے ذمہ جان کر جان و مال کی قربانی کرنے والا بن جائے، تو قیامت میں تمہارے لئے گا، اپنے مقام اور گھر سے لے کر دنیا کے آخری چپے تک کی ذمہ داری اور دھنی ہے اگر ذمہ داری کے احساس میں اپنے مقام کو چھوڑ دیا یا صرف اپنے مقام ہی کو لے لیا اور عالمی فکر نہ کی تو اس کی یہ محنت ناقص ہے، جتنی قربانی کی صفت بڑھائے گا، اتنا ہی عالم میں خدائے پاک دین پھیلانے جائیں گے، جتنی ہماری قربانی بڑھے گی اتنی ہی ہمارے کام کرنیکی صفت اور سابقیت اور پرانا پس بڑھتا رہے گا، زمانے کے مقدم اور مؤخر ہونے کی اللہ کے یہاں پوچھ نہیں ہے بلکہ صفات اور قربانی کی پوچھ ہے جس میں یہ صفت بڑھے گی وہ بڑھ جائے گا چاہے بعد میں آنے والا ہو۔ آپ نے اس امت کے بارے میں نحن الآخرون السابقون فرمایا ہے یعنی زمانہ کے اعتبار سے بعد میں آنے والے ہیں لیکن صفات کے اعتبار سے آخرت میں سب سے آگے ہوں گے، ایسے ہی امت کے افراد ہیں خواہ وہ بعد میں لگیں لیکن صفات و قربانی میں اگر آگے بڑھ جاتے ہیں تو یہ خدا کے یہاں مقدم ہوں گے لیکن اگر پہلے والوں میں قربانی و صفات بڑھتی چلی جائیں تو کوئی ان کی گرد کو نہیں پہنچ سکتا والسابقون السابقون اولئک المقربون صرف زمانے کی بھقت اور پہلے لگنا یہ معیار قرب نہیں بلکہ صفات و قربانی میں بڑھنا یہ معیار قرب و ترقی ہے خدا کے یہاں اوصاف و صفات کی پوچھ ہے بعد والے قربانی میں اگر پہلے والوں سے آگے جائیں تو وہی مقرب ہیں۔ (ماخوذ از بیاض مولانا محمد عمر صاحب)

تیسرا بیان اکیس جمادی الاولیٰ میں بعد نماز عشاء مجلس نکاح میں ہوا جس میں حضرت مولانا نے سادہ نکاحوں پر ترغیب دی اور اس موقع پر ہونے والی رسوم کو جاہلیت سے تعبیر کیا۔

چوتھا بیان جماعتوں کی روانگی کے وقت دعا سے قبل فرمایا اس موقع پر آپ نے آیت شریفہ *انک لا تہدی من احببت ولكن الله یهدی من یشاء تلاوت* فرما کر ہدایت کا اللہ جل شانہ کی طرف سے ملنا اور ذریعہ وہی ہانہ کے طور پر محنت و قربانی پر اس کا موقوف ہونا اور تمام صفتوں میں عبدیت کا مقام سب سے اونچا ہونا بیان فرمایا۔

پانچواں بیان تعلیم کے موقع پر ہوا اس میں آپ نے آیت شریفہ *ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر تلاوت* فرما کر تعلیم کے اصول و آداب بتلائے اور فرمایا کہ اس آیت شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ

”پوری امت کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ وہ اتنے آدمی تیار کرے۔ جو پوری امت کو دعوت دینے کے لیے کافی ہو جائیں“

اسی ضمن میں یہ بھی فرمایا کہ

”فرض کفایہ فرض عین سے بھی زیادہ قابل فکر ہے کیوں کہ جو شخص فرض عین ادا نہ کرے گا تو وہی اس کا گنہگار ہوگا لیکن فرض کفایہ کے ادا نہ ہونے سے سب گنہگار ہوں گے“

چھٹا بیان سری لنکا کے مشورہ والے احباب میں امیر کی عدم اطاعت خود رانی و خود نمائی، اپنی رائے پر ضد و اصرار اور تکبر و بڑائی جیسی مہلک چیزوں سے بچنے پر فرمایا۔ ساتواں بیان ظاہرہ کالج کے پرنسپل، پروفیسر صاحبان اور کالج کے دیگر عملہ و اسٹاف کے درمیان ہوا۔ پرنسپل صاحب نے اس اجتماع کے لیے کالج کی پوری عمارت منتظمین کے حوالہ کر دی تھی۔ حضرت مولانا نے اس کا شکریہ ادا کیا اور پھر اپنی دعوت اس طرح پیش کی

”یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس نے آپ کو توفیق دی کہ آپ نے اجتماع کے لیے کالج میں تعطیل کر دی اس پر اللہ پاک آپ کو بہت اجر دیں گے۔ لیکن انسان سے خدائے پاک جو کچھ چاہتے ہیں وہ اس کے علاوہ ہے۔ کالج میں اللہ کے مہمانوں کا اکٹھا ہونا اور کالج کا اس محنت میں استعمال ہونا بہت اچھی بات ہے لیکن کالج والے خود اس کام میں استعمال ہو جائیں یہ اصل چیز ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ اس کالج میں ہونا بہت بڑی چیز ہے لیکن صرف تذکرہ کر دینے میں اور اس کی حقیقت اپنے اندر اتار لینے میں بہت بڑا فرق ہے تذکرہ کرنے میں صرف ثواب ملے گا لیکن خدائے پاک کے یہاں سے انسان کی کامیابی کے جو وعدے ہیں وہ حقیقت پر ہیں اتنی حقیقت اپنے اندر آجائے گی اتنی ہی کامیابی ملتی چلی جائے گی اور اس راستہ میں خدا کا بہت بڑا کرم یہ ہے کہ جو شخص بھی حقیقی محنت کرنے والوں کے ساتھ شامل ہونے کے لیے محنت کرتا ہے تو چاہے وہ محنت کے اس بلند معیار تک نہ پہنچ سکے لیکن اللہ جل شانہ اپنے فضل و کرم سے ایسے لوگوں کو حقیقت والوں میں شامل کر دیتا ہے۔

میرے عزیز دوستو! ہر چیز کے تین اجزاء ہوتے ہیں ایک لفظ دوسرے صورت اور تیسرے حقیقت۔ الفاظ تک پہنچنا بہت آسان ہے اور الفاظ کے بعد صورت کا درجہ ہے لیکن ان دونوں سے منافع اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک کہ اس چیز کی حقیقت حاصل نہ ہو جائے مثال کے طور پر عرصن کرتا ہوں جیسے کالج ایک لفظ ہے اور اس کی عمارت یہ اس کی صورت ہے لیکن تیسری چیز جو کالج کی حقیقت ہے وہ اس کی تعلیم اور پڑھنا پڑھانا ہے۔

ایسے ہی دین کے اندر الفاظ بھی ہیں اس کی صورت بھی ہے اور اس کے اندر حقیقت بھی ہے۔ اب محنت کر کے اس بات کی کوشش کرنا ہے کہ ہم اپنے

اندر اور دنیا بھر کے انسانوں کے اندر دین کی لائن کے اعتبار سے حقیقت آجائے
فکر کرتے رہیں کوشش کرتے رہیں اور ڈرتے رہیں کہ کہیں سیدھے راستے سے
بھٹک نہ جائیں۔ (ماخوذ از بیاض مولانا محمد شمیم صاحب اعظمی)

آٹھواں بیان جمعۃ العلماء برما سے تعلق رکھنے والے اہل علم کے درمیان فرمایا ان
حضرات سے ہونی والی گفتگو کا موضوع یہ تھا کہ دین میں اصل اعتبار عمل کی حقیقت
اور روح کا ہے اور یہ کہ دین پر عمل کرتے ہوئے جس قدر ناگواریاں سامنے آئیں
ان کو برداشت کرنا نصرت الہیہ کے دروازوں کو مفتوح کرنے کا بڑا اہم ذریعہ ہے۔
اجتماع سے فارغ ہو کر سری لنکا کے مختلف مقامات کینڈی، پیٹی، کولا، کلونہ، سماندے
بڈلہ وغیرہ تشریف لے گئے۔ ہر جگہ اجتماعات ہو کر جماعتیں نکلیں۔ ۳۰ جمادی الاولیٰ (۶ ستمبر) میں
جنوبی ہندوستان کا رخ فرماتے ہوئے ترچیا پللی آمد ہوئی پھر سلیم اور وانباری ہو کر گیارہ ستمبر
میں بھڑو عافیت دہلی تشریف لائے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے روزنامہ میں اس سفر کا اندراج ان الفاظ کیساتھ کیا گیا ہے۔

”مولوی انعام صاحب وغیرہ ہارون مولوی عمر بڑی جماعت کے ساتھ۔“

۲۲ اگست کی شرب میں، بجے دہلی سے روانہ ہوئے اور بدھ کی دوپہر کو
ان بچے مدراس پہنچے، رو شب کا قیام طے تھا لیکن معلوم ہوا کہ جمعہ کو ہوائی جہاز
عین جمعہ کے وقت پہنچتا ہے جس میں جانا ابتدائی سفر کی وجہ سے مناسب
نہ سمجھا، اس بنا پر مولوی انعام، ہارون وغیرہ جمعرات کو کولمبو روانہ ہو گئے
اور بقیہ رفقاء مولوی محمد عمر، مولوی عمران وغیرہ نیز عبدالوہاب ابو طلحہ قاضی جی۔
وغیرہ جو بدھ کو مدراس پہنچ گئے تھے حسب تجویز سابق جمعہ کو کولمبو پہنچے حاجی
نجم الہدیٰ، حاج ابو الحسن مکیان بھی ۲۵ اگست کو کولمبو سیدھے پہنچ گئے۔

اس درمیان میں سیلون کے مختلف مقامات پر گشت کے بعد ۷ ستمبر کو دوبارہ
کولمبو سے ترچی روانگی ہوئی۔ اور سلیم وانباری مدراس جوتے ہوئے گیارہ ستمبر کو دہلی پہنچے۔

حضرت مولانا نے مرکز دہلی پہنچ کر اپنی بخیر سی کا جو مکتوب حضرت شیخ کو سہارنپور تحریر فرمایا اس میں اس

سفر سے متعلق چند سطور یہ ملتی ہیں !
 الحمد للہ اجتماع سیلون بہت اچھا رہا۔ مسلمانوں پر تو اثر تھا ہی لیکن وہاں کے بدھوں
 پر بھی بہت اچھا اثر رہا۔ اسلام کی حقانیت کے قائل ہوئے جس کا لہجہ میں اجتماع ہوا، اس میں ایک
 کرپچین ماسٹر تھا وہ اسلام لایا۔ یہ پندرہ برس سے اپنے مذہب کی نور سے تبلیغ کرتا تھا۔

سفر تھائی لینڈ، ملیشیا، سنگاپور، برما

۱۹۷۲ء

۱۳۹۲ھ

(۲)

نظام الدین دہلی سے اس طویل سفر کا آغاز یکم محرم الحرام ۱۳۹۲ھ (۷ فروری ۱۹۷۲ء) جمعرات
 میں ہوا۔ حضرت مولانا مع اپنے رفقاء مولانا محمد ہارون، مولانا محمد عمر جناب منشی بشیر احمد، شیخ محمد
 سورتی وغیرہ جمبوئیٹ طیارے سے چل کر بینکاک (تھائی لینڈ) پہنچے۔ یہاں قافلہ کا قیام
 مسجد دارالامان میں ہوا۔ اور یہیں سے بڑی بڑی مساجد مسجد انصار السنۃ، مسجد العتیق
 مسجد ہارون میں جماعتیں پھیلا دی گئیں جنہوں نے اپنے حلقوں اور ماحول میں خوب جم کر
 دینی محنت کی یہاں کے پانچ روزہ قیام میں ہونے والی محنت و جدوجہد کا کچھ اندازہ مولانا
 محمد عمر صاحب کے مکتوب کے اقتباس سے ہوگا۔ لکھتے ہیں :

” ۷ سے ۲۱ فروری تک بینکوک میں قیام رہا، مختلف مساجد میں
 کا گیا۔ قیام مسجد دارالامان میں تھا۔ مسجد ہارون، مسجد انصار السنۃ، مسجد العتیق
 مسجد جامع الاسلام وغیرہ میں کام ہوا، اتوار کو شیخ الاسلام کی مسجد میں جس
 میں سینکڑوں ان کے معتقدین تھے آدھ گھنٹے بات ہوئی۔ محمد صاحب سورتی
 ہمارے ترجمان اردو سے تھائی میں رہے، عربی سے تھائی میں۔ شیخ
 عبدالرحمان ترجمان رہے۔ حضرت جی دامت برکاتہم کے بھی ارشادات مختلف
 مجلسوں میں ہوئے۔“

۱۷ مکتوب محررہ، ۷ محرم ۱۳۹۲ھ

۱۲ فروری میں بینکاک سے بذریعہ ریل روانہ ہو کر تھائی لینڈ کو پار کرتے ہوئے ۲۲ کو ملیشیا میں داخل ہوئے۔ بڑو رتھ اسٹیشن پر احباب کا بڑا مجمع استقبال کے لیے موجود تھا یہاں سے مختلف کاروں کے ذریعہ پینانگ (ملیشیا) پہنچے۔ تمام احباب سارے راستے تعلیم ذکر تلاوت اور دینی مذاکروں میں مشغول رہے، مختلف حلقوں میں علاقائی زبانوں میں بیانات ہوئے۔ حضرت مولانا نے اس موقع پر مقصد زندگی اور ضرورت زندگی کو خوب وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا اور اسی ضمن میں حضرت ربیعہ لائے کا مشہور واقعہ سنایا، مجمع نے بڑے تاثر کے ساتھ بات سنی اور خوب تشکیل میں حصہ لیا۔ یہاں کے قیام میں ایک دن پرائوں کا بھی جوڑ رکھا گیا، اس میں بھی حضرت مولانا نے پرائوں کی صفات اور اس کی شناخت کو تفصیل سے بیان فرمایا۔

مولانا محمد عمر صاحب اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں :

”بینکاک سے ۵ جماعتیں روانہ ہوئیں۔ بینکاک میں ترجمہ ٹیل زبان میں ہوا، لیکن ملائی زبان والے الگ بیٹھ جاتے۔ ان میں الگ ترجمہ ہوتا تھا۔ سنگاپور میں پہلے دن مرکزی مسجد میں بیان ہوا۔ ملائی زبان میں ترجمہ ہوا تشکیلیں ہوئیں، جمعہ کی نماز میں مختلف مساجد میں احباب گئے، حضرت جی نے مسجد سلطان میں جمعہ پڑھا، پھر سینچر اتوار کو کپونگ سو سو کی مسجد میں اجتماع ہوا، احباب اچھے خاصے جمع ہوئے، سینچر کو تعلیم کے کئی حلقے ہوئے، عصر کے بعد جماعتیں بن کر گشت میں گئیں، مغرب کے بعد عام مجمع میں بیان ہوا، کلا اردو ملائی اور ٹیل زبان میں ترجمہ ہوئے۔ اتوار کو فجر کی نماز کے بعد مولوی ہارون صاحب کا بیان ہوا، ملائی زبان میں ترجمہ ہوا۔ نام آئے، پھر تعلیم کے حلقے۔ دس بجے ہوئے، عصر کی نماز کے بعد پرائوں کے مجمع میں حضرت جی دامت برکاتہم کا بیان ہوا، مشورہ کی ایک جماعت بنی جو سنگاپور کے کام کو نظام الدین سے پوچھ کر چلائی گئی۔ مغرب بعد بیان ہوا، ملائی میں ترجمہ ہوا، اور ٹیل والے الگ بیٹھ گئے، پھر ان میں الگ ترجمہ ہوا۔ پھر حضرت جی دامت برکاتہم نے آکر

بیان فرما کر جماعتیں رخصت فرمائیں تقریباً ۵ آدمی نکلے، ان میں انڈونیشیا
تھائی لینڈ اور ہندوستان کے لیے جماعتیں بنی، باقی ملیشیا اور قرب و جوار کی نہیں
عرب حضرات بھی خوش ہیں ۱۱

حضرت مولانا کی معیت و امارت میں یہ پورا قافلہ چھ مارچ کو بینکاک (ملیشیا) سے بذریعہ ریل
روانہ ہو کر کولامپور ہوتے ہوئے سنگاپور پہنچا، یہاں آپ کا سب سے پہلا بیان بینکولین
اسٹریٹ کی مسجد میں ہوا۔ حضرت مولانا نے سنگاپور کے قیام میں جو تفصیلی مکتوب حضرت شیخ
کو ارسال فرمایا اس میں دعویٰ مشاغل و اجتماعات کی تفصیلات کے ساتھ ساتھ اس ملک
میں مادیت کی طرف دوڑ اور مغربیت کی زبوں حالی پر نوہ کرتے ہوئے ایمان و یقین والی۔
زندگی کی طرف پلٹ کھانے پر اپنے دلی کرب و بے چینی کا اظہار بھی فرمایا ہے۔
اس مکتوب کی نقل یہ ہے :

”محذوم مکرم معظم محترم بظلمکم العالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس سے قبل ایک عریفہ بینکاک سے لکھا تھا جو غالباً مل گیا ہوگا۔ بینکاک
سے ۲۱ مارچ ۱۹۶۲ء ۶ محرم الحرام ۱۳۹۲ھ دوشنبہ کی شام کو ۳ بج کر چالیس منٹ
پر روانہ ہوئے اگلے روز ۴ بجے ملیشیا میں پینانگ پہنچ گئے، پینانگ
شہر سمندر پار کر کے جانا پڑتا ہے۔ تین میل سمندر کا عرض ہے۔ اسٹیشن سے
موٹروں میں سوار ہو کر سمندر پہ پہنچے۔ موٹریں ہی اسٹیم میں سوار ہو گئی۔
اور پندرہ منٹ میں سمندر کو عبور کر لیا گیا۔ ویزے وغیرہ بہت سہولت
سے حدود پر مل گئے۔ ایک کارڈ دیا گیا تھا جس کو بھر کر دے دیا گیا اور کھڑے
کھڑے ویزا ہو گیا، خروج کے لیے ریل ہی میں پاسپورٹ لے کر خروج
کر دیا گیا۔ دوشنبہ پینانگ میں قیام رہا۔ پانچ جماعتیں تیار ہوئیں ایک تین

چلے کی، اور ایک ایک چلے کی اور بقیہ تین جماعتیں دس روز، بیس روز کی ہیں ایک جماعت خاص ملیشیا والے حضرات کی ہمارے ساتھ سنگاپور آئی ہے جماعت کی صبح ۹ بجے پینانگ سے روانہ ہوئے، شام کو پانچ بجے ملیشیا کے عاصمہ کولالمپور پہنچے۔ مغرب کے وقت ایک مسجد میں نماز پڑھی۔ مغرب عشاء کے درمیان بندہ کا کچھ بیان ہوا عشاء کے بعد اسٹیشن آگئے، دس بجے سنگاپور کے لیے گاڑی تھی صبح کو آٹھ بجے سنگاپور پہنچ گئے۔ ریل ہی میں ملیشیا سے خروج اور سنگاپور کا ویزا ہو گیا۔ یہاں سنگاپور میں جمعہ کی صبح کو پہنچ کر جمعہ کے وقت مختلف مساجد میں جماعتوں کو بھیجا گیا اور مغرب کے بعد ایک مسجد میں اجتماع ہوا مولوی محمد عمر اور بندہ نے بیان کیا۔ الحمد للہ تشکیلیں ہوئی اور ہو رہی ہیں۔ دو شرب یہاں پر اجتماع ہے، مغربیت و مادیت چھائی ہوئی ہے اور ہر شخص کی اس جانب دوڑ ہے حق کی طرف دعوت دینے اور آخرت کی طرف متوجہ کرنے کی شدید ضرورت ہے عوام کو صحیح بات اور صحیح راہ دکھانے کی بتانے کی فضا، اور ہوا ہے ہی نہیں، عوام بھولے بھالے روٹی اور کپڑے کی آوازیں دن رات سنتے ہیں، اسی کو زندگی کا مقصد بنانا اپنی معراج اور ترقی تصور کرتے ہیں۔ ایمان و اعمال کی آواز ہی کانوں میں پڑنی چھوٹی ہوئی۔ ہے اللہ جل شانہ ہم پر اور پوری امت پر رحم فرمائے۔ دیہات میں ابھی تک جانا نہیں ہوا خیال ہے کہ ایک دو جگہ دیہات میں جانا ہو جائے کہ وہاں کی فضا، اس مادیت کے سیلاب سے دور ہوگی۔ وہاں پر اس ذریعہ سے ماحول میں کام کی شکلیں اور آخرت کی آواز کان میں پڑ جائے، ایمان و اعمال صالحہ کی فضا قائم ہو جائے، اس کے لیے خصوصی دعاؤں کی التجا ہے۔ دعائیں ہی سہارا ہیں ان کے سزور آوازوں کے لیے اور ہم جلسے صنعفا کے لیے، شخصی محبت کا اظہار تو یہ لوگ بہت کرتے ہیں۔ اللہ جل شانہ اس کو آخرت کی فکر اور محنت پر پڑنے کا ذریعہ فرمائے۔

ساتھی الحمد للہ خیریت سے ہیں دعاؤں کی درخواست کرتے ہیں، گرمی
برسات والی ہر جگہ پر ہے رات کو بھی پنکھے چلا کر سوتے ہیں۔ اللہ جل شانہ
عافیت کے ساتھ سہولت کے ساتھ دینی فروغ کی صورتوں کے ساتھ اس سفر
کو پورا فرمائے اور ایمان کی ہوائیں چلنے کا ذریعہ فرمائے۔ سب حضرات کی
خدمات میں سلام مسنون گذارش دعا گھر والوں کی خدمات میں سلام مسنون۔
والسلام محمد انعام الحسن غفرلہ

۱۴ محرم (یکم مارچ ۱۳۹۲) میں آپ کی کولامپور آمد ہو کر انڈین مسجد میں قیام و بیان ہوا یہاں
سے پینانگ اور بنکاک ہوتے ہوئے ۲۲ محرم (۹ مارچ) جمعرات میں برما تشریف لائے۔
مولانا محمد عمر صاحب کا ایک گرامی نامہ جو سنگاپور سے برما تک کے سفری احوال پر کافی روشنی
ڈالتا ہے، یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں :

”سنگاپور میں پرائیوٹ کی مشورہ کی ایک جماعت بنائی ہے جو فکر سے
کام کرے گی، سنگاپور سے روانہ ہو کر دو جگہ ملیشیا میں ایک ایک دن کام کیا
دونوں جگہ سے نقد احباب ساتھ نکلے۔ اچھا خاصہ قافلہ ساتھ چل رہا ہے اپنے
ساتھی بھی وقت فوقتاً اس قافلے میں لگ کر محنت کرتے ہیں۔ حضرت جی
دامت برکاتہم نے بھی کئی جگہ قافلہ میں بات کی۔ رات کا بیان فرمایا۔ قافلے
سے مقامی کام کی بھی تفصیلی بات ہوئی تاکہ ہر جگہ مقامی کام ہو۔ ملیشیا کے
احباب بہت نرم دل ہوتے ہیں، روتے بہت جلدی ہیں، سیکھنے کا جذبہ
بھی بہت ہے بعض ترجمان بھی بہت اچھے ملے جو بات جم کر کرتے ہیں، ان
دو جگہوں کے نام جو ہر بار و، اور باتو بجات ہے۔ اس کے بعد پینانگ آنا ہوا
مختلف جگہوں پر اطراف میں کام ہوا، قافلہ تو انھیں مقامات پر منتقل ہوتا رہا
اور حضرت جی دامت برکاتہم مع اپنے ساتھیوں کے عصر سے عشاء تک ان

مساجد میں جاتے رہے۔ پینانگ سے باہر نکلنے کے لیے سمندر عبور کرنا پڑتا ہے۔ جہاز ہی میں موٹریں وغیرہ داخل ہو جاتی ہیں۔ دوسرے کنارے تک جہاز پہنچ جاتا ہے۔ پینانگ میں احباب کافی قریب ہوئے۔ انڈونیشیا کے لیے اور تھائی لینڈ کے لیے جماعتیں بنیں، ہندوستان کے لیے بھی سنگاپور، ملیشیا سے کافی نام آئے ایک جماعت ۱۶ مارچ کو ہندوستان کے لیے بحری جہاز میں بیٹھے گی۔ دوسری بڑی جماعت ۲۹ مارچ کے جہاز سے سوار ہو گئی۔ سنگاپور سے پینانگ آتے ہوئے دو دن کولالمپور بھی قیام رہا۔ یہ دارالحکومت ہے، دینی کام یہاں بہت کم ہے لیکن پھر بھی لوگ قریب ہوئے۔ خواص کا الگ اجتماع بھی ہوا تھا انھوں نے بھی وعدے کیے۔ اکثر جنوبی ہند کے ستجار ہیں۔ پینانگ سے مقامی ماحول کے لیے بھی جماعتیں بنیں۔ ہندوستان سے آئی ہوئی جماعتیں ہر جگہ ملی۔ اللہ آخرت کی فکر کو ہر جگہ جاری کرے۔ کلمہ نماز کی محنت قبول ہو پھر ۶ مارچ کو پینانگ سے بذریعہ ریل بنکاک کے لیے روانہ ہوئے اسٹیشن پر کافی احباب رخصت کرنے آئے آنکھوں میں آنسو تھے اور چہروں پر جدائی کے آثار تھے حضرت جی دامت برکاتہم سے کافی احباب قریب ہوئے۔ ریل ۳ گھنٹوں میں بینکوک پہنچی۔ راستوں میں نمازوں وغیرہ میں آسانی رہی بینکوک میں مقامی احباب اور محمد شفیع بتی والوں کی جماعت کے احباب اسٹیشن پر تھے۔ آسانی سے مسجد ہارون پہنچے اور ایک دن وہاں رہ کر برسا آمد ہو گئی ۱۱

برما میں حضرت مولانا کا قیام ۹ تا ۱۶ مارچ رہا۔ یہاں کے اس ہفت روزہ قیام میں مانڈلے، مولین (سورنی مسجد) اور متعدد دارالعلوم و جامعات (جیسے دارالعلوم تانبویہ — اور صادقہ و صوفیہ) میں تشریف لے گئے اور ہر جگہ عمومی و خصوصی اجتماعات ہوئے۔ رنگون کا

روزہ اجتماع اس موقع پر ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱ مارچ) میں منعقد ہوا جس میں حضرت مولانا اور ان کے رفقاء نے شرکت کی۔

مولانا مفتی محمود داؤد یوسف صاحب اپنے مکتوب بنام حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ میں سفر برما کی کارگزاری اس طرح تحریر فرماتے ہیں :

”مولانا انعام الحسن صاحب مع رفقاء مولوی محمد عمر صاحب، مولوی ابراہیم صاحب منشی جی وغیرہ ہمراہ ۱۳۵ اشخاص مقامی جن میں مولوی حافظ صالح صاحب مظاہری مولوی فضل الرحمان صاحب، مولوی عبدالوہاب صاحب، قاری یوسف صاحب اسعدی مدرسین دارالعلوم تانبے، مولوی محمود ماسا مظاہری اور یہ احقر مورخہ - ۱۷ مارچ کی صبح کو بذریعہ مخصوص طیارہ مانڈلے روانہ ہوئے۔ ۱۰ بجے پہونچے، مانڈلے میں ایک اجتماع کا انتظام تھا جمعہ کی نماز کے بعد سے کام شروع ہوا۔ ۳ بجے علماء کرام کا مخصوص اجتماع رہا۔ مولانا عمر صاحب نے خطاب کیا، عصر کے بعد خصوصی مجلس رہی۔ مولوی ابراہیم صاحب سورتی نے مستورات کے اجتماع کو خطاب کیا مغرب کے بعد مولانا انعام الحسن صاحب سے بیعت ہونے والے بیعت ہوئے عشاء کے بعد اجتماع میں مولانا موصوف نے خطاب کیا، سینئر کو بھی تقریباً اسی طرح کا پروگرام رہا۔ البتہ عصر کے بعد مولانا انعام صاحب نے بھی علماء کی مخصوص مجلس میں خطاب کیا، اتوار کی صبح کو دس بجے مانڈلے سے براہ راست مولین کوروانگی ہوئی، ۱۲ بجے مولین پہونچے ہر جگہ جم غفیر نے استقبال کیا مولین میں بھی اجتماع کا انتظام رہا۔ علماء، مستورات و حکام کی مخصوص مجالس میں خطابات ہوئے، ہر جگہ سے جماعتیں رنگون کے اجتماع کے لیے تیار ہوئیں۔ رنگون سے جماعتیں نکلیں گی۔ مولین میں تقریباً ۱۳ علماء نے سال سال بھر کا وعدہ کیا بعضوں نے چلہ میں جانا منظور کیا۔ مولین میں بھی کافی لوگ بیعت ہوئے۔ کل صبح ۸ بجے مولین کے مطار سے رنگون روانہ ہوئے اور وہاں سے سیدھے اجتماع گاہ کی طرف روانگی ہوئی۔ شہر رنگون سے اجتماع

کی جگہ تقریباً ۱۶ میل پر واقع ہے۔

حضرت مولانا مح اپنے رفقاء ۲۹ محرم ۱۶ مارچ جمعرات میں برما سے بذریعہ طیارہ کلکتہ پہنچ کر اگلے دن بذریعہ ریل سہارنپور کے لیے روانہ ہوئے۔ اور دو یوم حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں رہ کر ۵ صفر ۱۶ مارچ میں مرکز دہلی تشریف لے گئے۔
اس اختتام سفر کی یادداشت حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اپنے روزنامہ میں اس طرح درج فرماتے ہیں :

” آج ۲۹ محرم جمعرات کی دوپہر میں مولوی انعام احسن ۱۰ بجے کے قریب رنگون سے چل کر ڈیڑھ گھنٹے میں کلکتہ پہنچے اور کلکتہ سے جمعہ و شنبہ کی درمیانی شب میں دہرہ ایکسپریس سے چل کر اتوار کی صبح کو سہارنپور پہنچے۔
بابو ایاز مع مولوی اظہار وزیر شنبہ کی دوپہر کو گاڑی لے کر سہارنپور پہنچ گئے تھے، منگل کی صبح کو مولوی انعام صاحب کسی کی کار میں براہ میرٹھ۔ دلی تشریف لے گئے، اور ہارون بابو جی کی کار میں براہ کاندھلہ دہلی کے لیے روانہ ہوئے۔“

اس موقع پر حضرت شیخ کا وہ مکتوب گرامی بھی پیش کیا جاتا ہے جو آپ نے حضرت مولانا کو برما کے زمانہ قیام میں تحریر فرمایا تھا :

” مکرم محترم جناب الحاج مولانا انعام احسن صاحب مد فیوضکم !

بعد سلام مسنون

اس سے بہت مسرت ہوئی کہ ہر جگہ ویرانہایت سہولت سے ریل ہی میں بلتا چلا گیا، ایسا تو کبھی سننے میں نہیں آیا، اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے تم دوستوں کے اس سفر کو مثمر ثمرات و برکات بنائے۔ تم نے مغربیت کی جو شدت لکھی آج اس سے کون سی جگہ خالی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی رحم فرمائے۔ دعائیں تو تم دوستوں کی روانگی کے بعد سے بہت اہتمام سے کی جا رہی ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے نہایت سہولت و راحت کے ساتھ سفر کو پورا فرمائے۔ ستم خرات و برکات بنائے، زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنے دین کی مشغولی میں شامل فرمائے۔

مولوی یعقوب صاحب سہارنپور کے قریب ایک گاؤں کے اجتماع کے لیے منگل کو آئے تھے اور اجتماع کے ختم کے بعد دوسرے دن سہارنپور آ گئے تھے اگلے اجتماع میں عزیزان زبیر و شاہد بھی یہاں کے احباب کی درخواست پر گئے تھے۔ ظہر کے بعد روانہ ہوئے تھے اور دوسرے دن عصر کے بعد واپس آ گئے۔ فقط والسلام

محمد زکریا بقلم مظہر عالم مظفر پوری، ۱۷ محرم ۱۳۹۲ھ

سفر کویت، عراق، انگلینڈ، فرانس، اسپین، مراکش، ترکی

(۳) لبنان، شام، اردن، سعودی عرب ۱۳۹۲ھ — ۱۹۷۲ء

اس طویل دعوتی سفر پر حضرت مولانا ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ، ۶ جولائی ۱۹۷۲ء جمعرات میں مرکز نظام الدین سے روانہ ہوئے۔ قدیم معمول کے مطابق حضرت مولانا نے یہ سفر بھی حضرت شیخ زید سے ادعیہ صالحہ کی درخواست کرتے ہوئے شروع فرمایا۔ چنانچہ عین روانگی وقت پالم ایر پورٹ سے حضرت شیخ زید کو لکھتے ہیں:

”اس وقت سات بجے کے قریب مطار پر پہنچ گئے ہیں یہ عرصہ مطابقت سے تحریر کیا جا رہا ہے، ٹکٹ پاسپورٹ دکھائے جا رہے ہیں۔ — بجز دعا ہائے خصوصی کی درخواست کے اور کیا عرض کروں“ لے

لے مکتوب محررہ ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ از پالم ایر پورٹ

مذکورہ تاریخ میں صبح آٹھ بجے آپ کویت ایرلائنرز سے روانہ ہو کر سیدھے کویت شریف لے گئے۔ شہر سے ۳۵ کلومیٹر دور مطار پر استقبال کرنے والے مقامی عرب اور غیر عرب احباب بڑی تعداد میں موجود تھے۔ حضرت مولانا نے طویل دعا فرمائی جس میں عرب ممالک میں دعوتی کام جمنے اور عربوں کے اس محنت پر کھڑا ہونے کی خصوصیت کے ساتھ دعا کی۔ کویت میں قیام شیخ خالد دہوس کے مکان پر ہوا۔ یہ زمانہ وہاں پر سخت گرمی کا تھا لیکن اس کے باوجود متعدد چھوٹے بڑے اجتماعات ہوئے جن میں عرب بڑی تعداد میں شامل ہوئے، ان کے علاوہ مسجد الایمان خیری میں ایک اہم سہ روزہ اجتماع بہت اچھے انداز میں ہوا جن میں تشکیلیں بھی خوب ہوئیں۔

کویت پہنچ کر وہاں ہونے والے اجتماعات اور مشغولیت اور مصروفیت کا تذکرہ حضرت مولانا اپنے ایک مکتوب (بنام حضرت شیخ) میں اس طرح فرماتے ہیں:

”الحمد للہ بحیرت و راحت کویت کے سوانح کے اور ہندی پونے بارہ بجے کویت پہنچ گئے۔ دہلی سے سوا آٹھ بجے پرواز شروع ہوئی۔ اور ٹھیک پونے بارہ بجے ساڑھے تین گھنٹہ میں کویت پہنچ گئے الحمد للہ راستہ میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ کویت میں خوب گرمی ہے لوہل رہی ہے، بھائی عبدالوہاب، بھائی یوسف رنگ والے، بھائی ابراہیم عبدالجبار، دو روز پہلے سے آئے ہوئے ہیں مولوی سعید خاں بھی کل سے ایک جماعت شیوخ سجد کی لے کر پہنچے ہوئے ہیں۔ آج شام ملک عبدالحق بھی پہنچنے والے ہیں، ہمارے ساتھ شیخ یونس انس، یاسین بھی کویت تک اسی طیارے میں ساتھ آئے، ملاقات بھی ہوئی، لیکن بات کچھ نہیں ہوئی۔“

الحمد للہ تین روز کویت میں بحیرت گذر گئے اور آج جماعتیں روانہ ہو گئیں ہیں۔ اسی وقت جماعت کی روانگی سے فارغ ہو کر نماز کے انتظار میں تھے۔ ہمارا اجتماع کویت شہر سے بیس کیلو میٹر کے فاصلہ پر ایک نامتام مسجد میں تھا۔ سب سے الگ جنگل میں آج شام کو دوسرا اجتماع شہر میں ہے

کہوں کہ بعید ہونے کی بنا پر سب کی رائے یہ ہوئی کہ ایک اجتماع شہر میں بھی ہو جائے۔

موسم شدید گرم ہے، رات کو مغرب تک خوب لو چلتی ہے اور بہت زچلتی ہے۔ ہمارا قیام بالکل سمندر کے کنارے ہے الحمد للہ ساتھی سب بخیر ہیں اگرچہ بہت بے عنوانی ہو رہی ہے کہ کولر میں سے ایک دم خوب گرمی میں نکلنا ہوتا ہے، کولر میں تو کپڑا اوڑھ کر سونا ہوتا ہے اور باہر نکل کر خوب سخت گرمی اندر جل شانہ افضل فرمائیں! لے

مولانا محمد عمر صاحب نے جو مکتوب حضرت شیخ کی خدمت میں کویت سے ارسال فرمایا اس میں مسجد احمدی اور مسجد ایمان النجری میں ہونے والے ہر دو اجتماعات کی مزید معلومات اور تفصیلات یہ ملتی ہیں۔ لکھتے ہیں:

”جمرات ۶ جولائی میں مسجد احمدی میں مغرب کے بعد بندہ کا عربی میں۔ بیان ہوا۔“

سیکڑوں عرب حضرات جمع تھے اخیر میں تشکیل ہوئی، عشاء کی نماز وقت پر ہوئی، عشاء کے بعد شیخ عبدالرزاق مصری نے کتاب حیات الصحابہ پڑھ کر پھر تشکیل کی، وہاں سے ہم قیام گاہ آگئے۔ جمعہ، سینچر، اتوار تین دن اجتماع رکھا ہے۔ اجتماع گاہ والی مسجد ایمان النجری قیام گاہ سے قریب ہے سبارا مجمع مسجد احمدی سے اجتماع گاہ پر آگیا، جمعہ کو فجر کی نماز کے بعد مولانا سعید احمد خاں صاحب کا عربی میں بیان ہوا۔ پھر مجمع چھوڑ دیا۔ ۹ بجے کے قریب تعلیم کے عربی اور اردو دو حلقے ہوئے اخیر میں دو حلقے جمع کر کے حضرت جی دامت برکاتہم کا بیٹا ہوا۔ بندہ نے ترجمہ کیا، پھر جماعتیں جمعہ کی نماز پڑھنے مختلف مساجد میں تقسیم ہو گئیں پھر عصر کے بعد شیخ راشد حقان نے عربی میں بات کر کے

لے مکتوب محررہ ۹ جولائی ۱۹۷۲ء از مسجد ایمان النجری

جماعتوں کو گشتوں میں بھیج دیا، اردو والوں میں بھائی ابراہیم عبدالجبار صاحب نے بات کی مغرب کی نماز کے بعد عربی میں بندہ کا بیان ہوا، عرب ایک ہزار سے بھی زیادہ تھے کیوں کہ چھٹی کا دن تھا۔

عشاء کے بعد پھر شیخ عبدالرزاق مصری سے کتاب پڑھوا کر تشکیل کرائی گئی، کچھ نئے اور کچھ پرانے نام آئے۔ سینچر کو فجر کی نماز کے بعد عربی میں فضل عظیم صاحب کی کا بیان ہوا۔ تعلیم کے حلقوں کے موقع پر حضرت جی دامت برکاتہم اور ہم سب اجتماع گاہ پہنچ کر سارے مشورہ والے عرب حضرات اور اپنے سارے ساتھی اور حضرت جی دامت برکاتہم سب تعلیمی حلقے میں بیٹھ گئے اور بندہ کا عربی میں تعلیم کے سلسلے میں آدھاپون گھنٹے بیان ہوا۔ اس کے بعد ہم سب الگ کمرہ میں مشورہ میں بیٹھ گئے۔

مشورہ سے ظہر کے بعد فارغ ہوئے۔ عصر کے بعد عربوں میں مولانا سعید خاں صاحب نے اصول کی باتیں کیں پھر جماعتیں گشت میں گئیں، مغرب کے بعد بندہ کا بیان عربی میں اور حضرت جی دامت برکاتہم کا اردو والوں میں ہوا حضرت جی دامت برکاتہم کے بیان پر تشکیل ہوئی، حضرت جی کے بیان پر چار آدمیوں نے تین چلے نفت اور بارہ نے کم وقت لکھا ہے۔ جمعہ میں عصر کے بعد قبائل کے دو چودھری صاحبان آئے تھے ان سے حضرت جی دامت برکاتہم نے بات کی جس کا انھوں نے اثر لیا۔ اتوار اجتماع کا آخری دن تھا فجر کی نماز کے بعد مولوی محمد بن سلیمان جھانجی کا عربوں میں بیان ہوا، پھر آرام وناشتے کے لیے چھوڑا پھر سوانو بجے سے گیارہ بجے تک بندہ کا روانگی کے اصول و آداب پر بیان ہوا، پھر حضرت جی دامت برکاتہم نے بیان فرمایا ترجمہ بندہ نے کیا پھر حضرت جی نے دعا فرمائی اور مصافحہ کر کے جماعتوں کی روانگی سے فارغ ہوئے۔

آج رات کا بیان شہر کویت کی مسجد بلدیہ میں تھا، نئے عرب بھی تھے بھتیجی

دست برکاتہم نے بیان فرمایا۔ دفتری چلوں کے نام آئے کہ دفتر سے مسجد اور مسجد سے دفتر جائیں۔ ایسے کافی نام آئے، عربوں میں بندہ کا بیان ہوا، چار چار ماہ کے نقد نام آئے۔ اجتماع سے فارغ ہو کر راستے میں ایک مکان پر اندر مستورات اور باہر مرد جمع تھے وہاں حضرت جی مدظلہ کو بیعت کے لیے جانا ہوا۔ احباب بھی ساتھ تھے پھر قیام گاہ پہنچے ۱۱۔

مولانا محمد بن سلیمان جھانجی کے مکتوب بنام حضرت شیخ زاد کے مطابق کویت کے اس اجتماع سے نوجوامعیں یورپ، ہندوستان، پاکستان، روہی اور بحرین وغیرہ کے لیے روانہ ہوئیں جب کہ اجتماع سے قبل بھی متعدد جماعتیں دین کی نسبت پر اللہ جل شانہ کے راستہ میں نکل گئیں تھیں۔

دہلی سے روانہ ہوتے وقت حضرت مولانا کی طبیعت پر خصوصیت کے ساتھ آسٹریلیا اور برازیل میں جماعت بھجنے کا جذبہ و فکرتھا۔ چنانچہ کویت پہنچ کر سب سے پہلے آپ نے مقامی عربوں کے سامنے اس کا تقاضا رکھا اور مطالبہ کیا کہ ان دونوں ملکوں کے لیے جماعت تیار کی جائے۔ چنانچہ اللہ جل شانہ کے فضل و کرم سے ان دونوں ملکوں کے لیے جماعت تیار ہو کر روانہ ہوئی۔ برازیل کی جماعت

آپ نے مولانا محمد یعقوب صاحب کاوی کی زیرامارت روانہ فرمائی اور اس کے لیے پیرس کے اجتماع سے دو، اور مراکش کے اجتماع سے تین عربوں کی بڑی اہتمام سے تشکیل فرما کر اہل جماعت میں ان کو شامل کیا۔

۲۸ جمادی الاولیٰ (۱۰ جولائی) میں حضرت مولانا کویت سے بغداد پہنچے جامع رشید الدراغ میں قیام ہوا اور یہیں شیب میں اجتماع ہوا۔ امام مسجد شیخ کاظم حضرت مولانا اور اس دعوتی کام سے بہت مانوس اور متاثر ہوئے۔ آخر تک ساتھ رہے یہاں کے قیام میں آپ مدائن، کسری، جو بغداد سے ۳۴ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اور آج کل سلمان پاک کے

نام سے مشہور ہے، تشریف لے گئے۔ اسی طرح حضرت یوشع علیہ السلام حضرت سلمان فارسی، حضرت عذیفہ حضرت عبداللہ بن جابر، حضرت جنید بغدادی، حضرت سری سقطی، حضرت معروف کرخی، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قبور مبارکہ پر حاضری دے کر فاتحہ پڑھی اور ایصالِ ثواب کیا۔ ایک دن موقع نکال کر ایوان کسریٰ بھی تشریف لے گئے اور خصوصیت کے ساتھ اس مقام کو دیکھا جو شوق ہو گیا تھا۔ اور آج تک وہ اسی طرح موجود و باقی ہے۔

حضرت مولانا ان قبور مبارکہ پر حاصل ہونے والی کیفیات و مشاہدات کے متعلق حضرت شیخ زکویہ لکھتے ہیں :

”بغداد میں اپنے اسلاف کے مزارات پر حاضری کے وقت حضرت والا کا دھیان آیا کہ ان کے پاس حاضری میں حضرت والا کی ملاقات تو (اصل) ملاقات ہوتی۔ ان سب حضرات کے یہاں سکون و سکینہ تھا لیکن حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بشارت خوب تھی :“

مولانا محمد عمر صاحب بغداد میں ہونے والی دعوتی محنت اور ان مقامات متبرکہ کی زیارت کی تفصیلات اپنے ایک طویل مکتوب میں حضرت شیخ زکویہ کو ان الفاظ کے ساتھ لکھتے ہیں :

”بغداد جانے کے لیے ہم لوگ دس جولائی میں کویت ایرپورٹ پہنچے واپسی کی دعا ہوئی، لوگوں پر جدائی کا اثر تھا۔ کویت کے چھ عرب انگیٹڈ کے سفر میں رہنے کے لیے ساتھ ہوئے۔ ہوائی جہاز کویتی ایرلائن کا تھا تقریباً سو انویسج کویتی وقت سے اڑا۔ اور سو ادس بجے بغداد کے ہوائی اڈہ پر اترے بمقامی علماء اور عوام ایرپورٹ پر آئے ہوئے تھے۔ بغداد میں جامع رشید الدراغ میں قیام رہا۔ اردن اور شام اور لبنان کے عرب حضرات اچھی مقدار میں آئے تھے مسجد میں مشورہ ہوا کہی جماعت مختلف مسجدوں میں کام کرنے کے لیے بنی

ایک مسجد میں بڑا اجتماع مصافحت کے خلاف تھا اس لیے ہر جماعت نے عشاء تک اپنی اپنی مسجد میں کام کیا اور ہم لوگوں نے جامع رشید الدراغ میں کام کیا یہ پیر کا دن تھا۔ اطراف کے کئی علماء حضرت جی دامت برکاتہم سے ملنے آئے تھے، عصر کے بعد ان سے ملاقات ہوئی۔ الحمد للہ اچھی مجلس رہی۔ مسجد میں مولانا سعید احمد خاں صاحب نے مجمع کو سنبھالا اور گشت میں بھیجا، مختلف مساجد میں جانے والی جماعتوں کو عصر سے پہلے روانہ کیا۔ ظہر کے بعد کھانا ہوا ہر ایک نے اپنا اپنا پاپا و دنیار عراقی جمع کر دیا۔ حضرت جی دامت برکاتہم نے عربوں کو کھانے کے لیے پہلے بٹھایا اور خود کھلانے کے لیے کھڑے ہوئے۔ تو حضرت جی کے ساتھ ہم لوگ بھی جڑ گئے۔ عرب شرمایے تھے کہ شیخ کھڑے ہو کر ہمیں پانی پلا رہے ہیں لیکن حضرت جی برابر پانی پلاتے رہے اور کھانے کی ترتیب دیتے رہے پھر ہم سب نے اخیر میں کھایا، عربوں پر اس کا کافی اثر پڑا۔ رات کے بیان میں الحمد للہ تشکیل ہوئی۔ عراق میں زیادہ فضا نہیں ہے۔ لیکن حضرت جی دامت برکاتہم کے پہنچنے کی برکت سے عربوں نے مختلف ملکوں سے آکر محنت کی تو حضرت جی دامت برکاتہم فرمانے لگے کہ یہاں تو اچھی فضا ہے، فضا نہیں تھی لیکن بن گئی۔ عراقی عرب حضرات حضرت جی سے فرزا فرذا خوب ملے اور حضرت جی بھی ان کے سامنے خوب کھلے، باوجود اپنے عوارض کے حضرت پر بشارت رہی۔ احباب نے مشورہ دیا کہ یہاں انبیاء اولیاء کی قبروں کی زیارت کے لیے چلیں تو حضرت جی نے ارشاد فرمایا کہ پہلے دعوت کے کام کی ترتیب بنے اور خوب اطمینان ہو جائے، پھر جتنا وقت بچے اس میں زیارت کی سعادت حاصل کی جائے، چونکہ ہمارے پاس کام کرنے والے کافی تعداد میں ہیں اس لیے کام کی بہت اچھی ترتیب بن گئی۔

۱۱۔ جون منگل کو صبح کی نماز کے بعد ہم ایک گاؤں میں گئے جس کا

نام سلمان پاک ہے اور پرانا نام مدائن ہے۔ بغداد سے بیس میل سے زیادہ فاصلہ ہے وہاں تین قبروں کی زیارت ہوتی۔ سلمان فارسی کی قبر پر گئے وہاں لکھا ہوا تھا سلمان مٹا اہل البیت پھر حضرت حذیفہؓ اور حضرت عبداللہ بن جابرؓ ان تینوں قبروں کی زیارت کی پھر کسریٰ کے محل کی ایک دیوار دیکھی جو اب تک ہے جس میں شگاف پڑا ہوا ہے، یہاں کے لوگوں نے بتایا کہ یہ شگاف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت سے ہے لیکن اب حکومت اس شگاف پر پیوند لگا رہی ہے۔ حضرت جی دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا کہ چودہ سو سال سے اب تک یہ نہیں گرا، اور اللہ معجزہ دکھائے ہیں اب اس میں ترمیم کرنے سے خدا نخواستہ یہ گر نہ جائے، سلمان پاک سے واپسی پر ہم بغداد کے قبرستان کے قریب اترے، حضرت جنید بغدادی اور حضرت سری سقطیؒ حضرت یوشع علیہ السلام کی قبروں پر جانا ہوا، حجرے بند تھے، باہر باہر سے سلام کیا اور زیارت کی راستے میں بلا ارادہ ابو نوہس شاعر کی قبر ملی، حضرت جی نے وہاں پر بھی ایصال ثواب کرایا پھر وہاں سے پیدل شیخ معروف کرخیؒ کی قبر پر گئے، زیارت کی حضرت جی تو بہت دیر تک بیٹھے رہے۔ ایک مسجد میں یہ قبر الگ ہے وہیں پر ایک تہ خانہ ہے جہاں پر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور شیخ معروف کرخیؒ اپنے اپنے زمانے میں خوب عبادت کرتے تھے اور وضو کی جگہ بھی تھی۔ یہ تہ خانہ بالکل ٹھنڈا تھا، اسی میں کنواں بھی تھا ہم نے اس کنویں کے پانی سے وضو کیا اور دو دو رکعت نماز پڑھی، حضرت جی کے تو خاص اسی جگہ نماز پڑھی جہاں یہ بزرگان دین پڑھتے تھے، ہم لوگوں نے اس پاس میں پڑھی، پھر قریب کے قبرستان میں شیخ محمود آلوسیؒ کی قبر ہے جو صاحب روح المعانی ہیں، پھر واپس قیام گاہ پر آئے منگل کو رات کا بیابان امام ابو حنیفہؒ کی مسجد میں رکھا تھا، شام کو عصر کے بعد شیخ عبدالفتادر جیلانیؒ کی زیارت سے فارغ ہو کر جامع امام اعظمؒ پر

پر پہنچ گئے مغرب بعد کا پروگرام اچھا رہا، تعلیم یافتہ طبقہ زیادہ تھا، الحمد للہ جامع امام ابو حنیفہؒ میں تشکیل بھی اچھی ہوئی، جذبات بھی اچھے بنے، کچھ علماء عشاء کے بعد حضرت جی سے ملنے آئے یہ مجلس بھی تنویری دیر چلی پھر کام کمرے کے قیام گاہ پر واپس ہوئے، ۱۱۔

حضرت مولانا ۳۰ جمادی الاولیٰ (۱۲ جولائی) بدھ میں بغداد سے روانہ ہو کر بیروت ہوئی اڑھ پر کچھ دیر ٹھہر کر اتینفس (یونان) پہنچے یہاں نماز ظہر ادا کی گئی اور پھر سب رفتار نے اپنی اپنی گھڑیاں مقامی وقت کے اعتبار سے ایک گھنٹہ پیچھے کر لیں۔ یہاں سے چل کر جینوا اترے۔ یہاں بھی گھڑیاں مزید ایک گھنٹہ پیچھے کی گئیں۔

بغداد سے روانگی کی تفصیل حضرت مولانا کے مکتوب (بنام حضرت شیخ رحمہ) میں پڑھئے تحریر فرماتے ہیں :

”بغداد سے جس جہاز سے آئے، جہاز والوں سے بغداد ہی میں یہ بات طے ہو گئی تھی کہ ہم گوشت نہیں کھائیں گے سبزی وغیرہ ہمارے لیے تیار کی جائیں چنانچہ ہم سب کے لیے کھانا اور پانی کا علیحدہ انتظام کیا گیا اور جینوا میں جہاں پر جہاز بدلنا ہوا وہاں پر بھی دوسرے جہاز پر پہنچانے کے لیے ایک لڑکی شروع سے ساتھ رہی اور بہت ہی ہمدردی کا اظہار کرتی رہی۔ اس سے کہا بھی گیا کہ ہمارے مذہب میں اجنبیہ کے ساتھ ایسی بے تکلفی کے ساتھ بات چیت کرنا۔ ٹھیک نہیں وہ اس سے بھی اور زیادہ متاثر ہوئی۔ ہم بغداد سے ۱۰ بجے صبح کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں چالیس منٹ بیروت میں جہاز ٹھہرا، بیروت سے چل کر یونان کے مطار پر ٹھہر کر بنی زید پڑھی جہاں پر آدھا گھنٹہ جہاز ٹھہرا یونان کے مطار اتینفس سے روانہ ہو کر جینوا پہنچے، جہاں پر جہاز بدلنا تھا۔ وہاں مطار پر اپنا کپڑا بچھا کہ ہم تعلیم کر رہے تھے کہ بھائی شفیع حافظ عبد العزیز

اور اخلاص احمد آگئے : ۱۷

بغداد کے اختتام سفر پر لندن روانہ ہونے سے قبل حضرت مولانا نے عربوں سے رخصتی بات کی جو صاف اور فصیح عربی زبان میں تھی اور پھر دعا فرما کر حضرت مولانا عازم انگلینڈ ہوئے۔ راستہ میں بیروت، جینوا، ایٹھنس، کو عبور کرتے ہوئے چھ گھنٹے کی پرواز کے بعد نیو عافیت لندن ایرپورٹ اترے۔ ایسٹ لندن مسجد میں پہنچ کر نماز عصر ادا کی اور بعد مغرب احباب سے ملاقات فرمائی۔

لندن پہنچ کر حضرت مولانا نے اپنی بجزرسی اور روداد سفر کے دو مکتوب حضرت شیخ کی خدمت میں مدینہ منورہ ارسال فرمائے، یہاں ان دونوں مکاتیب کے اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں :

”بدھ ۱۲ جولائی کو عصر سے قبل بحیریت الحمد للہ لندن کے مطار پر پہنچ گئے، مطار پر بہت بڑا مجمع تھا، مطار پر دعا ہوئی اور دیگر لوگ بھی بہت سے تماشائی اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ قاضی عبدالقادر مفتی صاحب بھائی افضل اور ان کے یہاں کا مجمع بھی موجود تھا الحمد للہ کوئی دقت اور کوئی تکلیف نہیں ہوئی بلکہ اللہ جل شانہ کے فضل سے سب عملہ والے تعاون ہی کرتے رہے۔

لندن مطار پر پہنچ کر قانونی کارروائی سے قبل اذان دے کر بڑی جماعت کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی گئی پھر قانونی کارروائی شروع ہوئی ہر ساتھی سے خوب سوالات کیے گئے بندہ نے آہستہ سے اللہم انا نجتک فی نحوہم الزیڑھی الحمد للہ بندہ سے کوئی سوال نہیں کیا گیا اور ایک کلمہ نہیں بولا، پاسپورٹ لے کر تین منٹ میں فراغت ہو گئی، باہر آکر اجتماعی دعا ہوئی۔ اور عصر سے قبل لندن میں اپنے مستقر پر پہنچ گئے، رات

لندن میں گزری۔ صبح دس بجے ناشتہ کے بعد ڈیویز بری کے لیے روانہ ہوئے۔
جولدن سے دو سو میل ہے۔ تین گھنٹہ میں ڈیویز بری پہنچے جمعہ کی نماز کے بعد
اجتماع شروع ہوا۔ اگرچہ اعلان کے مطابق اجتماع کی ابتداء ہفتہ کے
روز سے تھی۔ ڈیویز بری پہنچ کر ہولوی یوسف متالا سے ملاقات ہوئی وہ
مع اپنے طلبہ کے آئے ہوئے ہیں، انھوں نے والا نامہ مرحمت فرمایا۔

الحمد للہ یہاں لندن میں ہر جگہ سے پوری مشرق وسطیٰ اور یورپ امریکہ
سے حضرات آئے ہوئے ہیں اور بہت رغبت و محبت ہے اللہ جل شانہ
اس باطل کے مرکز سے حق کی اور ایمان کی ہوائیں چلائے، ظلمت اور تاریکی
گھٹا ٹوپ ہے۔ جینوا کے مطار پر دہلی سے آنے والے معصوم صاحب بھی مل
گئے جن کی معرفت عزیز شاہد کا مرسلہ کتاب کا پیکٹ بھی مل گیا اور ہر ایک
کے نام کی کتاب اس کو پہنچادی گئی۔ سب حضرات کی خدمت میں سلام مسنون
گھر والوں کی خدمات میں بھی سلام مسنون۔ بھائی شفیع پاس بیٹھے ہوئے ہیں
وہ اور تمام رفق اسلام مسنون کے بعد دعا کی درخواست کرتے ہیں۔ مجمع
بڑھتا چلا جا رہا ہے اور جگہ بہت کم ہے۔ اللہ کا شکر ہے پرسوں سے دھوپ
نکلی ہوئی ہے۔ کہتے ہیں کہ اٹھارہ ماہ میں دھوپ نکلی ہے۔

محمد انعام الحسن غفرلہ

لندن پہنچ کر سب سے پہلا اجتماع ایسٹ لندن مسجد کے قریب ایک ہال میں ہوا۔ اس
دن تاریخ یکم جمادی الثانی (۱۳ جولائی) تھی۔ اگلے روز حضرت مولانا عرب دہلوی پر مشتمل اپنے
قافلہ کے ساتھ ڈیویز بری تشریف لے گئے یہاں بھی ایک اجتماع تھا جس کے لیے بہت بڑا
مجمع سراپا انتظار و استقبال تھا۔

مولانا محمد عمر صاحب ان دونوں اجتماعات کی تفصیل حضرت شیخ زکریا کو اس طرح تحریر

کرتے ہیں :

”جمعرات کا اجتماع عصر کی نماز کے بعد ایسٹ لندن مسجد کے قریب ایک ہال میں ہوا، سیکرٹروں کا مجمع جمع تھا بہت سے لوگ اسی دن بات سننے پہنچے تھے، بندہ کا بیان ہوا، اخیر میں حضرت جی دامت برکاتہم نے چند جملے ارشاد فرما کر دعا کی، تشکیل میں نام اچھے آئے لیکن اکثر وہ تھے جو پہلے آپکے تھے بعض نام نئے بھی تھے۔ مجمع کی عجیب فضا تھی۔ مغرب کے بعد لوگوں کے اصرار پر حضرت جی دامت برکاتہم کا مصافحہ ہوا۔ ۳۱ جولائی جمعہ کو صبح پونے دس بجے ڈیوڑھی کے لیے روانہ ہوئے، جمعہ کی نماز سے فارغ ہوئے۔ عصر کے بعد پہلے مستورات میں مولوی محمد سلیمان کا بیان ہوا۔ پھر حضرت جی دامت برکاتہم نے بیان فرمایا بیعت ہوئی، مرد بھی کافی جمع تھے کچھ تشکیل ہوئی ذہن بنے“ لے

حضرت مولانا ڈیوڑھی اجتماع کے تاثرات و احساسات اسے

گرامی نامہ میں حضرت شیخ کو ان الفاظ کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں۔

”موسم کے اعتبار سے سب ہر اسات تھے کہ بارش کا سلسلہ مستقل چل رہا تھا اللہ جل شانہ عافیت کے ساتھ باقی ماندہ کو پورا فرمائے۔ الحمد للہ لوگوں کا عام استقبال اور رجوع ہے اور ہر طبقہ متوجہ ہے اللہ جل شانہ دین کی عمومی فضا قائم فرمائے۔ پوری انسانیت قابل ترحم ہے۔ الحمد للہ عرب خوب ذوق و شوق سے جمع ہوئے۔ مصر سے کویت سے سوڈان اور لبنان سے اور امارات متحدہ سے بھی عرب خوب تشریف لائے، مصر سے دوسو کے قریب آئے اور سب خوش اور ارادے لے کر گئے“ لے

اس سفر کا سب سے اہم اور عظیم الشان سہ روزہ اجتماع ۲۳، ۲۴، ۲۵ جمادی الثانی ۱۴۱۵ھ

لے۔ مکتوب محررہ ۸ جمادی الثانی ۱۳۹۲ھ ۱۹ جولائی ۱۹۷۲ء از شیفلڈ۔

لے۔ مکتوب محررہ ۱۴ جولائی ۱۹۷۲ء از ڈیوڑھی۔

۱۷ جولائی (شنبہ) یک شنبہ، دو شنبہ میں شیفلڈ میں منعقد ہوا، جماعتوں کی نقل و حرکت، رفقا و احباب کی دل سوزی و فکرمندی اور حضرت مولانا کی اندرونی لگن و کوشش اور سرتاپا جذبہ اخلاص ایمان نے اس اجتماع کو اتنا موثر اور دل گذار بنا دیا تھا کہ اختیار بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ حضرت مولانا ۱۴ جولائی میں ایک بڑے قافلہ کے ساتھ ڈیوڑی بری سے روانہ ہو کر لندن ایرپورٹ ہیٹھرو پر اترے اور وہاں سے شیفلڈ اجتماع گاہ تشریف لائے، ایرپورٹ ہیٹھرو پر تشریف آوری اور اجتماع کا منظر نامہ مولانا مفتی عبدالباقی صاحب نے اس طرح تیار کیا ہے۔

”تثلیث کے اس ملک میں توحید کی آواز عجیب منظر پیش کر رہی تھی، ایسا معصوم ہو رہا تھا گویا قرون اولیٰ کے بچے بچائے لوگ دجن کی زندگیوں میں اسلام کی جھلک نظر آرہی تھی، جمع ہوئے ہیں، ان میں لمبی لمبی داڑھیوں والے لمبے لمبے کرتوں، پاجاموں والے، شلواروں والے، بڑی بڑی پگڑیوں والے تھے جنہیں دیکھ کر ”گورے لوگ“ محیرت بھی تھے اور محو تماشا بھی۔ جب ہندستان کا وفد لندن کے ہوائی اڈہ ”ہیٹھرو“ بلڈنگ نمبر ۳ پر تشریف لایا تو فٹ پاتھوں کا روروائی سے فراغت کے بعد سب سے پہلے امیر التبلیغ حضرت مولانا — انعام الحسن صاحب باہر تشریف لائے، نہ زندہ باد، نہ مردہ باد کے نعرے نہ ہنگامہ نہ شور و شر کچھ بھی نہیں تھا، بلکہ انتہائی وقار اور خاموشی کے ساتھ لمبوں پر تبسم، چہروں پر طلاق اطمینان اور سکون کی فضا میں معانقے، مصافحے ہوئے، اور پھر دعا شروع ہوئی جس میں آمین سسکیاں اور پھر آخر میں دھاڑیں مار کر رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ تثلیث کے پرستار نیم عریاں لباس میں کیمڑے تان کر کھڑے تھے ان کو فوٹو اتارنے سے منع کیا گیا تاہم چپکے چپکے وہ کیمڑوں کو ہلاتے رہے۔ چونکہ لندن ایرپورٹ ہیٹھرو پر ایک منٹ میں ایک جہاز اترتا ہے اور اڑتا ہے اس لیے مسافروں کا تانتا بندھا رہتا ہے، اس لیے مسافر آتے جاتے تھوڑے دیر کے لیے ضرور رکتے اس لیے کہ منظر ہی ایسا تھا کہ ہر ایک کو دعوت نظارہ دے رہا تھا۔

یہ مجمع مرکز تبلیغ لندن گیا اور پھر دوسرے دن اجتماع گاہ شیفلڈ پہنچا، تین دن شیفلڈ میں بڑی رونق رہی، خاص طور پر جب خیموں اور خیموں سے باہر میدان میں نمازوں کے لیے صفیں درست ہو جاتی تھیں تو اس منظر کو دیکھنے کے لیے محل اجتماع سے باہر فٹ پاتھوں پر انگریز مرد اور انگریز عورتیں کافی تعداد میں کھڑے ہو کر دیکھنے لگتے۔ یہ روح پرور منظر ان پر بڑا اثر انداز ہو رہا تھا۔ اجتماع میں تقریباً اڑتیس ملکوں کے وفود شامل ہوئے جو آسٹریلیا کے علاوہ باقی چاروں براعظموں کے مختلف بولی بولنے والے نسل و رنگ کے لوگ تھے، کنیڈا، امریکہ، افریقہ اور ایشیا، یورپ اور عرب و عجم، اسلام کے عالمگیر دین ہونے کا نقشہ نظر آرہا تھا۔ ۱۱

مولانا محمد عمر صاحب کے مکتوب سے اس اجتماع کے تینوں دن کی کارگزاری اور پروگرام نقل کیا جاتا ہے۔ موصوف حضرت شیخ کو لکھتے ہیں،

” ۱۴ جولائی جمعہ کو قبل مغرب ڈیوڑی بری سے شیفلڈ کے لیے روانہ ہوئے مغرب تا خیر سے شیفلڈ میں پڑھی۔

اجتماع کے پہلے دن ۱۵ جولائی سنیچر کو فجر کی نماز کے بعد بھائی بشیر نے اوقات گزاری کی بات کی، تعلیم کے حلقوں سے پہلے تعلیم کے اصول کے بارے میں مولانا سعید احمد خاں صاحب نے بیان کیا پھر تعلیم کے حلقے ہوئے۔ انگریزی، عربی فرانسیسی اور اردو کے حلقے ہوئے۔ علمائے کرام میں بندہ کا بیان ہوا۔ اخیر میں حضرت جی دامت برکاتہم نے بھی مختصر ارشاد فرمایا۔ سال سال بھر کے کچھ نام آئے ظہر کی نماز کے بعد مفتی زین العابدین صاحب کا بیان ہوا۔ یہاں مغرب عشاء کے پنج میں کھانا اور عشاء کے بعد آرام ہوتا ہے۔ پونے دس بجے سورج ڈوبتا ہے اور —

پونے تین بجے صبح صادق ہوتی ہے۔ فجر کی نماز کے بعد مختصر سی کسی ساتھی کے بات ہونے کے بعد پورے مجمع کو سونے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ کیوں کہ رات بہت چھوٹی ہوتی ہے۔

۱۶ جولائی اتوار کو فجر کی نماز کے بعد قاضی عبدالقادر صاحب کا بیان ہوا۔ آرام کے بعد تعلیم کے حلقے ہوئے۔ عربوں میں مولانا محمد احمد صاحب کے بعد۔ حضرت جی دامت برکاتہم کا بیان ہوا تشکیل ہوئی۔ ظہر کی نماز کے بعد بندہ کا بیان ہوا، عصر کی نماز کے بعد مولانا اسلم صاحب کا بیان ہوا۔ عصر کے بعد امریکہ و کناڈا کے احباب حضرت جی دامت برکاتہم کی خدمت میں ملنے آئے۔ بیعت، بھجے ہوئے، ان کے بعد پیرس کے حضرات آئے اور شورہ ہوا۔

۱۷ جولائی پیر کو تیسرے اور آخری دن فجر کی نماز کے بعد مولوی محمد سلیمان کا بیان ہوا، پھر آرام کے بعد شریف بھائی وغیرہ احباب نے جماعتیں بٹھالیں۔ روانگی کے اصول و آداب بندہ نے بیان کیے پھر حضرت جی دامت برکاتہم نے بیان فرمایا پھر دعا کی، مجمع خوب رویا، انگریز بھی بہت متاثر ہوئے، کفر کی فضا میں ۶-۷ ہزار کا مجمع پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ دعا کے بعد خیریت سے جماعتیں روانہ ہوئیں۔

مولانا سنیر ربانی (دلی) نے اپنے مکتوب میں حضرت مولانا کی اجتماع میں ہونے والی آخری تقریر اور اختتامی دعا کے متعلق لکھتے ہیں !

”اس تاریخی اجتماع میں جماعتوں کی روانگی کے موقع پر حضرت جی دامت برکاتہم نے دعوت کی اہمیت کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دعوت ایک ایسی دولت اور ایک ایسی نعمت ہے کہ اگر اس کو صحیح طریقہ سے کیا جائے تو انسان کے اندر زندگی کے شعبوں میں چلنے کی استعداد ایمان میں قوت عبادات میں جان۔

معاملات میں درستگی، معاشرت میں پاکیزگی اور اخلاقیات میں حسن پیدا ہوگا جس قدر اس دعوت والے کام میں آدمی آگے بڑھتا جائے گا اس کی عملی زندگی بگنی چلی جائے گی، اور یہی اس کی نجات کا راستہ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اس کے برخلاف اگر یہ اعمال سے بے نیاز ہو کر مادیات ایجادات اور ضروریات زندگی میں پھنسا رہے گا تو اس کی بے چینی اضطراب اور بے اطمینانی میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

آخری دن حضرت جی نے دعا کرتے ہوئے فرمایا، یا اللہ عالم میں خیر کے فروغ اور شر کے خاتمہ کا اس اجتماع کو ذریعہ بنا، اور اس کے لیے محنت کرنے والوں کو قبول فرما۔ اس دعا سے سب پر رقت طاری ہو گئی عجیب سماں بن گیا حاضرین کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہہ رہا تھا۔

اجتماع ختم ہونے پر حضرت مولانا مع قافلہ اسی دن شام میں شیفلڈ کی جامع مسجد تشریف لے آئے۔ مولانا محمد عمر صاحب یہاں کے دور روزہ قیام کی مشغولیت و مصروفیت کو اپنے مکتوب میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں،

”شیفلڈ جامع مسجد پہنچ کر رات کو مشورے ہوئے۔ دو دن کے لیے بیرون سے آنے والوں کو سب کچھ کا ہے تاکہ حضرت جی دامت برکاتہم سے ملنا جلتا ہو جائے، ۷ جولائی میر کو قیام گاہ یعنی اجتماع گاہ سے منتقل ہو کر شیفلڈ کی جامع مسجد میں آئے۔ ۸ جولائی منگل کی دوپہر میں افریقہ والوں کے سامنے حضرت جی کا بیان ہوا، گفتار ادھر خوب تشکیل ہوئیں اور مقامی کام کی بھی تشکیل ہوئی۔ پھر امریکہ اور کناڈا والوں سے بات ہوئی۔ کرنل امیر الدین حیدر آبادی نے ترجمہ کیا، ان میں بھی خوب تشکیل ہوئی۔ آنے والوں پر اجتماع کا اچھا اثر ہوا ذہن قربانی پر آمادہ ہوئے، مستورات کی جماعت نے بھی خوب کام کیا، مختلف

مالک کے اجاب نے اپنی دینی محنت کے مسائل رکھے جن کے حضرت جی جواب دیتے رہے۔
(اقتباس مکتوب محررہ ۱۹ جولائی)

جناب الحاج بھائی عبدالوہاب صاحب (رائے ونڈ) اس اجتماع کے موقع پر حضرت مولانا کے ہونے والے بیانات، اختتامی دعا، شب خیزی کا اہتمام اور خداداد رعب و ہیبت کے متعلق اپنے جذبات و احساسات کا اظہار حضرت شیخ رحمہ کے نام ایک گرامی نامہ میں اس طرح کرتے ہیں:

”سب سے زیادہ بندہ کو متاثر کرنے والی بات جو تھی وہ یہ تھی کہ خواہ حضرت جی شروع میں بیان فرمائیں یا آخر میں بیان فرمائیں، مجمع میں قدرتی طور پر ہیبت اور رعب طاری ہو جانا تھا اور بڑی ہی جامع اور موثر دعوت ہوتی تھی، لوگ بہت اثر لیتے تھے، مولوی محمد احمد صاحب کی رائے تو زور سے یہی ہے اور ہماری بھی یہی ہے کہ اب حضرت جی دوسرے اجاب کی تقریر کے بعد بیان کرنے کی بجائے شروع میں ہی مستقل بیان فرمائیں اور بعد میں دوسرے اجاب تشکیل فرمایا کریں۔ بقول مولوی محمد احمد صاحب کے حضرت جی پر اللہ پاک نے دعوت کا فیضان فرمادیا ہے اب تتمہ بننے کی ضرورت نہیں، تنہائی کی گفتگو میں بھی ہر جواب قرآنی آیات اور احادیث اور صحابہ کرام کی زندگی سے بلا تکلف دیتے تھے۔ رات اتنی چھوٹی ہونے کے باوجود ہتجد کی بڑی ہی پابندی تھی دیکھنے والوں نے کافی اثر لیا۔ انڈیا پاک ہمیں بھی ہر حال میں سب معمولات پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔“

حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کی دعائیں عموماً سب ہی عجیب کیفیت والی ہوتی تھیں۔ مگر ان میں بعض دفعہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ بس قبولیت کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور قبول ہی ہو رہی ہے۔ یہی کیفیت بالکل اس اجتماع میں بھی جماعتوں کی رخصتی کے وقت حضرت جی مدظلہ العالی کی دعا کے وقت محسوس ہوئی۔ اس دعا میں سب ہی متاثر ہوئے اور حضرت جی کے بیانات

کی بھی یہی کیفیت رہی کہ ماشاء اللہ تھوڑی دیر کے لیے بیان فرماتے تھے لیکن مجمع پر بڑا رعب پڑ جاتا تھا اور بڑی جامع بات ہوتی تھی۔ الحمد للہ مجمع پر اثر بھی۔ خوب ہوتا تھا، لے

اس اجتماع کے بجز و خوبی ختم ہو جانے اور اللہ جل شانہ کی کھلی مدد و نصرت اور حاضرین و مشاہدین کے تاثرات و احساسات کے بارے میں حضرت مولانا حضرت شیخ و کو ان الفاظ سے مطلع فرماتے ہیں :

”والحمد للہ محض اللہ جل شانہ کے فضل سے اور اس کے احسان عمیم سے شیفلڈ کا اجتماع بجز و خوبی پورا ہو گیا۔ مختلف ممالک کے بہت سے حضرات جو تشریف لائے اور جو مقامی اپنا مجمع اور غیر بھی سب ہی اللہ کے فضل سے بہت ہی متاثر ہوئے۔ خدا کرے کہ اس مقام سے جس سے ہمیشہ باطل اور منکرات کی اشاعت ہوتی رہی وہاں پر سے حق کی اور اوامر و احکامات کی اشاعت کا خدا کے پاک فیصلہ فرمائیں۔ لوگوں میں اگر محنت کی جائے اور محض دینی جذبہ سے بے غرض ہو کر تو امید ہے کہ بہت جلد اپنی سابقہ زندگی سے توبہ کر لیں گے۔

جس مکان میں ہمارا قیام تھا اس کے دونوں طرف انگریزوں کے مکان تھے بندہ نے ایک ایک آم دسہری کا ان کو بھیجا، بہت ہی خوش ہوئے اور عام تاثر انگریزوں کا یہ ہے کہ ایسے بھلے انسان ہم نے نہیں دیکھے۔ اللہ جل شانہ ان کی ہدایت کا فیصلہ فرمائیں۔ یہاں پر عام طور سے ابر و بارش ہوتی رہتی ہے الحمد للہ جس روز سے ہم آئے ہیں بارش نہیں ہوئی اور دھوپ نکلتی ہے۔ جس روز ہم لندن پہنچے تھے، اس روز وہاں والوں نے بتایا کہ آٹھ ماہ میں دھوپ دیکھی ہے۔ اللہ جل شانہ کی ہر ہر قدم پر نصرت ہی ہوتی رہی، لے

مولانا محمد عمر صاحب کے ایک گرامی نامہ کی یہ سطور بھی اسی طرح کے تاثرات و احساسات کو ظاہر

کر رہی ہیں حضرت شیخ کو لکھتے ہیں،

”الحمد للہ اجتماع میں خوب رونق تھی عبادت کا عجیب منظر تھا۔ لوگ

ذوق و شوق سے خدا کے راستے میں نکلے۔ مولانا یوسف متالا صاحب سے

ڈیوڑی میں ملاقات ہوئی، اجتماع میں شریک رہے۔ ان کی اہلیہ محترمہ

نے خواب دیکھا کہ ایک مجمع اولیاء اللہ کا ہے اس میں حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ دوسرا خواب بھی انھوں نے ہی دیکھا کہ آپ

چارپائی پر ہیں اور پاس میں حضرت نظام الدین اولیاء ہیں

پیرس کے ایک نمائندے آخری دن اجتماع میں آئے انھوں نے کہا۔

کہ میں ۱۳۷۱ اسلامی کانفرنسوں میں دنیا بھر کے ملکوں میں گیا ہوں لیکن اسلام

کی حقیقت اسی اجتماع میں نظر آئی۔ وہ مصری تھے، پیرس میں بھی وہ شریک

ہوں گے، قرب و جوار کے انگریز عیسائی بڑوسی بہت خوش ہوئے۔ جو

لوگ تماشائی کے طور پر آئے تھے وہ بھی متاثر ہو کر لوٹے، بعض پادری

بھی آئے۔ امیر الدین صاحب حیدرآبادی کی تقریر سے جو انگریزی میں ہوئی

بہت متاثر ہوئے، بعض انگریز گورے نو مسلم حضرت جی دامت برکاتہم سے

بیعت بھی ہوئے۔ ایک اسی سال کی عمر کے انگریز نے کہا کہ اپنی پوری زندگی میں

ایسا منظر میں نے نہیں دیکھا جو اس اجتماع میں مسلمانوں میں دیکھا، ایک

پولیس والے نے کہا کہ مسلمانوں کا مذہب حق ہے کیوں کہ اتنے بڑے مجمع

میں کسی نے چوری نہ کی، شراب نہ پی، لڑائی نہ کی اور مسلسل تین دن تک

بارش نہ ہوئی، دھوپ نکلی رہی۔ یہ خدا کی مدد ہے یہاں تو خوب سردی اور

بارش برسا کرتی ہے لیکن ہم نے اب تک بارش برستے نہ دیکھی اور دھوپ

روزانہ نکلتی ہے جس سے یہاں والوں پر اور زیادہ اثر پڑا، واقعی اگر بارش

برستی تو سارا مجمع میدان میں پریشان ہوتا۔ خدا کا کرم ہی ہوا۔

(مکتوب محمد ۸، جمادی الثانی ۱۳۹۲ھ، ۱۹ جولائی ۱۹۷۲ء، از شفیق)

شیفلڈ کے اس اجتماع سے دنیا کے تیس ممالک سعودی عرب، امریکہ، برازیل، یونان، جرمنی، سلیم، کینیا، فرانس، ناروے، مراکش وغیرہ میں پچاس سے زائد جماعتیں تیار ہو کر روانہ ہوئیں جن میں تقریباً سات سو احباب شامل تھے۔ بیرون ممالک جانے والی جماعتیں زیادہ تر تین چار کی تھیں۔

اس اجتماع میں اٹھائیس ممالک کے پانچ سو سے زائد احباب اور دعوتی ترقی جمع تھے۔ جن میں افریقہ کے ایک سو احباب جو الحاج غلام محمد پاڈیہ اور مولانا یوسف متلی صاحب کی معیت میں شیفلڈ پہنچے تھے، شامل تھے۔ محتاط اعداد و شمار کے مطابق شرکاء اجتماع کل بارہ ہزار کے درمیان رہے۔ اجتماع کے تینوں ایام میں ہندوستان سے جانے والی مستورات کی ایک جماعت ڈیوڑھی میں مقیم رہی اور حضرت مولانا کی ہدایت کے مطابق حالت اعتکاف میں روزے رکھ کر اجتماع کی کامیابی کے لیے اللہ جل شانہ کے حضور دعا، مناجات میں مشغول رہی۔

اجتماع کے فراغ پر دو یوم شیفلڈ میں قیام رہا۔ اس عرصہ میں امریکہ، کناڈا اور افریقہ میں ہونے والے دعوتی مسائل سے متعلق احباب نے حضرت مولانا سے مشورے کیے۔ اس موقع پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمت مبارکہ میں بہت سے احباب نے اپنے تاثرات و مشاہدات اور اجتماع کے تفصیلی حالات ارسال کیے تھے۔ یہاں ان میں سے تین مکاتیب شامل سوانح کیے جاتے ہیں:

پہلا مکتوب جو مولانا الحاج مفتی زین العابدین صاحب کا ہے۔ ۱۹ جولائی میں شیفلڈ سے بھیجا گیا۔ دوسرا مکتوب مولانا الحاج محمد احمد صاحب بھاول پور کا ہے جو بیس جولائی میں پٹن سے تحریر کیا گیا۔ اور تیسرا مکتوب جو جناب الحاج حافظ محمد ٹیل صاحب کا ہے پانچ اگست میں لندن سے ارسال کیا گیا ہے:

مکتوب غیرہ (مولانا مفتی زین العابدین صاحب)

”اجتماع توقع سے زیادہ کامیاب رہا۔ یہاں کی وزارت داخلہ نے تعاون کیا کہ ہر ملک کے آنے والے کو داخل ہونے دیا یہاں تک کہ روڈیشیا جو اس

حکومت کی باغی حکومت ہے وہاں کے آدمی کو بھی داخلہ کی اجازت دے دی، ایک بڑی تعداد بلا ویزا آئی۔ ان کو ہوائی اڈہ پر ویزا دے دیا گیا حالانکہ کاسن وٹھ میں نہیں تھے، ادھر اجتماع کی جگہ شیفلڈ میں شہر کے اندر مقامی انتظامیہ نے اپنا پارک دیا اور اس میں بیت الخلاء، غسل خانے، وضو کی جگہ، خیمے لگانے بنانے میں بھی اعانت کی۔ بہترین اور کھلا انتظام تھا، انگلستان اور دوسرے ممالک سے آنے والوں کی تعداد بھی کھانا کھلانے والوں کی روایت کے مطابق آٹھ اور دس ہزار کے درمیان تھی، وقت دینے والوں کی تعداد بارہ سو کے لگ بھگ تھی انگریزوں کے ہر طبقہ کے لوگ اجتماع میں آتے رہے۔ اسمبلی کے ممبر پادری پولیس پروفیسر، اخباری نمائندے، یہودی تاجر، طلبہ اور سجد اللہ پورے علاقے کے انگریز متاثر ہوئے۔ ایک بات بہت لوگوں کی زبان سے سنی گئی کہ یہ لوگ خدا کے مقرب ہیں ان کے اجتماع کی برکت سے بارش ہوئی نہ سردی۔ اس موسم میں یہ لوگ دھوپ کو ترستے تھے مگر اس دفعہ دوپہتے سے دھوپ ہی دھوپ نکل رہی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ رب کریم نے خاص کرم کیا، ورنہ ان خیموں میں اجتماع بارش و سردی میں ناممکن تھا۔ دوسری بات انتظامیہ کی زبانی سنی گئی کہ ہم نے ایسا پڑامن اجتماع اب تک نہیں دیکھا، دعاؤں کی درخواست ہے کہ رب کریم اس ملک میں اور پورے عالم میں دینی زندگی کو عام و تمام فرمائے اور اس کے لیے ہمیں ذریعہ کے طور پر استعمال فرمائے۔

مکتوب نمبر ۲ (مولانا محمد احمد صاحب بھاولپور)

وہ اجتماع میں اٹھائیس مختلف ممالک سے احباب تشریف لائے جن کی تعداد پانچ سو تک تھی، مزید یہ کہ اجتماع سے پیشتر پندرہ جماعتیں بیرونی ممالک میں گئیں تھیں اور تقریباً تیس جماعتیں اجتماع کے بعد بیرونی ممالک کے لیے روانہ ہوئیں، اس طرح کل ملا کر پینتالیس جماعتیں بیرونی ممالک کو گئیں، اندرون ملک اجتماع کی محنت کے لیے تقریباً پانچ سو سے زائد افراد پہلے چلے گئے تھے اور

تقریباً پانچ سو افراد اجتماع کے بعد اندرون ملک محنت کے لیے نکلے جن کی تقریباً پینتالیس جماعتیں بنیں، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نکلنے والوں کو انتہائی طور پر قبول فرمائے۔ اور پورے عالم میں اللہ پاک رشد و ہدایت کے فیصلے فرمائیں اور باطل کے چھٹنے کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

اجتماع کی کیفیت کچھ عجیب ہی تھی، سب ہی لوگ خوب متاثر ہوئے۔ یہاں تک کہ انگریز لوگ بھی بغیر متاثر ہوئے نہ رہ سکے۔ اور انگریزوں کی پولیس جو کہ اجتماع والے پارک میں پہرے کی غرض سے متعین تھی اور اجتماع میں گھوم پھر رہی تھی تاکہ کہیں خدا نخواستہ کوئی جھگڑا نہ ہو، وہ پولیس کے آدمی بھی خوب متاثر ہوئے، اور اجتماع کے نظم و ضبط کو دیکھ کر کہنے لگے کہ بے شک یہی مذہب سچا ہے، اس کے علاوہ اجتماع کے بعد پندرہ آدمی اٹرہ اسلام میں داخل ہوئے جن میں تین تو انگریز ہیں اور باقی امریکہ کے حبشی ہیں، ان نو مسلمانوں میں دو انگریز تو چار چار مہینے کے لیے جماعتوں کے ساتھ بھی چل رہے ہیں باقی حضرت جی کا اندون ملک کا تیرہ دن کا دورہ خوب کامیاب رہا۔ ہر جگہ سے نقد جماعتیں بھی نکلیں اور اسی دورے کے سبب تقریباً ہر شہر میں نئے نئے لوگ بھی تبلیغ کے اس کام کی طرف متوجہ ہوئے۔ کافی اجاب نے بیعت ہو کر۔ حضرت جی سے وعدہ بھی کیا ہے کہ اس کام کو انشاء اللہ تعالیٰ ہم لوگ مرتے دم تک کرتے رہیں گے۔

مکتوب نمبر ۳ (جناب حافظ محمد بیٹل صاحب لندن)

”۱۲ جولائی کو ہم یہاں انگلینڈ بذریعہ ہوائی جہاز تقریباً بیس آدمی پہنچ گئے۔ یہاں آتے ہی ایمس بریڈ فورڈ بھیج دیا گیا، یہاں پر حضرت مولانا کے متعلقین مولانا لطف الرحمن صاحب اور ان کے ذریعہ سے مولانا یوسف متالا سے ملاقات ہوئی ان حضرات نے خدام بارگاہ کے ساتھ جو حسن و سلوک کیا وہ سب حضرت والا کی اقدام عالیہ کی برکات ہیں، اس جگہ کے قریب ہی وہ مقام ہے جہاں اجتماع

طے پایا تھا تین دن گزارنے کے بعد شیفلڈ جانا ہوا، خدا کی شان ہے ۱۹۶۰ء میں یہاں آنا ہوا تھا تو اگاڑ کا لوگوں کو جمع کر کے پچاس ساٹھ آدمیوں کی جماعت میرے ساتھ چلے بھر چلی تھی لیکن آج ایسا عجیب منظر تھا کہ شاید ہی اس سرزمین نے اور اس کے رہنے والوں نے کبھی دیکھا ہو، نہایت طویل خیموں کی تین علیحدہ علیحدہ لائن تھیں ایک ایک خیمہ کے طول میں تقریباً ۱۵۰ آدمی سے زائد نماز میں کھڑے ہو سکتے تھے۔ مجمع بڑھتا چلا گیا، آفاق ارض سے لوگ پروانہ وار پہنچ رہے تھے خصوصی طور پر اردو دانوں کے علاوہ عربی، انگریزی، فرانسیسی حلقے ہوتے تھے اور عرب بھی رنگ برنگ کے جمع تھے ایک عجیب سماں تھا اور خدائے ذوالجلال کی عظمت و توحید کا دور دورہ تھا، مقامی لوگ حیران تھے، انھوں نے مجمع تو بہت دیکھے ہوں گے لیکن ایسا پرسکون دل کش منظر کہا نظر آیا ہوگا، پہلے دن پولیس کا زور تھا کہ نہ معلوم کیا کرنا پڑے لیکن جب دیکھا کہ یہاں تو آپس میں محبت و الفت کی شراب پیئے ہوئے ایک دوسرے سے گلے ملتے پھر رہے ہیں اور وہ بھی سب مختلف علاقوں کے تو ان کے تعجب کی انتہا نہ رہی اور وہ بے ساختہ کہنے لگے کہ ہم نے تو عمر بھر کبھی دیکھا نہیں کہ آٹھ دس ہزار آدمی اس طرح جمع ہوں، اور کوئی بات نہ پیدا ہو، نہ رضا کار، نہ والیوٹیر، نہ فرقہ انگیزی کی شانِ عالی کا مظہر تھا، الحمد للہ تمام طبقات اور تمام اطراف کے لوگوں نے اوقات دیئے اور تقریباً ۲۷ جماعتیں بیرون اور ۳۴ جماعتیں اندرون کی بنیں یہ ان جماعتوں کے علاوہ ہیں جو کہ پاک و ہند، بنگلہ دیش وغیرہ کی حضرات کے ساتھ ہیں۔ اس عظیم محنت کے اثرات اللہ تعالیٰ دکھا رہے ہیں۔ تقریباً ۱۳ دن کا اندرون میں ٹھہرنے کا نظام ہے اس کے بعد بیرون میں جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا۔ آپ کی دعاؤں کے محتاج ہیں اس رونق کے پیچھے خطرات بھی ہیں، شیطان اپنی باطنی قوتوں کو بیدار کر رہا ہے، خدائے تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے اور ہمارے کام کو اپنا کام بنا کر اہل عالم کی عمومی ہدایت کا فیصلہ فرمائے۔ آمین۔ فقط۔

شیفلڈ کے اس اجتماع کی محنت اور اس میں شرکت کے لیے ہندوستان سے بھی متعدد جماعتیں انگلینڈ گئی تھیں ایک جماعت جس میں مولانا سید ربانی، جناب احمد حسین، جناب علی نواز خاں اور خواجہ محی الدین صاحب وغیرہ تھے، بنگلور سے بھی گئی اور وہ اجتماع سے فارغ ہو کر حیدرآباد کویت، سعودی عرب ہوتے ہوئے ہندوستان واپسی ہوئی، اس جماعت نے جرمنی پہنچ کر اپنی جو مفصل دعوتی روداد اپنے مرکز بنگلور بھیجی۔ اس کے مطالعہ سے دعوتی محنت کے آغاز سے قبل انگلستان کی دینی و مذہبی اعتبار سے زبوں حالی اور موجودہ وقت میں وہاں اس محنت کے اثرات اور فوائد و منافع نیز اس ملک میں دعوت و تبلیغ کا عملی آغاز، اس کا ارتقاء اور اس کے نشیب و فراز کے بہت سے پہلو قارئین پر کھلیں گے۔ اس لیے یہاں اس طویل مکتوب کے اہم اجزاء پیش کیے جاتے ہیں :

”محرمی مکرمی ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“

امید کہ آپ بعافیت تمام ہوں گے۔ الحمد للہ دو ماہ تک انگلستان کا دورہ پورا کرنے کے بعد ہم سب بحیریت، ستمبر کو جرمنی پہنچے۔ آج سے دس بارہ سال پہلے پورے انگلستان میں آٹھ یا نو شہر ایسے تھے جہاں مسجدوں کے نام سے مکانات یا گھرے تھے، انہیں مکانات یا گروں میں نماز پڑھی جاتی تھی مگر کہیں نہ پنجگانہ نماز ہوتی تھی اور نہ امام مقرر تھے ان میں سے بعض مسجدیں ایسی

۱۔ جناب بھائی فاروق صاحب (بنگلور) نے یہ مکتوب حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں سہارنپور ارسال فرمایا تھا، آنحضرتؐ نے اس خط کی پشت پر جو ہدایت تحریر فرما رکھی ہے وہ راقم سطور کے لیے آج چھبیس سال گزرنے کے بعد بھی کسی حیرت و تعجب کا موجب اس لیے نہیں ہے کہ اس دربار قلندری میں نہ گردن جھکا کر بہت آگے تک کی دیکھ لینا، ایک معمولی بات تھی۔ اس تحریری ہدایت کے الفاظ آپ بھی پڑھیں :

”عزیز شاہد! شب جمعہ میں اس کو مدرسہ قدیم میں سنا کر اپنے پاس محفوظ رکھئے۔ زکریا“

اور گزشتہ چھبیس سال سے محفوظ رکھا جانے والا یہ مکتوب آج سوانح حضرت جی ثالث میں شامل کیا جا رہا ہے، بے شک بڑی پاک ہے وہ ذات جو خود نہیں بدلتی لیکن وقت اور زمانہ کو بدل دیتی ہے۔

تھیں جو صرف نماز جمعہ کے لیے کھلتی تھیں اور اس کے بعد مقفل ہو جاتی تھیں جمعہ اور عیدین کی نمازوں کے لیے سچاس ساٹھ میل دور جانا پڑتا تھا۔ میت کے لیے غسل کفن، تدفین اور قبرستان کا کوئی انتظام نہیں تھا بعض اوقات میت کو ان کے ملکوں کو روانہ کر دیا جاتا تھا بڑی دشواری پیش آتی تھی کہا جاتا تھا کہ یہاں مینا آسان ہے مگر نماز مشکل ہے۔ علال طریقہ پر زنج کرنے کا نہ انتظام تھا نہ کسی کو اس کی پرواہ تھی بچوں کی تعلیم کے لیے مدرسہ یا مکتب کا وجود نہ تھا۔ قرآن شریف وضو غسل نماز کی ترکیب بلکہ بسم اللہ و کلمہ کے الفاظ سے بھی اکثر لوگ نا آشنا تھے انگریزی سیکھنے اور بولنے پر فخر کرتے تھے نماز روزے کی پابندی تو درکنار نماز و روزہ اور دین کی باتوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور بعض تو کہا کرتے تھے کہ ہم تو یہاں دنیا کا نام لے کر آئے ہیں دین کو اپنے گھر میں چھوڑ آئے ہیں۔ اسی بے دینی کی فضا میں اشرب العزت نے محض اپنے لطف و کرم سے اپنے جیب پاک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے مبارک اعمال کو زندہ کرنے کی محنت اور دعوت والے کام میں جڑنے کی توفیق یہاں کے بعض مخلص بندوں کو عطا فرمائی۔

۱۹۵۶ء میں سب سے پہلی جماعت چار ماہ کے لیے انگلستان آئی مگر چھ ماہ تک پورے ملک کا دورہ کرتی رہی اس قربانی سے ملک میں دین کی دعوت و محنت کا افتتاح ہوا ۱۹۶۵ء میں سب سے پہلا تبلیغی اجتماع مانچسٹر میں ہوا انھیں دنوں کرنل امیر الدین صاحب کی جماعت چار ماہ کے لیے ہندوستان سے پہونچی۔ علیگڑھ والے خالد صدیقی بھی اس جماعت میں تھے جماعتوں کی نقل و حرکت اور مسلسل محنت کے بعد حالات بدل گئے ڈیویز بری اب بھی مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ حافظ محمد ٹیل صاحب جیسے مخلص احباب نے بڑی قربانیاں دی ہیں انھیں جیسے حضرات کی محنت و توجہ سے یہاں کام چل رہا ہے ہمارے ملک کے اکابر حضرات اور مشاہیر علماء کا بھی دورہ ہوا ہے جس سے دین کے کام کو

مزید تقویت حاصل ہوئی، گجرات کے اصحاب کے علاوہ حاجی محمد اویس صاحب (سیلون) بھائی قاسم صاحب (بمبئی) حاجی نور محمد صاحب اور حاجی محمد انور صاحب (بنگلور) کی جماعت کا دورہ ہوا تو بڑے پیمانہ پر اجتماع کرنے کی تجویز دماغوں میں آئی۔ چنانچہ شیفلڈ میں ۱۵، ۱۶، ۱۷ جولائی ۱۹۷۲ء والا عالمی اجتماع اسی تجویز کی عملی شکل تھی۔ جس میں حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب مولانا محمد عمر پالن پوری اور دیگر اکابر حضرات دنیا کے مختلف حصوں سے تشریف لائے تھے یہ اجتماع یونہی نہیں ہو گیا، بڑی محنت اور قربانی اس کے پیچھے ہے نہ صرف مالی و جسمانی بلکہ روحانی محنت کو بھی بہت دخل تھا۔ اجتماع سے پہلے یہاں کے فکر مندوں نے پورے ملک کا دورہ کیا، کئی مشورے ہوئے، چلہ اور تین چلوں کی ۱۵ جماعتیں باہر نکالی گئیں۔ دعا والی جماعت بیت اللہ روانہ کی گئی جو حال ہی میں واپس ہوئی۔ ایسی محنت کی گئی کہ کام کرنے والوں نے چین نہ لیا، رات دن اسی فکر و دھن میں غرق تھے۔ مرد تو کیا عورتوں نے بھی کافی محنت کی۔ مستورات کی مستقل جماعت نے اپنے محرموں کی نگرانی میں ملک بھر کا دورہ کیا اور خواتین میں کام کیا، گجرات، یاسر، اور کیرالا کے علاوہ امریکی خواتین نے بھی برقع اوڑھ کر اس میں حصہ لیا، ملک و بیرون ملک میں بعض خواتین نے اجتماع کی کامیابی کے لیے روزے رکھے اور اعتکاف کیا۔ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم جیسے بزرگان دین سے خصوصی دعائیں کروائی۔

شیفلڈ میں حضرت جی والا اجتماع انگلستان میں کام کرنے والوں کی قربانی اور محنتوں کا ثمرہ تھا۔ اس سہ روزہ عالمی اجتماع میں عالم اسلام کے مختلف ممالک کے علاوہ امریکہ، افریقہ، یورپ، ہندوستان اور انگلستان کے دس ہزار فرزندانِ توحید جمع ہوئے تھے (دوسرے دوپہر کے کھانے کے ٹکٹ آٹھ ہزار پانچ سو (۸۵۰۰) فروخت ہوئے تھے) یہاں کے ماحول میں دس ہزار کا مجمع ہونا ہمارے یہاں کے دس لاکھ سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور کافی محنت چاہتا ہے۔

قال الله وقال الرسول اور دعوتِ دین اور اذان کی آواز سے پوری فضا گونج رہی تھی انگریز حیران تھے کہ کرسی، میز اور بنگ کے بغیر خالی میدان میں خیموں کے اندر دس ہزار کا مجمع تین دن تک کیسے بیٹھا اور جڑا، کس طرح سویا اور ٹھہرا، پانی وضو اور استنجا کا عجیب نظام تھا، کھانے پینے کا معقول انتظام تھا سب کے سب فرش پر بیٹھے تھے نماز کی کیفیت اور صف بندی کا ایمان افروز منظر بھی فرنگی آنکھوں نے پہلی دفعہ دیکھا، کالے اور گورے، عجمی اور عربی ایک ہی صف میں کھڑے ہوئے تھے پولیس کا پہرہ تھا مگر وہ بھی حیران تھے کہ اتنے بڑے مجمع میں نہ شور نہ ہنگامہ نہ گڑبڑ اور نہ چوری کا کوئی واقعہ پیش آیا، جو چیز جہاں تھی وہیں پڑی ہوئی تھی، کوئی ہاتھ نہ لگاتا تھا بعض تو اس قدر متاثر ہوئے کہ اسی وقت آغوشِ اسلام میں داخل ہو گئے، ہمارے ایک ساتھی کی گھڑی عشاء کے وقت کھو گئی اور دوسرے دن فجر میں وہیں مل گئی۔ اب ہر جگہ سے قبولِ اسلام کی خبریں ملتی ہیں ہمارے ساتھ بھی دو نو مسلم انگریز سفر میں تھے یہ کام سیکھنے کے لیے ہمارے ملک آنے کو آمادہ ہیں۔

جب جماعت اسپین کے راستہ سے مراکش (مراکو) جا رہی تھی، دو عیسائی سیاح ہمراہ تھے، سمجھایا کہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا طریقہ دین اسلام کہلاتا ہے دونوں متاثر ہوئے، دوسرے دن اجتماع میں پہنچے کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہو گئے۔ اب یہ دونوں سیر و سیاحت کو چھوڑ کر جماعت کے ہمراہ دین کی دعوت و محنت میں لگ گئے ہیں۔ لندن بہت بڑا شہر ہے۔ چالیس میل تک پھیلا ہوا ہے پورے ملک میں پانچ لاکھ مسلمان آباد ہیں تو اکیسے لندن میں ایک لاکھ مسلمان بستے ہیں۔ پورے ملک کے لیے جتنی محنت کی ضرورت ہے اس سے زیادہ صرف لندن کے لیے ضرورت ہے۔ اس ملک میں کام کو اٹھانا جس قدر آسان ہے، اس سے زیادہ اس کو بیٹھانا دشوار ہوتا ہے کام جس قدر آسان ہے اس قدر نازک بھی ہے مواقع شناسی

محل شناسی اور حکمت عملی کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اصولوں کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ہمارے یہاں ایک دن میں جتنا کام ہوتا ہے اتنا ہی کام یہاں ایک ہفتہ محنت کرنے پر قابو میں آتا ہے، عام طور پر مکانات دور دور ہوتے ہیں۔ مجموعی گشت کے لیے بعض اوقات سواری کی ضرورت پیش آتی ہے۔ لوگوں کا جمع ہونا اور جمع کرنا کافی محنت چاہتا ہے اللہ کا شکر ہے کہ ہر جگہ لوگ دین کے فکر مند ہیں اور کام کی طرف متوجہ ہیں۔ خلوص و محبت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ جماعتوں کی نقل و حرکت اور مسلسل محنت کے ثمرات و برکات اب علانیہ ظاہر ہو رہے ہیں الحمد للہ ہر جگہ نماز پنجگانہ باجماعت کا اہتمام ہے، انگلستان میں تقریباً ڈیڑھ سو مساجد ہیں۔

قرآن شریف اور دینیات کی تعلیم کے لیے مکاتیب اور مدارس جاری کیے گئے ہیں۔ مجلس علماء نے دینی تعلیم کا نصاب تیار کیا ہے، بولٹن نامی جگہ پر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے مشورے سے دارالعلوم قائم کیا گیا ہے۔ حضرت جی مدظلہ کے دست مبارک سے اس کا افتتاح عمل میں آیا ہے۔ ہر مقام پر علماء اور حفاظ موجود ہیں، جو امام اور مدرس کے فرائض انجام دے رہے ہیں حفظ قرآن کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ مفتی حضرات موجود ہیں۔ جمعہ عیدین اور تراویح کا انتظام ہے۔ میلوں دور جانے کے ضرورت نہ رہی۔ حلال گوشت کی کئی دکانیں کھل گئی ہیں۔ جائز طریقہ پر ذبح کیا ہوا گوشت مل رہا ہے۔ ذبیحہ مرغیاں ملتی ہیں۔ میت کے لیے غسل کفن اور تدفین کا باقاعدہ انتظام ہے۔ تدفین کے لیے قبرستان میں علیحدہ مقام حاصل کیا گیا ہے۔ بعض علاقوں میں مسلمان اس کثرت سے آباد ہیں کہ یہ محسوس نہیں ہوتا کہ ہم انگلستان میں ہیں، ان علاقوں کی مساجد میں روزانہ تعلیم، ہفتہ واری گشت، مشورہ جماعتوں کی تشکیل، ہفتہ اتوار کی چھٹیوں میں باہر نکلنا وغیرہ دینی سرگرمیاں عام ہیں، ہر مسجد میں مدرسہ ہے

بچے اور بچیاں دینی تعلیم حاصل کرتی ہیں، رب العزت مزید ترقیات دے آئیں۔ فقط
شیفلڈ کے اجتماع سے فارغ ہو کر حضرت مولانا نے انگلینڈ، اسکاٹ لینڈ اور دینز کے محکمات اور
متعدد مقامات کا (طبیعت کی ناہمواری، نزلہ، زکام، کھانسی اور بخار کے باوجود طویل) دعوتی دورہ
فرمایا۔ چارٹرڈ سٹیشن، بلیک برن، مانچسٹر، بولٹن، برید فورڈ، باٹلے، گلاسگو، لیڈس، لیسٹر، نئی ٹن،
والسال، برمنگھم، گلاسٹر وغیرہ مقامات پر تشریف لے جا کر پوری دردمندی اور فکر کے ساتھ اپنا
دعوتی فریضہ انجام دیا، داعی بننے کا نفع اور مدعو بننے کا نقصان سمجھایا، توحید و ایمان کی طرف
بلایا اور مغرب و مشرق کے درمیان کے فرق کو خوب کھول کر وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا۔

ان تمام مقامات کا سفر شروع ہونے سے قبل حضرت مولانا نے دینی و دعوتی مصلحت
کے پیش نظر اپنے میزبانوں سے بڑے محبت آمیز لب و لہجہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ ہم اپنے کھانے
اور ناشتہ کا انتظام خود کرنا چاہتے ہیں، ہماری خواہش یہ ہے کہ اس مسئلہ میں آپ حضرات
کوئی فکر نہ کریں۔

حضرت مولانا کی یہ خواہش ایسی تھی جو میزبانوں کے لیے بڑی آزمائش اور گویا ان کے
تعلق و عقیدت کے پاکیزہ جذبات کا ایک امتحان تھا، بالآخر طویل انکار و اصرار کے بعد۔
مہانوں اور میزبانوں کے مابین ایک درمیانی شکل طے پا گئی اور پورے سفر میں اسی کے
مطابق طعام کا نظم ہوتا رہا۔

حضرت مولانا ان شہروں اور علاقوں کی سفری تفصیلات اور یورپ میں اسلامی دعوت
پر خطرات و غدشات کا اظہار کرتے ہوئے حضرت شیخ کو لکھتے ہیں:

"اب ہمارا دورہ ہو رہا ہے صبح کہیں شام کہیں، رات کہیں کل گلاسگو
بذریعہ موٹر گئے تھے، ڈھائی سو میل کا سفر تھا، آج واپس ریل سے آئے۔"

مولانا محمد یوسف تھلا افریقی جو ان اجتماعات میں شامل رہے حضرت شیخ کو اپنے مکتوب میں لکھتے
ہیں کہ ہماری جماعت پریٹن میں ایک مقام پر گشت کر رہی تھی چہرے مہرے لمبی داڑھی اور لباس سے متاثر ہو کر انگریزوں کے
چھوٹے چھوٹے بچے جو کھیل کود میں لگے ہوئے تھے، یہ ساختہ پکار پکار کر انگریزی میں کہنے لگے کہ عیسیٰ آگئے عیسیٰ آگئے۔

نوٹریں اگرچہ تھیں لیکن کل سے کچھ نزلہ زکام حرارت کا اثر تھا، ریل میں کچھ لیٹنا ہو گیا اور راستہ میں کچھ سونا بھی ہو گیا، موٹر والے اب عصر کے بعد تک نہیں پہنچے ہم نے ظہر یہاں پہنچ کر پڑھی، دو روز سے یہاں کا جو موسم بارہ ماہ رہتا ہے۔ وہ شروع ہو گیا، بادل، بارش، سردی۔ ۱۲ روز تک تو خوب دھوپ نکلی رہی اور آسمان صاف رہا لیکن الحمد للہ ہمارے کام پر کوئی اثر اس موسم کا نہیں ہے۔

پورے ملک یو کے کے تین صوبہ میں، انگلینڈ، اسکاٹ لینڈ، دیلزٹینوں صوبوں میں ۲۰-۲۵ مقامات پر جانا ہوا۔ الحمد للہ ہر جگہ پر اجتماعات اور ملاقاتیں خوب رہی اور سب جگہ لوگ اچھا ہی اثر اور خوب اثر بتاتے ہیں۔ اللہ جل شانہ پائیدار فرمائے۔ مولوی یوسف متالا کے مدرسہ کے بارے میں اُس مقام پر جہاں دارالعلوم بنانا ہے، سنگ بنیاد نہیں رکھا گیا بلکہ قریب کی مسجد میں دارالعلوم کے لیے دعا کرائی گئی، اس جگہ میں ابھی کچھ قانونی کسر تھی جس کی بنا پر وہاں مجمع کا جانا مناسب نہیں سمجھا گیا، مولوی یوسف متالا اپنی بیماری کی وجہ سے مستقل ساتھ نہ رہ سکے لیکن آتے جاتے رہے۔

موسم ایک عشرہ تک خوب گرم رہا خوب دھوپ نکلی رہی، تین روز تک بارش اور خوب سردی رہی، اب دونوں ملا جلا کبھی دھوپ نکل آتی ہے اور کبھی ابر آ جاتا ہے، تمام دن میں کئی بار ایسا ہو جاتا ہے جن تین روز میں بارش اور سردی رہی معلوم نہیں بھیگنا ہوا یا کیا اس روز سے کھانسی، زکام، نزلہ حرارت کا سلسلہ شروع ہوا، الحمد للہ حرارت تو تین روز کے بعد نہیں رہی لیکن زکام، نزلہ چل رہا ہے اور سفر مسلسل ہو رہا ہے اللہ جل شانہ فضل فرمائیں۔

الحمد للہ بیسیوں اشتر کے بندے اس سفر میں جماعت کے ہاتھوں خلافت سے تائب ہوئے اور ضالین کے زمرہ میں سے نکلے، الحمد للہ پورے انگلستان میں اشتر کے فضل سے بہت اچھے اثرات ظاہر ہوئے عمومی استقبال و رجحان ہے، دین اہل دین کی رغبت اور طلب ہے لیکن یہ انتہائی فکر کی چیز ہے کہ

جس سطح کے علمائے کرام یہاں پر تشریف لارہے ہیں وہ علمی اور دینی سطح کے اعتبار سے بہت ہی زیادہ فکر کی چیز ہے، اللہ جل شانہ ہی اپنا فضل فرمائے اور تربیت کی بہترین صورت پیدا فرمائے تھوڑی سی بے عنوانی سے اس پورے طبقہ سے متفر ہو کر پھر ان کی بات کا سننا بھی مشکل سے گوارہ کیا جائے گا۔ تازہ تازہ جذبہ ہے جدید جدید مسجدیں بنائی جا رہی ہیں جس کا کسی سے ذرا سا بھی تعلق ہے اس کے ذریعہ سے یہاں پر قدم جمانے کی کوشش کی جاتی ہے، اللہ جل شانہ ہی خیر فرمائے۔ ہمارے اجتماع کے نام سے بھی کئی آدمی آکر اپنی جگہیں تلاش کر رہے ہیں۔

ہمارا قافلہ تقریباً دو سو نفر کا تھا جس کو بکھیرتے رہتے ہیں۔ حافظ عبدالعزیز بھائی شفیع، محمد اخلاص کو بھی ایک جماعت کے ساتھ لگا دیا تھا، ایک ہفتہ کے بعد کل ملاقات ہوئی تھی بہت خوش تھے، بھائی شفیع کے چھوٹے بھائی صالح بھی جماعت کے ساتھ ہیں خالد علی گڑھ کی جماعت میں جڑے ہوئے ہیں۔ مولانا یوسف متالا کے یہاں بولٹن میں ایک رات رہا، ہوا وہ مقام جہاں دارالعلوم بنانا ہے وہاں پر توجانا نہیں ہوا، کہ ابھی قانونی قبضہ اور تکمیل نہیں ہوئی، مسجد ہی میں دعا کرائی، الحمد للہ مساجد کثرت سے وجود میں آرہی ہیں، دوسری جگہ پریسٹن میں ایک جگہ مسجد کے لیے ساتھیوں نے خرید لی ہے وہاں پر جانا ہوا، سب متفق اللسان ہیں۔ کہ تبلیغ کی برکت سے مساجد بن رہی ہیں اور زندگی میں تبدیلی آرہی ہے۔

مولانا محمد عمر صاحب کے مکتوب سے اس دورہ کی مزید تفصیلات اور معلومات ہوتی ہیں وہ لکھتے ہیں: "شیفلڈ سے ۱۱ جولائی بدھ کو عصر کے بعد نکل کر پریسٹن میں آکر اپنی مغرب کی نماز پڑھی۔ فجر کی نماز کے بعد مولانا اسلم صاحب کا بیان ہوا، درس نبی جماعتیں گشت کے لیے شہر میں پھیل گئیں، گیارہ بجے عورتوں کا اجتماع ہوا، اسن میں

حضرت جی دامت برکاتہم کابیان ہوا، بیعت ہوئی، ظہر کی نماز کے بعد کابیان ہوا، پھر حضرت جی دامت برکاتہم کابیان ہوا، تشکیل بھی ہوئی، عصر سے پہلے بلیک برن میں جا کر عصر کی نماز پڑھی، عصر کے بعد مولانا محمد احمد صاحب کا پھر حضرت جی کابیان ہوا یہ اجتماع ٹاؤن ہال یعنی سرکاری مکان میں ہوا۔ ۲۱ جولائی کو ناشتے پر بلیک برن میں علما، حضرت جی دامت برکاتہم کے پاس جمع ہوئے تشکیل ہوئی، بندہ غورتوں میں بیان کرنے گیا پھر حضرت جی نے آکر بیان کیا اور بیعت کی۔ پھر جمعہ مانچسٹر آکر پڑھا، یہاں مفتی صاحب کابیان جمعہ سے پہلے ہوا تشکیل ہوئی، بعد جمعہ۔ حضرت جی کابیان ہوا، کھانا کھا کر آرام کر کے عصر میں بولٹن پہنچے۔ عصر مغرب کے بیچ میں حضرت جی کابیان ہوا، تشکیل میں نام آئے۔

بولٹن میں آج صبح مستورات میں بندہ کا، پھر حضرت جی کابیان و بیعت ہے رات کو بھی مولوی یوسف متالا صاحب نے مردوں میں حضرت جی کی بیعت کرائی۔ بولٹن سے ۲۲ جولائی، سینچر کو بریڈ فورڈ آئے، ظہر کے بعد پہلے حضرت جی دامت برکاتہم کا اور پھر مفتی صاحب کابیان ہوا۔ پھر بریڈ فورڈ سے باٹلی آنا ہوا، عصر سے پہلے پہنچ گئے، عصر کے بعد بندہ کابیان ہوا، حضرت جی دامت برکاتہم نے بھی مختصر بات کر کے تشکیل فرمائی، نام آئے دعا ہوئی، پھر باٹلی سے گلاسگو آنا ہوا۔ یہ لمبا سفر تھا ظہر کی نماز تاخیر سے گلاسگو میں آکر پڑھی، بیان عصر کے بعد ہوا، حضرت جی دامت برکاتہم کی دعا ہوئی تشکیل بھی اچھی ہو گئی۔ ۲۳ جولائی کو یہاں سے روانہ ہو کر ڈیوڑری پہنچے، حضرت جی دامت برکاتہم اور لوگوں نے ریل سے سفر کیا، راستے میں لیڈس اترے یہاں بھی بیان و دعا اور تشکیل ہوئی، یہاں سے ہرڈس فیلڈ جا کر وہاں بعد عصر حضرت جی کابیان ہو کر دعا ہوئی تشکیل بھی کی گئی یہاں مجمع زیادہ ہونے کی وجہ سے اجتماع پیرس ہال میں رکھا گیا یہ ہال ہولعب اور خرافات میں استعمال ہوتا تھا، لیکن اللہ پاک نے وہاں پر دینی دعوت کو زندہ فرمایا، عصر اور مغرب کی دو نمازیں اسی ہال میں اذان و تکبیر

جامعت ادا کی گئیں پھر اسی ہال میں حضرت مولانا کے ہاتھ پر ایک بڑے مجمع نے اپنے گناہوں سے توبہ کر کے آئندہ کی زندگی اعمال صالحہ پر گزارنے کی نیت کی۔
 ڈیوڑری سے ۲۵ کولیٹر اور ۲۶ کوئی ٹن جانا ہوا۔ کوئیٹر میں بھی حضرت جی دامت برکاتہم نے بیان کیا پھر واپس نئی ٹن آگئے۔ اس دورہ میں نقد تشکیل تو کم ہوئی کیوں کہ اکثر شیفلڈ کے اجتماع سے نکل گئے ہیں۔ ہفتہ دو ہفتہ کی تشکیلیں ہو رہی ہیں، بعض چلوں کے بھی تیار ہوتے ہیں لیکن ادھار تشکیل اچھی ہوتی ہے، اور یہاں والے وعدہ پورا کرتے ہیں۔ لیٹر میں میرے ذمہ علماء کا حلقہ تھا مفتی صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ حضرت جی دامت برکاتہم ساتھ چلنے والے قافلے سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے ان علماء کی سو فیصد کی سال سال بھر کی تشکیل ہوئی۔ اور تاریخوں کی تعین بھی ہو گئی۔ تقریباً دس علماء تھے، نئی ٹن میں بھی عصر اور مغرب کے بعد علماء سے بات ہوئی، قاضی صاحب اور مولانا سعید خاں صاحب بھی تھے۔ بعض نے سال سال بھر لکھوایا۔ ہر جگہ مقامی کام کی فضا بھی بنتی ہے تقریباً دو سو کا قافلہ ساتھ چل رہا ہے۔ آگے پیچھے جماعتیں بھی کام کر رہی ہیں۔ خالد بھائی علی گڑھ کی جماعت اور کرنل امیر الدین وغیرہ اپنا پورا وقت انگلینڈ میں گزاریں گے اور بنگلور کی جماعت دو چلے انگلینڈ میں اور ایک چلے جرمنی میں گزارے گی۔

۲۷ جولائی کو واں سال آنا ہوا۔ ۲۸ جمعہ کو برمنگھم کا پروگرام بہت اچھا رہا، یہ شہر لندن کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ جمعہ میں کئی جگہ بیان ہوا۔ عصر سے مغرب تک مولانا سعید احمد خاں صاحب اور حضرت جی دامت برکاتہم کی بات پر خوب تشکیل ہوئی۔ پہلے یہ شہر بہت اٹھتا تھا، بیچ میں کچھ عوارض کی وجہ سے بیٹھ گیا۔ اب الحمد للہ دوبارہ اس میں حرکت پیدا ہوئی ہے۔ ۲۹ جولائی کو گلاسٹر جانا ہوا۔ بیان اور تشکیل ہوئی، مقامی کام کے لیے بھی تفصیل سے بات ہوئی، عصر کے بعد بندہ کا اور حضرت جی دامت برکاتہم کا بیان ہو کر تشکیل ہوئی، مغرب کے بعد بھائی عبد الوہاب صاحب نے مقامی کام کا زمین بنایا، وعدے لیے حضرت جی

دامت برکاتہم نے پھر کچھ ارشادات فرما کر دعا فرمائی۔

۳ جولائی اتوار کو لندن آنا ہوا، سینچر کو ایک جماعت کا رڈف بھیجی جہاں پر عرب حضرات میں کام ہوا اور تشکیل ہوئی۔ ۳۰ جولائی کو عصر کے بعد لندن میں حضرت جی کا بیان ہو کر تشکیل ہوئی، ۳۱ جولائی پیر کو پرائون کو مسجد میں جوڑا۔ حضرت جی دامت برکاتہم نے بندہ کو سمجھا کر بھیجا کہ کیا کہنا ہے، وہ سب جا کر کہہ دیا سارے ہی پرانے تھے۔ حضرت جی دامت برکاتہم بہت خوش ہوئے فرمایا کہ سب ہی کہ ڈالا تشکیل بہت اچھی ہوئی، لوگوں نے ہندوستان آنے کے لیے نام لکھوائے۔ حضرت جی نے پھر کھل کر بات کی، ظہر کے بعد بھی روک کر چھ نمبر کی تائید فرمائی!

یکم اگست کو عصر کے بعد ۱۲ میل دور لندن ہی کے ایک تعلیم یافتہ حلقے میں اجتماع تھا۔ حضرت جی دامت برکاتہم نے بندہ کو بھیج دیا مجمع کافی جمع تھا الحمد للہ تشکیل ہوئی ایک نقد جماعت ایسی بنی جو حضرت جی دامت برکاتہم کی دہلی واپسی تک انگلینڈ پھرے گی، سارے احباب کو ۲ اگست بدھ کو صبح دس بجے مسجد میں جمع کر کے ترتیب دی، پھر حضرت جی دامت برکاتہم نے ان میں مختصر بات کی، اور دعا کرائی اور صرف سلام کر کے رخصت ہو کر ہوائی اڈہ پر پہنچے وہاں بھی دعا ہوئی، مصافحہ ہوئے۔ ۸ میل دور ہوائی اڈہ ہے ساڑھے چار بجے ہمارا ہوائی جہاز لندن سے روانہ ہوا اور پیرس (فرانس) میں سو اپانچ بجے اترا، اللہ

حضرت مولانا اس پورے دعوتی دورہ میں اسلام کی حقانیت اور اس کی آفاقیت و ابدیت کو واضح طور پر بیان کرتے ہوئے مغربیت کے کھوکھلے پن کو بڑے واضح اور واضح انداز میں بیان فرماتے رہے۔ مجلسوں میں بار بار اپنے مخاطبین سے دریافت فرماتے تھے کہ آخر مغرب کے طرز حیات میں ایسی کون سی کشش اور نفع ہے جس کی بنا پر انجام سے باخبر ہو کر

اس کے پیچھے بھاگتا جا رہا ہے۔
حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو آپ اس ملک میں ہونے والی اپنی تقاریر کے موضوع و عنوان کے متعلق لکھتے ہیں،

”بندہ نے ہر جگہ پر یہ بات کہی اور لوگوں سے پوچھا بھی کہ انگریزی معاشرت کھانا پینا اور مکان بود و باش اور لباس کسی چیز میں بھی راحت نہیں تو کون سی ادا ان کی پسند آئی ہوئی ہے، اب تک کسی ایک نے بھی نہیں بتایا کہ اس میں راحت کی کیا چیز ہے۔ مکان اپنے مشرقی زیادہ راحت کے ہیں کھانا اپنا مشرقی زیادہ مزیدار ہے لباس اپنا زیادہ راحت کا ہے، ہر ایک نے یہی کہا کہ ٹھیک ہے مجبوری کو یہاں پڑے ہیں، دل کسی کا نہیں لگ رہا ہے صرف تصنع اور تکلف نمائش ہی نمائش ہے، البتہ یہاں پیسے بہت ملتے ہیں۔ غرض یہاں اگر غیروں کی زندگی بہت زیادہ آشکارا ہو گئی، اور بندہ ہر جگہ خوب جانتا ہے کہ وہ ادا بتاؤ تو یہی جو پسند آئی ہے۔ لیکن اب تک کسی نے نہیں بتائی“ لہ

اسی طرح ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :

”بندہ مجالس میں یہاں کی دنیاوی زندگی کی بے رونقی اور دنیاوی حیات کے بے کیف ہونے کو خوب کہتا رہا اور لوگوں سے یہ بات کہتا رہا کہ معلوم نہیں ہمیں ان کی کون سی ادا پسند آئی۔ اعمال تو سب کے سامنے ہیں لیکن دنیاوی زندگی کے اعتبار سے بھی بالکل پھیلکی اور بے کیف زندگی ہے“ لہ

انگلینڈ کا اٹھارہ روزہ سفر پورا فرما کر حضرت مولانا اور ان کی معیت میں تمام قافلہ اکیس جمادی الثانی (۲۸ اگست) بدھ میں ایرفرائس سے روانہ ہو کر پیرس (فرانس) کے مطار پر اترے، قیام گاہ پر (جو ایک عرب دعوتی کارکن کے مکان کی ساتویں منزل تھی) پہنچ کر نماز عصر ادا کی۔ یہاں کے قیام اور سفر کا اصل محرک ایک اہم اجتماع تھا جو احمدیہ بڑی خیر و خوبی کے ساتھ ہوا۔ اس کے علاوہ مختلف

لہ مکتوب محرمہ ۲۵ جولائی ۱۹۷۲ء از ڈیویز بری لہ مکتوب بنام حضرت شیخ ۱۸ محرمہ ۱۴۰۸ جولائی۔

جماعتوں کے ذریعہ انفرادی طور پر دعوتی محنت اور خصوصی ملاقاتیں بھی ہوتی رہیں۔ حضرت مولانا نے پیرس پہنچ کر جو مکتوب حضرت شیخ رحمہ اللہ کے نام ارسال فرمایا، اس میں احوال سفر کے ساتھ اجتماع کے لیے جگہ کی دشواری اور عین وقت پر نصرۃ الہیہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اس تفصیلی مکتوب سے ایک اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں،

”کل دو اگست کو لندن سے پیرس آنا ہوا، یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ جو بڑی مسجد ہے جس میں اجتماع اور جماعتوں کا قیام ہو سکتا تھا، اس کی اجازت نہیں، نہ قیام کی نہ بیان کی، ساتھی پریشان تھے، ان ترقی یافتہ ممالک میں جو دنیا کے پیشوا بنے ہوئے ہیں اور دنیا ان کی اقتداء کو فخر سمجھتی ہے وہاں پر ہر چیز مشکل بنی ہوئی ہے جگہ کا مسئلہ بہت ہی مشکل ہے، ساتھی پریشان تھے اور جگہ کی تلاش میں پھر رہے تھے۔ ایک پادری ملا، اس نے ایک گرجا دکھائی، بڑی جگہ تھی جس میں تمام ساتھی جو تقریباً ڈیڑھ سو تھے سب سما سکتے تھے لیکن اس میں۔ تصاویر بہت تھیں جس کی بنا پر ساتھی اس پر راضی نہیں تھے، وہ پادری دوسرے گرجا میں لے گیا اس میں تصاویر نہیں تھیں۔ البتہ بیت الخلاء کی دقت تھی وہ صرف دو ہی تھے، ساتھیوں نے اس کو قبول کر لیا اور بیت الخلاء کے لیے دوسرے مقامات پر جاتے رہے۔ الحمد للہ کام ہوتا رہا وہ پادری بھی بیانات میں شریک رہا پھر دوسرے لوگوں کو بھی لے کر آیا۔ بہت سے فرانسیسی مرزا اور عورت آخری بیان میں شریک ہے۔“

مولانا محمد عمر صاحب کے مکتوب میں مقامی و علاقائی دعوتی عمل اس میں بتدریج اضافہ و ترقی نیز اجتماع و اجتماع گاہ کی بہت سی تفصیلات اور جزئیات کا اندراج ملتا ہے۔ موصوف حضرت شیخ کو لکھتے ہیں:

”اجاب پیرس ہوائی اڈہ پر موجود تھے، قیام گاہ مظاہرے میں میل دور تھی

وہاں پہنچ کر نماز عصر پڑھی، اجتماع گاہ کی جگہ کا فکر تھا کہ اتنی بڑی جگہ پیرس میں نظر نہ آتی تھی۔ ایک مسجد ہے وہ حکومت کے ہاتھ میں ہے، بہت ہی متفکر تھے اتنے میں ہمارے ساتھیوں کو جو پہلے سے پیرس پہنچے ہوئے تھے، ایک پادری ملا اس نے کہا کہ میں جگہ بتاؤں، وہ ایک بہت بڑے گرجا میں لے لیا، پانی اور استنجے کی اچھی سہولت تھی، لیکن اس میں حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کی تصویریں تھیں مورتیاں بھی تھیں، ساتھیوں کو اشکال ہوا تو وہ دوسرا گرجا بتانے لے گیا۔ یہ بہت صاف تھا تصویریں نہ تھیں، بیت الخلاء صرف دو تھے لیکن قرب و جوار میں مسلمانوں کی بلڈنگیں ہیں۔ وہاں نظم ہو گیا، لہذا یہ اجتماع اسی گرجا میں ہے کرایہ پوچھا تو پادری نے کہا کہ تم اجتماع کرو، مجھے کرایہ نہیں چاہئے۔ اللہ کا بہت بڑا فضل ہوا کہ جگہ طے ہو گئی، ورنہ دو دن پہلے تک ساتھی پریشان رہے لیکن الشکر کا کرم ہوا کہ اترتے ہی کام چالو ملا۔ پیرس بہت بڑا شہر ہے۔ محل اجتماع بالکل کنارے پر ہے، لوگوں میں دین کی اتنی رغبت نہیں کہ ہر جگہ سے محل اجتماع پر آکر جمع ہو جائیں۔ اس لیے ۳ اگست جمعرات کو ظہر کے بعد ۷-۸ جماعتیں بنا کر ۷-۸ مقامات پر بھیج دیں، یہاں ایک ایک مقام پر ہزاروں مسلمان رہتے ہیں ان کے لیے ایک بڑا کمرہ بھی ہوا کرتا ہے جس میں سینما ٹیلی ویژن، کھیل کود یا کوئی جلسہ کیا جاتا ہے۔ اب بعض مقامات پر انھیں کمروں میں پنج وقتہ نماز ہو رہی ہے، یہ خبر ملی کہ تقریباً پچیس مقامات پر روزانہ نماز ہوتی ہے۔ اکثر جگہ مغرب، عشاء اور فجر ہوتی ہے، ظہر عصر اپنے کاروباری مقام پر ٹھہر لیتے ہیں۔ سات جگہ ایسی ہیں جہاں پنج وقتہ نماز ہوتی ہے۔

آج سے نو سال پہلے جب ہم آئے تھے تو سرکاری مسجد میں صرف ۲-۳ نمازی ظہر عصر میں ہوتے تھے، یہاں والوں نے بتایا کہ جماعتوں کی نقل و حرکت سے اتنے مقامات پر نمازیں ہو رہی ہیں، صرف پیرس میں سات لاکھ مسلمان ہیں، جماعتوں نے ہر جگہ جا کر پورا کام کیا، باوجود کہ فاصلے کافی دور ہیں بس ریل

اور پیدل چل کر جماعتیں دو دو تین تین گھنٹوں میں پہنچی۔ بعض جماعتوں کو وہ جگہ نہ مل سکی، تو یوں ہی واپس آنا ہوا، اجتماع گاہ میں عصر کے بعد مولانا محمد احمد صاحب کا عربی میں بیان ہوا تشکیل اچھی ہوئی، مغرب کے بعد بندہ کا بیان عربی میں اور ترجمہ فرانسیسی زبان میں ہوا، نئی تشکیل بھی ہوئی۔ ہر ایک سے نماز ذکر تعلیم گشت کا وعدہ لے کر چار چار ماہ ہندوستان کے لیے نام لیے آخری بیان میں دیو پادری اور ایک فرانسیسی عورت بھی آگئی تھی۔ بیان کے بعد ان کو حق نواز صاحب نے لے کر بات کی، پادریوں نے عشاء کی نماز کا منظر بھی دیکھا، یہ وہی پادری تھے جنہوں نے یہ گرجا اجتماع کے لیے دیا تھا۔ جمعرات و جمعہ فجر کا بیان اردو میں بھائی عبدالوہاب صاحب کا ہوا۔ جمعہ کی نماز میں مختلف مقامات میں احباب گئے، ایک جماعت دس آدمیوں کی تین تین چلے کی نقد روانہ ہوئی۔ ادھار کے بھی نام ہیں وہ دھیرے دھیرے آتے رہیں گے۔ اندرون ملک اور مراکش کے لیے بھی نام آئے ہیں لبنان سے بھی دو آدمی ایک چلے کے لیے آئے ہیں اور لبنان کا پروگرام بھی بنوا لیا۔ روزانہ رات کو مشورہ ہوتا ہے۔ تین چلے کی بارہ آدمیوں کی ایک جماعت ہندوستان کے لیے نقد بھی ہے۔ مغرب کے بعد جماعتوں کی روانگی کے اصول و آداب بندہ نے بیان کیے عربی میں بیان ہوا، تشکیل بھی کی، دو تین نام آئے۔ پھر حضرت جی مدظلہ نے اردو میں بیان فرمایا جس کا ترجمہ بھائی یونس نے فرانسیسی زبان میں کیا۔ کچھ پادری اور فرانسیسی مرد بھی تھے حضرت جی دامت برکاتہم نے روح اور جسم پر بیان کیا، موقع محل کے مناسب بات فرمائی پھر دعا ہو کر جماعتیں روانہ ہوئیں۔

۲۳ جمادی الثانی (۱۴ اگست) میں اس اجتماع کا اختتام حضرت مولانا کے بیان پر ہوا اور اسی وقت دعا ہو کر جماعتوں سے مصافحہ کیا گیا۔ مادہ اور مادیت پر تمام تر انحصار کرنے والے اس

ملک میں حضرت مولانا نے روح اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے اور اس کو صاف و ستھرا بنا کر رکھنے کی بہت جم کر دعوت دی حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو آپ اپنی اس تقریر کا خلاصہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں :

”بندہ نے جسم اور روح کے تقاضوں پر بیان کیا کہ جسم کے تقاضے خواہشات کے ہیں اور روح کا تقاضا روحانی اعمال کا ہے سکون اور چین روح کو بغیر اپنی غذا کے حاصل نہیں ہو سکتا جتنے جتنے اعمال روحانیہ زندگی میں آتے چلے جائیں گے اس کے مطابق زندگی میں سکون آتا چلا جائے گا اور انسان میں انسانیت آتی چلی جائے گی اور عینا انسان جسم کے تقاضوں پر اور خواہشات پر قدم بڑھاتا رہے گا حیوانیت اور بہریت بڑھتی چلی جائے گی اور پریشانیوں میں گھرتا چلا جائے گا۔ آج جسم کے تقاضوں پر تمام دنیا میں محنت کی جارہی ہے روح کے تقاضوں کو بالکل بھلا دیا گیا ہے اس پر محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ پیرس میں ہونے والے اس اجتماع سے تین جماعتیں روانہ ہوئیں جن میں ایک تین چلہ کی اور باقی دو چلہ کی تھیں۔

پیرس کے اس سہ روزہ قیام کے بعد ۲۴ جمادی الثانی (۵ اگست) میں آپ کی تشریف آوری میٹروپولیٹن (دارالخلافہ اسپین) کے لیے ہوئی، یہاں سے قرطبہ، الجھیریہ، طنجہ جبل الطارق، دار بیضا، رباط، قصر کبیر و غیرہ مختلف مقامات پر جانا ہوا، ان تمام مقامات کی روداد اس پیاسی زمین پر دعوتی عمل کے اثرات دیکھنے والوں کی حسرت اور حیرت اور جبل طارق کو دیکھ کر اپنوں کی بد عملی و بد حالی پر حضرت مولانا کے حساس دل و دماغ کے اثرات آپ کے دو طویل مکتوب (بنام حضرت شیخ) سے معلوم ہوں گے لکھتے ہیں۔

”پانچ اگست کو پیرس سے بذریعہ طیارہ اسپین کے دارالخلافہ میٹروپولیٹن شام کو ۹ بجے ریل سے قرطبہ کے لیے روانہ ہوئے، ظہر سے عشاء تک اسٹیشن

پڑنے اذانیں دے کر نمازیں جماعت کے ساتھ پڑھتے رہے، لوگ بہت حیرت سے دیکھتے تھے اور جمع ہو جاتے تھے۔ صبح کو تہجد کے وقت قرطبہ پہنچے اسٹیشن پر اتر کر صبح کی نماز پڑھی، سامان وغیرہ رکھ کر ناشتہ سے فارغ ہو کر جامع قرطبہ دیکھنے گئے سب ساتھیوں نے وہاں پر خوب نوافل پڑھے بلکہ ایک ساتھی نے باوجود اذان کا وقت نہ ہونے کے اذان بھی کہی کہ سینکڑوں برس کے بعد اذان کی آواز اس مسجد میں بلند کی گئی ہو۔ پونے تین بجے قرطبہ سے ریل میں روانہ ہو کر آٹھ بجے شام کو الجزائرہ جو بندرگاہ ہے پہنچے، ساڑھے آٹھ بجے بحری جہاز تھا جس سے ہمیں طنجنہ جانا تھا۔ ہم سب ساتھی جہاز تک پہنچ گئے لیکن قلت وقت کی بنا پر ٹکٹ نہیں ملے۔ رات کو بندرگاہ پر ہی قیام رہا۔ سامنے جبل طارق تھا تاہم رات طارق ہی کے لیے دعائیں نکلتی رہی کہ اس کی برکت سے پورے ملک میں نمازیں اور اذانیں اور تعلیم گاہیں وجود میں آئیں اور ہماری نالائقی اور کم ہمتی سے آج پورے ملک میں اذان نہیں، نماز نہیں خالی اللہ المشتکی۔

جبل طارق کو بار بار دیکھ کر حسرت ہوتی تھی کہ ہماری بد اعمالیاں ہم کو کہاں تک پہنچا کر رہیں گی۔ مغرب عشاء، فجر تین اذانیں دے کر جماعتیں ہوتی رہیں اور ہر نماز میں مجمع کھڑا ہو کر دیکھتا تھا۔ صبح کو ۹ بجے کے جہاز میں سوار ہوئے اور ڈھائی گھنٹہ میں اس آبناء کو عبور کر کے طنجنہ پہنچے۔ الحمد للہ اپنے کام کرنے والے اہل مغرب اپنی موٹروں کے ساتھ موجود تھے۔ کسٹم والوں نے بھی بس بغیر دیکھے پاس کر دیا ہم سب تقریباً پچاس نفر موٹروں میں قصر کبیر (جو تقریباً ۸ میل ایک سو تیس کلومیٹر ہے) پہنچے وہاں جا کر معلوم ہوا کہ پولیس نے مسجد میں قیام اور بیان کو منع کر دیا ہے۔ اجتماع دار بیضا میں تھا سجائے۔ دار بیضا کے قصر کبیر میں پھر کر مشورہ ہوا، مشورہ میں یہ طے ہوا کہ ایک جماعت جا کر اعیان مملکت سے ملے، بات چیت کرے۔ چنانچہ جماعت بھیجی گئی اور الحمد للہ اجازت ہو گئی اور آٹھ اگست کو ہم دار بیضا (جو تقریباً پورے دو سو میل

ہے۔ ظہر اول وقت پڑھ کر، روانہ ہوئے اور شام کو مسجد اللہ دار بیضا، پہنچ گئے لیکن وہاں پر جو مختلف جگہوں سے جماعتیں آئی تھیں وہ منع کی خبر پر واپس جا چکی تھیں اور جو مجمع بہت بڑا اور جماعتوں کی جو کثرت سے نکلنے کی ترتیب تھی وہ ختم ہو گئی۔ پھر اجتماع ہوا۔ ہزار ڈیڑھ ہزار کا مجمع تھا اور تیرہ جماعتیں روانہ ہوئی۔ مغرب بعد جمعرات کو دار بیضا سے روانہ ہو کر رات کو رباط پہنچے۔ جمعہ ہفتہ رباط میں قیام رہا۔ اتوار کو ظہر تک جماعتوں کی روانگی ہوئی۔ عصر کے بعد رباط سے روانہ ہوئے مغرب راہ میں پڑھی، عشاء کے وقت قصر کبیر پہنچے، پیر کے دن ایک ہی روز میں تمام کام ہوا۔ عشاء سے پہلے جماعتیں روانہ کی گئیں۔

یورپ میں زندگی بہت مشکل ہے استنجا، نماز اور آرام کی صورتیں ان مسکینوں کو حاصل ہی نہیں۔ اللہ جل شانہ آسان فرمائے۔ اس سفر کو اللہ جل شانہ ان تمام ممالک میں دین کی حیات کا ذریعہ فرمائے۔

۵ اگست کو بحری جہاز سے روانہ ہو کر سوادو گھنٹے میں اسپین کے بندرگاہ پر اترے، جہاز میں ہی اذان دے کر جماعت سے نماز پڑھی گئی۔ ہر ایسی جگہ پر جہاں اغیار ہی ہوتے ہیں، اذان دینا اور بڑی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا بھی ایک اچھی صورت دعوت کی بن جاتی ہے۔ عصر کی نماز بھی بندرگاہ پر ہی پڑھی، مغرب سے پہلے ریل میں سوار ہو گئے۔ اگلے روز دوپہر کو دس بجے میڈرید پہنچے۔ جہاں سے طیارہ پکڑنا تھا۔ ہماری سیٹیں شام کے جہاز سے روم تک تھیں لیکن ایک بجے بھی ایک جہاز جارہا تھا، خیال ہوا کہ اس میں کوشش کر کے دیکھ لیا جائے۔ چنانچہ الحمد للہ تیس سے زائد سیٹیں اس جہاز میں مل گئی، ایک جماعت کو چھوڑ دیا گیا اور ہم تیس آدمی اس جہاز سے روم آ گئے، روم کے ہوائی اڈہ پر ظہر کی نماز پڑھی، ہر جگہ پر لوگ فوٹو لینے کی کوشش کرتے رہے اور ہم منع کرتے رہے۔ الحمد للہ ہر جگہ فوٹو لینے والے ڈانٹ میں آتے گئے، روم کے ہوائی اڈہ پر ایک ترک عورت نے کہا کہ ایسی جگہ پر نماز پڑھنی مناسب نہیں یہ اغیار کیا کہیں

گے ورنہ سب جگہ لوگ تعجب ہی کرتے تھے روم سے بھی ایک جہاز فوراً استنبول جا رہا تھا کوشش کرنے سے تمام قافلہ کو اس میں اللہ کے فضل سے جگہ مل گئی، ورنہ تمام رات روم کے ہوائی اڈہ پر گزاری پڑتی۔ جہاز کی پرواز سے قبل نماز عصر جہاز میں پڑھی اور مغرب کے وقت استنبول پہنچ گئے۔ استنبول کے مطار پر مغرب کی نماز پڑھی، استنبول پہنچنے کی اطلاع تھی۔ اپنا خیال یہ ہوا کہ بجائے روم کے ہوائی اڈہ پر رات گزرنے کے استنبول کے اڈہ پر گزاریں گے لیکن اللہ کے فضل سے مطار پر اپنے واقع کاروں میں سے ایک ساتھی مل گئے ان کے ذریعہ سے ٹکیوں کا اور جگہ کا نظم ہو گیا اور بحیرت عشاء سے پہلے جائے قیام پہنچ گئے۔ جن صاحب کے مکان پر قیام تھا وہ ایک مسجد کے امام صاحب ہیں۔

۲۰ اگست کو عصر کے وقت استنبول سے روانہ ہوئے عصر کی نماز جہاز میں سوار ہو کر پرواز سے پہلے پڑھی اور مغرب کی نماز بیروت کے مطار پر پہنچ کر پڑھی۔ دورات بیروت میں قیام کے بعد آج ۲۲ اگست کو طرابلس کے لیے روانہ ہو رہے ہیں۔ طرابلس میں دو روز کا اجتماع ہے۔ استنبول میں حضرت ابو الیوبؒ کے مزار پر حاضری ہوئی حضرت والا کی جانب سے بھی سلام پیش کر دیا گیا، لے

قرطبہ سے قصر کبیر تک ہونے والے اس دعوتی عمل کی داستان مولانا محمد عمر صاحب کے مکتوب میں بھی اچھے اور موثر انداز سے موجود ہے، لہذا بود حکایت دراز تر گفتیم کے پیش نظر موصوف کا یہ مکتوب بھی یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں:

”۵ اگست سینچر کو ظہر کی نماز پیرس کے ہوائی اڈہ پر سوانجے پڑھ کر جہاز پر سوار ہوئے۔ دوپہر دس کم پر جہاز روانہ ہو کر سواتین بجے میڈرید اترے۔ اب یہ سفر مراکش کے لیے شروع ہوا، میڈرید اسپین کا دار الحکومت ہے میڈرید سے رات کو دس بجے سے پہلے ریل سے روانہ ہو کر صبح پانچ بجے سے پہلے قرطبہ

پہنچے، میڈریڈ میں عصر مغرب کی نماز پڑھی، عشاء کی نماز احباب نے ریل کے پلیٹ فارم پر پڑھی اور حضرت جی دامت برکاتہم نے اور ہم نے ریل میں پڑھی، فجر کی نماز قرطبہ میں مفتی صاحب نے پڑھائی۔ نماز کے بعد ۲۰-۲۵ منٹ بات کرنے کا حکم۔ حضرت جی دامت برکاتہم نے بندہ کو دیا، بات کے بعد مشورہ ہوا، قرطبہ اسپین کی مشہور جگہ ہے، اسپین کو پرانی کتابوں میں اندلس کہتے ہیں، قرطبہ میں بڑی مسجد ہے جس کے ایک حصہ کو گر جا بنایا ہے، صبح کی بات میں شیخ ابو عبد اللہ اندلسی کا قصہ مختصر عرض کیا تھا، قرطبہ کی مسجد میں سب ساتھیوں نے جا کر سکون کے ساتھ نماز پڑھی اس سے پہلے بھی ۱۹۶۱ء میں میرا یہاں جماعت کے ساتھ آنا ہوا تھا، اس وقت چھپ کر نماز پڑھی تھی، اس مرتبہ سارے قافلہ نے کھل کر نماز پڑھی، میں نے حضرت جی دامت برکاتہم نے عرض کیا کہ کس نیت سے یہ مسجد دیکھیں تو ارشاد فرمایا فاعتبروا یا اولی الابصار عبرت حاصل کرنے کی نیت کرو، حضرت جی دامت برکاتہم کے ساتھ ۲۲ آدمیوں کا قافلہ ہے، جو ہوائی جہاز کے اور ریل کے سفر میں ساتھ ہے جس میں قاضی صاحب، مفتی صاحب، بھائی، عبدالوہاب صاحب، مولانا سعید احمد خاں صاحب، بھائی، ابراہیم عبد الجبار صاحب، افضل صاحب، حق نواز صاحب، حاجی شفیع گھڑی والے اور حافظ عبدالعزیز صاحب اور ہمارے ساتھی ہیں۔ ۳۲، احباب فرانس سے بذریعہ ریل مراکش روانہ ہو کر ہم سے پہلے پہنچ چکے، ہم قرطبہ سے دوپہر پونے تین بجے ریل میں سوار ہو کر شام کو ۸ بجے الجزائر پہنچے جو اسپین کا آخری مقام ہے۔ یہاں ڈھائی گھنٹہ کا پانی کے چھوٹے جہاز کا سفر کر کے طنجه پہنچے، طنجه یہ مراکش کا ابتدائی شہر ہے سامنے جبل طارق ہے جسے آج جبرالٹر کہتے ہیں۔ ۶ اگست کا دن گزار کر رات پوری الجزائر میں گزری۔

۷ اگست پیر کو صبح نو بجے والے جہاز سے روانہ ہو کر ۱۱ بجکر پچاس منٹ پر طنجه اترے، قافلے میں بھائی بشیر صاحب، حاجی یوسف رنگت والے، فضل عظیم

صاحب کی ملک عبدالحق صاحب بھی ہیں۔ بندرگاہ سے باہر نکلتے ہی شیخ حمدون نے خبر دی کہ وزارت الاوقاف کی اجازت کے بغیر اجتماع کرنا ہر جگہ منع ہے اس لیے یہاں سے پہلے قصر کبیر چل کر مشورہ کر لیں۔ سارا قافلہ کاروں سے روانہ ہو کر قصر کبیر پہنچا، دو تین کاریں خواص کی آگے رباط بھیجیں تاکہ اجازت وغیرہ کا معاملہ حل ہو۔ ۸ اگست کو صبح فون آیا کہ اجازت کا مسئلہ حل ہو گیا لہذا ہم پونے دو بجے قصر کبیر سے نکلے، عصر کی نماز راستے میں رباط مقام پر پڑھی۔ سات بجے کے بعد دار بیضا، پہونچے، مراکش کا دارالحکومت رباط ہے اور تجارتی بڑا شہر بمبئی کی طرح دار بیضا ہے۔ تین جگہ اجتماعات ہیں۔ دار بیضا، رباط اور قصر کبیر، دار بیضا میں مغرب کے بعد بندہ کی بات ہو رہی تھی کہ درمیان میں خبر ملی کہ ابھی ٹاک اجازت کی خبر یہاں کے ذمہ دار کو نہیں پہونچی، اس لیے کل صبح سے کام شروع کریں تو بندہ نے بیان روک کر مجمع کو ذکر و تلاوت میں لگا دیا رات کو اجازت نامہ ذمہ دار کو دکھایا، اس نے اجازت دے دی۔ صبح کی نماز کے بعد ۹ اگست کو مولانا اسلم صاحب کا بیان ہوا، ۹ بجے سے تعلیم کے حلقے لگے اسی میں تشکیل ہوئی۔ اس کے بعد تین تین آدمی مختلف مساجد میں گئے اور ظہر کے بعد کی دعوت دی۔ عصر کے بعد بندہ کا بیان ہوا، حضرت جی دامت برکاتہم کے بیان پر تشکیل ہوئی، مغرب کے بعد مولانا محمد احمد صاحب کا بیان ہوا مزید نام آئے، ۱۰ اگست کو فجر کی نماز کے بعد مولانا اسلم صاحب نے خلافت کے موضوع پر مجمع سے بات کی۔ ۹ بجے مختصر سی تعلیم کے بعد مولانا سعید احمد خاں صاحب نے خوب جم کر دیر تک بیان کیا، ظہر عصر کے بیچ میں کھانا و آرام ہوتا ہے۔ عصر مغرب کے بعد بیچ میں پونے تین گھنٹے کے قریب وقت ہوتا ہے عصر کے بعد بندہ نے جماعتوں کی روانگی کے اصول آداب بیان کیے پھر حضرت جی دامت برکاتہم کا بیان ہوا، بندہ نے ترجمہ کیا دعا کے بعد جماعتیں روانہ ہوئیں۔ مصافحہ حضرت جی دامت برکاتہم نے اور قاضی عبدالقادر صاحب اور

شیخ ناصر کتانی نے کیا۔ شیخ ناصر نے حضرت جی دامت برکاتہم کی رفاقت کا نام لکھایا اور ہر جگہ کے ٹکٹ بھی ریزرو کر لیے، جب ان کی جماعت کا پرچہ پکارا گیا تو وہ بھی جن سے سب مصافحہ کر رہے تھے، کرسی سے اتر کر اپنی جماعت کے ساتھ حضرت جی دامت برکاتہم سے مصافحہ کر کے جماعت کے ساتھ ہی روانہ ہوئے۔ مجمع نے زور سے اشر اکبر کہا، بڑے عالم اور پروفیسر متواضع المزاج ہیں۔

پہلے ساری داربضیاء کی کارگزاری ہوئی، مغرب کے بعد داربضیاء سے بذریعہ کار روانہ ہو کر رباط میں آکر اپنی عشاء کی نماز پڑھی۔ رباط یہ مراکش کا دوسرا پڑاؤ ہے داربضیاء میں ہزار ڈیڑھ ہزار کا مجمع ہمارے نزدیک تو بہت تھا خوب زور لگاتے تھے تب آواز پہنچتی تھی، لیکن یہاں والوں کا یہ کہنا ہے کہ شروع میں جو رکاوٹ آئی اس لیے بہت آدمی واپس چلے گئے تقریباً پانچ سو آدمیوں کے واپس جانے کا اندازہ بتایا اور شہر کے بھی کافی لوگ نہ آ سکے۔ اگر سب آتے تو شاید مسجدنا کافی ہوتی لیکن جو ہوا اس میں اشر خیر فرما دیں۔ رباط میں گیارہ اگست جمعہ کو فجر کی نماز کے بعد مولانا سعید احمد خاں صاحب نے بیان فرمایا، ناشتہ اور تعلیم کے حلقوں کے بعد جماعتیں مختلف مساجد میں جمعہ پڑھنے بھیجیں، عصر کے بعد بندہ کا بیان ہوا مغرب کے بعد مولانا اسلم صاحب کا بیان ہوا۔

۱۲ اگست سینچر کو پرائیڈ میں بھائی عبدالوہاب صاحب کا بیان ہوا۔ داربضیاء میں مسجد عین الشوق میں اجتماع ہوا اور رباط میں جامع یوسف میں ہوا، رباط کا مجمع داربضیاء سے تھوڑا تھا۔ عصر کے بعد بندہ نے بیان کیا پھر حضرت جی دامت برکاتہم کا بیان ہوا، ترجمہ بھی ہوا، ۱۳ اگست اتوار کو فجر کی نماز کے بعد چھٹی رکھی، ساڑھے نو بجے صبح جماعتوں کی روانگی کے اصول و آداب بندہ نے بیان کیے۔ پھر حضرت جی دامت برکاتہم نے بیان فرمایا، دعا کے بعد جماعتوں کا مصافحہ حضرت جی دامت برکاتہم کا ہوا، جس سے ظہر تک فارغ ہوئے، عصر کی نماز کے بعد بذریعہ کار روانہ ہو کر عشاء سے پہلے قصر کبیر پہنچ گئے، شیخ عبدالرزاق

مصری اور بھائی فضل عظیم صاحب کی جماعت نے پہلے سے یہاں پہنچ کر بیانات شروع کر دیے تھے، دار بیضا سے گیارہ جماعتیں چلے کی اور ایک جماعت تین چلے کی، اور رباط سے بارہ جماعتیں چلے کی اور پانچ جماعتیں کم وقت کی نکلیں۔ ۱۴ اگست کو قصر کبیر میں تعلیم کے بعد جماعتیں گشت میں بھیجیں مغرب کے بعد جماعتوں کی روانگی حضرت جی دامت برکاتہم کی ہو کر دعا کے بعد عشاء سے پہلے جماعتیں روانہ ہو گئیں۔ ۱۵ اگست کو ہمارا سفر ہے۔ اب اسپین میں میڈریڈ اور اٹلی اور روم ہوتے ہوئے انشاء اللہ ۱۶ اگست کو استنبول پہنچیں گے۔

حضرت مولانا رباط میں پانچ روز قیام کے بعد پندرہ اگست منگل میں قصر کبیر پہنچ کر وہاں سے بذریعہ کارطہجہ اور یہاں سے بحری جہاز سے الجزائرہ اور یہاں سے بذریعہ ریل میڈریڈ کے لیے روانہ ہو کر ۵ رجب ۱۶ اگست صبح سوارس بجے میڈریڈ پہنچے۔ سامان باہر لا کر ٹکیاں کرایہ پر لے کر مطار پر پہنچے، شام کو نو بجے کے جہاز سے سیٹ تھی یہاں سے اٹلی کے دارالخلافہ روم پہنچے، مطار پر بڑی جماعت کے ساتھ اذان دے کر نماز ظہر پڑھی اور فوراً ترکی ایرلائن میں سوار ہو کر بذریعہ طیارہ استنبول کے لیے روانہ ہو گئے۔

مولانا محمد عمر صاحب اپنے تفصیلی مکتوب میں استنبول کی سرگزشت اس طرح تحریر کرتے ہیں :

”استنبول پر جہاز ٹھیک ۸ بجے اتر اترتے ہی مغرب کی نماز پڑھی۔

کاروں میں قیام گاہ تک پہنچے، یہاں پر مراکش سے بھی زیادہ سختی ہے، دین کی نسبت کا اجتماع یا نقل و حرکت کو قانوناً منع کیا جاتا ہے ۱۶ اگست بدھ کو رات کو استنبول اترے، جمعرات کو کام شروع کیا، پہلے سے جماعتیں تھوڑا تھوڑا کام کر رہی تھیں، تعلیم کے بعد جماعتیں شہر میں بھیجیں کہ ہر جماعت ظہر اور عصر میں دو

۱۷ مکتوب محرزہ ۶ رجب ۱۳۹۲ ۱۵ اگست ۱۹۷۲ء از قصر کبیر

مسجدوں میں کام کرے، اعلان نہ کرے، چہرہ اور لباس دیکھ کر ہی لوگ ملنے آتے ہیں، انہیں کو بیٹھا کر بات چیت کی جائے اور کہا جائے کہ ہسکولی کی مسجد میں ہمارے دوست کسرا تھی ہیں، مغرب میں آکر ان سے ملیں تو اس طرح ہر جماعت نے کام کیا۔ مولوی محمد سلمان جھانجھی جن مسجدوں میں گئے تھے ظہر میں تو خود امام صاحب نے لوگوں کو بیٹھایا اور بات کی اور کھانا بھی کھلایا۔ عصر والے امام صاحب نے صراحتاً انکار کر دیا کہ مفتی صاحب کا اجازت نامہ لاؤ بات کرنا منع ہے تو مولوی محمد صاحب نے پھپھلی کارگزاری سنائی۔ اس پر امام صاحب نے مولوی صاحب سے کہا کہ تم خود ہی اعلان کر دو کہ فلاں مسجد میں لوگ مغرب پڑھیں۔ امام صاحب نے خود ہی جوش میں ۱۰-۱۵ منٹ تقریر کی اور خصوصی گشت والی ساری بات مجمع کو سنا کر مغرب کا اعلان کیا مجمع ان لوگوں سے ملنے لگا تو انہوں نے دوبارہ مغرب کی دعوت دی، حضرت جی قاضی صاحب اور بندہ وغیرہم نے حضرت ابوالیوب انصاریؒ والی مسجد جا کر ظہر پڑھی وہاں بھی مجمع جمع ہو گیا تو حضرت جی اور بندہ نے باتیں کیں۔ پھر حضرت ابوالیوب انصاریؒ کی قبر کی زیارت کی، وہاں سے ہمارا رہبر واپسی میں ایک مقام پر لے گیا جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب چیزیں تھیں اس میں سب سے زیادہ اہم آپ کا خط مبارک جو مہر کے بادشاہ کے نام تھا کسی چھال یا چمڑے پر لکھا ہوا تھا۔ بعض حروف بہت صاف نظر آ رہے تھے، اس کی نقل بھی صاف الفاظ میں قریب میں تھی حضرت جی اور دیگر احباب بہت دیر دیکھتے رہے اور بار بار دیکھا اور ایک ڈبیہ میں آپ کی ڈاڑھی مبارک کا بال بتلایا وہ اندر تھا اور شیشے میں سے بال مبارک صاف نظر آتا تھا، اس کے علاوہ اور چیزیں ڈبیہ میں بند تھیں مثلاً ایک ڈبیہ میں آپ کا دندان مبارک، ایک میں قبر شریف کی مٹی، کئی ڈبیوں میں بال مبارک بند بھی تھا، دو بڑے صندوقوں میں آپ کے جیسے مبارک بند تھے حضرت ابوبکر صدیقؓ

اور حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کی تلواریں بھی رکھائیں انگریزی اور ترکی زبان میں یہ سب لکھا ہوا تھا۔ حقیقت حال انہی ہی جانے بیت اللہ شریف کے پرانے میزابِ رحمت بھی کئی تھے۔ ایک قرآن ایسا بتایا کہ جس کے پڑھتے ہوئے حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تھے اس کی بعض آیتیں حضرت جی نے پڑھی، یہ زیارت کر کے ہم لوگ قیام گاہ واپس آئے مغرب کی نماز کے بعد حضرت جی کا اردو میں بیان ہوا اور ترکی زبان میں ترجمہ ہوا، کام سے مالوس احباب اور ہندوستان سے آئے ہوئے تو سبھی احباب نظر آئے تشکیل بھی اچھی ہوئی۔ جمعہ کے دن فجر کی نماز کے بعد قاضی صاحب کا بیان ہوا، جمعہ کی بڑی مسجد اور دیگر مساجد میں جماعتوں نے جا کر جمعہ پڑھا اور کل کی طرح بات کی۔ عصر کے بعد تعلیم ہوئی، مغرب کے بعد مفتی صاحب کا ترجمہ کے ساتھ بیان ہوا۔ خوب تشکیل ہوئی۔ ۱۹ اگست سینچر کی فجر کی نماز کے بعد مولانا سعید احمد خاں کا بیان ہوا، دن کو جماعتیں حسب معمول گشت کو گئیں، دن کو ترک احباب حضرت جی سے ملتے رہے اور بات ہوئی رہی، عصر کے بعد بندہ کا بیان ہوا، سینچر کے آدھے دن کی چھٹی کی وجہ سے مقامی احباب کافی تھے تشکیل بھی خوب ہوئی۔ مغرب کے بعد حضرت جی نے یقین اور زہد پر خوب جم کر بیان فرمایا اور صحابہؓ کے واقعات سنائے اور تشکیل فرمائی، عشاء کی نماز کے بعد ایک پرانے مفتی صاحب سے حضرت جی نے عربی میں بات کی، پھر قیام گاہ پر ملک کے بڑے مفتی صاحب آئے تھے ان سے خوب اہتمام سے بات کی اور وعدہ لیا، دیر تک یہاں کے علمائے کرام سے بات ہوئی رہی۔ ۲۰ اگست اتوار کی فجر کی نماز کے بعد مولانا سعید احمد خاں صاحب کا بیان ہوا، یہ دن بیروت کے سفر کا دن ہے شیخ محمود یہاں کے بڑے مشائخ میں سے ہیں، انھوں نے حضرت جی سے ملاقات کی۔ حضرت نے ان سے خوب بات کی اور اپنے مریدین کو جماعت میں بھیجنے کا وعدہ لیا۔ درہ دانیال جو سمندر کا ایک مشہور حصہ ہے جو دو بڑے سمندروں کو جوڑتا ہے

اس کی بھی زیارت ہوئی اور شیخ محمد فاتح استنبول میں کس نصرت الہی سے داخل ہوئے یہ یہاں والوں نے بتایا پھر ہم لوگ مسجد میں گئے جہاں پرانوں کو بمبائی عبدالوہاب صاحب نے جوڑ رکھا تھا ان سے حضرت جی نے آخری بات فرمائی ظہر کے بعد ۳۰-۳۵ آدمی جو جماعت میں جانے والے تھے ان سے مصافحہ کر کے کھانا کھا کر ہوائی اڈہ پر چلے امریکن جمہوریہ طیارہ ۳۳۷ سیٹوں والا تھا وہ پانچ گھنٹہ لیٹ ہوا اس لیے عصر کی نماز ہم لوگوں نے ہوائی جہاز کے بالکل قریب جا کر پڑھی۔ حضرت جی نے جہاز کے اندر آکر پڑھی۔ شام پونے پانچ بجے جہاز اڑا پورا گاؤں تھا جو اڑ رہا تھا۔ حضرت جی پر استنبول کی ہرجاس میں 'میں' نے خوب انشراح پایا امت کے حالات پر کڑھن اب ظاہر میں بھی محسوس ہونے لگی استنبول کے ہوائی اڈہ پر بھی حضرت جی نے تعلیم کرائی۔ ۶ بجے بیروت اترے 'اجاب آئے' تھے سیدھے مسجد پہنچے ۲۱، ۲۲ اگست بیروت میں پروگرام تھا ۲۱ اگست کی فجر کی نماز کے بعد مولانا سعید احمد خاں کا بیان ہوا 'دس بجے یہاں کے بڑے مفتی صاحب کی ملاقات کے لیے بندہ اور مفتی زین العابدین وغیرہ گئے مفتی صاحب ظہر کی نماز کے بعد حضرت جی سے ملنے آئے مختصر سی مجلس میں بات رسی تعارف ہوا عصر کی نماز کے بعد مولانا محمد اسلم صاحب کا بیان ہوا مغرب کے بعد بندہ کا بیان ہوا 'عشاء کے بعد حضرت جی کا بیان ہوا علماء کرام حضرت جی سے ملتے رہے اور بات ہوتی رہی' لے

لبنان کے بعد حضرت مولانا ۲۲ اگست جمعرات میں بذریعہ کار ملک شام کے ایک مشہور شہر حماہ کے قصد سے تشریف لے گئے۔ لیکن حدود مملکت میں داخلہ کی اجازت نہ ملنے پر باڈر سے واپس ہو کر بیروت اور دمشق ایک ایک دن قیام کے بعد ۱۹ رجب

میں عمان (اردن) پہنچے۔

مولانا محمد عمر صاحب کے مکتوب سے حماہ، عمان اور زرقا، اردن وغیرہ مقامات سفر کی تفصیلات پڑھنے لکھتے ہیں۔

”لبنان کے شہر طرابلس سے ملک شام کے شہر حماہ جانے کے لیے ہم ۲۴ اگست جمعرات کو چلے لیکن ہمارے پورے قافلہ کو ملک شام کی حدود پر روک لیا گیا اور آگے نہیں جانے دیا، دو بسیں تھیں کئی کاریں تھیں اور یہ رکاوٹ صرف حضرت جی دامت برکاتہم کے اس پورے قافلے کے لیے تھی اور لوگ خوب جارہے تھے، ہمارے لیے خاص ممانعت آئی تھی، ہمارا سارا قافلہ پھر طرابلس واپس آ گیا۔ شام کے احباب جو ہمارے ساتھ تھے وہ حماہ پہنچے وہاں پانچ ہزار کا مجمع منتظر تھا، ان کو ان احباب کے پہنچنے پر پتہ چلا، محمود رو اس صاحب فوراً دمشق پہنچ کر کوشش میں لگے، تعجب کی بات یہ ہے کہ اجتماع برابر ہوا اور رخصتوں سے جماعتیں پہنچی تھیں۔ کچھ عرب بھی تھے اجتماع ہوا، تشکیلیں ہوئیں لیکن ہمارا پورا قافلہ روک دیا گیا حتیٰ کہ جو عرب ہمارے ساتھ تھے وہ بھی روک دیے گئے۔ حماہ کا اجتماع ہمارے بغیر پورا ہوا، ملک شام کا سارا وقت لبنان میں گزارنا پڑا، طرابلس سے بیروت آکر۔ ساتھیوں کو مختلف مساجد میں بھیج کر کام کرایا، اخیر تک ملک شام سے تو انکار ہی رہا۔ ۲۹ اگست منگل کو ان شرپ بھروسہ کر کے بیروت سے دمشق کے لیے روانہ ہوئے۔ ان شر نے خیریت سے پہنچا دیا حدود پر کوئی پریشانی نہیں ہوئی، دمشق میں کام کی مشکل بالکل نہ تھی اگرچہ احباب عرب تو کہتے رہے کہ بیان کرو لیکن مشورہ میں یہ طے ہوا کہ بیان نہ ہو۔ الغرض شام کا سارا وقت لبنان میں گزار کر آخری دن پہنچے حضرت بلال رحمہ اللہ حضرت صہیبؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت یحییٰؓ اور صلاح الدین ایوبیؓ ان سب حضرات کی قبروں کی زیارت کی سلام کیا ثواب بھیجا بعض قبرین حجروں میں بند تھیں، باہر سے سلام کیا پھر ۳۰ اگست بدھ کو خیریت کے

ساتھ دمشق سے بذریعہ موٹر عمان پہنچ گئے فجر کی نماز پڑھ کر چلے اور ظہر کے وقت عمان پہنچے یہاں پر بھی الیکشن کی وجہ سے رکاوٹ کا خطرہ تھا لیکن الحمد للہ اجازت مل گئی سیکڑوں کا اجتماع ہوا۔ عصر کے بعد بندہ کا بیان ہوا، مغرب کے بعد مولانا سعید احمد خاں صاحب کا بیان ہوا، تشکیلیں ہوئیں حضرت جی دامت برکاتہم سے بھی احباب عرب ملتے رہے اور بات چیت ہوتی رہی۔ دمشق سے شیخ یوسف رفاہی کویتی صرف حضرت جی دامت برکاتہم سے ملنے بیروت آئے تھے۔ کافی دیر تک مختلف سوالات کرتے رہے اور حضرت جی دامت برکاتہم کے جواب سے مطمئن ہوتے رہے۔ بات چیت عربی زبان میں ہوئی۔ یہاں عمان کی فضا الحمد للہ اچھی ہے۔ ملک شام میں ہم لوگ تو نہ جاسکے لیکن فرید عراقی اور یونس تونس پیرس والے اور مکی مسجد کے وہ احباب جو مراکش سے روانہ ہوئے تھے وہ سب پہنچ گئے اور اجتماع بہت اچھی طرح ہوا۔ خوب بیانات تشکیلیں سب کچھ ہوا، ہندوستان کے لیے جماعت بنی، اردن اور لبنان کے لیے بنی اندرون ملک کے لیے بنی، اصول و آداب کے ساتھ جماعتیں روانہ ہوئیں۔

عمان کے اجتماع کے دو سکر دن تعلیم کے بعد ۲ مسجدوں میں جماعتیں بھیجیں، ظہر کی نماز مختلف مساجد میں پڑھیں۔ عصر میں سب آگئے عصر کے بعد شیخ عبدالرزاق مصری کا بیان ہوا، تشکیل ہوئی، مغرب کے بعد بندہ کا بیان ہوا کافی مجمع تھا، عشاء کی نماز بھی مؤخر ہوئی۔ نئے نئے کافی نام چار چار ماہ کے آئے، عربوں میں عجیب جذبات ہیں فجر کی نماز کے بعد ایک عرب صاحب کا بیان ہوا، جمعہ میں بھی جماعتیں بھیجیں، عصر کی نماز کے بعد بندہ نے جماعتوں کی روانگی کے اصول و آداب بیان کیے، پھر حضرت جی دامت برکاتہم کا بیان ترجمہ کے ساتھ ہوا، دعا کے بعد جماعتیں الحمد للہ روانہ ہوئیں۔

دوسرے ستمبر پھر کو عمان سے زرقا بذریعہ موٹر روانہ ہوئے یہ تیس کلومیٹر ہے۔ ظہر کی نماز کے بعد ایک عرب صاحب نے تعارفی بیان کیا، پھر کھالے سے فارغ ہو کر

جماعتیں چودہ مساجد میں روانہ ہوئیں! ہر جگہ عصر کے بعد بیان ہوا، قیام گاہ والی مسجد میں عصر کے بعد مولانا سعید احمد خاں صاحب کا بیان ہوا، مکہ مکرمہ سے برمی حضرات کی جماعت ساتھ ہے، ان کی کوشش سے برما کے کافی احباب عصر کے بعد جمع ہوئے، بھائی زکریا برمی کی برمی زبان میں بات ہوئی۔ پھر سب حضرت جی دامت برکاتہم سے ملنے آئے تو حضرت جی نے بھی بات کی تشکیل شروع ہوئی اور اذان مغرب ہو گئی مغرب کے بعد دوبارہ برمیوں کو الگ جمع کیا اور تشکیل ہوئی، عشاء کے بعد فضل عظیم صاحب نے تشکیل شدہ احباب کی ترتیب دی، فجر کی نماز کے بعد مولوی شاہد ابن بھائی امین کی مسجد والوں کا عربی میں بیان ہوا وہ لیبیا سے جماعت کے ساتھ آئے تھے عربی بہت اچھی تھی اور دعوت کا انداز اچھا تھا۔ قصیدہ بردہ کے کچھ اشعار بھی پڑھے پھر ناشتے کے بعد ارد گرد روانہ ہوئے سو کیلو میٹر کے قریب ہے وہاں ظہر سے پہلے پہنچ گئے ظہر کے بعد عرب حبشہ کا تعارفی بیان ہوا، عصر کے پہلے دس مسجدوں میں جماعتیں گئیں۔ عصر کے بعد شیخ عبدالرزاق مصری نے جم کر دعوت دی اچھی تشکیل ہوئی، مغرب کے بعد بندہ کا بیان ہوا، تشکیل ہوئی، عشاء کے بعد شیخ احمد مقبول نے بیان کیا۔ عرب حضرات حضرت جی دامت برکاتہم سے اپنے حالات پیش کر کے مشورے لیتے رہے، صبح کی نماز کے بعد ارد گرد سے عمان واپسی ہوئی، راستے میں ہر قافلے کے محل دیکھے جو کھنڈرات ہو چکے تھے، عمان میں عصر کے بعد پرائیوٹ کو جمع کیا گیا حضرت جی دامت برکاتہم اس مجلس میں تشریف لائے، عرب حضرات کام کی باتیں پوچھتے رہے حضرت جی دامت برکاتہم جواب دیتے رہے۔ مغرب کے بعد بھی تقریباً یہی سلسلہ رہا۔

مولانا محمد عمر صاحب کے مفصل گرامی نامہ کے بعد حضرت مولانا کا محقر گرامی نامہ بھی ملاحظہ کر لیا جائے

حضرت شیخ نور الدین مرقدہ کو عمان سے تشریف فرماتے ہیں،

”ہم لوگ ۲۰ اگست کو بیروت پہنچ گئے تھے لیکن لبنان کے بعد شام میں ہم داخل نہیں ہو سکے، ۲۱ اگست کو طرابلس سے شام کے اجتماع میں شرکت کے لیے حماہ روانہ ہوئے، لبنان حدود سے خارج ہو کر شامی حدود پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ ہماری جماعت کا داخلہ ممنوع ہے، ہمارے ہمراہ مختلف ممالک کے حضرات تھے انکو بھی داخل نہیں کیا گیا۔ وہاں سے واپس ہوتے ہوئے ایک مسجد میں ٹھہرے اپنے بقیہ رفقاء کے انتظار میں، معلوم ہوا کہ اس مسجد کے قریب حضرت شرجیل رضی اللہ عنہ کی قبر ہے۔ قریب ہی میں ایک چھوٹا سا قریہ ہے جس کا نام قریہ سیدنا عیاش ہے، تمام رفقاء کے واپس ہونے پر واپس طرابلس پہنچ گئے۔ ایک شب طرابلس ٹھہر کر پھر واپس بیروت آ گئے اور چار روز قیام رہا لیکن قانونی کوئی اجازت نہیں ملی بلکہ ممانعت میں تاکید ہوتی چلی گئی۔ اردن کے لیے سوائے شام سے گزرنے کے کوئی راستہ نہیں۔ ہوائی اجازت کا راستہ ہے وہ صرف ہفتہ میں ایک ہے جو روسی ہے وہ بھی جمعہ کی شب میں آدھی رات کو تھا۔ افراد کو بھیجا شروع کیا وہ الحمد للہ گزرتے رہے۔ ہم بھی ایک ٹیکسی لے کر متوکل علی اللہ روانہ ہو گئے تمام حدود پر بندہ کا نام پہنچا دیا گیا تھا راستہ میں سورہ یٰسین کا ختم کیا الحمد للہ بغیر کسی سوال و جواب اور بغیر کسی جھجک کے ویزا مل گیا اور ہم عصر کے بغیر دمشق پہنچ گئے۔ مغرب کی نماز جامع اموی میں پڑھی۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام پر سلام پڑھا، حضرت والا کی طرف سے بھی سلام پہنچا دیا گیا پھر صلاح الدین ایوبی کے مزار پر گئے مقفل تھا باہر ہی سے فاتحہ پڑھی، راستہ میں جہاں قیام تھا اس پر حاضری ہوئی اور پھر حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری ہوئی سلام پڑھا۔ حضرت والا کی طرف سے بھی سلام پہنچا دیا گیا، صبح کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری ہوئی وہ بھی مقفل تھا باہر ہی سے سلام پڑھا، مقام پر آکر ناشتہ کیا اور پھر اردن کے لیے روانہ ہو گئے، حدود شامی میں خروج کا فکر تھا لیکن

الحمد للہ بخریت خارج ہو گئے اور اردن کا ویزا حدود سے لے کر الحمد للہ پھر کے وقت عمان پہنچ گئے۔ اللہ جل شانہ انسان فرمائیں۔ اب مشکل کے روز ۵ ستمبر کو مدینہ منورہ کا سفر ہے اللہ جل شانہ قبول فرمائے اور آداب بجالانے کی توفیق نصیب فرمائے۔
اردن کے سفر سے فارغ ہو کر حضرت مولانا (۵ ستمبر) میں اپنے تمام قافلہ کے ساتھ تبوک (سعودیہ) پہنچے اور فوراً ہی دوسرا طیارہ بدل کر مدینہ الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے روانہ ہو گئے، احباب کا ایک بڑا مجمع مطار پر موجود تھا یہاں مطار پر نماز عصر کی ادائیگی اور دعا کے بعد شیخ عبدالعلام کی گاڑی میں مسجد نور تشریف لائے، اس کے بعد ضروریات اور وضو سے فارغ ہو کر مولانا عبدالحفیظ مکی کی گاڑی میں حرم نبوی شریف روانہ ہو گئے۔
۹ شعبان (۸ ستمبر) پیر میں مدینہ منورہ سے بذریعہ طیارہ روانہ ہو کر براہ جدہ مکہ مکرمہ تشریف آوری ہوئی۔

مکہ مکرمہ میں ۱۲ دن قیام کے بعد ۲ شعبان (۲۹ ستمبر) جمعہ میں طہران دہی ہوئے ہوئے بمبئی تشریف لائے اور دودن یہاں قیام کے بعد ۲۳ شعبان (۲ اکتوبر) پیر میں سحر و عافیت دہلی واپسی ہوئی۔
حضرت مولانا کی حرمین شریفین میں اس آمد کی تفصیلات اس کتاب کی جلد اول کے صفحہ ۲۶۲ پر زیر عنوان ”دوسرا عمرہ“ پڑھی جائیں۔

سفر سری لنکا

۱۳۹۳ھ ۱۹۷۳ء

حضرت مولانا کا سری لنکا کا دوسرا دعوتی سفر مرکز دہلی سے ۳۰ رجب ۱۳۹۳ھ (۳۱ اگست ۱۹۷۳ء) میں ہوا۔
آغاز سفر سے قبل کا وہ مکتوب آپ نے حضرت شیخ زکریا مدینہ منورہ تحریر فرمایا، اس میں

۱۰ مکتوب محررہ یکم ستمبر ۱۹۷۳ء از عمان۔

تحریر ہے کہ :

”بندہ کا سفر ۳ اگست کو برائے سیلون شروع ہو رہا ہے دو روز راستہ میں حیدر آباد ٹھہرنا ہے اور تین روز مدراس کو لمبو جانا ہے، عزیزان ہارون و زبیر سفر میں ہمراہ ہوں گے۔ اہل شوریٰ کی سب کی رائے یہ ہے کہ ساتھ ہی لے جایا جائے۔ درخواست دعا و صلوة و سلام کی گزارش ہے، عزیز شاہد کی بیماری سے فکر ہے“۔

دہلی سے آپ روانہ ہو کر حیدر آباد و مدراس ہوتے ہوئے ۹ اگست کو کو لمبو (سری لنکا) پہنچے، رفقاء سفر یہ حضرات تھے مولانا محمد ہارون، مولانا زبیر الحسن، مولانا محمد عمر، مولانا احمد لاٹ، مولانا محمد بن سلیمان، مولانا عبدالعزیز کھلنوی (بنگلہ دیش)، جناب قاری محمد ظہیر صاحب کو لمبو مطار پر نماز عصر ادا کر کے دعا ہوئی، اور پھر بذریعہ کار اجتماع گاہ ظاہرہ کالج روانہ ہو گئے، پاکستان کے حضرات بھائی بشیر صاحب، بھائی عبدالوہاب صاحب، بھائی ابراہیم عبدالجبار وغیرہ بھی ایک یوم بعد کو لمبو میں اس قافلے کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔

حضرت مولانا کا یہ سفر ۱۱/۱۲ رجب مطابق ۱۱/۱۲ اگست میں ہونے والے سہ روزہ اجتماع کے لیے تھا اس اجتماع میں تمام طبقات نے خوب ذوق و شوق سے شرکت کی۔ جماعتوں کی محنت و کارکردگی میں بھی نمایاں اضافہ ہوا اس موقع پر ایک سو بارہ جماعتیں ظراف عالم کے لیے روانہ ہوئیں۔

اجتماع سے فارغ پر دو دن آپ نے اجتماع گاہ میں قیام فرمایا اور اصحاب شوریٰ اور کارکنان تبلیغ کو دعوتی امور میں نصائح و ہدایات فرمائیں، بعد ازاں سری لنکا کا طویل دورہ شروع ہوا آپ سب سے پہلے کو لمبو سے بذریعہ کارنگمبو تشریف لائے یہاں شاہ احمد صاحب کے مکان پر قیام ہوا، پھر نگمبو سے آپ کا قافلہ مختلف کارروں کے ذریعہ تلیم وغیرہ مختلف مقامات پر اجتماعات اور جماعتوں کے نکالنے کے بعد ۲۲ رجب (۲۲ اگست) میں کو لمبو واپس پہونچا آج

۱۰ مکتوب محررہ ۱۳ جولائی ۱۹۳۳ء بروز دہلی

کا تمام دن سری لنکا میں کام کرنے والے پرانے احباب کے لیے مخصوص تھا چنانچہ ان تمام حضرات نے حضرت مولانا سے کام کی ترتیب و تسبیح اور اصول و ہدایات پر مذاکرات — اور مختلف مشورے — کیے، اسی مذکورہ تاریخ میں کولمبو سے تری وینڈرم پورچ کر یہاں سہ روزہ قیام کے بعد منگلوار اس ہوتے ہوئے ۸ شعبان مطابق ۲۸ ستمبر میں دہلی واپس تشریف لائے۔

سفر دہلی، شارجہ، سعودی عرب

(۵)

۱۹۷۳ء

۱۳۹۳ھ

۱۱ ذی قعدہ ۱۳۹۳ھ (۲۲ دسمبر ۱۹۷۳ء) میں آپ دہلی ہوائی اڈہ سے مختصر بیان و دعا کے بعد بمبئی کے لیے روانہ ہوئے۔ مولانا محمد عمر مولانا محمد بن سلیمان، مولانا صانع جی افسر قیام و عیذہ نو افراد کا قافلہ آپ کی معیت میں تھا۔ بمبئی میں الحاج عبد الکریم ماہم کے مکان پر آپ کا قیام ہوا، یہاں کے دو روزہ قیام میں متعدد جگہ بیانات و اجتماعات ہوئے اور پھر حضرت مولانا ۸ ذی قعدہ (۲۴ دسمبر) منگل میں بمبئی سے روانہ ہو کر دہلی تشریف لائے یہاں سے ۷ دسمبر میں شارجہ آمد ہوئی مسجد سیدنا علی ابن ابی طالب آپ کی قیام گاہ بنی۔ یہاں پہلے سے ایک تبلیغی اجتماع متعین تھا جس میں مختلف عرب ممالک کے دعوتی احباب کے علاوہ عرب انارات کے کام کرنے والے اہل تعلق بڑی تعداد میں جمع تھے۔ ۸ دسمبر میں شارجہ سے ابوظہبی آکر مسجد درویش بن کرم میں ہونے والے اجتماع میں شرکت فرما کر اگلے دن جدہ روانہ ہو گئے اور حج و زیارت سے فارغ ہو کر ۳ صفر (۲۶ فروری) منگل — کو ہندوستان واپسی کے ارادہ سے جدہ سے روانہ ہو کر ظہران اور بمبئی میں چند روزہ قیام کے بعد ۱۱ صفر ۲ مارچ میں بنخرو عافیت نظام الدین تشریف لائے۔

سفر افریقہ، لیبیا، موزمبیق، روڈیشیا، ملاوی، زمبیا، تنزانیہ، کینیا

(۶)

۱۹۷۵ء

۱۳۹۵ھ

سعودی عرب

یکم ربیع الاول ۱۳۹۵ھ (۱۵ مارچ ۱۹۷۵ء) بروز شنبہ حضرت مولانا مع رفقاء دہلی سے

روانہ ہو کر بمبئی پہنچے، یہاں کے سہ روزہ قیام میں کھارا اور بیگ محمد یارغ میں مستورات کے دو اجتماع اور باندہ و جامع مسجد بمبئی اور کھوکا بازار میں ہونے والے تین اجتماعات میں شرکت فرما کر بڑی تعداد میں جماعتوں کی روانگی کے بعد ۳ ربیع الاول (۸ مارچ) شنبہ میں ایرانڈیا سے روانہ ہو کر ہندوستانی وقت کے مطابق شام ۵ بجے مارشیش پہنچے۔ اگلے دن کاسجاب مقام پر دو روزہ اجتماع میں شرکت فرما کر پورٹ لوئس آمد ہوئی۔ یہاں حاجی محمود لوکھاٹ کے مکان پر قیام اور مسجد لاری ڈی فورس میں اجتماع ہوا۔

۴ ربیع الاول (۲۱ مارچ) میں پورٹ لوئس سے بذریعہ طیارہ سینٹ ڈیوئس پہنچا ہوا اس مقام پر مسجد نور الاسلام میں ایک سہ روزہ اجتماع بھی تھا اس سے فارغ ہو کر بذریعہ ہوائی جہاز جوہانس برگ تشریف لائے۔ راستہ میں یہ جہاز ایک گھنٹہ ڈرین بھی رکھا۔ احباب کا مجمع یہاں ملاقات کے لیے آیا ہوا تھا حضرت مولانا نے کچھ کلمات فرما کر دعا کی امصال فحی کئے۔ جوہانس برگ کے مطار پر مجمع کی کثرت اور ان کے شوق و اشتیاق کی کیفیت مولانا زبیر احسن صاحب اپنے مکتوب میں اس طرح لکھتے ہیں:

”یہاں اس قدر مجمع تھا اور لوگوں کا اس قدر ریلیہ آفا تھا کہ بجائے خود قدم اٹھانے کے بے اختیار آگے کی منزل خود بخود طے ہو جاتی تھی اور اگر پیچھے آنے کی ضرورت پیش آتی تو بڑی مشکل اور دھکائی سے آنا پڑتا تھا، بڑی مشکل سے مجمع کو قابو میں کیا گیا سب کو بٹھایا، پھر حضرت جی مدظلہ کی دعا ہوئی، پھر جوہانس برگ میں قاری عبدالحجید صاحب کے مکان پر قیام اور جامع مسجد میں اجتماع ہوا۔ بعد ازاں ایک شب روڈی پورٹ جناب الحاج موسیٰ بدھانیا کے مکان پر ٹھہرے ہوئے ۱۱ ربیع الاول (۲۵ مارچ) میں میان کے فارم پر تشریف لائے یہاں چوبیس گھنٹہ کا ایک اجتماع ہوا حضرت مولانا نے اس میں اخلاص و استخلاص مجاہدات و قربانی اور سنتوں کی پابندی پر ایک جامع اور مؤثر بیان فرمایا۔“

قوله في هذا الموضع

۱۔ مسکین و محتاجین کو روزانہ ۱۰ روپیہ کی رقم ملے گی۔
 ۲۔ مسکین و محتاجین کو روزانہ ۱۰ روپیہ کی رقم ملے گی۔
 ۳۔ مسکین و محتاجین کو روزانہ ۱۰ روپیہ کی رقم ملے گی۔
 ۴۔ مسکین و محتاجین کو روزانہ ۱۰ روپیہ کی رقم ملے گی۔
 ۵۔ مسکین و محتاجین کو روزانہ ۱۰ روپیہ کی رقم ملے گی۔
 ۶۔ مسکین و محتاجین کو روزانہ ۱۰ روپیہ کی رقم ملے گی۔
 ۷۔ مسکین و محتاجین کو روزانہ ۱۰ روپیہ کی رقم ملے گی۔
 ۸۔ مسکین و محتاجین کو روزانہ ۱۰ روپیہ کی رقم ملے گی۔
 ۹۔ مسکین و محتاجین کو روزانہ ۱۰ روپیہ کی رقم ملے گی۔
 ۱۰۔ مسکین و محتاجین کو روزانہ ۱۰ روپیہ کی رقم ملے گی۔

[illegible]

(المسألة الأولى) في بيان ما هو الذي يوجب كراهية
 ارتداء الثياب المصنوعة من الحرير والكتان
 في هذه المذاهب يمكن أن يكون من وجهين أحدهما
 كونه من جنس الحرير والكتان كونه من جنس الحرير والكتان
 والآخر كونه من جنس الحرير والكتان كونه من جنس الحرير والكتان
 في هذه المذاهب يمكن أن يكون من وجهين أحدهما
 كونه من جنس الحرير والكتان كونه من جنس الحرير والكتان
 والآخر كونه من جنس الحرير والكتان كونه من جنس الحرير والكتان

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰

تو ای که در این عالم
خدا را می بینی

اسی موقع پر حضرت مولانا دیگر رفقاء کے ساتھ مولانا ابراہیم، مولانا بابزید، مولانا پانڈوڑ مولانا احمد صادق (مجاز حضرت مولانا مسیح الشراخاں صاحب) مولانا محمود خاں صاحب (مجاز حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی) کے یہاں بھی تشریف لے گئے، ان تمام حضرات کے یہاں طعام یا ناشتہ پر علمائے کرام اور علاقہ کے خواص بھی جمع ہوتے تھے جن میں حضرت مولانا کی یا آپ کے مشورہ سے رفقاء سفر میں سے کسی کی بات ہو کر — خروج فی سبیل اللہ کی دعوت دی جاتی تھی۔ مولانا سلیمان پانڈوڑ کے مکان پر مدارس و جامعات کے علماء کی ایک اچھی تعداد موجود تھی۔ حضرت مولانا نے ان سے بڑی بشارت اور دلچسپی کے ساتھ ملاقات فرما کر ان کو دعوت کے اس مبارک عمل کی طرف متوجہ کیا اور فرمایا:

”مدرسہ میں پرٹھاتے ہوئے، تعلیم کو پورا کرتے ہوئے تھوڑا سا وقت اس کام میں بھی لگائیں۔“

یہاں سے حضرت مولانا کی روانگی لوڈیم کے لیے ہوئی۔ جہاں کے میزبان حاجی محمد ذکرات تھے، ان کے مکان پر ایک دن قیام ہو کر لنیشیا کا سفر شروع ہوا۔ مولانا محمد عمر صاحب اپنے دو گرامی ناموں میں یہاں تک ہونے والے سفر کی تفصیلات اور ہونے والے اجتماعات کی کارگزاری اس طرح سپرد قلم فرماتے ہیں:

”ہمارے ساتھ چودہ نفر ہیں جن میں پانچ ہم حضرت نظام الدین کے ہیں، اسٹافی لائن کے ذمہ دار حاجی علاؤ الدین ہیں۔ ظہر کی نماز ہوائی جہاز میں پڑھی دوپہر کا کھانا بھی جہاز میں کھایا۔ جہاز اٹنے کے بعد بمبئی سے اڑا اور ہندی وقت سے ۵ بجے مارشیش اتر، مسلسل پورے چھ گھنٹہ اڑنا رہا، ساتھی ذکر و تلاوت میں لگے رہے، مارشیش آئے تو مولانا سعید احمد خاں صاحب، قاضی عبدالقادر صاحب، عبدالشکور مدنی صاحب، ملک عبدالحق صاحب اور سلیمان مایا صاحب اور ان کی جماعت سے سب سے پہلے ملاقات ہوئی۔ عصر کی نماز ہوائی اڑہ پر ہوئی۔ حضرت جی کی دعا ہوئی۔ مغرب سے پہلے کاروں کے ذریعہ اجتماع پہنچے مغرب کے بعد مولوی جھانگی نے مجمع جوڑا، بعد میں بتدہ کابیان ہوا تشکیل پر مجلس ختم

ہوئی۔ مجمع کافی تھا۔ فجر کی نماز کے بعد عبدالوہاب صاحب کا بیان ہوا، ناشتہ کے بعد تعلیم کے حلقے ہوئے، سائے ساتھی استعمال ہوئے۔ ظہر کے بعد بھائی۔۔۔ عبدالملک صاحب کا بیان انگریزی میں ہوا۔ عصر کے بعد قاضی صاحب نے ذکر کے فضائل بیان کیے، مغرب کے بعد کھانا ہوا پھر مولانا سعید احمد خاں صاحب کا بیان ہوا، بیان کے بعد اچھی تشکیل ہوئی، مولوی صاحب نے انگریزی میں بیان کا خلاصہ کیا، بدھ کی عصر کی مجلس میں خواص سے حضرت جی نے بات کی، صبح جی نے کھڑے ہو کر انگریزی میں ترجمہ کیا، جمعرات کو فجر کی نماز کے بعد۔۔۔ میاں جی محراب نے جماعتوں کے بٹھانے پر بات کی، ۸ بجے روانگی کا بیان بندہ نے کیا، حضرت جی کا بیان ہو کر دعا ہوئی، رقت طاری تھی، مصافحہ کے فوراً بعد، کاشمیر سے چلے کیوں کہ پورٹ لوئس شہر میں لاری ڈی فورس کی مسجد میں پروگرام تھا، ظہر کے بعد مولوی لطف الرحمن صاحب کا اردو میں جم کر بیان ہوا، اردو اچھی بول لیتے ہیں، عصر کے بعد مسجد میں نکاح پر حضرت جی کی بات ہوئی اور پھر نکاح پڑھایا۔ مجمع کو یہ بات پسند آئی، مختلف مساجد میں جماعتیں بھیجیں جس میں ہمارے سائے و رفقاء استعمال ہوئے، حضرت والا نا محمد سے بار بار کہا کہ میرے ساتھ چلے والا قافلہ بیکار نہ پھرے بلکہ ان کو کام میں لگاؤ، لہذا ان سے کام لیا جاتا ہے۔ جمعرات ۲ مارچ میں مغرب بعد کھانا ہوا، عشاء اول وقت ہوئی، عشاء کے بعد بندہ کا بیان ہو کر پھر حضرت جی کا بیان ہوا، پھر تشکیل ہوئی۔ فجر کی نماز کے بعد مولانا سعید احمد خاں صاحب کا بیان ہوا، حضرت جی اور سائے کا بیان میں بیٹھے تھے، مولانا نے اپنے معمول کے مطابق بیان کیا۔ جمعہ کی نماز میں جماعتیں کام کر رہی ہیں، ایک جماعت میں قاضی صاحب بھائی عبدالوہاب صاحب ہیں دوسری میں مولانا سعید احمد خاں صاحب ہیں، مارشش میں قضاہ تھی جماعت کے کام کیا اچھی قضائی۔

مارشش سے ۶ بجے پرواز ہوئی، ۷ بجے کے بعد ری یوٹین اترے مغرب

کی نماز ایرپورٹ پر پڑھی، مجمع کافی استقبال کے لیے تھا، حضرت جی مدظلہ نے بات کی مصافحہ کیا پھر قیام گاہ پر حاضری ہوئی، مشورہ ہوا، کھانا ہوا، عشاء کے بعد حضرت جی مدظلہ و مولانا سعید احمد خاں صاحب کا بیان ہوا، ۲۳ مارچ سینچر کا پورا دن معمولات میں گزرا، حلقے و بیانات ہوئے، ایک خاص بات یہ ہوئی کہ یہاں کا سب سے بڑا پادری حضرت جی مدظلہ سے ملاقات کرنے آیا، خود کا اس کا اشتیاق تھا، مسجد کے حلقے دیکھے پھر ملاقات پر حضرت والا نے بات کی جس سے وہ خوش ہوا۔ دوپہر کا کھانا حضرت جی مدظلہ نے عام مجمع کے ساتھ کھایا، مجمع کافی متاثر تھا، مسجد میں عمومی طور پر لوگ مصافحہ کرتے رہے لوگوں میں عجیب و اشتیاق و محبت پائی گئی، مستورات کے پروگرام بھی ہر جگہ ہو رہے ہیں کافی مقدار میں جمع ہو جاتی ہیں، یہاں کے لوگوں نے سینچر کے دن ساری دکانیں اجتماع کی وجہ بند رکھی اور ہر دکان پر لکھ دیا، اس سے گاہک کے علم میں آیا، اسی وجہ سے پادری کو تعجب ہوا کہ ایسی شخصیت کون ہے کہ جس کی آمد کی خوشی میں پورے شہر کا بازار بند ہے، ری یونین میں فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوتا رہا، اتوار ۲۴ مارچ کو انبجے کے بعد روانگی والی دعا کر کے مصافحہ ہوئے، مجمع پر کافی رقت تھی، چرخ و پکار کا بھی منظر تھا، جماعتوں کے بعد عام مجمع کا مصافحہ بھی ہوا، مارشیش سے بیس جماعتیں نکلیں۔

۲۳ مارچ اتوار میں جہاز سے روانہ ہوئے، ساڑھے تین گھنٹہ کا سفر تھا جہاز ڈربن اترا، مطار پر کافی مجمع تھا۔ حضرت جی مدظلہ نے دو مرتبہ دعا کرائی پھر ڈربن سے اسی جہاز سے چل کر جوہانس برگ پہنچے یہاں بھی بڑا مجمع تھا۔ دعا کے بعد قیام گاہ پر آئے اور دو تین دن مختلف مقامات لوڈیم وغیرہ کا نظام بنایا، مارشیش اور جوہانس برگ وغیرہ کے دس روزہ سفر سے فارغ ہو کر حضرت مولانا ام اربع الاول،

لے مکاتیب مجرہ ۲۱ و ۲۳ مارچ ۱۹۴۵ء از مارشیش وری یونین عطیہ جناب بھائی خالد حسنا صدیقی علی گڑھ

(۲۸ مارچ) میں لینڈیا تشریف لائے یہاں ۵ اترے، ۱۲ ریح الاول (۲۹ تا ۳۱ اگست) ایک بڑا اجتماع منعقد ہوا۔

مولانا محمد عمر صاحب اپنے مکتوب بنام حضرت شیخ رحمہ اللہ میں اس اجتماع کا آنکھوں دیکھا حال اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

"۲۸ مارچ کو لینڈیا مقام اجتماع پر عصر کے وقت پہنچے، مجمع جمع ہو رہا تھا پورے ملک سے احباب آئے تھے۔ بارہ ہزار کا مجمع تھا مقامی احباب نے بتایا کہ بغیر موسم کے بارش اجتماع سے پہلے آئی تھی، ساتھی بہت ہی دعاؤں میں لگے حضرت جی مدظلہ نے بھی خیر کی دعا مانگی اللہ کے فضل سے پورے اجتماع میں ایک قطرہ بارش کا نہیں ہوا۔ جب کہ جمعہ کو اجتماع گاہ سے دو سو قدم پر بارش تھی۔ اور پانی بھرا ہوا تھا لیکن اجتماع گاہ کی اللہ نے حفاظت فرمائی، شب میں بھائی عبدالوہاب کا اور سینچر کی صبح کو بعد نماز فجر مولانا سعید احمد خاں کا بیان تھا پھر تعلیم کے حلقے ہوئے۔ بعد ظہر کرنل امیر الدین صاحب کا انگریزی میں بیان ہوا بعد عصر مولانا زبیر صاحب نے ذکر کی فضیلت پر بیان کیا، جس کا انگریزی ترجمہ مولوی محمد صالح جی کا ہوا۔ مغرب بعد پہلے زندہ کا بعد میں حضرت جی مدظلہ کا بیان ہوا، دوسرے دن بعد نماز ظہر حضرت جی مدظلہ نے پرانوں میں بیان فرمایا۔ نیز تعلیم کے حلقوں میں بھی حضرت جی مدظلہ نے کچھ دیر بات کی اسی طرح علماء کے حلقے میں بھی تشریف لے گئے اور وہاں بھی آپ نے بیان فرمایا۔ ظہر کے بعد بیس سے زیادہ نکاح ہوئے اس میں حضرت جی مدظلہ کا تفصیلی بیان ہوا، مجمع خوب تھا۔ اجتماع کے تیسرے دن فجر کے بعد میاں جی محراب اور شریف بھائی نے جماعتیں بٹھائیں، سوا آٹھ بجے سے بندہ لے روانگی کے اصول و آداب بیان کرنے شروع کئے۔ اس کے بعد حضرت جی مدظلہ کا بیان ہوا، حضرت جی مدظلہ کے ترجمان مولانا قاسم سیما تھے، دعا میں سب پر رقت و سنجیدگی طاری تھی مجمع میں عجیب و غریب سکون تھا ہر محاسن میں مجمع منشرح الصدور پایا گیا حضرت جی پر

دعا میں رقت طاری تھی، بار بار دعا میں یہ جملہ فرمایا کہ اے اللہ تیرے ہی کرم کا
سہارا ہے قبول فرما لے۔

حضرت جی یہاں والوں سے بہت خوش ہیں کیوں کہ یہاں محبت کا عجیب
اندر ہے ملنے والوں سے حضرت والا بشارت سے ملتے ہیں اور دن بھر ملنے
والوں کی بات فرماتے رہتے ہیں۔ پیر اور منگل دو دن لینیشیا کی جامع مسجد میں سارے
ملک کے پرائوں کو جوڑا گیا اور ان سے بات ہوئی، اے

اس اجتماع سے بالوے جماعتیں نکلیں جو چھ سو اڑتالیس افراد پر مشتمل تھیں ان میں بیرون
ملک جانے والے جماعتیں ویسٹ انڈیز، امریکہ، برازیل، چلی، ارجنٹائن، انگلینڈ، آسٹریلیا، فرانس
وغیرہ گئیں۔

حضرت مولانا اجتماع کے بخیر و خوبی ختم ہونے کی اطلاع دیتے ہوئے حضرت شیخ کو لکھتے ہیں،
”آج دو شنبہ ۳ مارچ کو الحمد للہ والین اللہ اجتماع بخیر و خوبی پورا ہو گیا۔ اکیانوے
جماعتیں قریب و بعید بیرون و اندرون سپیدل سواری کی روانہ ہوئیں۔ اجتماع میں
تمام طبقات کے افراد نے شرکت فرمائی۔ اور الحمد للہ سب پر بہت اچھا اثر رہا۔
اللہ جل شانہ قبول فرمائے۔ اللہ جل شانہ کی کھلی مدد بھی سب کے سامنے آئی کہ
بارشیں ہو رہی تھیں اور جمعہ کے روز تک خوب تھیں جائے اجتماع پر بھی زور زبہ
ہو رہی تھی۔ خیمہ کئی مرتبہ ٹھیک کیا گیا، میٹھنے کی جگہ سے پانی کونکالنے اور خشک
کرنے کی کوشش کی گئی۔ ہم لوگوں نے جمعہ کی نماز جائے اجتماع پہنچ کر پڑھی
لیکن الحمد للہ اس وقت سے اب تک اس جگہ بارش نہیں ہوئی، اور یہ بتایا
گیا ہے کہ جائے اجتماع سے جمعہ کے روز دو سو گز کے فاصلے پر خوب بارش
ہوئی، لیکن وہاں پر ایک بوند بھی نہیں پڑی، اے

مولانا محمد یوسف صاحب تلی (افریقہ) جو اس پورے دورہ میں حضرت مولانا کے ساتھ تھے۔

حضرت شیخ کے نام ایک مکتوب میں اس سفر پر اپنے تاثرات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں :

” اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت جی دامت برکاتہم کا دورہ بہت ہی کامیاب ہو رہا ہے، ہر جگہ لوگوں میں استقبال ہے اور مجمع بھی اچھا ہوتا ہے نام بھی لکھاتے ہیں، اجتماع کے ایام میں سیکڑوں کی تعداد میں بیعت بھی ہوئے جہاں جانا ہوتا ہے مغرب کے بعد بیعت بھی فرماتے ہیں، احقر اور حاجی پاڈیا صاحب حضرت جی کے ساتھ پورے ملک میں ساتھ ہیں۔ یہ سب حضرت اقدس کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور بار بار ایسے مواقع نصیب فرمائے شکرانہ کی نفلیں بھی ادا کی جا رہی ہیں۔“

ذیل میں حضرت مولانا کا ایک اور طویل مکتوب (جس میں آپ نے بمبئی سے لینڈیا تک ہونے والے سفر اور مقامات سفر اثنائے راہ کے چھوٹے بڑے متعدد اجتماعات ابتداء سفر کی ایک دشواری اور پھر اللہ جل شانہ کی طرف سے ملنے والی مدد اور نصرت نیز ری یونین کے ایک عیسائی عالم دیادری کی آمد اور اس کے تاثرات و خیالات تحریر فرمائے ہیں) پیش کیا جاتا ہے یہ مکتوب سات اپریل ۱۹۷۵ء میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو ڈربن سے مدینہ منورہ تحریر کیا گیا تھا۔

” مخدوم مکرم معظم محترم مدظلکم العالی !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ بمبئی ۵ مارچ کو بحیریت پہنچ گئے تھے جس کی تفصیل اور کیفیت عزیزان سے معلوم ہو گئی ہوگی ۸ مارچ کی صبح کو ۱۰ بجے عزیزان ظہران کے لیے بادپنا ہوئے اور بندہ الہم بچے مارشش کے لیے روانہ ہوا، جنوبی افریقہ کا اندراج بمبئی میں نہ ہو سکا اپن بمبئی کا اصرار تھا کہ بمبئی ہی میں ٹھہرا جائے اور یہاں پر مزید کوشش کی جائے قاطبہ سب کی رائے یہی تھی بندہ کی رائے یہ تھی کہ یا تو سفر ملتوی کر دیا جائے اور یا جب قرار داد سفر شروع کر دیا جائے جہاں کی اجازت نہیں، اس جگہ کو چھوڑ دیا

لے مکتوب محررہ ۱۴ اپریل ۱۹۷۵ء از اشینگر

جائے اور بقیہ سفر کو قرارداد کے موافق پورا کیا جائے اور ہر جگہ اندراج کی کوشش کی جائے، التوا سفر کی کسی کی رائے نہیں، اللہ کے نام پر سفر شروع کر دیا، اپنے بھئی سے پرواز شروع ہوئی اور ۵۰۰ پر مسلسل پرواز کے بعد مارشش پہنچے، مطار پر عصر کی نماز پڑھی اور مغرب سے پہلے اپنے مستقر پر پہنچ گئے یہاں پہنچ کر پاسپورٹ میں اندراج کی کوشش کی گئی جس پر یہ جواب ملا کہ دہلی تار کیا ہے، وہاں سے جواب آنے پر بتا دیا جائے گا۔ مارشش سے بھی فون کیا کہ دہلی کرامت اور نعمت کو فون پر کہہ دیں کہ وہ دہلی میں کوشش کریں۔ الحمد للہ پہلے ہی مقام پر اجازت ہو گئی اور سفر حسب قرارداد ہو رہا ہے۔ مولوی اظہار کے خط سے معلوم ہوا کہ دہلی میں بھی انکار کا فیصلہ ہو گیا تھا لیکن کرامت اور نعمت کی کوشش سے اللہ جل شانہ نے اجازت دلوا دی یہ دنوں دہلی میں بندہ سے بار بار کہتے رہے، اطمینان دلاتے رہے لیکن پیر کی شام کو ناکامی بتائی گئی جس پر اہل بھی کا اصرار تھا کہ تین روز اور ٹھہریں اس میں ایک کوشش اور کر لی جائے جس میں مولوی محمد عمر بھی ان کے ہمنوا تھے لیکن بندہ کی رائے تھی کہ یا تو بالکل سفر ملتوی کر دیا جائے کیوں کہ اصل سفر جنوبی افریقہ ہی کے لیے تھا جب وہ نہیں تو سفر ملتوی کر دیا جائے اور اگر سفر ملتوی نہیں کیا جاتا تو مقررہ تاریخ پر سفر شروع کر دیا جائے اور پاسپورٹ میں اندراج کی کوشش ہر جگہ کی جاوے اگر اجازت ہو جائے۔ تو جنوبی افریقہ کا سفر بھی کر لیا جائے اگر اجازت نہ ملے تو جس جس جگہ کی اجازت ہے وہاں پر ان ہی تاریخوں میں جو پہلے سے مقرر ہیں سفر کر لیا جائے، لوگوں کے ناخواستہ دلوں کے ساتھ سفر شروع ہو گیا اور الحمد للہ تم الحمد للہ پہلے ہی مقام پر اللہ جل شانہ نے اندراج کر دیا، بندہ، جمعرات، جمعہ مارشش میں رہے، جمعہ ۱۲ مارچ کو شام کو مغرب کے وقت مارشش سے روانہ ہو کر رری یونین پہنچے مغرب کی نماز رری یونین کے ہوائی اڈہ پر پڑھی، کثیر مجمع مطار پر تھا کچھ بات کی پھر قیامگاہ آکر عشاء کے بعد بندہ کا بیان ہوائی رری یونین کے تمام تاجروں نے ہفتہ اتوار کو

اپنی دکانیں بند رکھی، جس کا اثر حکومت پر اور دیگر لوگوں پر بھی ہوا کہ وہ دودن چھٹی کے ہیں اور ان دودنوں میں بازار خوب ہوتا ہے۔

ری یونین کا پادری جس کا درجہ گورنر کے بعد ہے اس نے ملنے کی خواہش کی، بندہ نے کہا کہ ضرور ملیں گے، وہ گیارہ بجے آیا، بندہ نے بات شروع کی لیکن اس کا لانے والا جو تھا اس کو تقاضا پادری کے اٹھانے کا ہوا، وہ مضطرب تھا پادری تو اور بیٹھنا چاہتا تھا لیکن اس ساتھی نے بیٹھنے نہ دیا، پادری بہت خوش تھا چلتے ہوئے کہنے لگا کہ میرے لئے اور میری قوم کے لیے دعا کرنا بندہ نے کہا ضرور کروں گا، بندہ نے اس کے لیے اور اس کی قوم کے لیے ہدایت کی دعا کی ہے حضرت والا سے بھی ان کی ہدایت کے لیے دعا کی درخواست ہے۔ پورے جزیرہ یونین میں عجیب سا شوق و ذوق تھا اور ایک عام گرویدگی تھی ہر کام بہت شوق و رغبت خوشی سے کرنے کے لیے ہمہ وقت کمر بستہ تھے ان کی ایک جماعت فرانس روانہ ہو گئی یہ لوگ فرانسیسی بولتے ہیں، اتوار کی شام کو عصر کی نماز مطار پر پڑھی کثیر مجمع تھا یورپین فرانسیسی حیرت سے دیکھ رہے تھے، دو ہی روز اس چھوٹے سے ملک کے لیے ملے، اتوار ۲۳ مارچ کی شام کو جنوبی افریقہ جو ہالنبرگ کے لیے طیارہ میں جگہ محفوظ تھی، اور طیارہ بھی ہر روز نہیں بلکہ ہفتہ میں ایک یا دو ہی ہیں اس بنا پر وہاں سے روانگی ہوئی۔ ذمہ داروں کے ذوق و شوق و رغبت مزید قیام کی متقاضی تھی وہاں کے لوگوں نے کہا بھی کہ اب تو جاتے ہو گھمننا ٹھہرنا ہوا۔ ابھی مرتبہ خاص ری یونین ہی کے لیے بلاویں گے، سو اچھ بکھے طیارہ نے پرواز شروع کی، مغرب کی نماز طیارہ ہی میں تین تین نفر نے جماعت کے ساتھ ادا کی۔ ساڑھے تین گھنٹہ کی پرواز کے بعد جہاز ڈربن اتر ایتھوڑی دیر وہاں ٹھہر کر سپان منٹ میں جو ہالنبرگ پہنچا جو ہالنبرگ میں افراتراف میں ایک ایک ٹب کے لیے جانا ہوتا رہا۔ ۲۸ مارچ جمعہ کو لینڈیا مقام اجتماع پہنچے الحمد للہ حضرت والا کی دعاؤں کی برکت سے اجتماع کی طاہری صورت بہت اچھی رہی، مجمع خوب تھا

اور خوب جم کر سنا تھا۔ ۹۲ جماعتیں الحمد للہ تین چلہ اور چلہ و کم و بیش کی تھی تیس دیگر ممالک کے لیے اور ۳۲ ہندوپاک کے لیے اور تیس اندون ملک کے لیے دو دن جماعت کی روانگی کے بعد شہر کی جامع مسجد میں تمام پرانوں کو جمع کر کے مختلف اوقات میں باتیں ہوتی رہیں پھر روزانہ صبح کو سفر اور ظہر تک مقام پر پہنچ کر کھانا اور آرام اور شام اور رات کو کام یہ نظام اب تک چل رہا ہے۔ اللہ جل شانہ قبول فرماوے۔ اور پورے براعظم کے ہدایت پر بڑے کا ذریعہ فرمائیں یہ خط ایک عشرہ پہلے لکھنا شروع کیا تھا مگر اپنے ضعف اور کمزوری کی بنا پر روزانہ بھی تھوڑا تھوڑا لکھنا جاسکا۔ آج رات کو عشاء کے بعد بندہ کا بیان نہیں تھا اس وقت لکھنا اور پورا کرنا چاہا مگر نہ ہو سکا، اب صبح کو ختم کیا جا رہا ہے الحمد للہ جنوبی افریقہ میں بھی عمومی فضا لوگ بتاتے ہیں کہ بنتی چلی جا رہی ہے اللہ جل شانہ اپنا فضل فرماویں۔ والسلام

محمد انعام الحسن غفرلہ ڈربن، ۲ اپریل ۱۴۰۷ھ

لینیشا کے اجتماع کے بعد حضرت مولانا نے دو اپریل سے سترہ اپریل تک مسلسل مختلف علاقوں اور شہروں کا ایک بھرپور اور نتائج خیز دورہ فرمایا جن جن مقامات پر پہنچ کر دعوتی محنت کی گئی اور جو اثرات و نتائج اس کے مرتب ہوئے اس کی تفصیلات روزنامہ حضرت شیخ ر نیز مختلف خطوط اور یادداشتوں سے اخذ کر کے یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

”۱۹ ربیع الاول ۲۰۲۷ اپریل بدھ میں لینیشا سے ارطو پہنچ کر ایک رات قیام کیا، شب میں بیان و تشکیلیں ہوئی اور اگلے دن نیوکاسل، لیڈی اسمتھ، صوفی مسجد اور پیٹر میئر ٹرن، برگ ایک ایک دن کے لیے جانا ہوا، پیٹر میئر میں مولانا احمد صادق (مجاز حضرت مولانا شاہ سیح اللہ صاحب) کے مکان پر قیام تھا یہاں مجھے بھی بڑی عزت و احترام ملا اور بڑی تسکین و آرام کی تھی۔

۲۳ ربیع الاول ۲۰۲۷ اپریل میں یہاں سے رچرڈ پہنچ کر بعد عصر مجلس نکاح منعقد کی گئی، جس میں حضرت مولانا نے بیان فرما کر ایجاب و قبول کرائے بعد

نماز عشاء بھی ایک بیان ہوا اور پھر اسپنگو بیچ میں مولانا احمد صالح کے مکان پر پہنچ کر آرام فرمایا، اگلے دن یہاں سے چاکس ٹرال اور اسٹینگر پہنچ کر دو دن قیام کے بعد ۲۷ ربیع الاول (۱۰ اپریل) کو ڈرین آمد ہوئی۔ یہاں بڑی مسجد میں بعد ظہر اجتماع ہوا، مجمع بہت کافی تھا اور خصوصیت سے ایسے اصحاب یہاں موجود تھے جن کو دعوت تبلیغ سے مختلف اعتبار سے غلط فہمیاں تھیں اس اجتماع کا منظر دیکھ کر اور بیانات سن کر ان کے ذہن صاف ہوئے اور جماعت سے ان کا تعلق قائم ہوا۔

۲۸ ربیع الاول میں ڈرین سے کیپ ٹاؤن آمد ہوئی، یہ سفر مسافت کے اعتبار سے بہت طویل تھا، طیارہ راستے میں ایسٹ لندن اور پورٹ ایلزبتھ پر کچھ دیر کے لیے اتر کر کیپ ٹاؤن پہنچا تھا یہاں ۲۹-۳۰ ربیع الاول (۱۲-۱۳ اپریل) کے دو روزہ قیام میں اس پورے علاقے کی تمام مساجد میں جمع کر دین کی محنت کی گئی نیز علماء و مشائخ و مستورات کے دواہم اجتماعات بھی کئے گئے۔

یکم ربیع الثانی (۱۴ اپریل) میں کیپ ٹاؤن سے یہ دعوتی قافلہ اسٹینگر پہنچا یہاں ایک شب کا اجتماع تھا۔ ۱۶ اپریل کو جوہانس برگ تشریف لائے کہ یہاں بھی ایک اہم اجتماع پہلے سے متعین تھا۔

مولانا محمد عمر صاحب کے مکتوب گرامی کے مطابق اس اجتماع میں:

”عام مجمع سے نیو ٹاؤن مسجد کھیا کچھ بھری بھٹی، عشاء کے بعد سارے

برائوں کو الگ جمع کر کے حضرت جی مدظلہ نے بہت موثر بات کی اور مشورہ

دیا کہ کام کیسے کریں، عام مجمع سے مولانا سعید صاحب بات کر رہے تھے خبر پر

خبر آ رہی تھی کہ مجمع حضرت جی کا منتظر ہے، چنانچہ آپ نے برائوں میں دعا کر کے

پھر عام مجمع میں جا کر مختصر بیان نکاح تشکیل فرمانے دعا کی، حدابی کا غم سب

پر تھا کافی احباب رو رہے تھے پھر صافحہ جتنے کر سکے کیا، ۱۷ اپریل کو

ایرپورٹ پر کافی مجمع تھا یہاں حضرت جی نے گفتگو فرمائی۔ اور روزانہ ڈھائی گھنٹہ فارغ کرنے کی ترغیب دی لوگوں نے دل کھول کر نام دیئے، آخری ایام میں چٹوں کی پیدل جماعت نکلی جو ہر جگہ سے پیدل جماعتیں نکالے گی۔ اس کے بعد ایرپورٹ پر دعا ہوئی۔ حضرت جی مدظلہ بہت انشراح کے ساتھ یہاں سے دوسرے ملک کے لیے روانہ ہوئے۔

۳ ربيع الثانی (۱۷ اپریل) میں جوہانس برگ کے اجتماع سے فارغ ہو کر چارٹر پلین سے روانہ ہو کر موزمبیق پہنچ کر نماز مغرب ادا کی اور یہاں کی جامع مسجد میں ہونے والے اجتماع میں شرکت فرما کر بیان و دعا کے بعد جماعتیں روانہ کیں۔ اس سفر میں طیارہ خطرناک بارش و بجلی کے درمیان ایسا گھبراہٹ کی طرح ہلنے لگا۔ تمام رفقاء ذکر و دعا میں مشغول ہو گئے اور پھر اللہ جل شانہ نے منزل پر پہنچا دیا۔

یہاں ۶ ربيع الثانی (۱۹ اپریل) کی صبح روانہ ہو کر رہوڈیشیا میں آمد ہوئی یہاں سائس کی شہر میں دعوتی احباب اور رفقاء جمع تھے اور پہلے سے اجتماع کی ترتیب اور محنت چل رہی تھی، چنانچہ عشاء سے پہلے بیانات ہوئے جن کے ترجمے پر تگیزی زبان میں ہوتے رہے۔ مستورات میں متعدد بیان ہوئے۔ حضرت مولانا کا بعد مغرب عمومی مجلس میں بیان ہو کر بڑی جاندار تشکیل ہوئی۔ اس اجتماع میں مختلف مقامات کے احباب اور تیز علماء اچھی تعداد میں آئے تھے لارنس آف مارک سے بھی ساتھیوں کی بڑی تعداد اجتماع شریک تھی اس اجتماع سے ہم جماعتیں جن میں ایک سو چودہ نفر تھے مختلف ملکوں کے لیے روانہ ہوئیں۔

۸ ربيع الثانی (۲۱ اپریل) میں سائس بری رہوڈیشیا کے مطار پر حضرت مولانا نے کچھ دیر بات فرما کر دعا کی آنے والوں سے مصافحے کئے اور پھر بلٹائر (ملاوی) کے لیے روانہ ہو گئے یہاں بھی مطار پر دعا سے فارغ ہو کر اجتماع گاہ آمد ہوئی ۲۲ اپریل

۱۷ مکتوب محررہ ۱۲ اپریل ۱۹۷۵ء عطیہ جناب بھائی خالد صاحب صدیقی علی گڑھ۔

نہ شنبہ کو یہاں اجتماع تھا یہاں سے بھی سولہ جماعتیں جو ۱۲۶۱ نفر پر مشتمل تھیں، اس کے راستے میں نکلیں، خصوصیت کے ساتھ افریقی اور ایشیائی لوگوں کی مخلوط جماعتیں بنا کر نکالی گئیں یہاں سے فارغ ہو کر سچاس میل کے فاصلے پر واقع شہر زونبا پہنچے، نماز مغرب کے بعد یہاں بھی اجتماع اور تشکیل ہوئی۔ اگلے دن یہاں سے بذریعہ کارسویل کے فاصلے پر واقع ایک شہر ننگوچی پہنچے، یہاں خصوصیت سے ساتھ افریقی احباب جمع تھے ان میں بہت سیدھا سادہ بیان ہو کر مقامی زبان میں ترجمہ ہو کر تشکیل ہوئی، اور نقد جماعت روانہ کی گئی۔ بعد نماز ظہر کھانا کھا کر مختصر قیلولہ کر کے ڈیڑھ مقام پر صرف ایک رات گزارنے کے لیے پہنچے لیکن یہاں کے احباب نے چاروں طرف محنت کر کے اچھا خاصا اجتماع کر لیا، چنانچہ یہاں بھی بیکان اور تشکیل دونوں کام ہوئے۔ رات کا بڑا حصہ اس اجتماع میں نکل گیا لیکن اگلے دن اول وقت نماز فجر پڑھ کر ایک دوسرے مقام لیلونگو آمد ہوئی۔ یہ اس ملک ملاوی کا آخری مقام تھا یہاں مسجد میں مختصر سا اجتماع کر کے بذریعہ کار اس ملک سے روانہ ہو کر دوسرے ملک زامبیا میں داخل ہو گئے۔ باڈر پر شروع میں سخت چیلنگ ہوئی۔ ایک ایک چیز کھول کھول کر دیکھی گئی لیکن اسی موقع پر بعض رفقاء نے افسران سے دعوت کے عنوان پر جب بات شروع کی تو ماحول بدل گیا اور سختی کی جگہ سہولت و آسانی نے لے لی۔

حضرت مولانا اور ان کی معیت میں سچاس نفری قافلہ کی زامبیا میں آمد ۱۲ ربيع الثانی ۱۳۴۲ اپریل پچھترہ میں ہوئی، یہ پورا دن چپاٹا میں گزرا، اور بعد مغرب اجتماع ہوا۔ اگلے دن چپاٹا سے کارون کے ذریعہ لوساکا پہنچنا ہوا، یہاں مورخہ ۱۲/۱۳/۱۴ ربيع الثانی مطابق ۲۵/۲۶/۲۷ اپریل میں سہ روزہ اجتماع ہوا، اس اجتماع سے ۸ جماعتیں ایک سو تیرہ افراد پر مشتمل بن کر نکلیں جن میں گیارہ جماعتیں بیرونی ممالک میں روانہ ہو گئیں، بقیہ چھ اندرون زامبیا کے لیے اور ایک جماعت ہندوستان و پاکستان کیلئے نکل گئیں۔

۱۵ ربيع الثانی ۱۳۴۲ اپریل کی نماز مغرب لوساکا کا ایرپورٹ پر اڑا کر کے شنبہ میں دس بجے دارالسلام تنزانیہ پہنچے اور یہاں ۱۶/۱۷/۱۸ ربيع الثانی ۱۳۴۲/۳ اپریل و یکم مئی کے ہونے والے سہ روزہ اجتماع میں شرکت فرما کر جماعتیں روانہ کیں۔ اس اجتماع

سے ۲۵ جماعتیں جو ایک سو ستیا لیس نفر پر مشتمل تھیں اور سب تین تین — چلے کی تھیں روانہ ہوئیں۔

۱۸ ریح الثانی (دیکم مئی) شام سواتین بجے دارالسلام سے پرواز کر کے مباسا (کینیا) پہنچے یہاں بھی سہ روزہ اجتماع متعین تھا۔ اس موقع پر بارہ جماعتیں (ستر نفر پر مشتمل) حضرت مولانا سے مصافحہ کر کے اطراف و ممالک میں روانہ ہوئیں۔ اجتماع سے فارغ ہو کر حضرت مولانا چند رفقاء کے ساتھ حاجی ابراہیم اسحاق کے مکان پر ان کی تعزیت کے لیے تشریف لے گئے۔

یہاں سے اکیس ریح الثانی (۴ مئی) مکینہ کی صبح میں روانہ ہو کر راستہ میں دو یومینیا کے دارالحکومت نیروبی ٹھہرتے ہوئے ۲۳ ریح الثانی (۶ مئی) شنبہ میں جدہ (سعودی عرب) آمد ہوئی۔ چالیس روز حرمین شریفین میں قیام کے بعد پانچ جمادی الثانی سولہ جون دو شنبہ میں بخیر و عافیت دہلی مراجعت فرمائی۔

حرمین شریفین کے اس چالیس روزہ قیام کی تفصیلات پیش نظر کتاب کی جلد اول کے صفحہ ۴۶۹ پر بعنوان ”تیسرا عمرہ“ پڑھ لی جائیں

سفر سری لنکا

(۷)

۱۳۹۶ھ ۱۹۷۶ء

تین جمادی الثانی ۱۳۹۶ھ (۲ جون ۱۹۷۶ء) بدھ میں جی ٹی ایکسپریس سے اس سفر کیلئے آپ کی روانگی ہوئی۔ یہ سفر ایسے حالات میں ہوا کہ طبیعت میں بڑا ضعف و اضطراب تھا۔ چنانچہ دہلی سے حرمین روانگی کے وقت جو گرامی نامہ آپ نے حضرت شیخ کو بھیجا اس میں لکھتے ہیں: ”بندہ آج ۲ جون کو مدراس و سلیون کے لیے روانہ ہو رہا ہے اور ایک ہفتہ سے طبیعت زیادہ گھٹ بڑھ رہی ہے صرف دیا کھایا جا رہا ہے کھڑا نہیں ہوا جاتا“

لے ماہوز از تاریخ کبیر حضرت شیخ راز مکتوب مولانا محمد عمر صاحب (عطیہ مکتوب جناب بھائی خالد صاحب علی گڑھ)

ہے۔ اللہ جل شانہ ہی آسان فرمائے میوات کے سفر میں تو دیے کا انتظام ہو گیا تھا اور الحمد للہ سفر بھی ہو گیا لیکن کام کے اعتبار سے بہت کوتاہی اور کمی بلکہ بے عملی بڑھتی جا رہی ہے اللہ جل شانہ معاف فرمائے۔ امراض کی کثرت اور ضعف کی شدت، دل و دماغ کی بے کاری بڑھتی جا رہی ہے۔

اسی موقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو لکھے جانے والے مکتوب کا ایک اقتباس یہ بھی ہے :

”بندہ تقریباً چار ہفتہ کے لیے سیلون کے سفر پر جا رہا ہے راستہ میں ٹرین ہی سے یہ عرضہ تحریر کیا جا رہا ہے، صحت انتہائی ناساز ہے، ایک ہفتہ سے روٹھے نہیں کھائی، دلیا اور شوربا ہی غذا ہے، ضعف بھی خوب ہے، اللہ جل شانہ ہی عافیت اور قوت نصیب فرمائیں، دعا کی بھی خصوصی اہتمام کے ساتھ درخواست ہے۔“

حضرت مولانا اپنے نظام کے مطابق دہلی سے دو جون کو روانہ ہو کر چار جون جمعہ کی صبح میں مدراس اور اسی دن شام میں ریل سے دوسری منزل کے لیے روانہ ہو کر شنبہ کی صبح میں ڈنڈنگل اترے، یہاں کے چار روزہ قیام میں ایک بڑا اور اہم سہ روزہ اجتماع ہوا اور پھر ارجواہی الثانی (۹ جون) بدھ میں بذریعہ طیارہ کو لمبو (سری لنکا) تشریف لے گئے۔

سری لنکا میں یہ آمد اس اجتماع کے لیے تھی جو مورخہ ۱۱ تا ۱۴ جمادی الثانی (۱۳ جون) میں زامبرہ کالج میں ہوا تھا۔

اجتماع کے ان ایام میں قدماء میں اہل مشورہ میں، مجالس نکاح اور مغرب کی عمومی مجالس میں متعدد مرتبہ آپ کے بیانات ہوئے۔

اس اجتماع سے فارغ ہو کر پٹنم، کینڈی، پاشدورائے، گال وغیرہ مختلف مقامات پر آپ کا سفر ہوا اور ہر جگہ ذیلی اجتماعات ہو کر جماعتیں نکلیں۔

۱۷ مکتوب محررہ ۲ جون ۱۹۶۶ء از دہلی ۱۸ مکتوب محررہ ۳ جمادی الثانی ۱۳۹۶ھ ۳ جون ۱۹۶۶ء بشکریہ
مجلد احوال آثار کا نذر ملے ۲۹

۲۳ جمادی الثانی (۲۳ جون) میں کولمبو سے بنگلور واپسی ہوئی اور یہیں آپ کو اپنے نواسہ (مولوی محمد صالح سلمہ) کے تولد ہونے کی اطلاع ملی۔ حضرت مولانا اس وقت حیات الصوابہ میں حضرت صالح علیہ السلام کے حالات مطالعہ فرما رہے تھے، چنانچہ یہی نام تجویز فرما کر دہلے اطلاع بھیج دی۔

۲۸ جمادی الثانی (۲۴ جون) میں اس سفر سے آپ کی رہی واپسی ہوئی۔

سفر پاکستان، اردن، انگلینڈ، فرانس، سعودی عرب

۱۹۷۸ء

۱۳۹۸ھ

(۸)

یکم شعبان ۱۳۹۸ھ (۸ جولائی ۱۹۷۸ء) ہفتہ کی صبح میں حضرت مولانا مع اپنے رفقاء سفر جن میں مولانا محمد عمر، مولانا زبیر الحسن، مولانا محمد بن سلیمان جہانجی بھی شامل تھے، دہلی سے کراچی اور ایک دن یہاں قیام کے بعد عمان (اردن) تشریف لے گئے۔ مولانا مفتی زین العابدین، مولانا عبدالعزیز کھلوی، مولانا سعید احمد خان، جناب بھائی بشیر احمد بھائی عبدالوہاب، بھائی افضل الحاج غلام دستگیر، جرنل حق نواز وغیرہ بھی کراچی سے آپ کے قافلہ میں شامل ہو گئے۔

چھ شعبان (۱۳ جولائی) جمعرات میں عمان سے پانچ گھنٹہ کی مسافرت پر واز کے بعد لندن آمد ہوئی، یہاں ایک دن حافظ عبدالحی بارڈولی کے مکان پر قیام کے بعد اگلے روز ڈیوڑی بری پیسجے جہاں مورخہ ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ جولائی) بارا اتوار پیر میں سہ روزہ اجتماع تھا۔ حضرت مولانا اپنی علالت کی وجہ سے اجتماع کے پہلے دن تو بیان نہ فرما سکے تاہم دوسرے روز منعقد ہونے والی مجلس نکاح میں بیان فرما کر چالیس سے زائد نکاح اور ان کے ایجاب و قبول کرائے، آخری دن مولانا محمد عمر صاحب کی ہدایات کے بعد آپ نے بیان کیا اور پھر آدھ گھنٹہ کی طویل اور مؤثر دعا پر یہ اجتماع ختم ہوا، اس موقع پر امریکہ و کینڈا سے آئے ہوئے ایک سو پچاس، جنوبی افریقہ سے ایک سو بیس اور مختلف عرب ممالک سے آنے والے ایک سو دس احباب بھی موجود تھے۔ مستقل رہنے والے مجمع کا اندازہ دس بارہ ہزار کا لگایا گیا، شروع میں پولیس کی ایک بڑی تعداد حفاظت اور انتظام کی غرض سے جائے اجتماع پر موجود رہی لیکن

ان کو پہلے ہی دن اندازہ ہو گیا کہ یہاں ہماری ضرورت نہیں اس لیے شام تک چند سپاہی — گاڑی پارکنگ کے لیے ٹھہر کر باقی سب چلے گئے۔

اس موقع پر جماعتوں میں نکلنے والے افراد پانچ سو سے کچھ زائد تھے۔ اس اجتماع کے بعد کسی اہل تعلق نے حضرت شیخ نور اللہ مرتدہ کی خدمت میں انگلینڈ سے مختلف انگریزی اخبارات کی رپورٹوں کے اردو ترجمے بھیجے تھے جن میں اجتماع کے بارے میں مقامی انگریزوں کے تاثرات، پولیس و انتظامیہ کی جانب سے ابتدائی مرحلہ میں فکر و تشویش لیکن اس کے بعد اطمینان کے ساتھ اجتماع کی تفصیلات لکھی گئیں تھیں۔ یہاں ان کو منتقل کیا جاتا ہے۔

(۱) ٹیلی گراف اور آران منگل ۸ جولائی ۱۹۷۸ء۔

”ہزاروں مسلمانوں کا چار روزہ اجتماع امن و صلح کا مذہبی پیغام“

ہزاروں مسلمان دنیا کے کئی حصوں سے سیویل ٹاؤن ڈیویز بری میں چار دن کے مذہبی اجتماع کے لیے جمع ہوئے۔ یہ ”جماعت“ کے نام سے موسوم تھا جماعت جمعہ کو شروع ہوئی اور آج ختم ہوئی، منتظمین کا خیال ہے کہ تقریباً بارہ ہزار لوگ جمع تھے، آدھے سے زیادہ لوگ بریڈ فورڈ، الیڈز اور ڈیویز بری کے علاقہ سے تعلق رکھتے تھے اور چھوٹے بچے بھی خوب شامل تھے باقی لوگ برطانیہ کے دوسرے حصوں سے آئے جن میں تقریباً دس سفید فام مسلمان ناروچ کے بھی تھے باقی اور ممالک کے لوگ بھی موجود تھے اور عرب ممالک میں — سعودی عرب سے زیادہ تعداد میں تھے، پاکستان، جنوبی افریقہ، فرانس، بلجیم، جرمنی، کنیڈا اور امریکہ سے بھی تھے اور کافی تعداد ان آخری پانچ ممالک میں سے نو مسلموں کی تھی۔

جماعت کا قیام مقبوضہ مل اسٹریٹ کی زمین پر ہوا، جہاں قریب ہی ایک مسجد کی تعمیر کا کام اور پلان جاری ہے، ہزاروں آدمیوں نے ایک بڑے خیمہ

کے اندر نماز پڑھی اور باتی خیموں میں سولے کا اور کھانے کا اور ڈاکٹر کا بندوبست تھا۔ ڈیویز بری کی مسلمان عورتوں نے کھانا پکایا، جماعت کے دن میں پانچ دفعہ نماز پڑھی اور ان کے دینی علماء نے وعظ کیے، ان کو بتایا گیا کہ ایمان مضبوط کریں اس پر عمل کریں، اور اس کی دعوت دوسروں کو دیں، ان کو یہ بھی بتایا گیا کہ جس ملک میں رہیں اچھی مثال قائم کریں اور صلح و امن سے رہیں، تقریباً پندرہ سو یا دو ہزار جماعت کے آدمیوں نے اور زیادہ تر انگلینڈ سے اسلام کے داعی بننے کی آمادگی ظاہر کی، اور وہ دنیا کے مختلف حصوں میں جلدی روانہ ہو جائیں گے ایسے اجتماعات باقاعدہ اور جگہ بھی ہوتے رہتے ہیں۔ ایک شیفلڈ کے مقام پر ۱۹۷۲ء میں ہوا تھا۔ انگلستان میں اس اجتماع کے قیام کے بارے میں اس سال کافی عرصہ پہلے فیصلہ ہو چکا تھا اور ڈیویز بری کو بین الاقوامی مرکز منتخب کیا گیا تھا کیوں کہ ایک منظم کے بیان کے مطابق یہاں بے حد سہولتیں ہیں۔ ایک پولیس کے نمائندے نے کہا کہ یہ ایک بہت بڑا اجتماع ہوا ہے مگر کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی۔ اجتماع سے پہلے سیویل ٹاؤن کے باشندوں نے تشویش کا اظہار کیا تھا مگر اجتماع کے بعد چیرمین مسز لیوس نے کہا کہ کوئی شکارت پیدا نہیں ہوئی۔

۱۲۔ یارک شائر پوسٹ کار سپانڈنٹ، ۷ جولائی۔

”مسلمانوں کے پُر امن اجتماع کی تعریف“

پولیس نے اور پڑوسیوں نے کل ایک بڑے مسلم کنوینشن (اجتماع) کے بندوبست کرنے والوں کی تعریف کی کہ انہوں نے خوش اسلوبی سے انتظام کیا ساری دنیا کے مسلمان جن میں ایک رولز رائیس والے کویت کے شیخ بھی شامل تھے سیویل ٹاؤن میں جمع ہوئے۔ اور ڈیویز بری میں چار دن قیام رہائشی بستی والے پریشان تھے کہ بہت سے لوگ جمع ہو جائیں گے اس علاقے میں مگر چیرمین مسز لیوس نے کہا کہ تقریباً چھ ہزار نفر جمع تھے مگر کوئی تشویش پیدا نہ ہوئی۔

ایک پولیس کے نمائندہ نے کہا "یہ ایک بہت بڑا اجتماع تھا اور کوئی تکلیف یا شرارت واقع نہیں ہوئی۔"

مسلمانوں کا دینی جلسہ ختم ہوا

مسلمانوں کا ایک چار دن کا اجتماع جس کا مقصد مغربی اثرات سے دین کی حفاظت کرنا تھا کل ختم ہوا۔

اس کنونشن (اجتماع) میں ڈیویز بری کے مقام پر بارہ ہزار مسلمان ساری دنیا سے اکٹھے ہوئے یکپہر دیئے گئے جس میں اسلامی شریعت پر چلنے پر زور دیا گیا، ایک منتظم نے کہا کہ مسلمانوں کو ان بری باتوں سے اثر نہیں لینا چاہئے جس کی وجہ سے مادیت نے انسان کو حیوان سے بھی بدتر بنا دیا ہے۔

اجتماع کے منتظمین کی تعریف

دو دن کے مسلمانوں کے مذہبی اجتماع کے بندوبست کرنے والوں نے قابل تعریف کام کیا ہے اور ان کے اچھے انتظام کو سراہا گیا ہے منتظمین نے چھ ہزار مسلمانوں کا بندوبست کیا جنہوں نے ہفتہ اتوار کو مستقل نماز میں۔ سینول ٹاؤن ڈیویز بری میں گزارا، ڈیویز بری کے پولیس کیونٹی آفیسر انسپٹر۔ بل ولویوں نے آج بیان دیا کہ اس اجتماع سے امن میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا اور ہم بے حد مطمئن ہیں، ان سب کے انتظام اور رویہ سے یہ ایک منظم بندوبست تھا اور کوئی حادثہ واقعہ پیش نہیں آیا۔

۱۳۔ ڈیویز بری رپورٹر جمعہ ۲۱ جولائی ۱۹۷۸ء۔

” بڑے مسلم اجتماع کے اختتام پر تعریف

ڈیویز بری کا بڑا مسلمانوں کا اجتماع کل بخیر و عافیت ختم ہوا اور سب نے اس اعلیٰ نظم و ضبط کی تعریف کی۔ اس سے پہلے جو سیول ٹاؤن کے باشندوں کے تاثرات تھے کہ اجتماع کا خاطر خواہ انتظام نہ ہو سکے گا اور پریشانیاں لاحق ہوں گی وہ سب بے بنیاد ثابت ہوئے، ایسوسی ایشن کی صدر مسز ایم ملے جس نے پہلے اس بستی والوں کے شبہات اور پریشانی کا اظہار کیا تھا۔ بہت خوش تھی کہ انتظامات بہت معقول تھے اور کوئی خاص شکایت اس کے سامنے نہیں آئی۔

منزلے نے کہا کہ بہت سارے پہرہ دار متعین تھے اور مجمع بہت ہی دوستی والا اور اچھے اخلاق والا تھا جو خطرات لوگ پہلے محسوس کر رہے تھے وہ علمی کی بنا پر تھے، بہر حال اب جو بھی اس بستی والوں کے خیالات ہیں وہ مدھر جائیں گے۔ پولیس نے بھی منتظین کے انتظام کی تعریف کی۔ انسپٹر بل ولویون آفیسر نے کہا کہ کوئی مشکلات پیش نہ آئیں اور یہ سارا اجتماع بخیر و خوبی ختم ہو گیا۔ باہر ممالک سے آنے والوں کے لیے خیمے لگا دیے گئے تھے اور کھانے اور سونے کا مناسب انتظام تھا اس اجتماع کی غرض مسلمانوں کو ان کے فرائض سے آگاہ کرنا تھا، اور ان کی دینی تربیت تھی۔ ایک منتظم نے اجتماع کے بعد کہا کہ یہ بڑا کامیاب رہا، ان کے خیال میں پانچ ہزار افراد دیگر علاقہ سے آئے اور مقامی لوگ ان کے علاوہ تھے۔“

۱۸ سے ۲۸ جولائی تک حضرت مولانا انگلینڈ میں تشریف فرما رہے۔ اس عرصہ میں افریقہ، امریکہ میں ہونے والے اجتماعات کی تاریخیں متعین ہوئیں۔ مختلف ممالک کے آئے ہوئے رفقاء کے پیش کردہ امور پر غور و خوض ہونے کے ساتھ ایک یوم مولانا محمد یوسف صاحب منٹالا کے

قائم کردہ دارالعلوم بولٹن میں گذرا، پھر گلاسگو، پریسٹن، بلیک برن، برمنگھم، شیفلڈ، نینٹن، باٹلی
لیسٹر، ایک ایک دن قیام فرما کر ۲۱ شعبان (۲۸ جولائی) جمعہ میں پیرس (فرانس) کے لیے روانہ
ہو گئے۔

ان مقامات سے واپسی پر حضرت مولانا نے جو مکتوب مولانا عبید اللہ صاحب، مولانا
انجیلارنسن صاحب اور مولانا یعقوب صاحب کو دہلی مرکز تحریر فرمایا تھا اس کی چند سطور یہ ہیں:

”انیس جولائی بدھ کے روز بولٹن مولوی یوسف متالا کے مدرسہ میں گئے۔
رات کو قیام کیا پنجشنبہ کو گلاسگو گئے۔ جمعہ کو پریسٹن اور شنبہ کو برمنگھم گئے فاصلے
دو سو میل اور ڈیڑھ سو میل کے ہیں لیکن یہاں پر یہ کچھ فاصلہ نہیں شمار کیا جانا اٹھائی
گھنٹہ تین گھنٹہ کی مسافت ہوتی ہے بندہ کے استعمال میں شروع سے رولز اس
گاڑی تھی ۸۰۔۹۰ میل کی رفتار سے سفر ہو رہے ہیں آج برمنگھم سے
شیفلڈ جانا ہے الحمد للہ موسم بہت خوشگوار تمام سفر میں رہا، آج کچھ بارش
ہلکی ہلکی ہو رہی ہے ورنہ جہاں ہم گئے اطراف میں بارشیں رہی اور ہمارے
ساتھ فضل خداوندی رہا، دھوپ کھلی رہی پولیس انسپکٹر نے بھی کہا کہ خدا تمہارے
ساتھ ہے الحمد للہ اس مرتبہ پورے انگلینڈ کی فضا بدلی ہوئی محسوس ہو رہی ہے
سب حضرات کی خدمات میں سلام مسنون کے بعد فرمادیں کہ تم دوستوں کی
دعاؤں سے اب تک سفر بہت اچھا رہا۔ اللہ جل شانہ، باقی ماندہ بھی عافیت و
سہولت کے ساتھ پورا فرمائے۔“

فرانس میں حضرت مولانا نے ۲۱، ۲۲، ۲۳ شعبان (۲۸، ۲۹، ۳۰ جولائی) میں قیام فرما کر
انہی تاریخوں کے سہ روزہ اجتماع میں شرکت فرمائی، اس اجتماع سے انیس جماعتیں بیرون
کے لیے اور باقی جماعتیں اندرون کے لیے تیار ہو کر روانہ ہوئیں۔

۲۴ شعبان (۳۱ جولائی) دوشنبہ میں پیرس کے ڈیگال ہوائی اڈہ سے روانہ ہو کر انجیلارنسن

۱۰ مکتوب محررہ ۲۳ جولائی ۱۹۷۸ء از برمنگھم

اگر یس یونان) اترے نماز مغرب مطار پر ادا کی گئی اور پھر یہاں سے دس بجے شب میں پرواز کے بعد ایک بجے جدہ اور وہاں سے مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ نور رمضان المبارک (۱۴ اگست) تک آپ کا وقت حرمین شریفین میں گزرا اور پھر ایک یوم کراچی ٹھہرتے ہوئے گیارہ رمضان (۱۶ اگست) میں دہلی مراجعت فرمائی۔

حرمین شریفین میں اس قیام کی تفصیلات اسی کتاب کی جلد اول کے صفحہ ۴۷ پر۔
 زیر عنوان ”چوتھا عمرہ“ دیکھی جاسکتی ہیں۔
 آغاز سفر سے اختتام سفر تک حضرت مولانا کی طبیعت بڑی ناساز رہی لیکن اسی ضعف و مرض کی حالت میں پانچ ممالک کا یہ دعویٰ سفر پورا فرمایا۔



سفر سری لنکا

(۹)

۱۳۹۹ھ — ۱۹۷۹ء

۲۰ دسمبر ۱۳۹۹ھ تا ۶ جنوری ۱۹۷۹ء جمعرات میں اس سفر کا آغاز دہلی سے ہوا۔

چونتیس افراد جن میں مولانا محمد عمر، مولانا سعید احمد خاں، مولانا زبیر الحسن، حاجی محمد شفیع دہلی، مولانا احمد لٹ، مولانا محمد بن سلیمان جھانگی، شیخ داؤد ساعاتی، الحاج فضل عظیم شامل ہیں۔ حضرت مولانا کے رفقاء سفر تھے۔

مذکورہ تاریخ میں بعد نماز مغرب جناب الحاج حافظ کرامت اللہ صاحب کی گاڑی میں اسٹیشن کے لیے روانہ ہو کر بارہ ربیع الاول ہفتہ کی صبح کو مدراس پہنچے، بڑا مجمع استقبال والوں کا اسٹیشن پر موجود تھا حضرت مولانا نے طویل اور مؤثر دعا فرمائی اور اجتماع گاہ روانہ ہو گئے۔ یہاں دس اور گیارہ فروری ہفتہ اتوار میں ہونے والے اجتماع میں آپ نے دونوں دن بیانات اجتماع گاہ میں اور تیسرا بیسان مستورات کی مجلس میں فرما کر بیعت کی۔ اگلے روز ٹریوینڈرم پہنچ کر جناب عبد اللہ سیٹھ کے مکان پر قیام فرمایا، یہاں بھی دعوتی عمل جاری رہا۔

۱۶ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ (فروری) بدھ میں ٹریوینڈرم سے بذریعہ طیارہ کو لمبور روانہ ہوئے۔ پاکستان کے احباب یہاں پہلے سے پہنچے ہوئے تھے، کوئی پٹی مرکز کی مسجد میں آپ کا قیام ہوا اور اگلے دن یہاں کے سہ روزہ اجتماع میں شرکت کی غرض سے زاہرہ کالج منتقل ہو گئے۔ گرمی کی شدت کے باوجود اجتماع کے تینوں دن بہت حسن و خوبی کے ساتھ پورے ہوئے اور حضرت مولانا نے تینوں دن عمومی مجمع میں بیان کے ساتھ ساتھ مختلف حلقوں میں تشریف لے جا کر دعوتی پیغام پہنچایا۔ آپ کی تقاریر اردو میں ہوتیں اور تمل زبان میں ان کی ترجمانی مولانا موسیٰ کا سنہارا اور مولانا خلیل احمد صاحب کرتے تھے، اللہ کے فضل و کرم سے یہ اجتماع بھی سابع اجتماعات کی طرح بہت موثر اور جاندار رہا اور اس کے ذریعہ عوام و خواص اور طلبہ کا بھرپور رجوع اس دینی کام کی طرف ہوا، جس کا اندازہ نکلنے والی جماعتوں کے ان اعداد و شمار سے ہوتا ہے۔

۶ عدد

• تین چلے کی جماعتیں

۸۰

• ایک چلے کی جماعت

۱۲

• بیس دن کی جماعتیں

۵۷

• دس دن کی جماعتیں

۳۸

• بیرون ملک جانے والی جماعتیں

کل تعداد ۲۰۳

۲۱ ربيع الاول (۱۹ فروری) میں حضرت مولانا کی کارکنان کیرالا کارکنان سری لنکا اور کارکنان مدراس سے علیحدہ علیحدہ تین مجلسوں میں بات ہوئی ان مجلسوں میں آپ نے دعوتی کارکنان کو آپس کے اتحاد و اتفاق اور اخلاص و حسن اخلاق پر مؤثر انداز میں متوجہ فرمایا۔ اگلے دن آپ نے دوبارہ سری لنکا کے تمام کام کرنے والے احباب بالخصوص وہاں کے اصحاب شوزئی سے بڑی مؤثر اور طاقتور بات فرمائی اور مکرر تاکید کرتے ہوئے آپس کے اتحاد و اتفاق اور مل جل کر کام کرنے پر متوجہ فرمایا۔

اس مجلس سے فراغ پر فاروق امریکن صاحب کے مکان پر کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کیا اور اسی جگہ مستورات کے ہونے والے اجتماع میں بیان کے بعد بیعت فرمائی اور پھر نئے مرکز کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھ کر دعا کرائی۔

۲۲ فروری سے قرب و جوار کے مختلف مقامات ویلی گاما، پانا دورا، کوزنا گولم، پیٹی کولا، وعیزہ تشریف لے گئے ہر جگہ آپ کے اور دیگر رفقاء سفر کے بیانات ہوئے، جماعتیں روانہ ہوئیں متعدد جگہ مستورات کے اجتماعات بھی ہوئے۔

یکم ربيع الثاني (یکم مارچ) جمعرات میں قدام اور وقت لگائے ہوئے احباب کا ایک اجتماع رکھا گیا جس میں حضرت مولانا نے اپنی عادت شریفہ کے مطابق اخلاص و استخلاص کے ساتھ اصولوں پر جتے ہوئے کام میں لگے رہنے پر نہایت اہم نصیحتیں فرمائیں اور اسی دن تمام کے پیارہ سے روانہ ہو کر مدراس ایرپورٹ اور وہیں سے سیدھے اسٹیشن پہنچ کر اگلی منزل بنگلور کے لیے روانہ ہو گئے۔ بنگلور میں دو تین چار ربيع الثاني (۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱ مارچ) جمعہ بارہ اتوار

میں ہونیوالے سہ روزہ اجتماع میں شرکت فرمائی، تینوں دن آپ کے مختلف عنوانات پر بیانات ہوئے، دوسرے دن مجلس نکاح میں آپ نے تیس سے زائد نکاح پڑھا کر ایجاب و قبول کرائے، اس اجتماع سے بانو سے جماعتیں اندرون ملک کے لیے اور چودہ جماعتیں بیرون ملک کے لیے روانہ ہوئیں۔

۵ ربیع الثانی (۵ مارچ) کی صبح بنگلور سے روانہ ہو کر ڈھائی بجے مدراس واپسی ہوئی۔ یہاں حاجی عبدالشکور صاحب کے مکان پر قیام طعمام ہوا۔ اور پھر شب میں نظام الدین کے لئے روانہ ہو کر ۷ ربیع الثانی (مطابق ۷ مارچ) بدھ کی صبح بخیر و عافیت مرکز نظام الدین تشریف لے آئے۔

سفر مارشیش، ری یونین، ملاوی، زامبیا، سوان، سعودیہ

(۱۰)

۱۳۹۹ھ — ۱۹۷۹ء

یکم جمادی الاول ۱۳۹۹ھ (۳۰ مارچ ۱۹۷۹ء) بروز جمعہ حضرت مولانا مع دیگر رفقاء دہلی سے بذریعہ طیارہ بمبئی پہنچے یہاں کرلا میں اجتماع تھا۔ پاکستانی احباب بھی بمبئی سے شریک سفر ہوئے، نیز بمبئی سے متعدد احباب الحاج علاؤ الدین صاحب اور شیخ محمد منیار وغیرہ بھی حضرت مولانا کے شریک سفر بنے۔ یکم اپریل اتوار کی صبح میں ایر انڈیا کے طیارہ سے صبح گیارہ بجے روانہ ہو کر شام پانچ بجے مارشیش پہنچے، یہاں کانسجا مقام پر سہ روزہ اجتماع میں شرکت فرمائی، بعد ازاں قرب و حوار میں دو تین مقامات پورٹ بونس وغیرہ جانا ہوا۔ ۵ اپریل جنغرات میں مارشیش سے روانہ ہو کر جزیرہ ری یونین میں سینٹ ڈینس اترے یہاں ۶، ۷، ۸ اپریل جمعہ، بار، اتوار میں ایک سہ روزہ اجتماع ہوا۔ اس موقع پر اکیس جماعتیں (جو ایک سو اکتھم (۱۷۱) افراد پر مشتمل تھیں) راہ خدا میں نکلیں جو ساحل العاج

ساحل العاج سے دعوت و تبلیغ کی نسبت پر پہلی مرتبہ ایک صاحب ۱۹۷۹ء میں مرکز نظام الدین آئے تھے مولانا محمد عمر صاحب نے جب یہ اطلاع حضرت شیخ کو مدینہ سورہ بھیجی تو آپ نے وہاں سے

موری طانیا، کیمبرون وغیرہ روانہ ہوئیں۔

مولانا ۸ اپریل اتوار میں جمیو جیٹ طیارہ کے ذریعہ مارشیش پہنچ کر اور اسی وقت دوسرے جہاز سے ڈربن ہوتے ہوئے کیپ ٹاؤن پہنچے ۱۲ اپریل میں اسٹنگر آمد ہوئی ان مقامات پر چند ذیلی اجتماعات اور جماعتوں کی تشکیل کے بعد پھر ڈربن واپس تشریف لائے اس لیے کہ یہاں پندرہ تا ۱۸ جمادی الاولیٰ (۱۳ تا ۱۶ اپریل) میں ایک عظیم الشان اجتماع تھا حضرت مولانا نے متعدد بیانات ان ایام میں فرمائے، بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی روزانہ مستقل طور پر جاری رہا۔ ڈربن کے اس اجتماع سے نوے جماعتیں راہ خدا میں نکلیں۔

۲۳ اپریل میں آپ ملاوی تشریف لائے، ۲۵ تک یہاں قیام رہا، یہاں کے ایک روزہ اجتماع سے دس جماعتیں تیار ہو کر راہ خدا میں نکلیں پھر اس ملک میں اپنا دعوتی فریضہ پورا فرما کر آپ قریبی ملک زامبیا میں داخل ہو گئے، یہاں چاٹا شہر میں تائیس اٹھائیس، انیس جمادی الاولیٰ (۲۶، ۲۷، ۲۸ اپریل) میں سہ روزہ اجتماع ہوا، اس اجتماع سے ۲۸ جماعتیں جو دو سو اسی افراد پر مشتمل تھیں، دین سیکھنے کے لیے مختلف علاقوں اور ملکوں میں پھیل گئیں۔

حضرت مولانا ۲۹ اپریل اتوار میں یہاں سے روانہ ہو کر سوڈان کے دارالحکومت خرطوم پہنچے اور ۳ اپریل یکم ورموئی پیر منگل، بدھ کے سہ روزہ اجتماع میں شرکت فرمائی اس اجتماع سے ۲۸ جماعتیں روانہ فرمانے کے بعد آپ ۶ جمادی الثانیہ ۳۳ مئی جمعرات میں خرطوم مطاوع سے روانہ ہو کر جدہ (سعودی عرب) تشریف لے آئے اور تقریباً ایک ماہ حرمین شریفین میں قیام کے بعد تین رجب مطابق ۳۰ مئی میں بحر و عافیت دہلی واپس تشریف لے آئے۔ ان عمرہ اور قیام حرمین شریفین کی تفصیلات کے لیے اسی کتاب کی جلد اول کا مطالعہ فرمائیں جس کا عنوان ”پانچواں عمرہ“ ہے۔

سہ جواباً تحریر فرمایا کہ :

”ساحل العاج کا پہلا آدمی آپ کے یہاں پہنچا اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اس کو وہاں کام کے

پھیلنے کا ذریعہ بنائے : دکتوب محرمہ ۱۲ اپریل ۱۹۷۹ء

سفر انگلینڈ، امریکہ، کتاڈا، پاکستان

۱۹۸۰ء

۱۴۰۰ھ

اس سفر کے لیے ۳ شعبان ۱۴۰۰ھ (۱۷ جون ۱۹۸۰ء) منگل کا دن گزار کر شب میں دو بجے پائسن امریکن جہاز سے دہلی سے روانگی ہوئی۔

حضرت مولانا کے شریک سفر احباب یہ تھے مولانا محمد عمر، مولانا زبیر الحسن، مولانا احمد لاٹ۔
 مولانا محمد بن سلیمان جھانجی، حافظ کرامت اللہ دہلوی، حاجی محمد شفیع دہلوی جناب
 خالد منیار (گجرات) بھائی عبدالحفیظ (دہلی) بھائی نورالحق (بھٹی) بھائی عبدالحفیظ (دہلی) الحاج
 عماد الدین (مدرس) مولانا محمد یونس پالپوری۔

بدھ کی نماز فجر بحرین ایرپورٹ پر وہاں کی مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کی گئی، ایک گھنٹہ یہاں قیام کے بعد اسی جہاز سے روانہ ہو کر سات گھنٹہ کی پرواز کے بعد آپ کا جہاز مطار جرمنی پر اترا پھر اسی طیارہ نے ایک گھنٹہ یہاں ٹھہر کر لندن کے لیے اڑان کی۔ حضرت مولانا لندن پہنچ کر اسی وقت ڈیوڑی کے لیے روانہ ہو گئے اور ۶، ۷، ۸ شعبان (۲۰، ۲۱، ۲۲ جون) جمعہ بار اتوار میں آپ نے ڈیوڑی کے سہ روزہ اجتماع میں شرکت فرمائی اس اجتماع میں۔
 ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، پرتگال، جرمنی، تھائی لینڈ، بلجیم وغیرہ سولہ ملکوں کے احباب بڑی تعداد میں موجود تھے۔ حضرت مولانا نے تینوں دن متعدد مجالس میں مختلف انداز سے دعوتی بات فرمائی یہاں سے ستر جماعتیں راہ خدا میں نکلیں جو پانچ سو اڑتالیس افراد پر مشتمل تھیں۔
 اجتماع کے بعد مزید دو یوم آپ نے یہاں قیام فرما کر یورپ والوں کے امور و مسائل پر توجہ فرماتے ہوئے ان کو مشورے دیے۔ ۲۵ جون میں لندن قیام رہا، انگلینڈ والوں کا مشورہ تھا۔ انگلینڈ کے ذمہ دار احباب نے یہاں ہونے والے کام کا ایک جائزہ حضرت مولانا کو پیش کر کے اپنے مسائل میں رہنمائی حاصل کی۔

۱۳ شعبان (۲۶ جون) میں پائسن امریکن جہاز سے لندن ہیترو ہوائی اڈے سے روانہ ہو کر نیویارک (امریکہ) کے کنیڈی ہوائی اڈہ پر کچھ دیر ٹھہرتے ہوئے اسی طیارہ سے ڈیٹرائٹ پہنچے

اور وہاں سے آپ کا قافلہ کاروں کے ذریعہ ڈیربورن پہنچا جہاں ۳۱ مارچ ۱۹۲۸ء (۲۹ جون ۱۳۴۷) میں ایک بہت اثر انگیز اور دینی و ایمانی فضاؤں سے معمور اجتماع منعقد ہوا۔ اس اجتماع سے ۲۷ جماعتیں (۱۸۸۱ اشخاص پر مشتمل) بیرون کے لیے اور ایک سو گیارہ جماعتیں (۹۱۲ اشخاص پر مشتمل) اندرون ملک کے لیے نکلیں۔ اعداد و شمار کے مطابق اس اجتماع میں دنیا بھر کے تیس ممالک کے تبلیغی و دعوتی احباب نے شرکت کی تھی۔ اس اجتماع کے شرکاء کا اندازہ آٹھ سے دس ہزار افراد تک کا لگایا گیا تھا۔

اس اجتماع میں اپنے کاندھوں پر بستر اٹھا کر چلنے والوں اور سنت کے مطابق اپنی وضو اور نمازوں کی ادائیگی کے لیے اپنی جیب میں مسواک رکھنے والوں اور بوریہ بستر کے بغیر اللہ کے بچھائے ہوئے فرش زمین پر سونے والوں کے ساتھ ایک عقل کو حیرت میں ڈال دینے والا لیکن دل و دماغ سے مادیت کی بڑائی ختم کر کے اس میں دینی و ایمانی روح و تازگی پیدا کرنے والا ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ڈیٹرائٹ کے میئر نے اس شہر کی چابیاں اپنی طرف سے انتہائی عزت و احترام سے کرتے ہوئے حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کیں۔

جناب کرنل امیر الدین صاحب اہقر کی درخواست پر اس پورے واقعہ کو اپنے مکتوب میں اس طرح لکھتے ہیں۔

”بخدمت شریف جناب مولانا شاہد صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آسٹریلیا میں جناب والا نے ارشاد فرمایا تھا کہ حضرت جی کے خطوط ہدایات اور مشورے وغیرہ ارسال کیے جائیں چنانچہ وہ ارسال ہیں اس میں میئر کے چابیاں دینے کا واقعہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔

۱۹۸۱ء میں امریکہ کا اجتماع ہوا، ہم لوگوں کو انتظامی امور کے سلسلہ میں ڈیٹرائٹ کے میئر سے رابطہ کرنا پڑا، انہوں نے اجتماع میں تینوں دن بنفس نفیس شرکت کی اور وہاں کے نظم و ضبط اور انتظام سے حد درجہ متاثر ہوئے اور کہا کہ مجھے اتنا ذہنی سکون کبھی میسر نہیں ہوا، جتنا کہ اس اجتماع میں شرکت سے ہوا۔

اجتماع ختم ہونے کے بعد بندہ امیر الدین اور بھائی عبدالمقیت (بگلہ ریش) بھائی عبد الرقیب (نیوجرسی امریکہ) حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کی جانب سے ان میر صاحب کا شکریہ ادا کرنے گئے تو انہوں نے کہا کہ میرا شکریہ ادا کرنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں ایسے پاکیزہ اجتماع میں شرکت کا موقع ملا۔ اس کے بعد میر صاحب نے کہا کہ ہمارے شہر کی بہت بڑی عزت ہوگی اور ہم اس کو اپنی بھی انتہائی عزت سمجھیں گے اگر حضرت جی ڈیٹرائٹ شہر کی چابیاں قبول فرمائیں کیوں کہ ہماری نظر میں ان جیسے حضرات اس کے مستحق ہیں۔ چنانچہ ہم نے وہ تینوں تقرری چابیاں میر سے لے کر حضرت جی کی خدمت میں پیش کر دیں جو انہوں نے قبول فرمائیں۔

امریکہ میں یہ چیز (یعنی چابی پیش کرنا) بہت اہمیت رکھتا ہے کیوں کہ شہر کی کبنیاں بیرونی ممالک کے وزیراعظم یا اس سطح کی کسی شخصیت کو ہی دی جاتی ہیں۔ میرے پچیس سال اس ملک میں گزر گئے۔ اس طویل عرصہ میں صرف حضرت جی ہی ایک ایسی شخصیت ہیں جن کو (میرے اس عرصہ قیام میں) اتنی عزت غیروں کی طرف سے ملی ہے۔

حضرت مولانا نے اجتماع کی کارگزاری سے متعلق جو مکتوب دہلی مرکز تحریر فرمایا اس کو یہاں پیش کیا جاتا ہے،

”مکرمین و محترمین بندہ و فقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضی !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ ثم الحمد للہ ڈیٹرائٹ کا اجتماع بخیر و خوبی گذر گیا اور اللہ جل شانہ نے بہت ہی فضل فرمایا اور روحانیت و نورانیت کا مظاہرہ فرمایا تمام دنیا کے کام کرنے والے جمع ہو گئے جس کی بنا پر شکاگو کا سفر ملوئی کر دیا گیا کہ ان آنے

لہ مکتوب کرنل صاحب بنام مسنت کتاب۔

والوں سے ملنا زیادہ اہم ہے اور الحمد للہ ان حضرات کے ساتھ مختلف مجلسیں ہو رہی ہیں، پرسوں چار جولائی کو کٹڈا کا سفر ہے ۵-۶ کو ٹورنٹو۔ مونٹریال کا سفر ہے، کوئیواک آکر شام ہی کو لندن کے لیے روانگی ہے ۸ کی صبح کو انشاء اللہ لندن پہنچ کر ۹ کی صبح کو کراچی کے لیے روانہ ہو کر رات کو کراچی پہنچ کر دس کی صبح فیصل آباد جانا ہے وہاں سے دہلی حاضری کا نظام ہے اللہ جل جلالہ سہولت و عافیت کے ساتھ پورا فرمائیں دعاؤں کا بہت اہتمام فرمائیں۔ سب دوستوں سے سلام و دعا کی درخواست کریں۔

محمد الف عام الحسن غفرلہ

جناب احفاظ احمد صاحب (نیویارک امریکہ) اس اجتماع کے متعلق بعض معلومات اور اجتماع سے پیدا ہونے والے اثرات و نتائج کے بارے میں اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں،

”۱۹۸۰ء کا اجتماع ڈیربون کے علاقے میں ہوا تھا“

اجتماع کا انتظام ایک بڑے خیمے میں ہوا، اس اجتماع سے پہلے بیرونی ممالک کی جماعتوں نے امریکہ میں کافی محنت کی تھی، چنانچہ افریقہ، انگلینڈ، پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش سے بڑی تعداد میں جماعتیں یہاں آئیں، انفرادی طور پر بھی بہت سے احباب تشریف لائے۔

۱۹۸۰ء کے اوائل میں دعوت و تبلیغ کا کام امریکہ میں بالکل ابتدائی ذریعہ میں تھا چنانچہ اتنی محنت کے باوجود آٹھ دس ہزار احباب جمع ہوئے تھے جن میں تقریباً دو ہزار افراد دیگر ممالک کی جماعتوں کے تھے لیکن اس اجتماع کی وجہ سے کام کی بنیادیں مضبوط ہوئی اور امریکہ میں دعوت و تبلیغ کے کام کا وسیع تغاوت ہوا اور عمومی دینداری کا جذبہ پیدا ہو کر کام کرنے والوں میں حوصلہ بڑھا اور اس ملک کے لوگوں میں اسلام کی صحیح سمجھ پیدا ہوئی جس جگہ

۱۰ مکتوب مجروح یکم جولائی ۱۹۸۰ء از امریکہ۔

یہ اجتماع ہوا، انہوں نے اس جگہ کو یہ قبولیت عطا فرمائی کہ آج اسی جگہ پر ایک مسجد بنی ہوئی ہے جو مسجد ڈیرہ لون کے نام سے مشہور ہے۔“ لے

۲۰ شعبان (۲۴ جولائی) جمعہ میں حضرت مولانا امریکہ سے روانہ ہو کر کنڈا اور دودن یہاں قیام کے بعد مانٹریال ہوتے ہوئے ۲۳ شعبان (۲۷ جولائی) پیر میں لندن تشریف لائے ۹ جولائی بدھ میں یہاں سے کراچی ہوتے ہوئے فیصل آباد پہنچے یہاں حضرت شیخ مولانا مفتی زین العابدین صاحب کے مدرسہ میں ماہ رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ کا انعکاست کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا دودن قیام کے بعد براستہ واگہ باڈر، امرتسر، امبالہ ہوتے ہوئے سہارنپور پہنچے اور ۲۹ شعبان ۱۳ جولائی بروز اتوار سہارنپور سے روانہ ہو کر کچھ دیر کاندھلہ ٹھہرتے ہوئے بجزو عافیت دہلی پہنچ گئے۔

سفر پاکستان امارات عربیہ متحدہ و سعودی عرب

(۱۲)

۱۳۰۱ھ ————— ۱۹۸۱ء

۱۶ رذی قعدہ ۱۴۰۲ھ ۶ ستمبر ۱۹۸۱ء میں حضرت مولانا نے دہلی سے پاکستان پہنچ کر اجتماع ربائے وند میں شرکت کی اور اس سے فارغ ہو کر ۲۶ رذی قعدہ (۲۶ ستمبر) شنبہ میں کراچی سے رسی تشریف لے گئے۔ یہاں سے العین، مصفیٰ جدید اور ابو ظبی کا سفر ہوا، ہر مقام پر دو دو یوم قیام کا نظم تھا، ان چاروں مقامات پر اجتماعات و تشکیلات ہو کر جماعتیں روانہ کی گئیں جن میں بڑی تعداد عربوں کی تھی۔ یکم اکتوبر جمعرات کا تمام دن دہلی میں گزرا اور یہیں سے تین ذی الحجہ مطابق دو اکتوبر جمعہ میں سعودی طیارہ سے روانہ ہو کر جدہ پہنچے اور حج و زیارت سے فارغ ہو کر ۱۵ محرم ۱۴۰۳ھ میں دہلی واپسی ہوئی۔

چرچین تشریفین کے اس قیام کی تفصیلات پیش نظر کتاب کی جلد اول کے صفحہ ۳۳۱ پر بعنوان ”اگر رسواں حج“ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۵ اقتباس مکتوب جناب بھائی احتفاظ احمد صاحب بنام راقم بطور محررہ ۱۳ جون ۱۹۹۴ء

سفر انگلینڈ، بلجیم، فرانس، اردن، سعودی عرب

۱۹۸۲ء

۱۴۰۲ھ

(۱۳)

۱۸ رجب ۱۴۰۲ھ (۱۳ مئی ۱۹۸۲ء) بدھ کی صبح حضرت مولانا مع اپنے رفقاء شدید بارش کی حالت میں نظام الدین رہلی سے روانہ ہو کر اس طویل سفر کی پہلی منزل انگلینڈ پہنچے۔ مرکز سے روانہ ہوتے وقت حضرت مولانا نے جملہ مقیمین و اساتذہ کو جمع فرما کر نصائح فرمائیں اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں کمی و کوتاہی پر بہت رقت آمیز لب و لہجہ میں معافی چاہی۔

بخت و خوش نصیبی سے ان ممالک کا تفصیلی سفرنامہ حضرت مولانا کے قلم سے لکھا ہوا ہے دستیاب ہے جس کو یہاں تاریخ وار پیش کیا جاتا ہے۔ مزید وضاحت اور افادہ کے لیے مولانا محمد عمر صاحب و مولانا زبیر احسن صاحب کی ڈائریوں سے کیے جانے والے اضافے قوسین (بریکٹ) میں کر دیئے گئے ہیں تاکہ یہ حضرت مولانا کی تحریر سے ممتاز رہیں۔

۱۸ رجب ۱۴۰۲ھ (۱۳ مئی بدھ)۔ حضرت نظام الدین سے سات بجے روانہ ہوئے مطار پر جمع تھا، دعا ہوئی، مصافحہ ہوا۔ سہولت سے تمام اجراءات سے اللہ جل شانہ نے فارغ فرمایا، ۸ بجے طیارہ پر سوار ہوئے خوب بارش تھی۔ ۹ بجکر دس منٹ پر طیارہ نے حرکت اور ۳۰ منٹ پر پرواز شروع کی۔ ۸ گھنٹہ پانچ منٹ کی پرواز کا روم تک اعلان کیا گیا۔ روم میں پانچ بجکر ۳۲ پر زمین پر اترا اور ۳۹ پر ٹھہرا۔ اتر کر معلوم ہوا کہ جہاز میں خرابی ہے، رات کو ہوٹل میں قیام کر انیں گے صبح کو لندن جانا ہوگا۔ ظہر کی نماز روم کے مطار پر پڑھی، عصر کی بھی، پھر استھوپیا کے جہاز سے گیارہ بجے اپنے ساتھیوں کی اللہ جل شانہ نے ترتیب کر دی۔ پونے گیارہ بجے بوئنگ ۷۴ روانہ ہوا۔ مقامی وقت کے اعتبار سے ۸ بجکر چالیس پر اللہ نے لندن پہنچا دیا، لندن سے دہلی بخیر سی کا فون کیا۔

۱۹ رجب ۱۴۰۲ھ (۱۴ مئی جمعرات)۔ لندن سے صبح کو ناشتہ کے بعد ۱۱ بجے کارون ڈیوڑری کیلئے روانہ ہوئے راستہ میں شیفلڈ میں ایک مسجد پر دعا کر کے ساڑھے تین بجے خیریت سے اللہ نے ڈیوڑری پہنچایا، ظہر کی نماز پڑھ کر کھانا کھایا، آرام کیا، عصر کی نماز کے بعد مولوی محمد عمر

کابیان ہوا، بندہ کی مختلف ممالک سے آمدہ حضرات سے ملاقات ہوئی۔

۲۰ رجب ۱۴ مئی جمعہ، ناشتہ کے بعد تین روزہ اجتماع کا نظام مشورہ سے طے ہوا، پورے قافلہ نے مولانا زبیر احسن صاحب کی زیر امامت نماز جمعہ ادا کی، عصر کے بعد بندہ کابیان ہوا، اور ۴ نکاح ہوئے، مغرب کے بعد بیعت ہوئی۔

۲۱ رجب ۱۵ مئی سینچر۔ ظہر سے پہلے ملیشیا کے طلبہ میں بیان ہوا پھر عصر کے بعد دوسرا بیان بندہ کا ہوا مغرب کے بعد بیعت ہوئی۔

۲۲ رجب ۱۶ مئی اتوار۔ (بعد نماز فجر قاضی عبدالقادر صاحب نے بیان کیا، پھر مولانا محمد عمر صاحب نے ہدایات دینی شروع کیں، بعد ازاں حضرت مولانا کا بیان و دعا و نکاح و تودیع ہوئی، عصر کے بعد نارفے والوں کے مشورے ہوئے مغرب کے بعد مردوں کی بیعت ہوئی، ڈیوڑبری کے اس اجتماع سے ایک سو اکتھڑ چاعتیں نکلیں جن میں ایک سو اکتالیس بیرون کے لیے تھیں جن ممالک میں یہ چاعتیں گئیں ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

تھائی لینڈ، سنگاپور، برونائی، وٹینام، بلغاریہ، آسٹریلیا، پرتگال، فن لینڈ، البانیا، بوسنیا، ممالک کی چاعتوں نے اس اجتماع میں شرکت کی)

۲۳ رجب ۱۷ مئی پیر۔ سیلون اور افریقہ کے احباب کے اور دیگر علاقوں کے مشورے ہوئے مغرب کے بعد مردوں کی بیعت ہوئی۔

۲۴ رجب ۱۸ مئی منگل۔ ملیشیا والوں کے مشورے ہوئے باٹنی میں عورتوں میں بیان ہوا اور بیعت ہوئی، مغرب کے بعد مردوں کی بیعت ہوئی۔

۲۵ رجب ۱۹ مئی بدھ۔ ڈیوڑبری کے کام کرنے والوں سے بات ہوئی، ڈیوڑبری کے پرانے مرکز اور مدرسہ میں جانا ہوا، گفتگو اور دعا ہو کر دوسری مسجد میں جانا ہوا اور دعا ہوئی، جدید مدرسہ اور مرکز کی عمارت دیکھی اور دعا ہوئی، ۴ بجے ڈیوڑبری سے روانہ ہوئے، ہولکب بری اور دارالعلوم میں پہنچے بندہ کابیان ہوا، ۷ بجے روانہ ہو کر پورے آٹھ بجے بلیک برن پہنچے عصر کی نماز پڑھی پھر بندہ کابیان ہوا، اور دعا

صاف فہم ہو کر جماعتیں رخصت ہوئیں۔

۲۶ رجب ۲۰ مئی جمعرات۔ ۷ بجے بلیک برن سے روانہ ہوئے راستہ میں ٹھہر کر دعا ہوئی۔ ۸ بجے پانچسٹرمطار پر پہنچے ۹ بجے طیارہ نے پرواز شروع کی ۳۵ منٹ کی پرواز کا لائن تک اعلان ہوا۔ الحمد للہ ۳۵ منٹ میں لندن ہیئر و مطار پر پہنچ گئے پونے بارہ بجے بروک سیس بلیم کے لیے برٹش ایرویز کے بونگ ۷۰۷ پر سوار ہوئے ۱۲ بجے پرواز شروع ہوئی ۴۵ منٹ کی پرواز کا اعلان ہوا۔ اور الحمد للہ ۵۵ منٹ میں بڑک سیلین بلیم پہنچ گئے اور ڈیڑھ گھنٹہ میں جائے اجتماع (ٹالروال) پر پہنچ گئے۔

۲۷ رجب ۲۱ مئی جمعہ۔ سہ روزہ اجتماع کا آج آغاز ہوا بعد نماز جمعہ شیخ ابراہیم عزت کا اور بعد عصر مولانا محمد عمر کا عربی میں بیان ہوا) ۲۸ رجب ۲۲ مئی سنچر۔ عصر کے بعد بندہ کا بیان ہوا، مولوی احمد لاٹ نے ترجمہ کیا۔

۲۹ رجب ۲۳ مئی اتوار۔ ظہر سے پہلے بندہ کا بیان ہوا، مولوی عمر نے ترجمہ کیا، دعا ہوئی، تودیع جماعت ہوئی، عصر کے بعد ناروے والوں کے مشورے ہوئے۔ اس اجتماع سے تین چلے کی ایس جماعتیں اور کم و بیش اوقات کے لیے پیتا لیس جماعتیں نکلیں اور جرمنی، ہالینڈ، برازیل، سوئزرلینڈ، روس، سینگال، ایلینڈ، لاکو بار اٹلی وغیرہ پتیس ممالک میں جانے کے لیے ان جماعتوں نے اپنا رخت سفر باندھا۔

۳۰ رجب ۲۴ مئی پیر۔ مدینہ منورہ میں مقامی توقیت سے ۱۱ بجے بعد عصر وہ آفتاب عالم تاب (یعنی حضرت شیخ نور الدین مرقدہ) جو مدت سے امراض میں گہرا ہوا تھا وہ اس دنیا سے فانی کی کھشاکش سے عالم بالا کی طرف روانہ ہو گیا

اور بلیم کے وقت سے ہمیں ۷ بجے اس کا علم ہوا، صبح سے امریکہ والوں کے مشورے ہوئے، عصر کے بعد بھی مشورے ہوئے۔

یکم شعبان ۲۵ مئی منگل۔ پانچ بجے شام کو ٹالروال سے روانہ ہوئے

اور پورے چھ بجے بروک سیس مسجد نور میں الحمد للہ پہنچ گئے۔

۲ شعبان ۲۶ مئی بدھ ۱۔ شام کو پانچ بجے بروک سیس سے روانہ ہوئے، حدود پر پہنچے وہاں پر عصر جن کے وضو کھتی، انھوں نے ادا کی ۸ بجے وہاں سے روانہ ہوئے دو کلومیٹر پر بقیہ لوگوں نے وضو نماز ادا کی، وہاں سے روانہ ہو کر پیرس سے ۴۵ کلومیٹر پہلے اول وقت پر مغرب کی نماز ادا کی گئی اور گیارہ بجے سے کچھ پہلے الحمد للہ جل شانہ نے پیرس میں مسجد عمر پہنچا دیا، کوچ جو ہمارے سے پون گھنٹہ بعد چلی تھی ڈیڑھ گھنٹہ پہلے پہنچ گئی۔

۳ شعبان ۲۷ مئی جمعرات ۱۔ صبح ناشتہ کے بعد پیرس میں کام کرنے والے احباب کے مشورے ہوئے، مغرب کے بعد بندہ کا بیان ہوا تشکیل ہوئی۔

۴ شعبان ۲۸ مئی جمعہ ۱۔ ۸ بجے مسجد سے روانہ ہو کر مطار کے لیے روانہ ہوئے ۹ بجے مطار پہنچے، ایر فرانس کے طیارہ ایرس ۸۱۵ سے دس بجے سوار ہوئے، پورے گیارہ پر پرواز شروع ہوئی۔ ۱۱ بجکر ۲۰ منٹ پر لندن پہنچ گئے۔ لیکن اترنے میں نمبر آنے میں دیر ہوئی، لندن کے اوپر تین چکر لگائے اور پیرس کے وقت سے ساڑھے گیارہ بجے اور لندن کے وقت سے ۱۰ بجے اترے باہر آ کر دعا ہوئی اور الحمد للہ لندن کے ۱۲ بجے اپنے مستقر ایٹ لندن ماسک مرکز کی مسجد میں پہنچے غسل وغیرہ کر کے جمعہ پڑھا، کھانا کھایا، آرام کیا، عصر کے بعد مولوی عمر کا بیان ہوا، عشاء کے بعد حیات الصبا بندہ نے پڑھی۔

۵ شعبان ۲۹ مئی سنیچر ۱۔ ناشتہ کے بعد یو کے کے اہل شوری سے بات ہوئی عصر کے بعد اسلامک سینٹر جانا ہوا، پہلے مولوی محمد عمر کا، اس کے بعد بندہ کا بیان ہوا، عصر و مغرب کے درمیان چار گھنٹہ کا فصل تھا ۵ بجے عصر کی نماز اور ۹ بجے پر مغرب کی نماز ہوئی، مغرب و عشاء کے درمیان کھانا کھایا۔ ۱۰ بجے پر عشاء ہوئی۔ عشاء کے بعد اپنے مستقر پر آنا ہوا۔

۶ شعبان ۳۰ مئی اتوار ۱۔ صبح ناشتہ کے بعد یو کے کے مشورہ والوں سے بات

ہوئی۔ ۱۱ بجے یو کے کے تمام پرانوں سے بات ہوئی، عصر سے پہلے ستورات میں بت اور بیعت ہوئی، عصر کے بعد مشورہ ہوا، مغرب کے بعد بڑے مجمع کی بیعت ہوئی، عشاء کے بعد حیاۃ الصحابہ پڑھی اور مصافحہ ہوئے۔

۷ شعبان ۱۳۸۱ مئی پیر :- آٹھ بجے اپنے مستقر سے روانہ ہوئے پونے نو بجے ہیتر ہوئی، اڑھ پہنچے ۹ بجے پریش ایر و تھری اسٹار کے ۲۳۵ پر سوار ہوئے، طیارہ نے دس بجکر ۷ پر حرکت شروع کی اور ۱۰ بجے پرواز کی۔ ساڑھے تین بجے لندن کے اور ساڑھے چار شام کے اور آٹھ بجے دہلی کے وقت سے دمشق کے مطار پر اسٹار نے اتارا، جہاز میں کچھ نقص ہوا جس کی بنا پر بدلنا پڑا، پھر ۲ بجے، ۲ بجے سے ۶ بجکر پچاس منٹ پر روانہ ہوئے۔ آٹھ بجے اللہ جل شانہ نے عمان پہنچا دیا۔

۸ شعبان یکم جون منگل :- آج عمان میں قیام ہوا، اور سہ روزہ اجتماع کا آغاز ہوا۔

۹ شعبان ۲ جون بدھ :- (بعد فجر مولانا سعید احمد خاں صاحب کا بیان پھر نو بجے سے گیارہ بجے تک تعلیم کے حلقے ہو کر بعد ظہر طعام و آرام ہوا) عصر کے بعد بندہ کا بیان ہوا، مولوی محمد عمر نے ترجمہ کیا، مادہ کے بے قیمت اور انسانیت کی تباہی کا سبب ہونا اور ایمان و اعمال کا قیمتی اور انسانیت کی نجات کا سبب ہونا خدا نے پاک لے بیان کرایا، عصر کے بعد لبنان والوں کا مشورہ ہوا۔

۱۰ شعبان ۳ جون جمعرات :- عمان میں قیام رہا، حضرت مولانا نے اختتامی بیان کے بعد جماعتوں سے رخصتی مصافحہ فرمایا۔ اس اجتماع سے پچاس جماعتیں جن میں بیس بیرون کی اور تیس اندرون کی تھیں روانہ ہوئیں۔

۱۱ شعبان ۴ جون جمعہ :- عصر کی نماز پڑھ کر مدینۃ السحاح کی مسجد سے پونے چار بجے روانہ ہو کر مطار عمان پر پہنچے اور چار بجکر ۵ منٹ پر جہاز نے حرکت اور پانچ بجکر ۱۵ بجے پرواز شروع کی، ۱۵ گھنٹہ پرواز کا اعلان ہوا، عمان کے چھ بج کر ۳۵ منٹ پر اور مدینہ منورہ کے ۵ بجکر ۳۵ منٹ پر اللہ جل شانہ نے مدینہ منورہ کی پاک سرزمین

حرمین شریفین میں حضرت مولانا کا قیام ۲۵ شعبان (۱۸ جون) تک رہا اور اس کے بعد دہلی مراجعت فرمائی۔ قیام حرمین شریفین کی تفصیلات کے لیے اسی کتاب کی جلد اول صفحہ ۴۸ ملاحظہ فرمائیں۔

(15)

21704

۳۰ محرم ۱۸ نومبر میں یہاں سے کولامپور (میشیا) آمد ہوئی۔ ڈاکٹر مصطفیٰ صاحب کے مکان پر قیام ہوا، یکم صفر۔ (۱۹ نومبر) جمعہ میں کولامپور سے بذریعہ طیارہ ترنگانہ پہنچے یہاں بھی مورخہ ۲، ۳، ۴ صفر (۲۰، ۲۱، ۲۲ نومبر) میں سہ روزہ اجتماع تھا اس میں شرکت فرما کر مختلف مقامات پر ہوتے ہوئے ۹ صفر۔ ۲۷ نومبر کو سنگاپور میں داخل ہوئے۔ یہاں بھی

۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲ صفر (۲۸، ۲۹، ۳۰ نومبر) میں ایک بڑے اجتماع میں شرکت فرمائی۔ اور پھر تھائی ایرلینڈ سے بینکاک ہوتے ہوئے ڈھاکہ (بنگلہ دیش) تشریف آوری ہوئی۔ اور تین دن مرکز ٹونگی میں قیام فرما کر ۱۵ صفر (۳ دسمبر) جمعہ میں بخیر و عافیت دہلی مراجعت فرمائی۔ اس سفر کے کچھ حالات حضرت مولانا نے اپنی یادداشت میں بھی تحریر فرما رکھے ہیں، یہاں ان کو پیش کیا جاتا ہے :

۲۳، محرم - ۱۲، نومبر ۱۹۸۲ء جمعہ۔ جمعہ کی نماز عزیز زبیر کی اقتداء میں ادا کی گئی، نماز کے بعد کھانا کھایا، کچھ دیر آرام کیا، اول وقت عصر پڑھ کر مطار کے لیے روانہ ہوئے، مغرب سے قبل جہاز پر سوار ہوئے، مغرب کی نماز بندہ اور چند ساتھیوں نے جہاز ہی میں ادا کی، بقیہ رفقاء نے نیچے زمین پر ادا کی، ہماری نشست جہاز کی دوسری منزل میں تھی، احمد حسین قادری کیپٹن تھے، اللہ جل شانہ نے بہت راحت کے ساتھ ہم گھنٹہ امنٹ میں بینکاک پہنچا دیا۔

۲۵، محرم - ۱۲، نومبر ۱۹۸۲ء۔ اجتماع مسجد السلام

۲۶، محرم - ۱۳، نومبر ۱۹۸۲ء۔ اجتماع مسجد السلام

۲۷، محرم - ۱۳، نومبر ۱۹۸۲ء۔ بیان نکاح دعا ہوئی، مولوی سعید خاں و عتیق جہ سے سیدھے بینکاک پہنچے۔

۲۸، محرم - ۱۵، نومبر ۱۹۸۲ء۔ آج یوسف خاں کے مکان پر منتقل ہوئے اور پرانوں سے بات ہوئی۔

۳۰، محرم - ۱۸، نومبر ۱۹۸۲ء۔ کولامپور کے مطار پر گاڑی میں اکرام و اعزاز کے ساتھ ایئرکیشن کے کمرہ میں آئے یہاں آکر معلوم ہوا کہ فون آیا ہے کہ قافلہ کو اجازت نہ دی جائے، مغرب کے بعد اجازت ہوئی، ڈاکٹر مصطفیٰ کے مکان پر قیام ہوا۔

یکم صفر - ۱۹، نومبر ۱۹۸۲ء۔ فوکر میں ۹ بجکر ۲۰ منٹ پر کولامپور سے روانہ ہوئے۔ ۱۰ بجکر ۲۰ منٹ پر بہت راحت و آرام کے ساتھ کولامپور ٹرنگانو پہنچے ایک گھنٹہ بعد جائے اجتماع پہنچ گئے، بنگلہ دیش کے لوگوں نے اپنی ترتیب پر رہائش گاہ بہت راحت

و آرام کی اور خوشنما بنا رکھی تھی۔

۲ صفر۔ ۲۰ نومبر سنہ ۱۳۴۰۔ اجتماع ملیشیا۔

۳ صفر۔ ۲۲ نومبر سنہ ۱۳۴۰۔ بندہ کا بیان لارہبانیۃ فی الاسلام پر اور نکاح پر ہوا دعا ہوئی، جماعتیں مولوی سعید احمد خاں نے رخصت کیں۔

۵ صفر۔ ۲۳ نومبر سنہ ۱۳۴۰۔ آج صبح ۱۰ بجے مدرسۃ القرآن کا افتتاح کیا۔ عصر کے بعد حاجی موڈا کے مکان پر غورتوں میں بیان ہو کر بیعت ہوئی، عشاء کے بعد برطانیہ والوں کا مشورہ ہوا صبح کو ناشتہ کے بعد آسٹریلیا والوں کا مشورہ ہوا۔

۶ صفر۔ ۲۴ نومبر سنہ ۱۳۴۰۔ ۹ بجے قیام گاہ سے مطار کے لیے روانہ ہوئے ۹ بجکر ۲۰ منٹ پر مطار پہنچے، ۱۱ بجے طیارہ نے حرکت اور ۱۰ بجکر ۳۸ پر پرواز شروع کی، ۱۱ بجے پر زمین پر اترا، اور ۳۴ بجے پر ٹھہرا، دعا ہو کر جائے قیام گاہ کے لیے روانہ ہوئے، ۱۲ بجے پر جائے قیام پر پہنچے، رات کو عشاء سے پہلے بیان اور نکاح اور دعا ہوئی۔

۷ صفر۔ ۲۵ نومبر جمعرات۔ ناشتہ کے بعد ۱۰ بجے پینانٹی کے لیے روانہ ہوئے راستہ میں مرکز کی مسجد میں بات چیت اور دعا ہوئی، مسجد سے روانہ ہو کر پینانٹی پونے بارہ بجے پہنچے مولوی سعید خاں کا بیان طلبہ اور علماء میں ہوا، پھر بندہ کا بیان ہوا، مغرب کے بعد کھانا کھا کر اول وقت عشاء پڑھ کر پونے نو بجے اسٹیشن کے لیے روانہ ہوئے ۹ بجے اسٹیشن پہنچے، ۱۰ بجے گاڑی روانہ ہوئی، ایرکنڈیشن کے کوپہ میں سفر ہوا۔

۸ صفر۔ ۲۶ نومبر جمعہ۔ ۷ بجے کولالمپورا اسٹیشن پہنچے اور دعا ہو کر داتو سہیل کے مکان پر پہنچے۔

۹ صفر۔ ۲۷ نومبر سنہ ۱۳۴۰۔ عصر کے بعد جوہر کے ذمہ دار آئے جن سے بات ہوئی، مغرب کے بعد انڈیا مسجد میں بیان ہوا، بیان کے بعد اسٹیشن آئے اور سنگاپور کے لیے ریل سے روانہ ہوئے ایرکنڈیشن کوپہ میں سفر ہوا۔

۱۰ صفر۔ ۲۸ نومبر اتوار۔ صبح کو ساڑھے سات بجے سنگاپور اسٹیشن پر پہنچے، دعا ہو کر یہاں سے روانگی ہوئی۔

۱۱ صفر۔ ۲۹ نومبر پیر۔ ناشتہ کے بعد آسٹریلیا والوں کا اور ملیشیا والوں کا۔ مشورہ ہوا آخر کے مکان پر عصر کے بعد مستورات میں بیان ہوا اور بیعت ہوئی مغرب کے بعد بیان و دعا ہو کر جماعتیں حضرت ہوئیں، عشاء کے بعد مردوں کی بیعت ہوئی ۱۲ صفر۔ ۳۰ نومبر منگل۔ صبح کو سوا سات بجے قیام گاہ سے مطار کے لیے روانہ ہوئے ۸ بجے پرٹی جی ایئر لائن نے پرواز شروع کی دو گھنٹہ دس منٹ میں بینکاک پہنچے۔ جدہ جانے والے مولوی سعید معتوق وغیرہا بینکاک تک ساتھ آئے تھے ۱۱ بجے پرٹی جی ایئر لائن ۳۰۳ سے روانہ ہوئے، وقت سے ۱۲ بجکر ۳۵ منٹ پر اللہ جل شانہ نے ڈھاکہ پہنچا دیا۔ مطار پر دعا کر کے جائے قیام پہنچے اور نماز ظہر پڑھ کر کھانا کھایا اور آرام کیا۔

۱۵ صفر۔ ۳ دسمبر جمعہ۔ ۱۱ بجے مقام سے مطار کے لیے روانہ ہوئے۔ مطار پر ۱۲ بجکر دس منٹ پر عزیز زبیری کی اقتدار میں جمعہ ادا کیا۔ ایک بجے گاڑی میں طیارہ تک گئے ایک بجکر ۲ منٹ پر حرکت اور ایک بجکر ۲ بجے پرواز شروع ہوئی دو گھنٹہ دس منٹ کا اعلان ہوا اور اللہ جل شانہ نے خیریت کے ساتھ دہلی پہنچایا باہر آکر دعا کی، کرامت اللہ کی گاڑی میں چار بجے حضرت نظام الدین دہلی پہنچے سب کو بخیر پایا۔

سفر سری لنکا

(۱۵)

۱۳۰۳ھ ۱۹۸۳ء

۱۵ رجب ۱۴۰۳ھ (۲۹ اپریل ۱۹۸۳ء) میں نماز مغرب حضرت مولانا نے مرکز میں ختم فرمائی اور پھر نظام الدین ریلوے اسٹیشن سے یہ سفر شروع کیا، مولانا محمد عمر مولانا زبیر الحسن، مولانا احمد دلات، مولانا محمد بن سلیمان جہانجی راقم سطور محمد شاہد اور متعدد قدامت

وکام کر لے والے احباب رفقاء سفر تھے۔ نماز عشا ایک بڑی جماعت کے ساتھ اسٹیشن پر ادا فرما کر حیدرآباد اکیرس سے روانہ ہو کر بھوپال حیدرآباد کرنول رائے پور اور پھر جنوبی ہند میں بنگلور، کایم کوٹم، ٹریونڈرم وغیرہ مقامات پر اجتماعات اور جماعتیں رخصت کرتے ہوئے ۲۸ رجب ۱۲ مئی جمعرات میں حاجی عبدالرشید صاحب تر یونڈرم کے مکان سے روانہ ہو کر بذریعہ طیارہ کو لمبو (سری لنکا) کے لیے ہوئے۔

حضرت مولانا اس سفر کی تفصیلات اپنی ڈائری میں ان الفاظ کے ساتھ درج فرماتے ہیں ۲۸ رجب ۱۲ مئی جمعرات ۳۴ بجے پھر کی نماز پڑھ کر مطار کے لیے روانہ ہوئے ۴ بجکر ۳۳ پر طیارہ نے پرواز کی، طیارہ میں مغرب کی نماز پڑھی۔ چالیس منٹ میں اللہ جل شانہ نے کو لمبو مطار پر پہنچا دیا، دعا ہوئی، عشا کی نماز پڑھی پھر اجتماع گاہ آلوگاما کے لیے روانہ ہوئے جو پینتالیس میل کی مسافت پر تھا اللہ جل شانہ نے دس بجے اجتماع گاہ پہنچا دیا۔

۲۹ رجب ۱۳ مئی جمعہ آج سے سری لنکا کا سہ روزہ اجتماع شروع ہوا۔ بعد مغرب گرین ماسک میں بیعت ہوئی پھر بندہ کا ایمان پر بیان ہوا۔

۳۰ رجب ۱۴ مئی سینچر۔ صبح کو علمائے کرام میں اولاً مفتی زین العابدین صاحب کا بعد میں بندہ کا بیان ہوا، عصر کے بعد بندہ کا نکاح پر بیان ہوا اور بیٹش کے قریب نکاح ہوئے۔ مغرب کے بعد گرین ماسک میں بیعت ہوئی۔

یکم شعبان ۱۵ مئی اتوار۔ بیان و دعا و تودیع جماعات ہوئی مغرب کے بعد مختلف شعبوں کے کارکنوں سے ملاقات ہوئی۔

۲ / ۱۶ / پیو۔ صبح کو پندھال میں مستورات میں بیان ہوا، عصر کے بعد مستورات کی بیعت ہوئی، مغرب کے بعد مختلف شعبوں کے کارکنوں سے ملاقات ہوئی۔

۳ / ۱۷ / منگل۔ ناشتہ کے بعد آلوگاما جائے اجتماع سے پانڈورہ حاجی سے نجم الدین کے مکان پر آئے مستورات میں بندہ کا بیان ہو کر بیعت ہوئی، بیعت

کے بعد روانہ ہو کر مغرب کے وقت مرکز پہنچے۔

۱۸/۴ بدھ۔ ناشتہ کے بعد سیلون والوں کا مشورہ ہوا عصر کے بعد تشرانیہ والوں کا مذاکرہ ہوا۔ عشاء کے بعد کچھ نوجوان جن کو کچھ شکوے تھے، ان سے بات ہوئی۔

۱۹/۵ جمعرات آج بھی سیلون والوں کا مشورہ ہوا پھر مستورات میں حاجی فاروق کے مکان پر بیان ہو کر بیعت ہوئی۔ دوپہر کا کھانا بھی اپنی کے مکان پر کھایا مغرب سے پہلے واپسی ہوئی، عشاء کے بعد بندہ نے حیات الصحابہ پڑھی۔

۲۰/۶ جمعہ۔ ناشتہ کے بعد مشورہ والوں اور شکوہ والوں کو جوڑ کر بات کی گئی جمعہ کے وقت تک بات ہوئی، جمعہ پڑھ کر ایک مکان پر دعوت کھانے گئے۔ وہاں پر ہی آرام کیا پھر دوسرے مکان پر جا کر مستورات میں بیان کیا اور بیعت ہوئی جس کا انگریزی میں ترجمہ ہوا، مغرب کی نماز وہاں پڑھ کر مرکز واپس ہوئے۔

۲۱/۷ سینچر۔ صبح کو ناشتہ سے فارغ ہو کر اسٹیشن کے لیے روانہ ہوئے ایک ہفتہ کے سفر کے لیے پوری ریل گاڑی بک کرائی گئی جس میں ۲۷ ڈالرنی آدمی صرفہ آیا، یہ ریل گاڑی سو نفر مسافروں کے لیے ہے۔ نو بجکر ۲۰ منٹ پر اس ریل سے روانہ ہو کر تین بج کر تیس منٹ پر دونیا پہنچے اشرف بھائی کے مکان پر کھانا کھایا عصر پڑھ کر مستورات کے اجتماع میں جانا ہوا، وہاں بندہ کا بیان ہو کر بیعت ہوئی مغرب جلسہ گاہ میں پڑھی، یہاں مغرب کے بعد پہلا بیان مولوی محمد عمر کا اور دوسرا بیان بندہ کا ہوا، پھر اشرف بھائی کے مکان پر آ کر آرام کیا۔

۲۳/۸ اتوار۔ صبح ساڑھے ۶ بجے اسٹیشن کے لیے روانہ ہوئے، سات بجے اپنی گاڑی روانہ ہوئی، ۳ بجے پیٹی کولا اسٹیشن پہنچ کر کاروں کے ذریعہ جائے اجتماع جو ۲۸ میل تھی گئے، قیام کاندہ کے مدرسہ تبلیغہ میں ہوا، اجتماع ماوڑی پلی میں تھا۔

۲۳/۹ پیر۔ صبح کو بندہ کا علماء کے مجمع میں بیان ہوا، پھر عصر کے بعد مستورات

میں بیان ہو کر بیعت ہوئی پھر مغرب کے بعد عام مجمع میں بیان ہو کر جماعتیں رخصت ہوئیں، اجتماع سے فراغت کے بعد پیٹی کو لاسے چل کر شب میں گیارہ بجے مدرسہ الفلاح پہنچے اور رات وہاں بسر کی۔

۱۰/۲۳/منگل: ۱۶ بجے صبح اپنی ٹرین روانہ ہوئی اور پونے بارہ بجے کورناگلہ پہنچے۔

۱۱/۲۵/بدھ: ۸ بجے کورناگلہ سے اپنی ٹرین روانہ ہوئی بارہ بجے ماتلے پہنچے، ظہر کی نماز پڑھ کر کھانا کھایا۔ عصر کے بعد عورتوں میں بیان ہو کر بیعت ہوئی، مغرب کے بعد بندہ کامروں میں بیان ہوا۔

۱۲/۲۶/جمعرات: ۶ بجے ۲۰ منٹ پر اپنی ٹرین سے روانہ ہو کر گیارہ بجے ۲۰ منٹ پر کولمبو پہنچے، عصر کے بعد کارکنوں سے بات ہوئی، مغرب کے بعد کھانا کھایا۔ نماز عشاء پڑھی پھر مسجد میں بندہ کا بیان ہو کر دعا ہوئی۔ ۹ بجے یہاں سے روانہ ہو کر ۱۰ بجے ننگو شاہ النحید کے گھر پہنچے رات وہاں بسر کی۔

۱۳/۲۷/جمعہ: ۱۳ بجے کی نماز کے بعد کچھ دیر آرام کر کے ناشتہ کیا پھر مسجد میں جا کر بیان کیا، دعا کی، اور ایک سنگ بنیاد رکھا، پھر وہاں سے مطار آئے، وی، آئی، پی، لاؤنج میں آکر دعا کے بعد مصافحے کیے اور گاڑی میں طیارہ تک جا کر پھر طیارہ میں سوار ہوئے، دس بجے حرکت شروع ہوئی، گیارہ بجے ۳ منٹ پر زمین پر اترا۔ سہولت سے تمام مراحل سے فارغ ہو کر پونے بارہ بجے مدراس میں اپنی قیام گاہ پہنچے، غسل کیا کپڑے بدلے اور جائے اجتماع میں عزیز زبیری کی اقتدار میں نماز جمعہ ادا کی گئی مستورات میں مولوی محمد سلیمان کا بیان ہوا۔ اور فضائل ذکر عزیز شاہد نے بیان کیے۔

سری لنکا سے واپس لوٹ کر حضرت مولانا نے چار دن مدراس میں قیام فرمایا اور پھر جی ٹی ایکسپریس سے روانہ ہو کر ۱۹ شعبان دو جون جمعرات میں بنیاد عافیت مرکز حضرت نظام الدین دہلی پہنچے۔

سفر بنگلہ دیش، تھانی لینڈ، سنگاپور

۱۹۸۴ء

۱۴۰۴ھ

(۱۶)

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ مطابق ۷ جنوری ۱۹۸۴ء منگل میں حضرت مولانا نئی دہلی اسٹیشن سے روانہ ہو کر کلکتہ ایک دن قیام کے بعد بذریعہ طیارہ ڈھاکہ کیلئے روانہ ہوئے اور یہاں کے سالانہ اجتماع منعقدہ ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹ ربیع الثانی ۲۱، ۲۲، ۲۳ جنوری میں شرکت فرمانے کے بعد ۲۷ ربیع الثانی یکم فروری بدھ میں بنگلہ بھان سے روانہ ہو کر بنگاک (تھانی لینڈ) تشریف لے گئے یہاں جناب یوسف خاں صاحب کے مکان پر قیام کا نظم تھا۔ اگلے دن بنگاک سے بذریعہ ٹرین یالا مقام پر روانگی ہوئی کہ یہاں ۳، ۴، ۵ فروری جمعہ، بار اتوار میں تھانی لینڈ کا سہ روزہ اجتماع تھا۔

اس موقع پر فقائے سفر میں احباب نظام الدین کے علاوہ ڈاکٹر فاروق بنگلور پروفیسر عبدالرحمان مدراس بھی شامل تھے۔

مولانا زبیر احسن صاحب اپنی یادداشت (ڈائری) میں لکھتے ہیں :

”یالا کے اجتماع میں شرکت کے لیے دو فروری جمعرات کی دوپہر میں ٹرین سے روانہ ہو کر ۳ فروری جمعہ کی صبح گیارہ بجے یالا اسٹیشن پر اتر کر سیدھے اجتماع گاہ پہنچے جمعہ فوجی کیمپ کی چھوٹی مسجد میں پڑھا جس کا خطبہ مقامی امام صاحب نے پڑھا اور نماز کی امامت بندہ نے کی۔ بعد جمعہ مولوی احمد لاٹ کا بعد عصر مولوی سلیمان کا اور بعد مغرب مولانا محمد عمر کا بیان ہوا، یہ تمام بیانات اردو میں ہوئے اور ملائی و تھانی زبان میں ان کے ترجمے ہوئے۔“

اجتماع کے دوسرے دن مفتی زین العابدین صاحب بھانی عبد الوہاب وغیرہ کے بیانات ہوئے تیسرے دن بعد فجر یوسف بھانی پالن پوری نے جماعتیں بیٹھائیں، مولانا محمد عمر صاحب نے ہدایات دیں پھر حضرت جی مدظلہ نے ایک گھنٹہ بیان فرمایا کہ اجتماع کی اختتامی دعا فرمائی، جماعتوں سے رخصتی مضافہ

قاضی عبدالقادر صاحب نے کیے۔ شرکائے اجتماع کا اندازہ ساٹھ ستر ہزار کا بتلایا جاتا ہے۔

اجتماع سے فارغ ہو کر ایک دن یا لائیں مزید قیام کے بعد، رفروری منگل میں ہاڈیائی پہنچ کر جناب سیف الدین صاحب کے مکان پر قیام ہوا۔ ۲۳ گھنٹے یہاں گزار کر اگلے دن بذریعہ طیارہ سنگاپور روانگی ہوئی۔ یہاں کے دو روزہ قیام میں دعوتی اعمال مردوں کے اجتماعات و تشکیلات استورات کے اجتماعات اور بیعت وغیرہ میں مسلسل مشغول رہی۔

۷، جمادی الاول، ۱۴۰۵ رفروری جمعہ میں یہاں سے روانہ ہو کر بخیر و عافیت بارہ بجے شب میں مرکز نظام الدین آمد ہوئی۔

سفر جاپان، کیلی فورنیا، امریکہ، فرانس، سعودی عرب

(۱۷)

۱۹۸۵ء

۱۴۰۵ھ

۷، شوال ۱۴۰۵ھ (۲۶ جون ۱۹۸۵ء) بروز بدھ حضرت مولانا پالم ایرپورٹ سے روانہ ہو کر پانچ گھنٹہ کی پرواز کے بعد ہانگ کانگ ————— پہنچے اور ۲۷ جون جمعرات میں یہاں کے ایک روزہ اجتماع سے فارغ ہو کر اگلے دن بذریعہ طیارہ ٹوکیو کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہاں مطار پر نماز ظہر ادا کی اور پھر یہاں سے اسی جہاز سے روانہ ہو کر مسلسل ۹ گھنٹہ پرواز کے بعد اور پوری رات طیارہ میں گزار کر اگلے دن صبح ۸ بجے لاس انجلس (کیلی فورنیا) تشریف لائے، یہاں پہنچ کر رفقاء نے اپنی اپنی گھڑیوں کے اوقات آٹھ گھنٹہ آگے بڑھائے۔ حضرت مولانا اور آپ کے جملہ رفقاء کا قیام جناب اقبال بھولات صاحب کے یہاں ہوا، اور وہی آپ کے میزبان رہے۔ یہاں کی مرکزی مسجد جماعت الاسلام میں دو روزہ اجتماع ۲۹، ۳۰ جون بار، التوار میں منعقد ہوا۔ اس اجتماع سے ۱۵ جماعتیں راہِ خدا میں بن کر روانہ ہوئیں۔

یکم جولائی پیر میں شکاگو شہر میں آمد ہوئی۔ یہاں بھی ایک اجتماع تھا ۳۲ جماعتیں یہاں سے بھی راہِ خدا میں نکلیں۔

۳ جولائی بدھ میں شکاگو سے روانہ ہو کر ڈیٹرائٹ پہنچے کیوں کہ یہاں بھی روزہ ۱۶
۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱ جولائی میں ایک سہ روزہ اجتماع متعین تھا۔ معمول کے مطابق
اس اجتماع میں بھی حضرت مولانا کے متعدد بیانات ہوئے۔ اور آپ ہی کے اختتامی بیان
و دعا پر یہ اجتماع ختم ہوا اس اجتماع سے نوے جماعتیں راہِ خدا میں روانہ ہوئیں جن میں
اڑسٹھ جماعتیں اندرون ملک کے لیے اور بائیس جماعتیں بیرون ملک کے لیے تھیں۔
شرکار اجتماع کی تقریبی تعداد بارہ تیرہ ہزار کے درمیان تھی۔

جناب بھائی احفاظ احمد صاحب (نیویارک، امریکہ) اپنے مکتوب میں اس اجتماع
سے متعلق دیگر معلومات اور حضرت مولانا کی اختتامی تقریر کا ایک مختصر اور اہم حصہ اس طرح
تحریر کرتے ہیں :

”۱۹۸۵ء کا اجتماع ۳، ۴، ۵ جولائی کو ڈیٹرائٹ مشی گن میں واقع ہوا۔

اس دفعہ انتظام ایک بڑے حال میں کیا گیا۔ جس کا نام لو بو ہال ہے اجتماع
میں تقریباً بارہ تیرہ ہزار افراد نے شرکت کی۔ دنیا کے اکثر ممالک سے جماعتیں
امریکہ میں آئیں۔ جن میں یورپ، افریقہ، عرب ممالک، پاکستان، ہندوستان
بنگلہ دیش کی جماعتیں تھیں۔ ایک اندازہ کے مطابق تقریباً دو سو جماعتیں
_____ باہر ممالک کی تھیں۔ پاکستان، بنگلہ دیش اور دوسرے ممالک

کے اکابر تبلیغ بھی حسب معمول اس اجتماع میں حاضر تھے۔ اجتماع میں شمالی
امریکہ کے اکثر علاقوں کے مسلمان تشریف لائے۔ اس اجتماع کے بہت واضح
اثرات دیکھنے میں آئے اور جن لوگوں نے اس اجتماع میں شرکت کی انہوں
نے دعوت و تبلیغ کے کام پر عزم و ارادے فرمائے۔ اسی اجتماع میں حضرت جی
نور اللہ مرتدہ نے شمالی امریکہ کے ذمہ داروں کے شوری کی تشکیل نو کی۔
کچھ مقامی امریکیوں نے اس اجتماع میں اسلام بھی قبول کیا۔

اجتماع کے آخری دن حضرت جی نور اللہ مرتدہ کا مختصر بیان ہوا
اس کے بعد کچھ نکاح پڑھائے اور دعا کے ساتھ جماعتوں کو رخصت کیا۔

Visiting Muslims add sightseeing to religious duty

By George Bullard
News Staff Writer

More than 3,000 Muslims gathered in Cobo Hall this weekend for prayer and fellowship and — for some — a quick visit to the Italian Festival in Hart Plaza.

The inside of Cobo Hall was declared off limits to outsiders and looked a little like a scouting jamboree, with many of the colorfully-dressed participants spending each night on the floor in bedding they had brought along. A kitchen, complete with portable burners and huge vats, was set up outside to prepare food for the faithful.

"Our aim is to lead mankind to a happy

Organizers yesterday turned away reporters and photographers, saying their presence violated the solemnity of the event. Many Muslims do not like having their pictures taken and some believe that a photograph in their home will discourage visits by the angels, explained one participant.

But, as in Christianity and Judaism, there are varying degrees of piety. For example, some of yesterday's participants carried cameras and took advantage of lulls in the program to stroll in small groups through Hart Plaza. One trio was spotted taking turns posing for snapshots in front of Naguchi Fountain. Others cavorted along the riverfront and were glad to talk about the proceed-

life," said one Canadian participant, who attended in the cap and flowing garb of his native Pakistan.

The 3,000 came from around the country and from as far away as Jamaica. Most at the gathering were Sunni Muslims, a branch of Islam separate from the Shiite group to which Iran's Ayatollah Khomeini belongs. It was the Shiites who were involved in the hijacking of the TWA airliner detained in Beirut.

ONE OF THE faithful, Dawood Neki of Toronto, said the three-day gathering "runs 24 hours a day — just like Islam is a 24-hour-a-day faith."

ings, as long you didn't use their names.

"There's no controversy here — no politics," said a man from Chicago. "It's all religious discussion."

THE MEETING is restricted to Muslim men. Spouses who accompanied their husbands were meeting in smaller groups away from Cobo, said several men.

A few of the faithful attended the downtown Italian Festival which, despite its name, was selling everything from Hong Kong fans to cheese nachos and Italian corn dogs. A band played a song that sounded very close to a polka. "Italian polka," explained a jeweler

displaying his wares in a plywood booth.

The closest the festival came to a Muslim connection was an item in the booth of an aroma merchant: an incense called "Prophet."

The meeting, being held in three convention halls of Cobo Hall, was organized by a group called the Anjuman-E-Ahya-Il-Islam of North America. No one would give details about the group.

Organizers originally had wanted an outdoor gathering in Brownstown Township, but were turned down by that southern Detroit suburb because of fears of traffic congestion, said a spokesman for the group.

حضرت جی نور اللہ مرقدہ نے اپنے بیان میں فرمایا کہ :

جب انسان کا دل بنتا ہے تو پورا بدن بنتا ہے جب دل بگڑتا ہے تو سارا بدن بگڑتا ہے اور جب مسلمان بگڑتا ہے تو ساری دنیا میں بگاڑ آتا ہے اس لیے یہ گوشت کا تھوڑا سا ٹکڑا دار و مدار رکھتا ہے، سارے عالم کے بننے اور بگڑنے پر انسان کے اندر سے نکلنے والے اعمال پر دنیا کے فیصلے ہوتے ہیں اگر ساری انسانوں کے دل صحیح ہو جائیں تو سارے حالات صحیح ہو جائیں، جس دل کا یقین اللہ کے ساتھ جڑا ہوتا ہے تو اس سے کبھی غلط کام نہیں ہو سکتا، آج ہمارا یقین چیزوں پر بنا ہوا ہے جس کی وجہ سے دنیا میں عمومی پریشانی ہے، اپنے دل کے بنانے میں لگنا یہ صحیح راستہ ہے دوسروں کو صحیح کرنے میں لگ جانا، اور اپنے کو بھول جانا، یہ صحیح راستہ نہیں ہے، انسان کے عمل صحیح ہونے کا ایک ہی راستہ ہے کہ اس کے دل کا یقین درست ہو۔ دنیا میں انسان دھوکہ میں رہ جاتا ہے مگر موت پر دھوکہ ختم ہو جائے گا، اور دل کے یقین پر اس کا فیصلہ ہوگا۔ اللہ نے دنیا میں انسان کو دنیا کی چیزوں کے لیے پیدا نہیں فرمایا بلکہ عبدیت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ جو انسان ضرورتوں کو مقصد بنالیتا ہے وہ ساری زندگی ضرورتوں کو پورا کرنے میں لگا دیتا ہے اور اپنے مقصد کو بھول جاتا ہے اور کوئی بھی شخص اپنے مقصد کو بھلا کر کوئی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہ ساری محنت اس لیے ہے کہ ہم اپنے مقصد کو پہچانیں اگر ہم محنت صحیح طریقہ سے کریں گے تو اللہ دنیا کے نقشے پلٹ دے گا، آمین

حضرت مولانا منٹریاں، کٹاڑا، نیویارک، لندن ایک ایک ٹھہرتے ہوئے ڈیویزیری پہنچے، ۲۳، ۲۴، ۲۵، شول مطابق ۱۲، ۱۳، ۱۴ جولائی جمعہ، بار، اتوار میں ایک سہ روزہ اجتماع

۱۷ مکتوب جناب بھائی احتفاظ احمد نیویارک، بنام راقم منطور، محرمہ ۱۳، جون ۱۹۹۷ء

میں شرکت فرمائی۔ دس پندرہ ہزار افراد کے درمیان ہونے والے اس اجتماع سے ۹۶ جماعتیں (جو نو سو افراد پر مشتمل تھیں) دین حق کی سر بلندی کے لیے مختلف ملکوں اور علاقوں میں روانہ ہوئیں۔

انگلینڈ کے اس اجتماع کے بعد حضرت مولانا فرانس کے لیے چل پڑے کیوں کہ وہاں بھی یکم، دو، تین، ذی قعدہ مطابق ۲۰، ۲۱، ۲۲ جولائی کو ایک سو روزہ اجتماع یل میں تھا یہاں سے بھی ۸۸ جماعتیں روانہ فرما کر ۲۴ جولائی میں لندن واپس تشریف لائے اور ایک ہفتہ قیام کے بعد ۱۱ ذی قعدہ ۳۰ جولائی پیر میں لندن ایر پورٹ سے روانہ ہو کر جدہ اور پھر فوراً ہی مکہ مکرمہ حاضر ہو گئے۔ اس موقع پر حرمین شریفین میں آپ کا قیام چالیس روز رہا مناسک حج سے فارغ ہو کر بیس ذی الحجہ (۶ ستمبر) میں آپ نے دہلی مراجعت فرمائی۔ اس سفر حج کی تفصیلات اسی کتاب کی جلد اول (صفحہ ۳۲۴) میں بعنوان ”بارہاں حج“ ملاحظہ فرمائیں۔

سفر انگلیٹ

(۱۸)

۱۹۹۴ء

۱۴۱۵ھ

اس سفر کے لیے حضرت مولانا گیارہ محرم ۱۴۱۵ھ (۲۲ جون ۱۹۹۴ء) میں ایرانڈیل کے طیارہ سے دہلی سے روانہ ہو کر آٹھ گھنٹے اور چالیس منٹ کی پرواز کے بعد لندن ایر پورٹ اترے، رفقاء سفر میں دیگر افراد کے علاوہ مولانا زبیر الحسن، مولانا محمد عمر، راقم سطور محمد شاہد مولانا محمد سعد، مولانا محمد سلیمان جھانجی، جناب بھائی کرامت اللہ، جناب بھائی شرافت اللہ بھی شامل تھے۔

لندن ایر پورٹ پر بہت بڑا مجمع علماء دعا اور مبلغین اور مختلف ممالک کے دعوتی کام کے ذمہ داروں کا موجود تھا۔ حضرت مولانا جناب سے ملاقات اور دعا کے بعد ڈیویز بری (تبلیغی مرکز) کے لیے روانہ ہو گئے۔ حضرت مولانا کی طبیعت دہلی ہی سے ناساز تھی۔ چنانچہ اتنے طویل سفر کے بعد ضعف و ناطاقتی میں مزید اضافہ ہو گیا اور اگلے ہی روز

مولانا محمد انعام الحسن
 دل میں بے چینی اور درد کی شدت ہو گئی، سانس کی آمد و رفت پر بھی اس کا اثر پڑا جس کے دفعیہ کی تدابیر آکسیجن اور انسجیشن کے ذریعہ کی گئی۔ حضرت مولانا کا یہ طویل سفر ڈیوڑری (انگلینڈ) میں ۱۳، ۱۴، ۱۵، محرم مطابق ۲۳، ۲۴، ۲۵، جون جمعہ بار اتوار میں منعقد ہونے والے اجتماع میں شرکت کے لیے ہوا تھا۔ اجتماع کا آغاز جمعرات میں نماز عصر سے ہوا۔ شرکائے اجتماع نے نماز جمعہ مولانا زبیر احسن صاحب کے زیر اقتدار اجتماع گاہ میں ادا کی۔ اجتماع کے دوسرے دن حضرت مولانا نے مجلس نکاح میں پہنچ کر تھوڑی دیر نکاحوں کی اہمیت پر بیان فرما کر خطبہ نکاح پڑھا اور پھر مولانا زبیر احسن نے ایجاب و قبول کرائے۔ اس ایک مجلس میں ۹۳ افراد کے نکاح ہوئے۔

آخری دن اتوار میں حضرت مولانا نے طویل اختتامی بیان فرمایا۔ اس بیان میں آپ نے ایمان اور پورے عالم میں اس کی کوشش و محنت پر زور دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ،
 ”ایمان کا سرمایہ بہت اونچا سرمایہ ہے اور ایمان ایسی چیز ہے کہ اللہ نے اپنے نبی پاک علیہ السلام سے اس پر محنت کرائی ہے۔ جو دل ایمان سے خالی ہوگا وہ دل ویران ہے، اللہ کو ایمان کی محنت بہت پیاری ہے بہت خوش ہوتے ہیں، راضی ہوتے ہیں، آج ہم دنیا کی چیزوں پر تو محنت کرتے ہیں لیکن ایمان پر محنت نہیں کرتے ہیں۔ ہم پورے عالم میں محنت کرنے کے ارادے کریں تو اللہ کی مدد شامل حال ہوگی، اللہ ہم کو قبول فرمائے، ہر محنت کرنے والے کی محنت کا ثمرہ اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔ اور اس کی محنت کو ضائع نہیں کرتے۔“

اس کے بعد مزید کچھ دیر ایمان و اخلاص کی محنت پر متوجہ فرما کر دعا فرمائی اور جماعتوں سے رخصتی مصافحہ کیا، اجتماع کی یہ دعا تقریباً نصف گھنٹہ ہوئی، اس وقت حضرت مولانا پر ایک عجیب کیفیت و رقت طاری تھی اور گریہ کی شدت کی وجہ سے دلوں کے حروف و الفاظ بھی پورے طور پر ادا نہیں ہو رہے تھے مجمع کی بھی یہ کیفیت تھی کہ چیخیں مار مار کر رو رہا تھا۔

اس مجلس سے فارغ ہو کر آپ مختلف ممالک سے آئے ہوئے عربوں سے خصوصی ملاقات کے لیے مسجد کی دوسری منزل پر تشریف لے گئے یہاں بھی آپ نے کچھ دیر بیان فرما کر دعا فرمائی

اجتماع کے تیوں دن دینی اداروں اور جامعات کے اساتذہ و طلبہ بڑی تعداد میں شریک رہے، دارالعلوم ہولکھب بڑی کے بانی و مہتمم مولانا محمد یوسف متالا بھی نہ صرف اجتماع میں شریک رہے بلکہ ان کے دارالعلوم سے دو سوطلبہ شرکائے اجتماع کی جہان داری و خدمت گزاری کے لیے تیوں دن اجتماع گاہ میں موجود رہے۔

محترم جناب ابراہیم صدیقی صاحب (لندن) نے اس اجتماع کی تفصیلات اور اثرات و تاثرات پر ایک طویل مضمون مرتب کیا تھا یہاں اس کی تلخیص اور اہم حصے پیش کیے جاتے ہیں موصوف لکھتے ہیں :

”۱۹۹۳ء میں جب انگلینڈ کے احباب نظام الدین آئے تھے تو یہ عالمی اجتماع

طے ہوا تھا۔

انگلستان میں بہت بڑے بڑے مشہور شہر موجود ہیں مگر معلوم نہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو حافظ پٹیل صاحب (اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھیں) کی کونسی ادالپسند آئی تھی کہ ڈیویز بری جیسے ایک چھوٹے شہر کو جہاں وہ مقیم تھے اپنے دین کی اعلیٰ محنت دعوت و تبلیغ کے لیے پسند فرما کر مرکز قائم کرنے کے اسباب پیدا فرمادیے۔

الحمد للہ وسعت کے اعتبار سے اس وقت پورے انگلستان میں ڈیویز بری کی دعوت و تبلیغ کی یہ مرکزی مسجد سب سے بڑی مسجد سمجھی جاتی ہے اور فن تعمیر کا بھی اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس مسجد کے اوپر کے ہال میں جو بغیر کسی ستونوں کے بنا ہے تقریباً پانچ ہزار آدمی بیٹھ جاتے ہیں مگر اس عالمی عظیم الشان اجتماع کے لیے جس میں زیادہ سے زیادہ پچاس ہزار مسلمانوں کی شرکت متوقع تھی مرکز سے متصل میدان میں دو بہت بڑے اور چار چھوٹے پنڈال لگائے گئے تھے، دونوں پنڈال اجتماع اور نمازوں کے لیے تھے، باقی پنڈال اردو کے علاوہ دوسری زبانوں کے ترجموں تشکیل اور طعام کے لیے تھے اور جو نہایت عمدگی سے موسم کا لحاظ رکھتے ہوئے بنائے گئے تھے۔ مرکز

اور اجتماع گاہ کے اطراف موٹروں کی پارکنگ بالکل ممنوع تھی اسلئے ایک بہت بڑے شاپنگ سینٹر کے پارکنگ میدان کو اجتماع کی موٹروں اور کوچوں کے لیے کرایہ پر لیا گیا تھا جہاں باقاعدہ موٹروں کی حفاظت اور چوکیداری کا انتظام کیا گیا تھا۔

۲۲ جون ۱۹۹۳ء کو دو بجے دن لندن کے ہوائی اڈہ ہیتھرو پر حضرت جی کا قافلہ جب باہر تشریف لے آیا تو انگلستان کے مختلف شہروں کے ذمہ دار اور عوام نے پرجوش باوقار بغیر کسی شور و غل اور نعروں کے استقبال کیا فوری اجتماعی دعا ہوئی، تمام حاضرین پر عجیب کیفیت تھی، دعائیں پوری امت اور انسانیت کی ہدایت کے لیے دعا کی گئی، ہوائی اڈہ پر دعا کا یہ منظر تمام غیر مسلموں کے لیے ایک خاموش دعوت و تبلیغ تھی۔

یہاں کے ذمہ داروں نے پہلے یہ سوچا تھا کہ ڈیوڑہ بری جاتے ہوئے آدھے راستہ پر حضرت جی کو چت گھنٹہ آرام کروا کر ڈیوڑہ بری لے جائیں گے مگر بعد میں خود حضرت جی کے مشورہ سے پورا قافلہ راست ڈیوڑہ بری جس کا فاصلہ لندن سے دو سو میل ہے روانہ ہوا، اور الحمد للہ ۶ بجے شام بخیریت سب لوگ ڈیوڑہ بری مرکز پہنچ گئے۔

مغرب کی نماز میں پنڈال تقریباً بھر چکا تھا مغرب کے بعد کھانا کھلایا گیا اور الحمد للہ مجمع نے بغیر کسی شور و غل اطمینان سے کھانے سے فراغت کے بعد نماز عشاء کی تیاری کی۔ اتنے بڑے اجتماع کا لحاظ رکھتے ہوئے وضو طہارت، بیت الخلاء، غسل خانوں کا عارضی بہت معقول انتظام کیا گیا تھا کہ الحمد للہ تین دن کی تمام نمازوں میں لوگ آسانی سے ضروریات سے فارغ ہو کر جماعت سے نمازیں ادا کرتے رہے اور کسی قسم کی شکایت نہیں ہوئی۔ اس عظیم الشان عالمی اجتماع میں پانچ براعظموں کے مسلمانوں نے شرکت کی، یورپ کے پورے ملکوں سے الحمد للہ مسلمانوں نے شرکت

کی حتی کہ یورپ میں جو ملک پہلے کمیونسٹ ملک تھے وہاں کے مسلمانوں نے بھی شرکت کی۔

تبلیغی اجتماعات میں عموماً سیدھے سادھے سنت طریقہ پر نکاحوں کا رواج الحمد للہ پڑ گیا ہے۔ اس اجتماع میں بھی تقریباً سو (۱۰۰) نکاح ہوئے۔ حضرت جی مدظلہ نے مختصر بیان کے بعد خطبہ نکاح پڑھا اور مولانا زبیر صاحب نے ایجاب و قبول کروایا اور دعا بھی کروائی۔ حضرت جی مدظلہ جس وقت بیان فرما رہے تھے پورے مجمع پر ایک غیر معمولی کیفیت تھی۔ اور بلا کسی انتشار کے صبر و سکون سے چالیس ہزار کا مجمع حضرت جی کے بیان کو سن رہا تھا آخری دن ان کے پروفیشنل حضرات یعنی ڈاکٹرس، انجینئرس، اکاؤنٹنٹس پروفیسرس، ٹیچرس اور سرکاری عہدے دار جو ماشاء اللہ کافی تعداد میں شریک ہوئے تھے) کو علیحدہ ایک پنڈال میں جوڑا گیا تھا۔ ان میں حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالپوری نے بہت خصوصی پراثر بیان فرمایا، اسی دوران عربوں میں حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب نے عربی میں بیان فرمایا۔

ظہر سے قبل اجتماع کا آخری کھانا کھلایا گیا۔ ظہر بعد حضرت مولانا پالپوری نے ہدایات دیں، ادھر مولانا کی ہدایات پوری ہوئیں کہ حضرت جی مدظلہ تخت پر تشریف لے آئے، اس وقت آخری دعا کے وقت مجمع ضرور سچاس ہزار تھا حضرت جی مدظلہ نے پہلے مختصر بیان فرمایا اور پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ مجمع میں سے لوگوں کے رونے کی آواز آنے لگی، بیس منٹ کی دعا میں عجیب و غریب کیفیات تھیں جو بیان نہیں کی جاسکتیں۔ خود حضرت جی پر جو رقت کی کیفیت تھی یعنی کہ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ حضرت پر اور سارے مجمع پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش ہو رہی ہے اور لوگ ہچکیاں مار مار کر رو رہے تھے اور دعا مانگ رہے تھے، اللہ تبارک و تعالیٰ سے جو جومانگا اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ دعا پر یہ بابرکت اجتماع ختم ہوا۔

دعا ختم ہوتے ہی لوگ اپنے اپنے شہروں کو واپس ہونا شروع ہوئے، کئی گھنٹوں تک ڈیوڑری کی تمام سڑکیں عجیب و غریب منظر پیش کر رہی تھیں۔ پولیس کا محکمہ معطل ہو گیا تھا۔

محکمہ پولیس نے اپنی تحقیقات کی بنا پر بتلایا کہ جملہ مجمع اسی (۸۰) ہزار کا تھا یہاں کے قانون کے مطابق ایسے عوامی اجتماع میں اجتماع کے اندرونی حصہ میں پولیس کا بھی ایک علیحدہ کیمپ قائم ہوتا ہے اس طرح ہم کو بھی ایک مخصوص پنڈال ان کو دینا پڑا جہاں تین دن تک پولیس موجود تھی جو پچیس گھنٹہ کے تمام اعمال دیکھ کر وہ بے حد متاثر ہوئے، پولیس کے ایک بڑے افسر کے یہ تاثرات تھے کہ ”واقعی خدا کی ذات آپ لوگوں کے ساتھ ہے کہ تین دن موسم اچھا رہا اور اتنے بڑے مجمع میں کسی دوائی کی نہ لڑائی ہوئی، نہ مار پیٹ، نہ گالی گلوچ، پولیس کے پنڈال کے بازو گری پڑی (PROPERTY LOST) اشیاء کا کیمپ تھا اس سے بھی پولیس والے بے حد متاثر ہوئے کہ لوگ معمولی اور قیمتی ہر قسم کی چیزیں لالا کر داخل کر رہے تھے اور جس کو جو چیز ملی خود لے کر غائب نہیں ہو رہا تھا اس ملک والوں کے لیے سچائی اور ایسا ندری کا یہ عمومی منظر متاثر کن تھا۔

الحمد للہ پورے اجتماع کے تمام انتظام میں ہر طرح خیر و برکت رہی۔ اور کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا جس جس کے ذمہ انفرادی یا اجتماعی ذمہ داری لگائی گئی تھی ہر ایک نے اپنی ذمہ داری کو اہمیت کے ساتھ مستعدی اور فرض شناسی کے ساتھ ادا کیا، اور سب اللہ تعالیٰ کی خوشی اور رضا کے لیے کیا جا رہا تھا اجتماع میں ہر طبقہ کے حضرات خواص اور عوام شریک تھے ہر رنگ اور ہر زبان کو بولنے والے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، اہل حدیث اسن اجتماع میں شریک ہو کر اس بات کا ثبوت دے رہے تھے کہ دین اسلام وہ عالمگیر دین ہے جس میں نہ رنگ و نسل کا کوئی جھگڑا ہے نہ قوم و وطن کا کوئی تعصب

حضرت آدم علیہ السلام کی یہ اولاد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ امت بس ایک رشتہ میں جڑی ہوئی ہے اور وہ رشتہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمادیا ہے کہ تم سب بھائی بھائی ہو۔

یوں تو عمومی طور پر ہزاروں مسلمانوں نے اعمال بد سے توبہ کی اور دینداری کی زندگی اختیار کی، مگر اس اجتماع کے بعد تو غیر معمولی اور گہرے اثرات اگر کسی پڑے تو وہ یہاں کے نوجوانوں اور طلبہ پر پڑے، یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلبہ اس اجتماع کے بعد آنے والی بڑی چھٹیوں میں تقریباً ۷ ہزار طلبہ اللہ کے راستہ میں جماعتوں میں نکلے اور جماعتوں سے واپس آنے کے بعد یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلبہ کو اسلامی لباس اور خوبصورت نورانی داڑھیوں کے ساتھ دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ بھی کسی دارالعلوم یا دینی مدرسے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۱۱

اجتماع سے فارغ ہو کر حضرت مولانا نے کارگزاری پر مشتمل جو مکتوب مرکز ڈیوبہ سے مرکز نظام الدین ارسال فرمایا اس کو یہاں پیش کیا جاتا ہے :

از _____ ڈیوبہ بری انگلینڈ منگل ۲۸ جون ۱۹۹۴ء

مکرم جناب مولانا اظہار احسن صاحب و دیگر احباب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ ہمارا سفر بہت اچھا رہا۔ طبیعت بھی الحمد للہ ٹھیک ہے۔ ڈیوبہ بری کا اجتماع بہت اچھا رہا۔ مجمع ۵۰ ہزار کے قریب تھا۔ اتنا بڑا مجمع یہاں پر کبھی جمع نہیں ہوا۔ پانچوں براعظموں کے لوگ موجود تھے اجتماع سے کل ۲۶ جماعتیں روانہ ہوئیں۔ مستورات کے اجتماعات بھی ہوئے توبہ و عیزہ بھی کافی مردوں نے اور عورتوں نے کی، یورپ کے ممالک کے مشورے بھی ہو رہے ہیں۔ انگلینڈ کی

۲۵۷ جماعتیں، فرانس والوں کی ۹۰ جماعتیں، عرب ممالک کی ۶۰ جماعتیں امریکہ کنیڈا کی ۵ جماعتیں، جنوبی افریقہ کی ۱۰ جماعتیں، تنزانی لینڈ کی ۳ جماعتیں، ملیشیا کی ایک جماعت اکل ۴۲۶ جماعتیں روانہ ہوئیں الحمد للہ۔

انگلینڈ کی بیرونی جماعتیں انگلینڈ کی اندرون کی جماعتیں

ایک سال کی ۱۳ جماعت ۳ چلہ کی ۳ جماعتیں

۳ چلہ کی ۱۳ " ۱ چلہ کی ۱۰۳ "

۲ ماہ کی ۶۰ " ایام کی ۵ "

کل جماعتیں بیرون کیلئے ۱۳۵ کل جماعتیں اندرون کیلئے ۱۱۲

فرانس کی بیرون کے لیے ۵۳ جماعتیں اندرون کیلئے ۳۷ جماعتیں کل ۹۰ جماعتیں

عرب ممالک کی ۱۷ " " " ۴۳ " کل ۶۰ "

بدھ کے روز ساتھیوں کا مختلف شہروں کا پروگرام بنے گا۔

جمعرات کو لندن کے لیے روانہ ہو کر جمعرات جمعہ لندن میں ان شاء اللہ

رہیں گے۔ اور ہفتہ کو دہلی کے لیے روانگی ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ ساتھیوں کو

سلام مسنون فقط محمد انعام الحسن

بقلم سلیمان مومایا

اجتماع کے بعد حضرت مولانا کا مرکز دیوبند میں تین روز قیام رہا اس عرصہ میں مختلف

ممالک کے ذمہ دار اصحاب نے اپنے اپنے امور و مسائل پیش کر کے آپ سے مشورے لیے

اور دینی دعوتی معاملات میں آپ سے رہنمائی حاصل کی۔ چنانچہ ایک ملک کے اجاب نے اپنے

یہاں کے سنگین اور سخت احوال بتلا کر کام کا نقشہ اور طریقہ دریافت کیا تو فرمایا کہ:

”بقدر استطاعت کام کرتے رہو حکومت سے تعارض بالکل نہ کرو انفرادی

ملاقاتیں کرتے رہو۔ اگر ارباب حکومت شب گزاری کو منع کریں تو اس کو بھی

چھوڑ دو۔“

ایسے ہی ایک اور ملک کے احوال سن کر فرمایا:

”دو تین ماہ میں ایک جگہ جمع ہو جایا کریں لیکن اپنا جوڑ جگہ بدل بدل کر کریں صرف اپنی اپنی مساجد میں کام کریں۔ ایک محلہ کے لوگ دوسرے محلے کی مساجد میں یا ایک مسجد کے مصلی دوسری مسجد کے مصلیان میں کام نہ کریں نیز کام کا اظہار نہ کریں بلکہ خاموشی سے کریں۔ اور نکلنے کی ترتیب یہ رکھیں کہ صرف ایک دن کے لیے نکلیں اور اس میں بھی اگر رکاوٹ ہو تو یہ بھی نہ کریں۔“

۲۸ جون منگل میں آپ باٹلی تشریف لائے اور وہاں کی بڑی مسجد میں بیان و بیعت اور دعا کے بعد ایک جدید مسجد کا سنگ بنیاد رکھ کر ڈیوڑی واپس آ گئے اور یہاں جامعہ اسلامیہ (نورنگہم) کے مہتمم مولانا محمد کمال خاں اور ان کے ادارہ کے احباب و اساتذہ کی خواہش پر دورہ حدیث شریف کا آغاز فرمایا اور بخاری شریف کی پہلی حدیث پڑھ کر اس کا مفہوم و مطلب بیان فرمایا۔ اور نیت و وحی کی تشریح فرمائی۔ ۳۰ جون جمعرات میں آپ کی ڈیوڑی سے لیٹر آمد ہوئی۔ یہاں بھی ایک ذیلی اجتماع تھا۔ جناب شوکت مابجی صاحب یہاں کے قیام میں حضرت مولانا اور ان کے جملہ رفقاء کے میزبان رہے۔

۲۱ محرم ۱۴۱۵ھ (۲ جولائی ۱۹۹۴ء) شنبہ میں لندن سے براہ راست دہلی واپسی ہوئی۔

دعوت و تبلیغ کی نسبت پر یہ حضرت مولانا کا آخری غیر ملکی سفر تھا۔ اس کے بعد آخری سفر حج فرما کر عالم بالا کے الوداعی سفر پر روانہ ہو گئے۔



پندرہواں باب

دعوت کی بصیرت اور اس کا فہم و ادراک

عَوَّاصِ مَحَبَّتِ کَا، اللہ نگہباز ہو
ہر قطرہ دریا میں، دریا کی ہے گہرائی

دعوت کی بصیرت

اور

اس کا فہم و ادراک

دعوت کے تقاضوں اور اس کے نشیب و فراز کو سمجھنے میں حق تعالیٰ شانہ نے حضرت جی ثالث حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کو جس درجہ کمال و ملکہ عطا فرمایا تھا اسی طرح دوزینی و دوراندیشی اور اصابت رائے بھی اعلیٰ درجہ کی مرحمت فرمائی تھی جب جب آپ کی معاملہ فہمی، دقت نظری اور اصابت فکر اپنی تمام تر قوت روحانی اور نور ایمانی کے ساتھ جلوہ گر ہوتی تو اچھے اچھے خرقہ پوش آپ کے چہرہ کے نور کی روشنی میں اپنے چاک دامان کی بنجیہ گری کر لیا کرتے تھے۔

مولانا محمد یوسف صاحب کے تمام تذکرہ نگار اور قائل نویس اس بات پر متفق ہیں کہ ان کے پورے دورِ امارت میں مولانا محمد انعام الحسن صاحب اس دعوت و تبلیغ کے دماغ بن کر رہے۔

مسائل خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے، اندرونی ہوں یا بیرونی، فرد کا مسئلہ ہو یا افراد کا، اجتماع کا مسئلہ ہو یا اجتماعیت کا، مولانا محمد یوسف صاحب بڑے اہتمام کے ساتھ آپ سے مشورے فرما کر — آپ کی رائے پر عمل فرماتے تھے۔

دعوت و تبلیغ کے ایک قدیم کارکن محترمہ سچائی خالد سیف اللہ (دہلی) مولانا محمد یوسف

صاحب کی نگاہ میں آپ کے مشوروں کی اہمیت و افادیت اور آپ کی وجہ تریح کا ذکر کرتے ہوئے ایک واقعہ اس طرح سناتے ہیں :

”مولانا محمد یوسف صاحب کے زمانہ میں ہم لوگ مولانا انعام الحسن صاحب سے بہت ڈرتے تھے چونکہ ان کا رعب بہت پڑتا تھا اس لیے ان سے دور دور رہتے تھے لیکن میں نے متعدد مشورے ایسے دیکھے جس میں ساری شوریٰ کی رائے ایک طرف اور مولانا انعام الحسن صاحب کی رائے ایک طرف تھی، لیکن مولانا محمد یوسف صاحب نے سب کی رائے سے ہٹ کر مولانا انعام الحسن صاحب کی رائے پر فیصلہ دے دیا۔ مشورہ کا یہ منظر دیکھ کر مجھے بہت حیرت ہوئی تھی، ایک مرتبہ میں نے تنہائی میں اس کی وجہ مولانا یوسف صاحب سے پوچھی تو فرمایا کہ بڑے حضرت کی زندگی میں سفروہنر میں ان کے ساتھ رہ کر دعوت کو مولوی انعام نے پیا ہے، خطوط کے جوابات بھی اکثر وہی لکھتے تھے۔ اس زمانے میں میرا ذوق تو حضرت شیخ والا ذوق تھا، ذکر اور مطالعہ و تصنیف۔ بڑے حضرت جب مجھے حکم دیتے تھے تو جماعت میں چلا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں میرے ذمہ بڑے حضرت نے دعوت کے عنوان سے حیات الصحابہ لکھنا طے فرما دیا میں ان دنوں اوپر کے حجرہ میں رہتا تھا۔ ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ بہت سے ٹیلی فون کے تار میرے حجرہ میں آ رہے ہیں اور ہر تار کے ساتھ ایک پرچہ چسپاں ہے جس پر کسی ملک کا نام لکھا ہوا ہے۔ میں خواب سے بیدار ہوا تو بڑا خوش ہوا اور میں نے یہ تعبیر لی کہ میری یہ کتاب حیات الصحابہ ان ملکوں میں جائے گی۔ لیکن جب بڑے حضرت سے یہ خواب سنایا تو خوش ہو کر تعبیر دیتے ہوئے فرمایا کہ انشاء اللہ ان ملکوں میں تمہارے ذریعہ دعوت کا کام پہنچے گا، لیکن مجھ پر اس وقت بھی کتاب و مطالعہ کا ایسا ذوق غالب تھا کہ میں نے یہ تعبیر سننے کے باوجود دل میں یہی سوچا تھا کہ نہیں ان ملکوں میں میری کتاب جائے گی۔“

دور یوگنی میں آپ کی مثال اس کمانڈر جیسی تھی جو بڑی خاموشی اور سکینہ بی کے ساتھ کسی محفوظ مقام پر

رہ کر اپنے ماتحت عمل کو برابر سحر رکھتا ہو اور وقت و وقت پر ضروری اور اہم ہدایات و مشورے دے کر ان کی قوت عمل اور نقل و حرکت کو بڑھاتا رہتا ہو۔

اور پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب امامت و امارت مرحمت فرمایا اور اس کام کا بار بوجھ تنہا آپ پر آگیا تو آپ نے عزیمت و جدوجہد اور سرفروشی و قربانی کی ایک ایسی عظیم الشان تاریخ رقم فرمائی کہ دنیا والے آج بھی اس پر حیران ہیں کہ گوشہ گمنامی و کنج تنہائی میں رہنے والے اس مرد درویش نے اس قدر کامیاب بین الاقوامی قیادت اور عالمی رہنمائی کیسے کر دی۔

چنانچہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی زاد مجدد آپ کے تیس سالہ دورِ امارت میں ہونے والے عظیم تر اور وسیع تر دعوتی عمل پر اپنے تاثرات و احساسات ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں،

”حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کا ندھلوی جو مولانا محمد یوسف صاحب کے رفیق کار اور داعی اول حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے خاص معتمد علیہ اور تربیت یافتہ تھے، امیر منتخب ہوئے تو ان کے زمانہ امارت اور قیادت میں تحریک نے بڑی وسعت و کامیابی حاصل کی اور وہ دور دراز ملکوں میں پھیلی اور اس نے اپنے اثرات دکھائے۔ اس میں مولانا انعام الحسن صاحب کی استقامت، روح محافظت اور اس جذبہ کو بہت دخل تھا کہ یہ دعوت اپنے اصلی راستہ اور ابتداء کے کار کے معمول بہ نظام اور حدود سے تجاوز نہ کرنے پائے اس لیے انھوں نے اس تحریک کو انھیں حدود اور دائرہ کار میں رکھا جو ابتداء میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے اس کے لیے مقرر کر رکھے تھے۔“ (تعمیر حیات)

اس استقامت، روح محافظت یا بالفاظ دیگر دعوتی بصیرت اور اصابت فکر کی سب سے مضبوط اور پختہ دلیل یہ ہے کہ آپ دین کے کسی ایک ہی شعبہ کے ترجمان اور داعی نہیں تھے بلکہ تمام دینی شعبوں اور گوشوں کی مکمل رعایت اور ان کے حقوق کی ادائیگی

کے ساتھ ساتھ اس دعوت و تبلیغ کے ذریعہ ایک صالح معاشرہ اور اعمال سے مالا مال ایک خالص دینی و روحانی ماحول پیدا کرنا چاہتے تھے چنانچہ آپ مختلف مجالس و اجتماعات میں بڑے اعتماد و وثوق کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ:

”ہم اس دعوت والے کام کے ذریعہ یہ چاہتے ہیں کہ جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے پردہ فرمایا اس وقت جو امت کی (دینی و ایمانی) حالت تھی اس حالت پر تمام امت آجائے۔“

اسی طرح آپ کی دعاؤں میں یہ فقرہ کہ ”اے اللہ اس نقل و حرکت کے ذریعہ دین کے تمام شعبوں کو زندہ فرما“ اس بات کو پورے طور پر واضح کرتا ہے کہ آپ کی نگاہ پورے دین پر تھی اور اس دعوت کے ذریعہ پورے دین کے احیاء کی کوشش آپ کے پیش نظر تھی۔ موجودہ زمانہ میں دین کی حیات کے جتنے شعبے اور طریقے ہیں خواہ وہ درس و تدریس ہو یا تصنیف و تالیف اور وعظ و ارشاد، دینی مدارس اور علمی جامعات ہوں یا سلوک و احسان کی راہ سے تزکیہ و تہلیہ اور سمیت و طریقت، حضرت مولانا کا ان سب شعبوں سے براہ راست اور بہت قریبی تعلق تھا۔ آپ نے حکمت و تدبیر کے ساتھ ہمیشہ اس کی کوشش فرمائی۔ کہ دعوت و تبلیغ کی شکل میں چلنے والا یہ عمل نبوت دین کے ان تمام شعبوں کے ساتھ مربوط ہو کر چلتا رہے تاکہ ایک کو دوسرے سے تقویت پہنچے۔

دعوت و تبلیغ کی راہ سے دین کے معاملہ میں آپ کا طرز فکر صرف اسلام کے چند ارکان کو زندہ کرنا نہیں تھا بلکہ روشن ضمیری کے ساتھ اس دینی غیرت اور ایمانی حرارت کو پیدا کرنا تھا جو ایک مسلمان کو ایمان و یقین کی بھرپور دولت عطا کر کے اعمال و اخلاق کی لائن سے اس کو — اتنا مضبوط کر دے کہ جلوت و خلوت میں اس کا رابطہ برابر خدا کے ساتھ قائم رہے۔ نیز دعوت و تبلیغ کی راہ سے آپ کا اصلی ذوق و وجدان یہ تھا کہ امت کو اعمال صالحہ پر کھڑا کیا جائے اور ان میں دین کے بنیادی و اساسی اعمال نماز، ذکر و تلاوت، تسبیحات، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کا شوق پیدا کیا جائے۔ اسی فکر و نظریہ کے تحت آپ اپنی تقریروں و تحریروں میں اعمال پر خصوصی توجہ صرف فرماتے تھے اور چاہتے تھے کہ امت کے اندر سو فیصد اعمال زندہ ہو جائیں۔ بالخصوص اسلام کے

بنیادی اور اساسی فرض نماز کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ اتنی محنت کی جائے کہ ہر علاقہ میں سو فیصد نمازی بن جائیں۔ ایک موقع پر آپ نے اسی طرز فکر و نظریہ کی وضاحت میں یہ فرمایا تھا کہ ہم تینوں کے زمانہ میں مختلف چیزوں پر زور رہا ہے۔ بڑے حضرت جی (حضرت مولانا الیاس صاحب) کے زمانہ میں آخرت اور جنت و جہنم پر زور تھا، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے زمانہ میں قربانی اور مجاہدات پر زور رہا۔ اور میرے زمانہ میں اعمال پر زور ہے۔

جناب پروفیسر کلیم عاجز صاحب (پٹنہ بہار) دعوت و تبلیغ کی ستر سالہ تاریخ کے آغاز، تقابلی عروج اور عروج، نیز اسکے پہلے دو کمرے اور تیسرے دور کے درمیان باہمی ربط و اتصال کے ساتھ ساتھ ایک لطیف فرق و خط امتیاز اور حضرت جی ثالث مولانا محمد انعام الحسن صاحب کی دعوتی بصیرت اور ان کی حقیقت و معنویت سے بھرپور تقاریر پر اجلی اور صاف ستھری زبان میں اپنا ایک مبنی بر حقیقت تجزیہ ان الفاظ کے ساتھ سپردِ قلم کرتے ہیں :

”قانون ارتقاء کے تین منازل ہیں۔ پہلی منزل آغاز، دوسری منزل تقابلی عروج اور تیسری منزل عروج۔ اب یوں سمجھئے کہ کسی بھی چیز کا آغاز اس کی تخلیقی منزل ہے۔ تقابلی عروج اس کا دور نشو و نما ہے۔ اس کے بعد شباب ہے جہاں پہنچ کر نشو و نما رک جاتا ہے اگر فکر ہے شباب کو قائم رکھنے کی کوشش ہوئی تو شباب کا ٹھہراؤ قائم رہتا ہے اور شباب کی کوئی معین مدد نہیں ہے۔ یہ حالات پر قابو پانے کے وسائل پر منحصر ہے ورنہ کمال کے بعد زوال کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ حضرت مولانا الیاس صاحب کا دور اس محنت کے آغاز اور اس کے نشو و نما کا تھا۔ حضرت مولانا یوسف صاحب کا آخری دور اور حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب کی امارت کا اول دور اس محنت کے شباب اور عروج کا ہے، ۱۹۱۹ء کے بعد مجھے ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ حضرت جی ثالث کی فکر اس شباب کے ٹھہراؤ کو قائم رکھنے کی طرف بہت مائل ہے ان کی ہر بات اور گفتگو سے یہ حقیقت

مترشح ہوتی تھی کہ اب وہ کام کے پھیلاؤ سے زیادہ کام کرنے والوں میں ان صفات کو پیدا کرنے کی طرف متوجہ ہیں جن کے ذریعہ اس محنت کے شباب میں ٹھہراؤ اور استحکام پیدا ہو سکتا ہے۔ جماعتوں کی روانگی کی ہدایات میں بس ایک ہی پیغام ان کا نظر آ رہا تھا کہ قربانی کے معیار کو تیز کرتے ہوئے خدا کے تعلق کو بڑھاتے ہوئے، اعمال میں اخلاص پیدا کرتے ہوئے تقویٰ کی صفت سے خود کو آراستہ کرتے ہوئے مخلوق خدا میں اس محنت کو عام کرو۔ میرے حافظہ میں اس کے علاوہ اور کوئی مرکزی پیغام حضرت جی کے ارشادات اور ہدایات میں نظر نہیں آتا۔

حضرت مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ کی امارت کا بالکل آغاز تھا کہ بخجور میں اجتماع کی تاریخ آگئی، اجتماع کی تیاری زور و شور سے ہو رہی تھی میں بھی قافلہ کے ساتھ بخجور روانہ ہو گیا۔ دوسری صبح سے اجتماع شروع ہوا اس اجتماع میں آخری دن پھر حضرت جی کا مختصر بیان ہو کر دعا ہوئی اس نہایت مختصر بیان نے میرے حافظہ میں یہ بات محفوظ کر دی کہ حضرت جی کا بیان تقریر نہیں ہے بلکہ وہ کام کا خلاصہ بیان فرما دیتے ہیں، سادہ جملے اور گئے چنے چند جملے جن میں حقیقتوں کی روح سمائی ہوئی ہوتی۔ جیسے اردو شاعری میں میر تقی میر کے سادہ اشعار، ان اشعار کی سادگی اور مختصار و ایجاز کا یہ حال ہے کہ غالب کے زمانہ کے چند اساتذہ جن میں صدر الصدور صدر الدین آزر دہ، حکیم آغا جان، عیش مومن خاں مومن وغیرہ ایک دن ایک ساتھ میر کے ایک شعر پر غزل یا شعر لکھنے کو بیٹھے اسی دوران ایک مشترک دوست ان حضرات کے پاس آگئے اور پوچھا کہ کیا ہو رہا ہے تو صدر الدین آزر دہ نے کہا کہ قل ھو اللہ کا جواب لکھ رہے ہیں اور وہ شعر یہ تھا کہ ایک جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے دامن کے تار اور گریباں کے تار میں

اس اجتماع میں ظہر کے بعد خواص کا ایک اجتماع ہوا۔ جس میں پرانے کام کرنے والے بھی تھے وہاں میں نے حضرت جی ۷ کو بالکل قریب سے آمنے سامنے دیکھا ان کی آنکھیں دیکھیں اور بھر پور دیکھیں جنہیں پہلے بھی دور سے دیکھا کرتا تھا۔ نزدیک سے غور سے دیکھا تو ایسا لگا کہ میں ان آنکھوں کے استھانہ سمندر میں ڈوب جاؤں گا میں ان آنکھوں کے اندر کی وسعت بیان نہیں کر سکتا۔ میں نے اس کی تعبیر اس وقت یہی لی کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور حضرت مولانا یوسف صاحب کے زمانہ میں محنت جہاں سے چل کر جہاں تک پہنچی اور اب جو چل رہی ہے وہ سب ان وسیع اور بسیط آنکھوں میں محفوظ ہے جسے کوئی خزانے کو محفوظ رکھنا چاہے میں نے مولانا یوسف صاحب کی آنکھیں بھی دیکھی ہیں، ایک داعی اور ایک مجاہد کی آنکھیں بے خوف اور بے نیاز جیسے کسی نے دنیا کو تول کر دیکھا اور پھر حقارت سے بے وزن سمجھ کر پھینک دیا جس کی زندگی میں نہ کسی کی اہمیت داخل ہوتی ہے نہ کسی کی قیمت، نہ کوئی خوف نہ خطرہ اُن کی آنکھوں میں مجھے علامہ اقبال کے اس شعر کی تصویر نظر آئی ہے

آئین جو انمردی، حق گوئی و۔۔۔ بے باکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اور حضرت جی ثالث ۷ کی آنکھوں میں مجھے بے اختیار علامہ اقبال کا یہ شعر جھلکتا تھا۔

باغ بہشت سے مجھے اذن سفر دیا تھا کیوں

کار جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

مجھے حضرت جی کی آنکھوں میں یہی کار جہاں دراز ہے کی وسعت

اور پنہانی نظر آئی تھی کہ دنیا بھر میں ہونے والا یہ کام اتنا بڑھ گیا ہے اب

اس کو کیسے سنبھالا جائے، اسے کس طرح محفوظ رکھا جائے۔ اس درد

وکر پھن نے آپ پر فہم کا اور بصیرت کا دروازہ کھولا۔ حضرت مولانا الیاس صاحب نے اس محنت کو فکری دولت عطا کی۔ حضرت مولانا یوسف صاحب نے اس محنت کو عجیب و غریب زبان بخشی، اور حضرت جی ۲ نے اس محنت کو بصیرت کی پونجی سے نوازا۔ بہت سے نکتے بہت سے معنویت سے لب لب جملے فرماتے رہتے تھے جن کا مفہوم عموماً یہی ہوتا تھا کہ اب کام کو سنبھالنے اور محفوظ رکھنے کی بہت ضرورت ہے۔ حضرت جی ۲ کی کم سخن بلکہ خاموشی اس حقیقت کی دلیل معلوم ہوتی ہے کہ بہت کچھ کہا جا چکا بہت کچھ بولا جا چکا وہ بول محفوظ ہیں کانوں میں بھی اور دلوں میں بھی۔ اب۔ الفاظ کی زیادہ ضرورت نہیں، اب نہ زبان کو زیادہ بولنے کی ضرورت نہ خیمہ و خرگاہ کی ضرورت، نہ مال و سامان کی ضرورت، اب تو آہ نیم شبی اور نالہ سحرگاہی کی ضرورت ہے۔ دل بے نیاز و مستغنی کی۔ ضرورت ہے، خاموش قربانی اور محنت کی ضرورت ہے اب یہی چیزیں روشن ضمیری اور بصیرت پیدا کریں گی اور یہی سامان اس کے استحکام کا ذریعہ بنے گا۔

میں تو بہت غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں اور یہ سمجھا ہوں کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا دور ”فکر کا دور“ تھا اور حضرت مولانا یوسف صاحب کا دور جوش کا تھا اور حضرت جی ۲ کا پورا دور ہوش پر مبنی تھا اس دعوتی محنت کے معاملہ میں حضرت جی کی بصیرت بڑی قابل رشک تھی۔ ہم لوگوں پر کبھی کبھی حیرت و استعجاب اور خوشی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی جب ہمارے سامنے حضرت جی ۲ سے کوئی استفسار کیا جاتا اور حضرت ایک یا دو جملے ایسے فرمادیتے کہ اس موضوع پر اس سے بہتر جواب ناممکن تھا اور کبھی وہ مختصر وضاحت فرمادیتے تو وہ جواب فراست اور بصیرت کا بہترین مرقع ہوتا۔ مرکز کے بعض اجاب اس مختصر وضاحت کو ”کھولنے“

کے لفظ سے تعبیر کرتے تھے کہ حضرت نے پھر اس جملہ کو اس طرح کھولا تو یہ
کھولا (لفظ) ایسا ہی لگتا جیسے کہ فراست اور بصیرت کی کوٹھری کا گویا دروازہ
کھل گیا

اب کیا بتلائیں کہ اُن کے چلے جانے کے بعد رہ رہ کر یہ خیال آتا ہے کہ —
ہم نے حضرت جی سے محبت تو کی ہے لیکن کام کے سلسلہ میں حضرت کی منشاء
فراست و بصیرت سے کم فائدہ اٹھایا ہے۔ دوسرے معنوں میں یہ کہ ہم نے
حضرت جی کی قدر نہیں کی اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے آمین۔
حضرت جی کی دینی و فکری اور دعوتی بصیرت سے استفادہ نہ کرنے کا ایک
بدبشاید یہ بھی ہو کہ حضرت جی کی ذات و شخصیت میں جو کشش تھی وہ کبھی کبھی
ہمارے ذہن و قوت کارکردگی کو مفلوج کر دیتی تھی۔ اور شخصیت کی اس
کشش کے بہت سے واقعات میرے دماغ و حافظہ میں محفوظ ہیں۔“



دعوتی ذہن و فکر کی تعمیر و تشکیل، نیز پوری دنیا میں پھیلے ہوئے لاکھوں لاکھ اصحاب
دعوت و تبلیغ کے معاملات سمجھنے اور — انکو مشورہ دینے، الجھے ہوئے مسائل میں دنیا بھر کے مراکز
تبلیغ اور ان میں متعین و نامزد اصحاب شوریٰ کو اپنی اجتماعیت برقرار رکھنے اور کام کو صحیح
ہنج پر چلاتے رہنے کے لئے جو زریں ہدایات اور قیمتی مشورے آپ عمر بھر دیتے رہے انکا
ایک منتخب نمونہ اور جامع مرقع اس باب میں پیش کیا جاتا ہے

ارشادات و فرمودات اور اصول و آداب کی وضاحت میں پیش کی جانے والی یہ
تمام تفصیلات جن سے آپ کی دعوتی فہم و بصیرت بخوبی آشکارا ہوتی ہے (آپ کے مرکبات
و ارشادات و فرمودات اور تقاریر کے اہم اور مفید اقتباسات سے ترتیب دی گئی ہے۔
اللہ جل شانہ، وعم نوالہ ان تمام احباب دعوت و اصحاب تبلیغ کو جزائے خیر عطا فرمائے جن کی

لہ اقتباس مکتوب پروفیسر صاحب موصوف بنام مصنف کتاب

ارسال کردہ معلومات سے یہ مضمون مرتب ہوا۔

دعوت و تبلیغ کے چھ نمبر

دعوت و تبلیغ کے چھ نمبر (یعنی کلمہ، نماز، علم و ذکر، اکرام مسلم، اخلاص نیت، اور تفریع وقت) کے متعلق بعض ناواقف لوگوں کا تاثر یہ ہے کہ دین کو ان ہی چھ باتوں میں محدود و منحصر کر دیا گیا ہے حضرت مولانا اس کی تردید کرنے کے بعد ان چھ نمبروں کی غرض و غایت اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

”ہماری اس دعوت کی غرض جمیع ماجارہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زندگیوں میں آجانا ہے۔ وہ نا سمجھ ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ ہم نے دین کو چھ نمبروں میں محدود کر دیا ہے۔ اس دعوت کی غرض یہ ہے کہ حضور پاک علیہ السلام جو کچھ لے کر آئے ہیں وہ زندگیوں میں آجائے۔ ان چھ نمبروں کی محنت کی غایت بھی یہی ہے۔ احکامات الہیہ میں ادنیٰ و اعلیٰ ہونا یہ ایک دوسرے کے اعتبار سے ہے باقی نفس عمل کے اعتبار سے کوئی ادنیٰ نہیں ہے آج کل لوگ کہہ دیتے ہیں کہ میاں سنت ہی تو ہے ایک عارف کا قول یہ ہے کہ ہاں وہ تو سنت ہے لیکن تمہارا ہیجہ کا فرمانہ ہے ایک موقعہ پر فرمایا کہ یہ چھ نمبر مقررہ بنانے کے لئے نہیں بلکہ اس لئے ہیں کہ ان کے ذریعہ خدا کا یقین اور معرفت حاصل کرنے کی منکر پیدا ہو۔ یہ چھ نمبر پورے دین پر چلنے کی استعداد پیدا کرنے کے لئے ہیں۔ ان پر محنت کرنے سے جتنا ایمان بڑھے گا اتنا ہی خدا کے احکامات پر چلنے کی استعداد پیدا ہوگی اور جتنا ایمان میں صنف آئے گا اتنا ہی خواہشات پر چلنے کا مزاج بنے گا۔“

حضرت مولانا اپنی تقریروں اور مجلسوں میں مختصر اور بچے تلے الفاظ میں ان چھ نمبروں کو اس طرح بیان فرمایا کرتے تھے۔

”کلمہ اور نماز کو لے کر علم الہی اور ذکر الہی کے ساتھ اپنا حق معاف کرتے ہوئے اللہ کی مخلوق کا حق ادا کرتے ہوئے اللہ کو راضی کرنے کی نیت سے گلی درگلی پھریں گے محلہ در محلہ پھریں گے، گاؤں در گاؤں پھریں گے۔“

حضرت مولانا نے مختلف مواقع پر ان چھ نمبروں کی جو توضیح و تشریح فرمائی ہے اس کو ترتیب وار یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ کلمہ

فرمایا: کلمہ ایک زندگی لئے ہوئے ہے۔ اس کے اندر اللہ جل شانہ نے برکات و انوار رکھے ہیں۔ کلمہ والی اور ایمان والی زندگی یہ ہے کہ اللہ کے حکم اور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقے پر عبادت، معاشرت اخلاق اور معاملات آجائیں۔ ایمان کے اندر قوت اعمال سے آتی ہے اور نافرمانی اور گناہ سے ایمان کمزور ہو جاتا ہے۔

فرمایا: کلمہ کا ظاہر اس کے الفاظ کا ٹھیک ہونا ہے اور اس کا باطن یہ ہے کہ اس کا مفہوم اور یقین دل میں جم جائے۔ کلمہ جنت کی کنجی ہے۔ اور باقی اعمال اس کے دندائے ہیں۔ توجب یہ جنت کی کنجی ہے تو بلا محنت کے کیسے حاصل ہو گا۔ آج ہمارا کلمہ کے اوپر یقین اتنا کمزور ہے کہ وہ ہمیں حرام سے بھی نہیں روک پارہا ہے۔ اس پر محنت کی جائے تاکہ اس میں حقیقت آئے۔

فرمایا: ہمارے کام کی جان قربانی اور اخلاص ہے۔ قربانی ہو اور اللہ کے لئے ہو۔ تعیش، سہولت پسندی اور اغراض نہ ہوں۔ یہ ہمارا کام ہر طبقہ اور ہر ملک کیلئے ہے۔ اور سب کے لئے پہلی سیڑھی کلمہ ہے۔ کلمہ کے درجات لا محدود ہیں، لا مبود الا اللہ سے شروع ہو کر انتہائی ترقی کر کے لا موجد الا اللہ تک پہنچتا ہے۔

۲۔ نماز

فرمایا: نماز کی لائق سے عبدیت والا تعلق درست ہوتا ہے۔ ذکر و تسبیح سے خدا کا دھیان جلتا ہے۔ کلمہ کی دعوت سے یقین صحیح ہوتا ہے۔ اکرام اور خدمت گزاری سے خدا کی مخلوق کے ساتھ معاشرت اور برتاؤ درست ہوتا ہے۔ ذکر و نماز سے خالق کے ساتھ تعلق ٹھیک ہوتا ہے اور اکرام سے مخلوق کے ساتھ کا تعلق ٹھیک ہوتا ہے۔ کلمہ اور یقین سے خالق و مخلوق دونوں کا تعلق ٹھیک ہوتا ہے اور تعلیم کے حلقوں میں بیٹھنے سے اعمال کی قیمت کا پتہ چلتا ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا: نماز پورے دین پر چلنے کے لئے مثل دروازے کے ہے۔ نماز

کے فریضہ پر اگر عمل کر لیا جائے تو خدا سے پاک بقیہ دین پر عمل کرنے کی توفیق دیں گے۔ نماز کو جی لگا کر پڑھنا اور نماز کو جاندا بنانے کی محنت کرنا بہت ضروری ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا صلواکم ایتموونی اُصلی، یعنی ظاہر اور اندرون کے اعتبار سے میری طرح نماز پڑھو، نماز عملی کلمہ ہے۔ کلمہ میں اللہ کی عبادت کو آپ کے طریقہ پر کرنے کا اقرار ہے۔ اور نماز اس کی عملی مشق ہے۔ علماء کرام نے لکھا ہے کہ نماز منکرات سے روکنے کا سبھی طریقہ کے بجائے ایجابی طریقہ ہے۔

ایک مرتبہ نماز کی ترغیب پر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تارک صلوٰۃ کے استخفاف کے بجائے اس کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ ہونا چاہئے۔ شفقت و محبت کے ساتھ اس کو اللہ کے اس فریضے پر لانے کی کوشش کرنا ہے۔ نماز اتنی قیمتی چیز ہے کہ اللہ نے دیگر احکامات تو حضرت جبریل کے ذریعہ دنیا میں بھیجے لیکن نماز اپنے نبی کو معراج میں اپنا قرب خاص عطا فرما کر رحمت فرمائی۔

(۳) علم و ذکر

فرمایا! ہر چیز کا ایک ظاہر ہے، ایک باطن۔ ذکر کا ظاہر تسبیح پڑھنا ہے اور اس کا باطن یہ ہے کہ جو پڑھ رہا ہے اس کا دھیان ہو، اسی طرح تعلیم کا ظاہر کتاب پڑھنا ہے اور اس کا باطن یہ ہے کہ ان کیفیات کے ساتھ بیٹھے جو اس کتاب میں بتلائی اور پڑھی جا رہی ہے۔

فرمایا! جتنا فضائل کا علم آتا جائے گا اتنا ہی ان عملوں پر چلے گا جن سے خدا تعالیٰ راضی ہوتے ہیں۔ بارش کا پتھر پر اثر نہیں ہوتا، زمین پر ہوتا ہے۔ دل کی سختی پتھر سے زیادہ سخت ہے۔ دل نرم ہو گا تو بات اثر کرے گی۔ اللہ کا نام لینے سے دل نرم ہوں گے۔ توحبت و دوزخ کی بات دل میں اثر کرے گی۔ دل میں نرمی لانے کے لئے اللہ پاک کا نام لینا ہے، تسبیحات کی پابندی کرنی ہے۔

دل کے اعتبار سے نفس اثبات یعنی اللہ سے ہونے کا اور مخلوق سے نہ ہونے کا یقین سیکھنا ضروری ہے۔

فرمایا۔ تعلیم سے دل میں نور اترنے کی استعداد پیدا ہوتی ہے اور مجاہدات سے

وہ نور راسخ ہو جاتا ہے۔ تعلیم و غوث کا نور ہے۔ تئیش و آرام طلبی سے استعداد نہیں بنتی۔ بلکہ مجاہدہ سے استعداد پیدا ہوتی ہے۔

فرمایا۔ فضائل علم کا تعلق ایمانیات سے ہے۔ آج ہمیں اس کی قیمت کا پتہ نہیں ہے ہر چیز کی قیمت معلوم ہے لیکن دینی عمل کی قیمت کا پتہ نہیں ہے۔ ذکر میں سب سے اونچی چیز لا الہ الا اللہ ہے لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ اس پر خدا کے یہاں سے کیا ملتا ہے۔ ساری دنیا کو سونے سے بھر دیا جائے تو اس سے آدمی دوزخ سے نہیں بچ سکتا۔ لیکن اس کلمہ کو سچے دل سے کہنے پر وہ دوزخ سے بچ جائے گا۔

فرمایا۔ اجتماعی و انفرادی اعمال اللہ جل شانہ کے ذکر کے ساتھ اور اللہ کے وعدوں پر یقین کے ساتھ اگر کئے جائیں تو اس سے ہمارے اندر نور کی کیفیت پیدا ہوگی۔

فرمایا۔ ذکر کا اہتمام کیا جائے۔ جتنا ذکر اہتمام سے کیا جائے گا اتنا دھیان پیدا ہوگا اور جتنا دھیان پیدا ہوگا اتنا ہی خدا کا حکم پورا کرنے کی فکر ہوگی، اور جتنی فکر ہوگی اتنا ہی صحیحہ کرنے کا خیال ہوگا۔

فرمایا۔ اکرام کے معنی یہ ہیں کہ حقوق سے زیادہ دے، تب تو اکرام (۲) اکرام مسلم کہلایا جائے گا۔ ورنہ حق کی ادائیگی، تو ما واجب کی ادائیگی ہوتی ہے اور اکرام ما واجب سے آگے کی چیز ہے۔ اکرام کی مشق ہو تو حقوق کی ادائیگی آسان ہو جاتی ہے، آج تو ہم لوگوں سے حق ہی کی ادائیگی نہیں ہوتی۔ پھر بھلا اکرام جو اس سے آگے کی چیز ہے وہ کیسے ہوگا؟

فرمایا۔ اکرام کا ظاہری پہلو یہ ہے کہ مخلوق پر شفقت اور ترس کھائے۔ اور دنیاوی تکلفوں سے اس کو بچا کر اس کو سہولت پہنچائے۔ اور اکرام کا باطن یہ ہے کہ اس کو آخرت کی مصیبت سے بچانے کی فکر کرے۔ یہ ساری چلت پھرت ظاہر اکرام اور باطن اکرام کو دل میں اتارنے کے لئے ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ ظاہر میں پابند شریعت بنے اور باطن میں اس کے اتارنے

کی شکر کرے، یعنی ظاہر سے شروع کر کے باطن تک پہنچے۔

فرمایا۔ اخلاق کی درستگی سے غیروں کے لئے اسلام کا دروازہ کھلے گا۔ اور آپس کے اختلافات دور ہوں گے۔ اس لئے اخلاق کی درستگی اور حقوق کی ادائیگی کی شکر کرو۔

فرمایا۔ اکرام کا مسئلہ بڑا نازک ہے۔ ذرا سی بے اکرامی سے اعمال کا ثواب دوسروں کو مل جاتا ہے۔ قیامت کے دن ایک آدمی لایا جائے گا جس کے ساتھ صدقات غیرات، نماز، روزہ سب کچھ ہو گا۔ لیکن کسی کو گالی دی ہو گی، کسی کا حق دیا ہو گا، تو وہاں اس کے یہ اعمال ان لوگوں پر تقسیم کر دیئے جائیں گے اور یہ نیکیوں والا خالی ہاتھ کھڑا رہ جائے گا۔ اس لئے اپنے اعمال کی حفاظت کے لئے بھی اکرام کی مشق ضروری ہے۔ کسی کے ساتھ بے توقیری اور بے اکرامی نہ کی جائے بلکہ اکرام کے ساتھ اس کو دعوت دی جائے۔

دہ) اخلاص نیت

فرمایا۔ اخلاص یہ ہے کہ خدائے پاک کو راضی کرنے کیلئے اعمال کئے جائیں اور اخلاص دعویٰ کی چیز نہیں ہے، بلکہ حاصل کرنے کی چیز ہے۔ اللہ نے اخلاص کے بارے میں فیصلے کا کسی کو اختیار نہیں دیا۔ قیامت کے دن اللہ ہی اس کا فیصلہ کریں گے۔ اخلاص کے بارے میں ہر ایک کو فکر مند ہونا ہے۔ اور موت سے پہلے پہلے اس کو حاصل کرنا ہے۔

فرمایا۔ اخلاص نیت آسان بھی ہے اور نازک بھی ہے، اس کی نزاکت کا ہر وقت شکر کرتے رہنا چاہئے۔ ذرا سی بے پرواہی سے بات جاتی رہتی ہے۔ اپنی کوتاہیوں کو سامنے رکھ کر دعائیں مانگتے رہیں۔ اور اپنی بساط بھر کوشش کرتے رہیں موت تک بھی اگر نیت صحیح ہو جائے اور قبولیت حاصل ہو جائے تو ہم کامیاب ہیں۔ بس لگے رہنا ہے اور صحیح عمل اور صحیح نیت کی کوشش کرتے رہنا ہے۔ اللہ پاک سے امید ہے کہ وہ قبول فرمائیں گے۔

ایک مرتبہ امریکہ کے کام کرنے والے احباب کا مرکز میں جوڑ تھا۔ اس میں نیت کی درستگی

اور تواضع پر متوجہ کرتے ہوئے فرمایا :

”اگر تمہارے اندر نیت صرف دوسروں کی اصلاح کی ہوگی تو اپنی اصلاح سے غافل ہو جاؤ گے۔ پھر چاہے کام زیادہ ہوتا ہوا نظر آئے لیکن کام میں جان نہیں ہوگی۔ کام میں جان آتی ہے کام کرنے والے کے تواضع کرنے سے اور اپنے آپ کو محتاج سمجھنے سے۔ ایک موقع پر جب کہ پوری دنیا کے کارکن ہنگلہ دیش ریکرائل مرکز میں جمع تھے ،

اخلاص کی اہمیت ضرورت پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا :

”سب سے پہلی چیز اخلاص ہے۔ اس کو ٹٹولتے رہنا ہے، اس کی منکر اور کوشش میں لگے رہنا ہے۔ اور یہ اخلاص ایسی چیز ہے کہ کسی بھی وقت میں جا کر اس سے مطمئن نہ ہونا بلکہ موت تک اس کی منکر اور اس کی کوشش کرتے رہنا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس بات سے ہمیشہ ڈرتے تھے کہ کہیں ہم منافق تو نہیں ہیں۔ ابن ابی ملیکہ ایک تابعی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ لقد ادرکت ثلاثین من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلہم یخاف النفاق علی نفسہ ، یعنی میں تیس صحابہ سے ملا ہوں لیکن وہ سب کے سب اپنے اوپر نفاق سے ڈرتے تھے۔ لہذا اپنے بارے میں یہ اطمینان اور اعتماد کر لینا کہ میں تواخلاص ہی سے کر رہا ہوں اس کا ہمیں حق نہیں ہے۔ یہ فیصلہ تو خدائے پاک فرمائیں گے کہ کون اخلاص والا ہے۔ اور کون اعراض والا ہے۔ بس ہمیں تو ہر آن اسی ٹوہ اور اس فکر میں رہنا ہے کہ ہماری کوئی عرض تو اس میں شامل نہیں ہو گئی۔ اپنے اوپر مطمئن ہو جانا خسارہ کا راستہ ہے۔ خلا یا من مکروا لئلا القوم الخاسرون ،

نیت کی بلندی کی طرف متوجہ کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا : آدمی محنت تو اتنی کرے جتنی اس کے بس میں ہے لیکن نیت اونچی رکھنی چاہئے اس لیے کہ اللہ جل شانہ نیت کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں جس وقت جس طرف ضرورت ہو اس وقت ادھر کی ضرورت پوری کرنا اجر کو بڑھا دیتا ہے۔

ایک موقع پر اخلاص کے ساتھ اس دعوتی عمل میں لگنے سے اپنے اندر پانچ صفات پیدا ہونے کو اس طرح بیان فرمایا :

اخلاص کے ساتھ اگر لگیں رہیں گے تو ہمارے اس دعوت کے کام سے عبادات میں جان پڑے گی، معاملات درست ہوں گے، معاشرت صحیحہ اور پاکیزہ بنے گی، اخلاق بلند ہوں گے اور ایمانیات میں پختگی آئے گی۔ یہ کام اگر اخلاص کے ساتھ کریں گے تو ان پانچوں اعمال میں طاقت آئے گی، ہمارے معاملات ایسے ہوں کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ تبلیغ والے، یہ دعوت والے ہیں۔ ہر کام کرنے والا اپنے اندر غور کرے کہ یہ پانچوں چیزیں — میرے اندر آرہی ہیں یا نہیں اگر نہیں آرہی ہیں تو اپنے اوپر محنت کر کے ان کو اپنے اندر لانا ہے جو جتنی محنت کرے گا اتنی ہی ترقی کرے گا۔

یہ دعوت والا عمل اندر کی صفات اخلاص اور سچائی کے ساتھ چلے گا چاہے ظاہری اسباب کی کمی ہو، اس راہ میں اپنی کمی پر اور خامی پر نظر کرنا ہی کمال کا ذریعہ ہے جو شخص اپنی کمی پر نظر نہیں کرتا اس میں کمال بھی پیدا نہیں ہوتا۔

ایک مجلس میں جس میں اہل علم بھی موجود تھے اور کارکنان بھی تھے۔ ارشاد فرمایا۔ اس کام کی جان اخلاص اور استخلاص میں ہے، اخلاص کے ساتھ اگر یہ کام کیا جا رہا ہو، چاہے وہ تھوڑی ہی ہو تو وہی اصل ہے۔ اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے لیے کیا جا رہا ہو اور یہ اخلاص ہر عمل میں آرہا ہو۔ اور دوسری چیز استخلاص ہے وہ یہ ہے کہ یکسوئی کے ساتھ اس کام میں لگے رہیں کسی دوسری طرف نہ جائے اگر کوئی ٹانگ پکڑ کر کھینچے تو بھی نہ جائیں۔

جو اپنے جذبات کو اللہ کے دین کے تقاضوں پر اخلاص کے ساتھ قربان کر دے۔ اللہ کی مدد اس کے ساتھ ہو جائے گی۔ انسان جب طبیعت کے خلاف اللہ کے دین کے تقاضوں پر قدم اٹھاتا ہے تو ظاہر کے خلاف اللہ کی مدد آجاتی ہے، دین کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے چلیں گے تو اللہ تعالیٰ ہماری ضروریات کا غیب سے تکمیل فرمائے گا اللہ تعالیٰ نے جو زندگی گزارنے کا طریقہ بتایا ہے وہی دین ہے، دین سراسر عمل ہے وہ باتوں کا نام نہیں ہے کام کا نام ہے۔

(۶) **تفريغ وقت** فرمایا مال اور جان کو مسلمان اپنی ملک سمجھ کر خرچ نہ کرے بلکہ جان و مال کو اللہ کی امانت سمجھے اور خدا کے حکم کو سامنے رکھ کر اپنا وقت

فارغ کر کے اس کو خرچ کرے۔ جان و مال کا سب سے مقدم خرچ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہے۔ پھر امت کی ضرورتوں اور احوال پر خرچ کرنا ہے۔ یہ چار ماہ اور چلہ اس کے مشق کے لئے ہے کہ پوری جان اور مال اللہ کے حکم پر خرچ کرنا آجائے

دعوت اور داعی حضرت جی کی زندگی کا اصل مقصد اور نصب العین دعوت تھا۔ چنانچہ آپ کے تمام اعمال و اشغال اسی کے گرد گھومتے

تھے۔ آپ خواہ سفر میں ہو یا حضر میں یہی منکر و جذبہ آپ پر طاری رہتا تھا۔ اور قانون الہیہ یہ ہے کہ وہ منکر پر دروازہ کھولتے ہیں۔ چنانچہ دنیا جانتی ہے کہ اسی فکر اور کڑھن کے صلہ میں آپ پر اللہ جل شانہ نے کیسے کیسے ابواب خیر مفتوح فرمائے۔ اور دعوت کے کیسے کیسے حکیمانہ طور و طریقے آپ پر منکشف فرمائے۔

اس مقام پر دعوت — اور داعی کے تعلق سے آپ کے ارشادات و فرمودات کا ایک انتخاب پیش کیا جاتا ہے امید ہے کہ دعوت سے وابستہ حضرات ان سے پورا فائدہ اٹھائیں گے۔

ایک موقع پر دعوت کی حقیقت اور اس کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔

”دعوت وہ محنت ہے کہ جس کے کرنے سے خدا کے بندوں میں ایمانی زندگی آجائے۔

اس محنت کے کرنے والوں کو تکلیف اور مشقت جھیلنی پڑتی ہے۔ جیسے حضور پاک

صلی اللہ علیہ وسلم نے جھیلی اور برداشت کی، یہاں تک کہ جان پر بن آئی۔ پھر خدا نے ہجرت

کی اجازت مرحمت فرمائی۔ یہ دعوت لقمہ تر نہیں ہے کہ ہر ایک نگل لے، مگر جھیلنی پڑتی

ہے اپنوں کی بھی اور غیروں کی بھی۔ حضور پاک علیہ السلام نے ایسی جھیلی کہ فرشتے

بھی چلا اٹھے۔ یہاں تک کہ اپنی ضروریات زندگی میں بھی سہنا پڑتا ہے چنانچہ حضور پاک علیہ السلام

کے گھر میں دو دو ماہ تک آگ نہیں جلتی تھی۔ جو لوگ اس دعوت والے کام کے ذمہ دار

سمجھے جاتے ہیں ان کو دنیا کے ٹھیکروں میں نہیں الجھنا ہے۔ بلکہ جھیلنا ہے اور آگے بڑھنا ہے

اور یہ محنت اس نیت سے کرنا ہے کہ وہ زندگی عام ہو جائے جس پر پڑ کر انسانیت جنت کے راستے پر چلتی ہے۔

ایک مرتبہ کارکنان ہند کے اجتماع (مفقذہ ۱۲ مارچ ۱۹۸۲ء) میں دعوت کی نزاکت اور اس کو مسموم کرنے والی چیزوں کی وضاحت اس طرح فرمائی۔
دعوت یہ ایمانی ثمرات حاصل کرنے کے لئے زمین کا تیار کرنا ہے اور اس کی زمین ہمارے قلوب ہیں۔ جتنی زمین ہموار ہوگی، ایمانی پودے اتنی ہی جڑ پکڑیں گے۔ جو زمین جتنی نازک چیز کے لئے تیار کی جاتی ہے اسکی اتنی ہی حفاظت کی جاتی ہے۔ دل کو گندہ اور بدبودار کرنے والی چیز حب جاہ اور تکبر ہے، اس دعوت کے ذریعہ دنیا کی حقیر چیزیں کمانا تو کمینگی ہے۔ اس دعوت کو چیزوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا جائے گا، تو اللہ جل شانہ اس کو ذلیل فرما دیں گے۔

دعوت کا کام صرف اللہ کے لئے ہو گا اور سادگی کے ساتھ ہو گا، اس کے متعلق فرماتے ہیں:

”اللہ کو سامنے رکھ کر دعوت کا کام کیا جائے، تعلیم کی جائے اور نماز پڑھی جائے۔ فتنوں کا زمانہ ہے۔ نئے نئے چاروں طرف سے امنڈ رہے ہیں۔ اس لئے اس کام کو اگر سادگی کے ساتھ کرتے رہیں گے۔ تو اللہ جل شانہ حفاظت فرمائیں گے۔ اور کام کے اندر بھی برکتیں عطا فرمائیں گے۔“

ساتھ، یکسوئی کے ساتھ ان عملوں میں لگے رہو اور فتنوں سے اس کام کو بچاتے رہو۔ ورنہ یہ فتنوں میں گھر جائے گا۔ اس کام کو کرنا ہے اور اس میں سادگی کو ملحوظ رکھنا ہے۔ یہ سادگی ہی اس کا جوہر ہے اور اسی سادگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عموماً کا دروازہ کھولیں گے۔ باریکیوں والی چیز عموماً نہیں ہو سکتی۔ یہ دعوت ایک ایسی عموماً چیز ہے کہ ہر ایک ایمان والا اس کو کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ سادگی کے ساتھ ہو اور پابندی کے ساتھ ہو، گشتِ ناغہ نہ ہو رہا ہو۔ سہ روزہ کا اہتمام ہو رہا ہو۔ اور سال کا پہلہ ناغہ نہ ہو رہا ہو اور ان سب کو کر کے اپنی بڑائی نہ سمجھ جا رہی ہو۔ مختصر یہ کہ کام کرنا اور اصول و آداب کیساتھ

کرنا ہے اپنی صفات کو اجاگر کرنا ہے اور کھوکھلا ہونے والی باتوں سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔
ایک مجلس میں دعوت کا کام کرنے والوں کو دو باتوں پر خاص طور سے اس طرح
متوجہ فرماتے ہیں۔

”دعوت کا کام کرنے والے دو باتوں کا خاص خیال رکھیں۔ ایک قربانی کی مقدار
کو بڑھاتے رہیں اور دوسرے اپنے کو اور اپنے کئے ہوئے کام کو کمتر سمجھ کر خدا کی بارگاہ
میں معافی مانگتے رہیں۔ اپنے کئے کو اگر اپنی ہنرمندی سمجھنے لگے تو خطرہ ہے۔ لہذا غرہ نہ کرو اور
اپنی ہنرمندی کا ثمرہ نہ سمجھو۔“

ایک مرتبہ آیت شریفہ ولتكن منكم امة يداعون الى الخير، تلاوت کرنے کے
بعد فرمایا:

”پوری امت کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ وہ اتنے آدمی تیار کرے جو پوری امت
کی دعوت کے لئے کافی ہو جائیں۔ فرض کفایہ فرض عین سے بھی زیادہ قابل فکر ہے، کیونکہ
فرض عین تو جو ادا نہیں کرے گا وہی گنہگار ہو گا اور فرض کفایہ ادا نہ ہونے کی صورت میں
سب گنہگار ہوں گے۔ نیز اس آیت شریفہ میں امر بالمعروف پر یدعون الى الخير کو
مقدم فرمایا جس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلا درجہ دعوت کا ہے، جب تک ایسی جماعت نہ بن
جائے۔ جو پوری امت کے لئے کافی ہو تو اس وقت تک پوری امت کے ذمہ اس کا
منکر ضروری ہے۔“

اجتماع چاند پور ضلع بجنور (منعقدہ ۵ اربشہان ۱۳۹۵ھ) میں علماء و خواص کی ایک
مجلس میں جس میں حضرت مولانا نسیم احمد صاحب فریدی مرحوم بھی موجود تھے، دعوت اترکیہ
اور تعلیم کے عنوان پر فرمایا:

”اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے هو الذی بعث فی الامیین رسولاً منهم یتلو
علیہم اياته و یزکیہم و یعلمہم الکتاب و الحکمتا، یعنی اللہ پاک نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو تین چیزیں دے کر بھیجا ہے ، (۱) دعوت ، (۲) تزکیہ ، (۳) تعلیم ۔ دعوت اصل ہے ۔ اس لئے کہ اس کے کرنے سے بقیہ دونوں وجود میں آئیں گے ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے دور میں اس دعوت کے ذریعہ سے تعلیم و تزکیہ سب زندہ ہوتے تھے ۔ اس لئے آج بھی اس دعوت کی محنت کی ضرورت ہے ۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ خیر القرون قرنی ثلث الذین یلونہم ثم الذین یلونہم میں پہلے قرنی سے مراد دعوت دوسرے قرنی سے مراد ذکر اور تیسرے سے تعلیم ہے ۔ تو جو دعوت والا کام کرے گا تو وہ پہلی صف یعنی صحابہ کی صف میں ہو گا خواہ وہ قیامت تک کیوں نہ ہو ۔ دوسرے سے مراد خائفانہ والے ہیں جو کہ قیامت تک اس میں لگیں وہ دوسری صف میں ہوں گے ۔ تیسرے سے مراد تعلیم ہے یعنی جو بھی عالم قیامت تک آئے گا وہ تیسری صف میں ہو گا ۔ اس لئے دعوت اہم ہے ، اگر دعوت کو کرتے رہیں گے تو ساری دنیا میں دین سو فیصد زندہ ہو جائے گا ۔ دعوت کے فوائد و منافع کے متعلق فرماتے ہیں :

” دعوت ایک ایسی دولت اور ایک ایسی نعمت ہے کہ اگر اس کو صحیح طریقہ سے کیا جائے تو ایمان میں قوت ، عبادات میں جان ، معاملات میں درستگی ، معاشرت میں پاکیزگی اور اخلاقاً میں حسن پیدا ہو گا ۔

جس قدر اس دعوت والے کام میں آدمی بڑھتا جائے گا ، اس کی اپنی عملی زندگی بنتی چلی جائے گی ۔ اور یہی اس کی نجات کا راستہ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ۔ حضرت مولانا فرماتے تھے کہ کسی ایک علاقہ میں اگر کوئی ایک داعی دعوت دے رہا ہے تو وہ پورے عالم میں ہدایت لانے کی محنت میں لگا ہوا ہے ۔ چنانچہ فرماتے ہیں ۔

” جو اللہ کا بندہ دنیا کے بہن حصہ میں بھی محنت کر رہا ہے ۔ وہ پورے عالم میں ہدایت کی محنت لانے پر لگا ہوا ہے ۔ اس کی مثال ایسی سمجھو جیسے کہ ایک حوض ہے جس میں ہر شخص کی محنت جمع ہو رہی ہے اور سطح بتلانے کا پیمانہ لگا ہوا ہے کہ دعوت کی محنت کہاں تک

پہونچی اور اللہ کی طرف سے ایک انداز مقرر ہے کہ محنت کی سطح جب یہاں تک آجائیگی تو پھر یہ عالمی فیصلے ہونگے اور جب یہاں تک آجائے گی تو یہ عالمی فیصلے ہونگے تو جس شخص کی محنت کا ایک قطرہ بھی اس حوض میں پڑ گیا اس لئے گویا محنت کی سطح کو عالمی فیصلے کی نظر بڑھا دیا۔
دعوت کے ان ہی فوائد و منافع کو اپنی ایک دوسری تقریر میں مزید وضاحت اور تفصیل کے ساتھ اس طرح بیان فرماتے ہیں

”ہمیں اپنی زندگی کو اعمال، معاملات، معاشرت اور اخلاق کے اعتبار سے دیکھنا ہے کہ کیسی گزر رہی ہے۔ اعمال میں جتنی قوت اور جان ہوگی اتنی ہی ان شعبوں میں قوت ہوگی۔ نماز جب جاندار بن جائے تو اس کے بارے میں خدا نے فرمایا کہ اس کا خاصہ ہرائی سے روکنا ہے۔ ایسی نماز پڑھنے کے ہم مامور ہیں۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسی نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہو۔“ کیسی نماز؟ اندر سے آواز آتی تھی جیسے ہنڈیا پک رہی ہو۔ یہ گریہ و زاری، یہ خشوع و خضوع والی نماز تھی۔

ہم دعوت دینے والے امت کو بتلانے والے اقوام عالم کو ایمان کی طرف متوجہ کرنے والے ہیں۔ لہذا ہمارے اعمال جاندار ہوں، ہمارے اخلاق درست ہوں، ہمارے معاملات صحیح ہوں، اور معاشرت میں پاکیزگی ہو۔ جب چاروں لاتینیں درست ہونگی، تو لوگوں کے دل ایسے کھمیں گے کہ روکے نہ رکیں گے۔ ایمان و اعمال میں اللہ نے کشش رکھی ہے۔ آج مشکل یہ ہے کہ ہماری زندگی میں جو اعمال ہیں وہ ہماری ہی کشش کا ذریعہ نہیں ہیں اور ان کو اس طرح کیا جا رہا ہے گویا سر سے بوجھ اتارا جا رہا ہے کہ نہ ذوق ہے نہ شوق ہے، نہ بشارت ہے۔

بھائیو! دعوت مہا عمل ہے جو دوسروں کے عمل پر آنے کے لئے ذریعہ بنتی ہے۔ دعوت نبیوں کا کام ہے اور نبی خالی نظریات نہیں رکھتے بلکہ عملی زندگی میں کر کے دکھلاتے اور بتلاتے ہیں۔

فلسفی ہیں اور نبی ہیں ایک فرق یہ بھی ہے کہ فلسفی صرف فکر اور نظریہ رکھتا ہے۔ زندگی سے اس کا کچھ تعلق نہیں ہوتا اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو کچھ پیش کرتے ہیں اس میں سے

ان کی زندگی خود ایک نمونہ اور شاہراہِ عمل ہوتی ہے۔

دعوت کا فائدہ مدعو کو پہونچنے یا نہ پہونچنے لیکن داعی کو ضرور پہونچتا ہے۔ اس کے متعلق فرماتے ہیں۔

”دعوت کا میدان ساری دنیا ہے۔ دعوت مسجد سے باہر بھی ہے اور مسجد کے اندر بھی ہے۔ دنیا کا چپہ چپہ میدان دعوت ہے۔ ایمان کی دعوت دینے سے ایمان کی صفات آتی ہیں، جس شخص کو دعوت فے رہا ہے۔ اگر اُڑد کے دانہ کے برابر بھی اس پر اثر نہیں ہے تو یہ دعوت دینے والا اس کے فائدے سے محروم نہیں رہا، اسے تو فائدہ پہونچ کر رہے گا بشرطیکہ صحیح ترتیب اور صحیح نیت سے دعوت دی جائے۔ ہماری تقریر سے تحریر سے اور تدبیر سے کچھ نہیں ہوتا۔ کرنے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔“

دعوت میں نکلے ہوئے امیر اور مامور کے آداب و فرائض ایک مرتبہ اپنی مجلس میں اس طرح بیان فرمائے۔

”دعوت لے کر جن لوگوں کے پاس جائیں ان پر شفقت اور رحم کے جذبہ کے ساتھ جائیں۔ آزاد زندگی کو چھوڑ کر امیر کی مان کر وقت گزارنے کی نیت سے جائیں جس طرح نماز میں امام کی مان کر عمل کرتے ہیں۔ اسی طرح جماعت میں امیر کی مان کر وقت گزاریں۔ امیر کو یہ سمجھایا جائے کہ امارت ذمہ داری کا نام ہے، یہ کوئی عہدہ نہیں ہے اور مامور کا وقت اور مال امانت ہے۔ امانت سمجھ کر صحیح وقت گزارنے کی فکر کریں۔ آپس میں دود کی جوڑی بنا کر سیکھنے سکھانے میں وقت گزاریں، بستی میں داخل ہوں تو خدا کی جناب میں اپنے صنعت کا اظہار اور خدا سے مدد مانگ کر داخل ہوں۔ دینی و دنیاوی لائن کے بڑوں سے ملاقات کریں۔ دینی لائن کے بڑوں سے بات اس طرح کریں جیسے چھوٹے بڑوں سے کرتے ہیں، بشاشت دیکھیں تو ان کو کارگزاری سنائیں اور دعا کے لئے کہیں ورنہ خاموشی کے ساتھ انکی مجلس میں بیٹھ کر ملاقات کر کے واپس آجائیں۔“

اور دنیاوی لائن کے بڑوں کو ذمہ داری کا احساس دلائیں کہ آپ کے تعاون سے لوگ ہمارے ساتھ جڑیں گے۔ اور اس کا اجر خدا آپ کو دیں گے۔
ایک موقع پر مدراس اور سری لنکا کے احباب مرکز میں جمع تھے ان کو مخاطب بنا کر فرمایا:

”دعوت کا کام کرنے والوں کو نتائج کبھی نہیں دیکھنا چاہئے۔ بلکہ ہمیشہ تقاضہ کے مطابق قدم اٹھا دینا چاہئے۔ کیونکہ بہت سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام قیامت کے دن اس حال میں حاضر ہوں گے کہ ان کے ساتھ صرف ایک مختصر سی جماعت ہوگی۔ بعض کے ساتھ اس سے بھی کم ہوں گے۔ اور بعض ایسے ہوں گے جن کے ساتھ کوئی بھی نہ ہوگا۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ناکام ہیں بلکہ وہ تو اپنی ذات کے اعتبار سے سو فیصد کامیاب ہیں۔ اس لئے انسان کے ذمہ اپنے کو قربان کرنا ہے اور نتائج کو اللہ کے حوالہ کر دینا چاہئے۔

نیز یہ بھی ضروری ہے کہ جس شخص کو دعوت دی جائے اس کو حقیر نہ سمجھنا چاہئے۔ حدیث شریف میں رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق آتا ہے کہ لا یحق احدنا یشیخ رسالات اللہ، جس شخص کو بھی آپ اللہ کا پیغام پہنچاتے تھے اس کو ذلیل نہیں سمجھتے تھے۔“

ایک مرتبہ بڑے زور و قوت کے ساتھ اس دعوت کے ذریعہ دنیا کمانے اور اپنی جاہ میں اضافہ کرنے کو بڑی کمینگی کے ساتھ تعبیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”جس طرح خدا نے فرمایا ہے اسی طرح کام کریں گے تو فائدہ حاصل ہوگا، ہماری تقریروں سے نہیں بلکہ عمل کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ اس واسطے کام کرنے والوں کو اخلاص اور استخلاص کے ساتھ لگنا ہے۔ اس کام کو اگر دنیا کمانے کا ذریعہ بنایا جائے تو یہ بہت بڑی کمینگی ہے۔ اللہ ہمیں استقامت نصیب فرمائے۔ ہم اپنی کوتاہی کی وجہ سے اپنی دولت کو داغدار کر رہے ہیں۔ تکبر ہر نیک عمل کو سڑا دیتا ہے۔ خدا کا قانون ہے کہ جو اس کے لئے اپنے کو پسپا کرتا ہے اللہ اس کو بلند کرتا ہے اور جو ظاہر میں بڑا بنتا ہے خدا

اس کو ذلیل کرتے ہیں۔

آج کل تو اس پر لڑائی ہوتی ہے کہ اس نے ہماری پوزیشن نہیں پہچانی، خدا ہماری مغفرت فرمائے ہم تو خود ہی اپنے منہ میاں مٹھو بنے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ میں کہتا ہوں کہ ہم جیسا کوئی جانور ہے ہی نہیں کہ ہر وقت اپنے ہی خیال میں مبتلا رہتے ہیں۔
ایک مرتبہ اجتماعی دعوت اور انفرادی اعمال میں پیدا ہونے والے ایک نقص کو اس طرح بیان فرمایا :

اگر کوئی آدمی عالمی پیمانہ پر تو دعوت کی فکر کرتا ہے لیکن اپنی ذات میں وہ اعمال نہیں لارہا ہے تو اس کی دعوت ناقص ہے اور اگر کوئی آدمی اپنے ذاتی اعمال تو خوب کر رہا ہے لیکن اسے دعوت کا فکر نہیں ہے تو اس کا عمل ناقص ہے۔ اس لیے ہمارا کام ان دونوں کو جوڑ کر اور جمع کر کے چلنا ہے اور دونوں کو اکٹھا کرنے میں لامحالہ قربانی بڑھانی ہوگی اور اس کام کو اپنا کام بنانا ہوگا۔ اپنا کام بنانے کا مطلب یہ ہے کہ جب کبھی ہمارے اپنے تقاضے دعوت کے تقاضوں سے ٹکرائیں تو ہم دعوت کے تقاضوں کو مقدم کر دیں اپنے تقاضوں پر اور اس کام کی کڑھن اور فکر میں ہم امت کو رو رہے ہوں، ہم دین کو رو رہے ہوں اور ہم اقوام عالم کی ہدایت کو رو رہے ہوں۔

داعی کے لیے اس مبارک عمل میں ترقی کا معیار کیا ہے؟ اور اپنی ہدایت کی نیت کس قدر ضروری ہے، اس کے متعلق ایک مجلس میں فرمایا کہ :

دعوت کے اندر ہماری ترقی کا معیار یہ ہے کہ ہم قربانیوں میں آگے بڑھتے چلے جائے ہیں، سنتوں کا اہتمام اور نبی پاک علیہ السلام کا اتباع ہماری زندگی میں آتا جا رہا ہو اگر یہ سب چیزیں ہو رہی ہیں تو سمجھ لو کہ یہ داعی دینی و ایمانی طور پر ترقی کر رہا ہے ورنہ نہیں۔ اللہ کی طرف سے محنت کرنے والوں کے لیے ہدایت کا وعدہ ہے اس لیے ہمیں جماعتوں میں نکل کر اپنی ہدایت کی نیت کرنی چاہئے، اگر اپنی نیت نہیں کی اور دوسروں کی نیت کر لی تو جس کے نیت کی اس کو تو ہدایت کا کوئی وعدہ نہیں ہے اور جس کی ہدایت کا وعدہ ہے اس کی نیت نہیں کی، لہذا نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔

اعمال کی اہمیت اور اس کی تاکید

دینی و شرعی اعمال میں اللہ جل شانہ
و غم نوالہ نے کس قدر برکتیں اراحتیں

اور دل و دماغ کا سکون رکھا ہے اور اعمال پر کیسی کیسی کامیابیوں کا یقین دلایا ہے، حضرت
مولانا اس کو اپنے بھرپور اندرونی ایمان و یقین کی روشنی میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔
"انسان اگر دنیا پر محنت کرے تو دنیا کے اعتبار سے قیمتی بنے گا۔ اور اگر

آخرت پر محنت کرے تو آخرت کے اعتبار سے قیمتی بنے گا۔ آخرت پر محنت کرنے والے کو
اس کے عمل کی قیمت پوری ملتی ہے اور کبھی ختم نہیں ہوتی، بخلاف دنیاوی محنت کے کہ نہ اس کی
قیمت پوری ملتی ہے اور نہ وہ ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ جس محنت کو لے کر انبیاء علیہم السلام
تشریف لائے اسی محنت سے انسان قیمتی بنتا ہے بشرطیکہ محنت والی ترتیب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم
والی ہو۔ اگر محنت کی ترتیب آپ والی ہو تو پھر اس انسان کی قیمت سوائے رضا و خداداد
کے اور کوئی چیز نہیں بن سکتی۔ اگر ایمانی محنت کو پہلا درجہ دیا تو بقیہ محنتیں سہولت سے صحیح
ترتیب پر آجائیں گی۔"

ایک موقع پر دنیا کی بے وقعتی اور اعمال صالحہ کی وقعت و اہمیت بتلاتے ہوئے فرمایا کہ
مال و دولت، سونا چاندی، عہدہ و منصب اللہ کے انعامات میں سے خصوصی انعام نہیں ہے
بلکہ عمومی ہے اور اس کے لیے ایمان بھی شرط نہیں ہے۔ یہ چیزیں ایمان والوں کو بھی دیدیتے
ہیں اور بے ایمانوں کو بھی دے دیتے ہیں، اللہ کا خصوصی انعام ایمان ہے اور ایمان بھی وہ
جو اعمال صالحہ کے ساتھ ہو، اور پھر ایمان اور اعمال صالحہ والوں میں سے خصوصی انعام ان پر
ہے جنہیں اللہ تعالیٰ دین کی محنت اور جدوجہد کیلئے قبول فرمائے اس لیے ہمیں عملوں کا اہتمام
کرنا ہے عملوں پر جتنا ہے عمل کی تاثیر دنیا میں بھی ظاہر ہوتی ہے اور آخرت میں بھی۔ اعمال
کے لیے دن میں محنت کرنا ہے اور رات میں خدا سے مانگنا ہے۔ شیطان انسان کا دشمن
ہے اس لیے وہ کوشش کرتا ہے کہ یہ انسان عملوں پر نہ پڑے کیوں کہ عمل ہی سے دنیا
اور آخرت کی زندگی بنتی ہے۔ جتنی ہماری زندگی اعمال پر آجائے گی اتنے ہی ہم جتنے چلے
جائیں گے اور جہاں پر بھی ہوں گے بنے ہوئے رہیں گے۔ اس لیے کوشش

کرنی چاہئے کہ عمل کے ذریعہ سے ہم بھلے مانس بن جائیں۔
ایک اجتماع میں سورہ اخلاص تلاوت کرنے کے بعد بڑے جوش و قوت کے ساتھ
اعمال کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

”اللہ مستغنی اور بے نیاز ہیں، ان کی کسی سے رشتہ داری نہیں، خالق ہیں،
خالق اپنے کا تعلق ہے۔ اس واسطے کچھ راہیں ایسی بتلا دی ہیں جن سے مخلوق کا تعلق خالق
سے جڑ جائے۔ نبیوں کے ساتھ جو معاملہ خدا نے کیا ہے آج بھی وہی خدا ویسا ہی معاملہ
فرمائیں گے۔ ولن تجد لسنة الله تبديلا۔ خدا کا کسی کے ساتھ کوئی رشتہ نسب نہیں
ہے۔ عملوں پر جو جتنی محنت کرے گا، اتنی ہی خدا کے یہاں پوچھ ہوگی اور مقام بنے گا۔
اللہ نے اپنے کرم سے یہ ایک شکل جاری فرمائی ہے۔ لہذا ضرورت ہے کہ مشاغل میں سے
اپنے اوقات کو فارغ کریں۔ اللہ کے یہاں قیمت عمل کی ہے۔ بشرطیکہ وہ عمل خدا کی رضا
کی نیت سے کیا ہو، رضا والا چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی ساری دنیا سے قیمتی ہے۔ یہ
حالات کا بننا و بگاڑ اعمال پر موقوف ہے۔ اور اعمال کے بقدر زندگی بہتی سنورتی
ہے۔ ایک اجتماع میں حضرت مولانا نے اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا۔

”حالات عمل کے تابع ہیں۔ اعمال اگر اچھے ہوں گے، اللہ تعالیٰ دنیا کے حالات
بھی اچھے بنائیں گے۔ اعمال کی کوشش کے بقدر ہمارے دین و دنیا کے حالات درست
ہوں گے۔ اس لئے ہمیں اعمال کی مشق کرنی ہے۔ اور اعمال میں اپنے آپ کو لگائے
رکھنا ہے۔ اصل مسئلہ آخرت کا ہے دنیا کا ہر مسئلہ تو ختم ہونے کے لئے ہے۔ لیکن آخرت کا
بگڑنا بڑی پریشانی کی بات ہے۔ اعمال انسان کی فکر کے تابع ہوتے ہیں۔ اگر انسان کو
دنیا کی فکر ہوگی تو دنیا کے اعمال کرے گا اور آخرت کی فکر ہوگی تو آخرت کے اعمال
کرے گا۔“

دین و عمل کو چھوڑ کر بے دینی و بے عملی کی زندگی گزارنے والے کے متعلق فرماتے ہیں:

"اگر دنیا میں خدا کے احکامات سے آزاد مرا تو آخرت کی آزادی سلب ہو جائیگی اور اگر دنیا میں احکامات کی پابندی کی تو آخرت میں آزادی ملے گی۔ دنیا آخرت کی سوتن ہے اور دنیا خواہشات کے پورا ہونے کی جگہ ہے ہی نہیں چاہے امریکہ کا صدر ہی کیوں نہ ہو۔"

دنیا کی زندگی کے بعد ایک مقام راحت کا ہے اور دوسرا مقام تکلیف کا ہے۔ اگر انسان جانوروں جیسی زندگی گزارے گا تو موت پر مارا جائے گا۔ اور اگر انسانیت والی زندگی گزارے گا تو وہ نواز دیا جائے گا۔ جس نے زندگی کا مقصد کھانا کمانا نہیں بنایا بلکہ اپنے پیدا کرنے والے کے کہنے کے مطابق عمل کیا تو وہ موت کے بعد راحت والی جگہ پہنچ جائے گا۔ انسان کا جو سانس چلتا ہے۔ اس کی اتنی ہی عمر کم ہوتی ہے۔ چاہے وہ سو رہا ہو یا کام کر رہا ہو، سانس چلتا ہی رہتا ہے اور ہر ف کی سلی کی طرح عمر پگھلتی جاتی ہے۔ پوری زندگی خواب کی زندگی ہے اگر اسی کو بنیاد قرار دے دیا تو آنکھ کھلنے کے بعد پھپھانا پڑے گا۔ ایک آدمی پر قرضہ تھا خواب میں دیکھا کہ کوئی اس کی بکری تیس روپے میں خریدنا چاہتا ہے۔ بکری والے نے کہا کہ چالیس روپیہ میں دوں گا اتنے میں آنکھ کھل گئی۔ تو دیکھا کہ وہاں نہ کوئی تیس روپیہ میں خریدنے والا ہے اور نہ کوئی چالیس روپیہ میں۔ تو اس شخص نے جلدی سے اپنی دونوں آنکھیں بند کر کے کہا کہ اچھا تیس ہی روپیہ دیدو۔ یہ زندگی بالکل اسی خواب کی طرح ہے۔ آج بننے یا بگڑنے کا وقت ہے۔ موت کے بعد بننے یا بگڑنے کا زمانہ ختم ہے۔ اب اگر بنا تو ہمیشہ کے لئے بن گیا، اور اگر بگڑا تو ہمیشہ کے لئے بگڑ گیا۔ اور اگلی زندگی اسی بناؤ بگاڑ کے مطابق ہوگی۔ اگر انسان اللہ کے ہاتھ میں اپنے نفع اور نقصان کو جانتا ہے تو اس کی منشا مرضی اور حکم کو دیکھ کر اپنے آپ کو استعمال کرتا ہے۔ اور اگر اپنے آپ ہی کو نفع اور نقصان کا مالک سمجھے تو پھر یہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ نہیں سمجھے گا۔ بلکہ نفس کا بندہ ہو کر رہ جائیگا۔ جس کے نتیجے میں منہ کی کھائے گا۔"

حضرت جی اجتماعی اعمال کے ساتھ ساتھ انفرادی اعمال پر بھی زور دیتے

تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر انفرادی اعمال کی اہمیت ان الفاظ میں بیان فرمائی۔
 ”جہاں اجتماعی عمل کئے جائیں وہیں انفرادی اعمال بھی کئے جائیں۔ اور ذکر اور دعا کا اہتمام کیا جائے۔ ہم جتنے خدا کے حکموں پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر چلیں گے۔ اتنا ہی اللہ برکت دیں گے، مدد فرمائیں گے۔ انفرادی اعمال سے ظاہری اعمال میں برکت آتی ہے۔ برکت خدا کے قبضہ میں ہے۔ وہ عمل کرنے سے آتی ہے۔ دن میں اجتماعی اعمال پر محنت کی جائے اور رات میں انفرادی اعمال کے ساتھ دعائیں مانگی جائیں۔ جتنی محنت کی جائے گی اتنی ہی انفرادی اعمال میں ترقی ہوگی اور جتنا انفرادی اعمال کا اہتمام کیا جائیگا اتنی ہی دیگر اعمال میں برکت آئے گی۔ اگر انفرادی شخصی زندگی سے بے پرواہی برتی تو ظاہری اعمال بھی بے جان ہوں گے۔ یاد رکھو ظاہری اعمال سے انفرادی اعمال میں ترقی ہوگی اور انفرادی اعمال سے ظاہری اعمال میں جان پڑے گی۔“

اسی طرح ایک موقع پر دن کی اجتماعی محنت اور رات کی انفرادی محنت کو اس طرح ارشاد فرمایا:

”دوستو اور بزرگو! ہمیں دو محنتیں کرنی ہے ایک دن میں اللہ کے بندوں پر محنت کرنی ہے۔ دوسری محنت راتوں کو اٹھ کر اللہ کے سامنے رونا ہے، گڑ گڑانا ہے۔ دن کی محنت خوب جم کر کی جا رہی ہو یہاں تک کہ ہم تھک جائیں، اور راتوں کو اٹھ کر پھر اللہ کے سامنے دعائیں مانگی جا رہی ہوں۔ یہ دو کام کرنے کے ہیں۔ اگر ایک کام کیا اور دوسرا نہیں کیا تو ہمارا کام ادھورا رہ جائے گا۔ دن کی کوشش اور راتوں کی دعا پر اللہ جل شانہ اپنا فضل فرمائیں گے۔ اور خدا کے فضل سے ہی گناہی چلے گی اور خدا کا فضل اتنا ہوگا جتنی ہماری دین کی کوشش اور دعاؤں کی کثرت ہوگی۔“

اعمال سے آدمی بنتا ہے یا بگڑتا ہے
 کس عمل کی اللہ کے یہاں کیا قیمت ہے

آخرت کی کامیابی اعمال سے ہے

کون سا عمل جنت والا ہے اور کون سا جہنم والا۔ کس عمل سے انسان کو دونوں جہان کی کامیابی یا ناکامی ملتی ہے۔ اس کو حضرت مولانا اپنی تقریروں میں خوب کھول کھول کر بیان

فرماتے تھے۔ اس موضوع پر آپ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ایک ایک جملہ ایمان و
 ایقان اور اخلاص کی کسوٹی پر پورا اترتا تھا۔ اور ہر سننے والا کھلے طور پر مسوس کر لیتا
 تھا کہ کہنے والے کا ایک ایک جملہ قال سے بہت بلند تر ہو کر اس کا اپنا حال بن چکا ہے۔
 " ایک موقع پر بھلے اور برے اعمال کے درمیان فرق و امتیاز کرتے ہوئے فرمایا:
 دنیا میں بھلائی اور برائی صرف انسان ہی کے راستے سے آتی ہے اور یہ
 براہ راست اور بلا واسطہ دنیا میں نہیں پھیلتی بلکہ انسان کے واسطے سے آتی ہے۔
 جو شخص نیکی اور بھلائی کو اپنا مقصد بنا لیتا ہے وہ دنیا کی آلائشوں سے اپنے آپ کو
 بچا لیتا ہے اور پھر دنیا کی وقعت اس کے دل میں نہیں رہتی۔ انسان کے اندر جو ہوتا ہے
 وہی باہر پھیلتا ہے۔ اگر بھلائی ہو تو بھلائی پھیلتی ہے۔ اور برائی ہو تو برائی پھیلتی ہے۔
 اور پھر یہ بھلائی یا برائی صرف انسانوں میں نہیں بلکہ پورے عالم میں پھیلتی ہے۔ اور
 اللہ جل شانہ نے برائی اور بھلائی کا تعین انسان کے حوالے نہیں کیا ورنہ تو ایک ہی
 چیز کو ایک انسان برا کہتا اور دوسرا اسی کو بھلا کہتا۔ اس لئے بھلائی اور برائی کا معیار
 صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول ہیں اب اگر صرف اللہ اور اس کے رسول کی بات
 پر ختم ٹھوک کر جم جائیں۔ کسی کی پروا نہ کریں بس یہ طے کر لیں کہ جس کو خدا اور اس کے
 رسول نے نیکی بھلائی اور خیر بتلایا وہ تو خیر ہے اور جس کو برائی بتلایا وہ برائی ہے۔ تو
 انسانیت کا مسئلہ حل ہو جائے اور اس میں سدھار آجائے۔ بھلائیوں میں سب سے اونچی
 بھلائی ایمان ہے۔ لیس البران تولوا وجہکم قبل المشرق والمغرب ولكن
 البر من امن بالله واليوم الآخر۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان محنت
 کر کے بھلائی یعنی ایمان اپنے اندر پیدا کرے تاکہ پورے عالم میں بھلائی آجائے۔
 ایک مرتبہ تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

" بھلائی اور برائی آدمی کے اندر سے نکلتی ہے۔ آدمی بھلا ہوتا ہے تو بھلائی
 نکلتی ہے اور اگر آدمی برا ہوتا ہے تو برائی نکلتی ہے۔ اللہ جل شانہ و عہ نوالہ بھلے آدمی
 کو نوازتا ہے اور برے آدمی سے خفا ہوتا ہے۔ بھلا آدمی جہاں پر بھی ہو گا بھلا ہو گا۔

اور ہر آدمی جہاں پر بھی ہوگا وہ برا ہوگا۔ چاہے وہ اپنے گھر پر یا اپنے کھیت پر یا اپنی
دکان پر یا اپنی بستی کے اندر ہو۔

حضرت مولانا کہنے کے مقابلہ میں ہمیشہ کرنے کو ترجیح دیتے۔ اور اسی کی ترغیب
کام کرنے والے احباب کو بھی دیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ عمل ہمیشہ قول کے مقابلہ میں موثر
اور وزنی رہا ہے۔ ایک مرتبہ دوران تقریر ارشاد فرمایا۔

”عملی تعلیم قولی تعلیم سے زیادہ قوی ہے۔ ایسی ہی عملی تشکیل قولی تشکیل سے زیادہ
قوی ہے۔ اثر پیدا کرنا صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ بغیر عمل کا قول آخرت میں پکڑاؤ دینگا
قول کے مطابق اگر عمل نہ ہو اور نہ ہو تو یہ نقصان کا سبب ہے۔“

تقریر تو ہم خوب کر لیں۔ واہ واہ فرشتے بھی تعجبم رہے ہوں۔ لیکن جب منبر سے
اتر کر آئیں تو عمل کے اعتبار سے ہم کورے ہوں یہ بڑے خسارے کی بات ہے۔ کہو مقنا
عند اللہ ان تقولوا صالا تفعلون۔ عمل کی محنت کرتے ہوئے تھوڑا کہنا کارگر ہو سکتا
ہے بہ نسبت اس کے کہ بہت کہیں اور پھر لوگوں کی غیبت میں لگ جائیں۔ شریعت کے
اعمال میں ذاتی حسن و کشش ہے۔ یہ سمجھ لینا کہ ہماری تقریر سے اعمال میں کشش پیدا ہوتی
ہے۔ یہ خطرناک بات ہے۔ پچھے دار تقریریں کرنے والے کی تباہی کا زیادہ خطرہ ہے
کیونکہ وہ اپنے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہوگا اور مارا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں
کی آنکھیں کھول دے۔ اصل تو یہ ہے کہ ہر آدمی اپنے کو ضرور تمند جانے تو بہت آسان
ہے۔ ورنہ بہت مشکل ہے۔

دعوت و تبلیغ کے ذریعہ اپنے
گھر اپنے علاقہ بلکہ عالم گیر ماحول

ماحول کا سدھار اور دینی زندگی

کو سدھارنے اور ان میں دینی و ایمانی روح پیدا کرنے کی جو محنت و کوشش ہو رہی
ہے اس کی اہمیت و ضرورت کو حضرت مولانا اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

”دین کا کام کرنا یہ ہمارا اصلی کام ہے اسے ہم نے بھلا دیا۔ نکلنے کے زمانے میں
اس کی کوشش کرنی ہے کہ ہم دین کے کام کو شوق سے کرنے والے بن جائیں کیونکہ

آدمی وہی کام کرتا ہے جس کا اس کو شوق ہوتا ہے۔ جس کو دوکان کا شوق ہو گا وہ دوکان کا کام کرے گا۔ اور جس کو دین کا شوق ہو گا وہ دین کا کام کرے گا جس اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا شوق عطا فرمادے گا۔

دین سیکھنے کے لئے وقت لگانے کا مطلب کیا ہے؟ نیز دین کے نام پر رہبانیت اور تجرد اختیار کر لینا اور بیوی بچوں کو چھوڑ دینا یہ بے دینی ہے۔ دین نہیں ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا:

”دین کا سیکھنا ہر انسان کے ذمہ ضروری ہے اور دین سے بے منکر ہو جانا یہ بہت خطرناک چیز ہے۔ دین سیکھنے میں وقت لگانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اپنے گھر بار اور بیوی بچوں کو چھوڑ دیں اور ان کی گردنیں مروڑ دیں بلکہ ان کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ دین کے بھی کام کرتے رہیں۔ اور دین کو بھی سیکھتے رہیں۔ جو جتنی کوشش کرے گا اس کے اندر اتنا ہی دین آجائے گا۔ نہیں کرے گا تو وقت گزر جائے گا۔ اور گیا ہوا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا جو رات گزر گئی ہے وہ کسی قیمت پر واپس نہیں آئے گی اور جو دن گزر گیا ہے وہ کسی قیمت پر واپس نہیں آئے گا۔“

حضرت مولانا کے نزدیک یہ محنت ماحول کا بگاڑ درست کرنے کے لئے ہے کیونکہ ماحول ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو اچھا یا برا بننے پر مجبور کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ”جیسا ماحول ہوتا ہے ویسا ہی آدمی بن جاتا ہے۔ اگر ماحول دین کا ہوتا ہے تو آدمی کے اندر دین آتا ہے۔ ماحول اگر دنیا کا ہوتا ہے تو دنیا آتی ہے۔ ہمیں اصل محنت ماحول کے بنانے کی کرنی ہے تاکہ ہم دین پر چلنے والے اور دین کی کوشش کرنے والے بن جائیں گشتوں کا کرنا، تعلیم کرنا، تہذیبیات پڑھنا اور نمازوں کا اہتمام کے ساتھ پڑھنا یہ چار کام ہیں ان چار کاموں کو جب اہتمام سے کرو گے تو اسی سے ماحول بنتا چلا جائے گا جس جگہ نماز کا ماحول ہو وہاں پر بے نمازی کو اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے اور وہ بھی نماز پڑھنے لگتا ہے۔ اگر تہذیب پڑھنے کا ماحول ہے تو تہذیب پڑھنے لگتا ہے۔ اس لئے ہمیں اس بات کی کوشش کرنا چاہئے کہ ہمارا ماحول دینی ماحول بن جائے۔“ (قریر میرٹھ دہلی، ستمبر ۱۹۸۹ء)

• دین کی محنت کرنا یہ ہمارے ذمہ ہے اور ہدایت دینا یا نہ دینا یہ خدا کے قبضہ میں ہے۔ لیکن خدائے پاک دینی محنت کرنے والے پر رحم فرما کر اس کو ہدایت سے نواز دیتے ہیں۔ حضرت مولانا اس کے متعلق فرماتے ہیں:

”ہدایت کسی کے قبضہ میں نہیں ہے وہ صرف خدائے پاک کے قبضہ میں ہے۔ اور خدائے پاک ہدایت اس وقت دیتے ہیں جب ہدایت کا سبب اختیار کیا جائے۔ ہر چیز کے لئے اللہ جل شانہ نے سبب بنایا ہے جب سبب کو اختیار کیا جاتا ہے تو وہ چیز حاصل ہو جاتی ہے چنانچہ پیسہ حاصل کرنے کے لئے دوکان کو، غلہ حاصل کرنے کے لئے کھیتی کو اور اولاد حاصل کرنے کے لئے نکاح کو سبب بنا رکھا ہے۔ اور ان اسباب کے ذریعے سے ان چیزوں کو خدائے پاک وجود مرحمت فرماتے ہیں، ایسے ہی ہدایت ہے، ہدایت کا سبب اللہ نے دین کی کوشش کو بنایا ہے جتنی دین کی کوشش کریں گے اتنا ہی اللہ جل شانہ ہدایت کے فیصلے فرمائیں گے۔ ہمیں خدا سے ہدایت اتروانے کے لئے دن کو کوشش کرنا ہے اور راتوں کو دعائیں مانگنی ہے۔ خدائے پاک ہمیں ہدایت والا اور ہدایت کی کوشش کرنے والا بنا دے۔ آمین۔“

• ماحول کی طرح جذبات بھی انسان کے بننے جگڑنے میں زبردست کردار ادا کرتے ہیں۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ موت سارے جذبات کو ختم کر دیتی ہے تو اچھا یہ ہے کہ انسان جذبات کو اپنی زندگی ہی میں صبح رخ پر لے آئے۔ تاکہ یہ موت کے بعد کام آئیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا:

”آدمی کے جیسے جذبات ہوتے ہیں ویسے ہی اس کی زندگی گذرتی ہے۔ جس کے جذبات دین کے ہوں گے وہ دین پر چلے گا۔ اور جس کے جذبات دنیا کے ہوں گے وہ دنیا پر چلے گا۔ لیکن سارے جذبات موت پر ختم ہو جاتے ہیں۔ موت آتی ہے اور یہ سارے جذبات چھوٹ جائیں گے۔ دین کا جتنا کام کیا جائے گا وہ موت کے بعد کام آئے گا اور اس کو موت کے بعد کام آئے ہی کیلئے کرنا ہے۔ موت پر کوئی چیز دنیا کی ساتھ نہیں جاتی۔ ساتھ جانے والے صرف انسان کے اعمال ہیں۔“

ایک مرتبہ آدمیت اور دینی زندگی کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا :
 " آدمیت نام ہے اللہ کے بندہ بننے کا اور اللہ کی بندگی یہ ہے کہ ہم ہر حال میں اللہ
 کے احکامات پر چل رہے ہوں۔ اپنے کھیت میں اپنے کاروبار میں، اپنی دکان میں، اپنے
 مکان میں، اپنی نوکری مزدوری میں جہاں پر بھی ہم ہوں۔ اللہ کی مان کر چلنے والے ہوں
 اسی کا نام دینداری ہے۔ چند عمل کر لینے سے آدمی دیندار نہیں بنتا بلکہ پوری زندگی اللہ کے
 حکموں پر چم رہی ہوگی تو اس کو دینداری کہیں گے۔ اب ہمیں یہ ٹھان لینا ہے کہ اپنی زندگی
 کو دین پر ڈھالنا ہے۔ اگر دین پر نہیں چلیں گے تو یہ زندگی دھوکے میں گذر جائے گی اور
 پھر آخرت کی زندگی میں بڑی کٹھنالی آئے گی۔

ذات اور شخصیت کے بجائے اصول اور کام پر زور

مولانا اپنے
دونوں

پیش رو۔ (مولانا محمد الیاس صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب) کی طرح اس بات پر
 یقین رکھتے تھے کہ کام کی ترقی اور عروج ذات اور شخصیت پر موقوف نہیں ہے بلکہ اخلاص
 اور استخلاص اور اصولوں پر چمنے میں ہے اور یہ کہ کام سے تعلق رکھنے والوں کے اعمال و
 اخلاق جس قدر بلند ہوں گے اسی قدر اس دعوتی کام کا وسیع بلندی ہوگا۔ خود اپنی ذات
 کے متعلق حضرت مولانا کا تخیل بلکہ اصرار یہ تھا کہ میری موجودگی بھی اجتماعات میں ضروری نہیں
 ہے۔ کرنے والی ذات صرف خدا کی ہے۔ اس پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہوئے کام کیا جائے
 چنانچہ ایک موقع پر ہنگامہ دیش کے سالانہ اجتماع میں حضرت مولانا کی شرکت نہ ہو سکی تو وہاں
 کے کام کرنے والے احباب اور ذمہ داروں کو اپنی عدم شرکت کی افادیت کو اس طرح
 تحریر فرمایا :

" بندہ نے تمام احباب سے بہت ہی زیادہ رائے لی آپ کے یہاں کے لیے مگر
 کسی کی بھی رائے نہ ہوئی۔ بندہ گوجہانی حاضری نہ دے گا۔ لیکن بندہ کی دعا اور زور کی پکار
 آپ کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کرنے والا ہے، بندہ آئے تب بھی اور نہ آئے تب بھی، بلکہ
 اپنی عدم حاضری بعض وجوہ سے حاضری سے زیادہ مفید ہے۔ حاضری میں مخلوق پر نظر

آسکتی ہے۔ غیر حاضری میں صرف خالق پر نظر جنے کا قوی امکان ہے۔ حاضری میں بوجھ اور روں پر ہو سکتا ہے۔ غیر حاضری میں سارا بوجھ آپ سب پر ہو گا جو تمام فتوحات غیب کے لئے مفتاح کا کام دے سکے گا۔^۱ نہ ایک مرتبہ اپنی ذات پر اعتماد کرنے اور اپنی محنت پر نگاہ رکھنے کا نقصان بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا :

”جب آدمی کی نگاہ اپنی ذات پر ہوتی ہے تو کام نہ ہونے پر مایوسی آتی ہے اور اگر خدا پر نگاہ ہوتی ہے تو کام ہونے پر رجوع الی اللہ بڑھتا ہے، کام کے نہج کے صحیح ہونے کا شکر بڑھتا ہے۔ اور کام ہونے پر اپنے اندر خدا کا شکر پیدا ہوتا ہے۔ خدائے پاک انسان سے یوں چاہتے ہیں کہ محنت تو خوب کرے چاہے کام ہو یا نہ ہو، کیونکہ یہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جو شخص خدا کی نگاہوں میں چڑھا ہوا ہوتا ہے اسے خدا اچھے کاموں میں لگاتے ہیں۔ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ جو کسی کی نگاہ میں چڑھا ہوا ہو تو اس کو اچھے کام بتائے جاتے ہیں۔ اور اگر نہ چڑھا ہوا ہو تو کام ہی نہیں بتایا جاتا کہ جو جی چاہے کر یاد رکھو کہ خواہشات کے مطابق چلنا یہ معصیت کی جڑ ہے۔ اور نفس کا دشمن بننا یہ طاعت کی جڑ ہے۔“

فرمایا کرتے تھے کہ موجودہ دور کے جتنے فتنے ہیں ان سے حفاظت کا سب سے مؤثر ذریعہ یہ ہے کہ اصول پر جمے ہوئے اس دعوتی کام کو یکسوئی کے ساتھ سیدھے سادے طریقہ پر کرتے رہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ جنوبی ہند سے آنے والے پرانے احباب کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

”فتنوں کا زمانہ ہے، فتنے چاروں طرف سے امنڈ رہے ہیں۔ سادگی کے ساتھ اپنے کو کام میں جمائے رکھیں گے، تو ہماری بھی فتنوں سے حفاظت ہوگی اور کام کی بھی حفاظت ہوگی۔ فتنوں سے بچتے ہوئے یکسوئی کے ساتھ ان اعمال کو کرتے رہیں گے

ہم بہت نازک دور سے گزر رہے ہیں ذرا پھسلیں گے تو معلوم نہیں کہاں گریں گے ہم بہت پر خطر دور سے گزر رہے ہیں، استقبال کا دور ہے، اس میں اغراض و اے بہت مل جائیں گے اور جب ان کی کثرت ہوگی تو کام کے ختم ہونے کا فطرہ ہے۔
بوڑیہ کے اجتماع میں مجمع عام میں تقریر کرتے ہوئے استقبالی دور میں قربانیوں کی مقدار بڑھانے پر زور دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

”آج کام کا استقبال بڑھ رہا ہے۔ یہ اللہ کا کرم ہے اور احسان ہے۔ یہ اپنی صلاحیت و استعداد اور کارکردگی کی وجہ سے نہیں بڑھ رہا ہے بلکہ صرف اللہ کا کرم ہے ایسے وقت میں کام والوں کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔ دنیاوی کاموں میں تو استقبال کے وقت اپنی راحت، سکون و آسائش کی صورتیں نکالی جاتی ہیں لیکن جب دین میں استقبال آئے تو قربانی زیادہ مطلوب ہے، یہی استقامت ہے جس کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ کام کے ذمہ دار قربانی اور خدا کی طرف نسبت کو بڑھائیں۔ تو یہ ترقی کا راستہ ہے۔ دنیا کی لائن میں آدمی اپنی قابلیت سے جانا جاتا ہے لیکن دین کی لائن میں خوب محنت کرنے کے بعد بھی یہی یقین کرے کہ اللہ ہی نے کیا ہے۔ اپنی طرف کی نسبت سے بچا کر محنت کو خوب بڑھائے۔ صحابہ کرام میں یہی استقامت تھی۔ استقامت دین میں اہم چیز ہے۔ یعنی جس بات کو شروع کیا ہے۔ اس پر جمار ہنا چاہیے۔ شخصی حالات چاہے جیسے ہوں لیکن قربانی دیتے رہیں۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما موت تک قدم آگے بڑھاتے رہے لیکن موت کے وقت رو رہے ہیں اور ڈر رہے ہیں کہ کیا ہو گا۔ حضرت عمرؓ نے انتقال کے وقت اپنے صاحبزادے سے کہا کہ میری گردن زمین پر رکھ دو۔ اگر اللہ نے عمر کی مغفرت نہ کی تو عمر کے لئے تباہی و ہلاکت ہے۔ جس عمر سے اسلام کو فروغ ہوا وہ عمر یہ بات کہہ رہے ہیں۔ جتنا اللہ نے کام لے لیا وہ ان کا کرم تھا اور جتنا وجود میں آیا وہ خدا ہی کے کرم سے وجود میں آیا۔“

اپنے عمل کی نمائش اپنے اندر کی انانیت و نفسانیت اپنے آپ کو بڑھانا، دوسرے کو گھٹانا اور اس عمل کے ذریعہ اپنی اغراض پوری کرنا، یہ تمام چیزیں اس مبارک عمل میں

لگنے والے کے لئے سم قائل ہیں۔ حضرت مولانا اپنی مختلف مجالس میں کام کرنا شروع کیا۔ کو بڑی فکر و کڑھن کے ساتھ ان تمام چیزوں سے بچنے کے لئے اس طرح متوجہ فرماتے ہیں۔
 ”یہ استقبال کا دور ہے اس میں اگرچہ مسرت بھی ہے لیکن خطرات بھی ہیں۔ اور مختلف قسم کے خطرات استقبال میں آتے ہیں، کبھی آدمی اس کو اپنا کارنامہ سمجھنے لگتا ہے۔ کبھی عمل میں نمائش آجاتی ہے۔ اس سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ اس راہ میں انخطاط کی پہچان یہ ہے کہ آدمی اپنے کو کچھ جاننے لگے۔ بس بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ انانیت، انضائیت اور خواہش کو قربان کر کے اپنی سی محنت کرتا رہے۔ جو ہمارے بس میں ہے اس کو ہم کریا نتیجہ ہمارے ذمہ نہیں ہے۔ وہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ مقدارِ جہد پر ہدایت ملتی ہے۔ استقبال کے وقت کی حق ادائیگی یہ ہے کہ اپنی شخصیت اور انفرادیت کو پیچھے کر دیں۔ پہلی امتوں میں صرف افراد تھے اس امت کے لئے انفرادی اجتماعی دونوں محنتیں دی گئیں ہیں غور کرو اس سے امت کی سطح کتنی بلند ہو جاتی ہے۔

آج ہمارے کام کا استقبال چاروں طرف سے ہے۔ اس لئے فتنے بھی چاروں طرف ہیں۔ فتنوں کا علاج توجہ الی اللہ اور انابت الی اللہ ہے۔ جس کے ساتھ جو پیش آتا ہے وہ اس کے اپنے عمل سے پیش آتا ہے۔ حضرت شیخ فرماتے تھے کہ ہمارے احباب میں بس کو بھی ابتلا پیش آیا، اس کا سبب اپنے آپ کو بڑھانا اور دوسروں کو گھٹانا تھا۔ اللہ رب کسی کی پردہ دری فرماتے ہیں تو کوئی روکنے والا نہیں ہوتا۔ اللہ کے یہاں اسباب و علل ہیں اور اللہ علیم بھی ہیں لیکن ڈرتے رہنا چاہئے کہ ان اسباب و علل سے ہم محفوظ رہیں۔ من تواضع لله رفعنا الله۔ اپنی ذات سے چھوٹا بنیں اور پھر اللہ سے بڑا بنادے تو پھر اسے کوئی چھوٹا نہیں بنا سکے گا اور جو مقابلہ پر آئے گا تو منہ کی کھائیگا۔ اس تبلیغی کام کی نوعیت اب اس درجہ پر پہنچ گئی ہے کہ اغراض و اے اپنی اغراض پوری کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور فساد والے فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اسلئے منافع حاصل کرنے سے زیادہ مضرتوں سے بچنا ضروری ہے۔ بس کام کرنا اے اخلاص کے ساتھ، یکسوئی کے ساتھ اور پوری قوت کے ساتھ کام میں لگے رہیں گے تو حقیقت

ہوگی۔ نہ کسی کی تائید کرنی ہے۔ اور نہ کسی کی تردید کرنی ہے۔ استقامت کے ساتھ جم کر کام کرنا ہے۔ بحث و مباحثہ ذہنوں کو الجھا دیتا ہے۔ میرے عزیز و دوستو! یہ دعوت کا کام اسی وقت تک دینی کام رہے گا جب تک کہ دین کی حدود میں کیا جائے۔

بھائیو! اللہ کی ذات بڑی بے نیاز ہے پتہ نہیں کس کو کہاں دھکا لگ جائے۔ بقول مولوی محمد عمر صاحب کے، پنچہ چھکا، ایر پھیر کو ہم یوں سمجھتے ہیں کہ بڑا کارنامہ ہے۔ لیکن جس اللہ کے ساتھ معاملہ وہ ایر پھیر میں نہیں آتا۔ علامہ نے لکھا ہے کہ اخلاص کے ساتھ بہت دیر تک کی غلطی بھی معاف ہو جاتی ہے۔ لیکن ایر پھیر کے ساتھ بڑے سے بڑا عمل بھی رد ہو جاتا ہے۔ خدا اندرون تک کو جانتا ہے کہ اس کے اندرون میں کیا ہے۔

اپنے کو کچھ نہ سمجھو اپنے بڑھانے کی فکر نہ کرو، اپنے کو چھوٹا بنائے رکھو، ہم اکیلے نہیں ہیں، ہمارے ساتھ جمع ہے۔ اس لئے اگر ہماری بے عنوانی سے لوگوں کے ظنون اور خیالات بگڑ گئے تو پھر ہمارا کہیں ٹھکانا نہیں ہے۔ اگر اپنے کو کچھ نہ جانیں تو مزے میں رہیں گے۔ حضرت مجددؑ نے فرمایا کہ مومن اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک اپنے کو کافر فرج سے بدتر نہ سمجھے۔ حضرت تھانویؒ نے اس کی تشریح یوں فرمائی ہے کہ اعتبار خاتمہ کا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ایمان کے ساتھ مرے اور ہم خدا نخواستہ بے ایمان ہو کر مریں اس لئے اپنی فکر خود کریں۔ کام اگر اخلاص یعنی خدا کے لئے ہو تو پھر اگر جوتے بھی پڑیں تو مزا آئے گا۔ ہم اپنے سے بے فکر نہ ہوں۔ دوسرے کو حقیر و کمتر سمجھنے والے کو خدا دکھا دیتے ہیں۔ اگر اندر میں اخلاص ہو تو تھوڑی بہت غلطی بھی نہج جائے گی۔ لیکن اغراض کے ساتھ صحیح چیز بھی نہیں پہنچتی۔“

کام کا یہ دور جو حضرت مولانا کی نگاہ میں اس کے عروج و استقبال کا دور ہے، خود حضرت مولانا کو اپنی ذات و شخصیت کے بارے میں انتہائی منہموم اور فکر مند رکھتا تھا۔ وہ ایک بندہ مومن کی طرح اس تصور سے بھی لرزاں و ترسناں رہتے تھے کہ کہیں خدا نخوا

ان کی ذات سے کام کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ یا یہ کہ نفس و شیطان اس نازک موقع پر ان کے ساتھ کوئی کھیل نہ کھیل جائے۔ وہ خود بھی اسی شیطانی و نفسانی حملہ سے بچاؤ کے لئے بڑے الحاح و تضرع کے ساتھ دعائیں فرماتے اور دیگر اہل تعلق یا معاصر علماء و مشائخ سے بھی دعا کی درخواست کرنے میں نہیں جھکتے تھے۔

چنانچہ پاکستان کے آخری سفر کا واقعہ ہے کہ عشاق اور جاں نثاروں کا ایک مجمع پروانہ وار آ رہا تھا۔ ملاقات اور زیارت و مصافحہ کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل رہا تھا کہ اسی اثناء میں جناب الحاج مولانا عبدالجلیل صاحب (خواہر زادہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری) تشریف لے آئے۔ اُن سے بڑی محبت سے مصافحہ کیا اور بھرائی ہوئی آواز میں روتے ہوئے فرمایا کہ: بھائی مجھے اپنی ذات سے بہت خطرہ ہے۔ میرے لئے دعا کرتے رہنا۔

ذیل میں حضرت مولانا کے دو مکتوب گرامی پیش کئے جاتے ہیں۔ اپنی نفی اور اپنی ذات پر خوف ان مرکاتب سے کس قدر واضح ہے۔ یہ ہر شخص محسوس کر سکتا ہے۔

"المخدوم المکرم المعظم المحترم، متغنا اللہ بفضوکم السامیہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" والا نامہ نے معزز و مفتخر فرمایا۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ خبر بھی پہنچی کہ حضرت والا سفر میں تشریف لے گئے ہیں اس لئے جواب میں قصداً تاخیر کی گئی۔ ورنہ فوراً ہی الطاف نامہ کے جواب میں عریضہ گزارا جاتا۔ اللہ جل شانہ کے فضل اور اپنے اکابر کی توجہات اور ادعہ سے جماعتوں کی نقل و حرکت اور آمد و رفت اور بیرون کی بھی خبریں اور افراد کی آمد و رفت روز افزوں ہے۔ اس وقت بھی چار حضرات عرب مراکش سے اور ایک عرب شام سے اور ایک عراق سے بخاری مہاجر مدینہ منورہ سے تشریف لائے ہوئے ہیں۔ ایک صاحب موریشش (فریقہ کے آئے ہوئے ہیں جو جماعتوں میں پھر رہے ہیں۔ تین کویت کے عرب، پچھلے ہفتہ واپس گئے ہیں اہماری اپنی نسبت سے جتنا بھی بگاڑ ہو کم ہے۔ بس اپنے اکابر کی دعاؤں ہی کی برکت سے اللہ جل شانہ کے بڑے فضل کی امیدیں ہیں۔ اور اسی سہارے پر اپنی سی کوششیں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ جل شانہ ہماری گندگیوں سے اس مبارک کام کی حفاظت فرمائیں۔ حضرت والا کے والا نامہ سے

بڑی ہمت افزائی اور تقویت ہوئی۔

دوسرا مکتوب جو حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوئی کو ارسال کیا گیا۔

اس میں تحریر فرماتے ہیں :

”بندہ دعاؤں کا خواستگار ہے۔ بندہ کے لئے اور اس دعوت والے کام کے لئے دعا فرماتے رہیں کہ اللہ جل شانہ اس بندہ کو رذائل سے محفوظ فرماتے ہوئے عافیت کے ساتھ موت تک لگائے رکھے اور اس ناپاک کی گندگیوں سے اس مبارک کام کی حفاظت فرمائے۔ فقط والسلام۔“

بندہ محمد انعام الحسن عفرلہ تاج المساجد بھوپال ۲۵ دسمبر ۱۹۹۲ء
بقلم محمد شاہد بہار پوری۔ از راقم الحروف سلام سنون و گذارش دعوت
حضرت مولانا اپنی مرجعیت و مرکزیت اور اپنے عالمی استقبال کو دیکھ دیکھ کر بڑے
فکر مند رہتے تھے۔ ہر وقت آپ کو یہ غم رہتا تھا کہ نفس و شیطان کوئی دھوکہ نہ دیدے
بار بار اپنا محاسبہ فرماتے اور ہر وقت اپنے سے بدگمان رہتے۔
ذیل میں پیش کئے جانے والے ایک مکتوب کا یہ اقتباس بھی حضرت مولانا کی اسی
اندرونی کیفیت کی منہ بولتی شہادت ہے۔

”بندہ اپنے لئے بہت دعاؤں کا محتاج ہے۔ کیونکہ بہت پرخطر وادی سے گزر رہا
ہے۔ امید ہے کہ میری گذارش گرامی کا سبب نہ ہوگی۔“

ایک عالم جلیل اور ربی روحانی کے ذی علم فرزند کے نام بھیجے جانے والے مکتوب
محرم ۲۵ ۱۴۱۵ھ ۶ جولائی ۱۹۹۴ء سے ایک اقتباس

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے
کام کا جو بیج اور طریقہ کار متعین

طریقہ اسلام پر پختگی اور ثبات قدمی

لے مکتوب الیہ کا نام معلوم نہ ہو سکتا تاہم خط کی ابتدائی سطور بالخصوص اس کے القاب و آداب سے
پتہ چلتا ہے کہ یہ کسی ذی وجاہت شخصیت کو لکھا گیا ہے۔

فرمایا تھا اس پر آپ بڑی ثبات قدمی اور مضبوطی کے ساتھ قائم رہے اور پوری دنیا کی دعوت و تبلیغ کو ان ہی خطوط اور اصول پر چلاتے رہے۔ ان سے انحراف یا ان میں کسی قسم کا اضافہ یا کوئی نیا تجربہ آپ کو بالکل پسند نہیں تھا۔

جب جب کسی نئے تجربہ یا اضافہ کی بات چلائی گئی تو آپ نے شدت کے ساتھ اس پر نیکیر کی۔ اور ہر جہتہ فرمایا کہ ہم تو لکیر کے فقیر ہیں۔ اپنے ہٹوں کو جس طرح کرتے دیکھا اسی طرح کریں گے۔ مولانا محمد یوسف صاحب کے دور امارت کا واقعہ ہے کہ حضرت حافظ خزانہ صاحب نے مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا محمد انعام الحسن صاحب کو یہ مشورہ دیا کہ دعوت و تبلیغ کے ان چھ نمبروں میں اگر مزید دو نمبروں کا اضافہ کر دیا جائے تو یہ نمبر مکمل ہو جائیں۔ مولانا انعام الحسن صاحب فرماتے تھے کہ ان کی یہ بات سن کر مولانا محمد یوسف صاحب تو خاموش رہے لیکن میں نے فوراً یہ جواب دیا کہ ہم تو لکیر کے فقیر ہیں۔ ہم تو مولانا محمد الیاس صاحب کے بتلاتے ہوئے انھیں اصولوں پر جم کر کام کریں گے اور انشاء اللہ دوسروں سے کرائیں گے مولانا محمد انعام الحسن صاحب کا یہ مزاج پہلے دن سے آخری دن تک برابر قائم رہا اسی کا اثر اور نتیجہ تھا کہ آپ کی آخری حیات میں جب بعض احباب کی جانب سے ”مذاکرہ کی جماعت“ کے نام سے ایک نئی ترتیب شروع ہوئی تو آپ نے اس کو بھلی جماعتی احباب سے مشورہ کے بعد ختم فرما دیا۔ اور وجہ اس کی یہی بتلائی کہ ہمارے بڑے جس ہنج سے کام دے کر گئے ہیں وہی ہمارے لئے کافی ہے۔

ایک بزرگ عالم دین اس موقع پر اپنی یادداشت میں لکھتے ہیں۔

۱۲۔۱۱۔۱۹۹۴ء کو اجتماع رابونڈ کے بعد اجتماع کی جگہ پر ہی عشاء کے بعد پاکستانی ہندوستانی، بنگلہ دیشی مشورہ والوں کو الگ کر کے حضرت جی مدظلہ نے فرمایا کہ ہمارے پاس ملکوں اور علاقوں سے خطوط آتے ہیں کہ یہ مذاکرہ کی جماعت کیا چیز ہے۔ ہم نے ان سے یہی کہا کہ مشورہ کر کے رائے ونڈ میں جواب دیں گے۔ اس لئے بتلاؤ کیا رائے ہے؟ اس پر احباب نے کہا کہ جو آپ کا فیصلہ ہو گا وہی ہو گا۔ اس پر حضرت جی مدظلہ نے فرمایا ہمارے یہاں مذاکرہ والی کوئی جماعت نہیں ہے۔ حسب سابق مسجد و اجتماع کے طور پر محنت کر

اسی ضمن میں حضرت مولانا کی طرف سے لکھے جانے والے ایک مکتوب کا اقتباس

یہ ہے۔

(پاکستان میں) مذاکرے کی جماعت کے بارے میں گفتگو ہوئی اور پھر یہ قرار پایا کہ یہ مذاکرے کی جماعت کو روک دیا جائے کہ اس سے ممالک کے اندر دو ذہن بنتے ہیں۔ اور یہ بڑا نقصان ہے۔ نیز یہ کہ ہمارا کام جو ہمارے بڑے جس پنج سے تجویز کر گئے۔ اور اس پر محنت فرما گئے۔ اسی پر جمننا ہے۔ اپنی طرف سے کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرنی ہے کیونکہ ہم میں نہ پہلوں جیسا تقویٰ ہے، نہ اخلاص ہے، نہ امت کا درد ہے۔ اگر ہر فائدہ کی چیز کو شامل کیا جاتا رہے گا تو بہت بڑے فتنے کا اندیشہ ہے

بدعت کی ابتدا ایسے ہی ہوتی ہے کہ کسی چیز کو سود مند فائدہ مند سمجھ کر شروع کر دیا جاتا ہے۔ پھر وہ چیز رفتہ رفتہ ایک رسم بن جاتی ہے۔ اللہ جل شانہ ہماری اور ہمارے اس کام کی شش بہت سے حفاظت فرمائے۔ آپ کی کوشش سے جہاں وہ مذاکرات کی جماعت جس جس جگہ جاری ہوئی ہے ان لوگوں کو بھی اس طرف متوجہ فرمائیں۔ فقط والسلام محمد انعام الحسن بقلم محمد غزالی

اسی طرح بلجیم جیسے دور دراز ملک کے احباب نے جب مذاکرہ کی جماعت کے متعلق وضاحت چاہی تو آپ نے اُن کو جواب میں ذیل کا مکتوب تحریر فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

من محمد انعام الحسن، الی اصحاب بلجیکا، وفقنا اللہ وایاکم لما یحب یرضاه۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ نحن کلنا بخیر ونرجوان تکنونا بخیر فقد جاءتنا رسالتکم الکریمہ، واخبرنا الاخ مصطفی النوحی ان هولاء الاحباب عشرون نفرا کانوا مشککین الی دول مختلفہ ولكنهم منتظرون لفصل المشورة فی خروجهم

لہ مکتوب بنام الحاج حافظ محمد نیل صاحب انگلینڈ۔ محرم ۱۴۱۵ھ ۲۸ نومبر ۱۹۹۴ء
بشکریہ کرنل امیر الدین صاحب

الى باكستان فتشاورنا ونرى انه ليس في جهدنا جماعة باسم جماعة المذاكرة ولكنها
جماعة كل مسجد حسب السابق واعمال جماعة المسجد الخروج كل واحد
ثلاثة ايام شهريا والقيام بحلقة التعليم في المسجد وحلقة التعليم في البيت
يوميا والفراغ ساعتين ونصفا يوميا والقيام بالجولتين اسبوعيا والاذكار والتلاوة
ولكن البيان حول ست صفات حسب السابق - والسلام عليكم وعلى من لديكم
نقط محمد انعام الحسن (الكاتب) محمد احسان الحق - ٥٠ روبر سنة ١٩٩١ م

یہ تینوں چیزیں اپنے اندر جس قدر اہمیت دے

افادیت رکھتی ہیں۔ حضرت مولانا ابان سے

اتفاق واتحاد اور اجتماعیت

خوب واقف تھے اور سمجھتے تھے کہ دعوت کے اس وسیع اور عالمی کام کے لئے اتفاق و اتحاد اور اجتماعیت کی حیثیت شہ رگ کی سی ہے۔ چنانچہ کام کرنے والوں کو اپنی تحریر و تقریر کے ذریعہ براہ اس طرف متوجہ رکھتے تھے کہ ہماری کسی بے اصولی یا جذبہ انانیت سے ہماری صفوں میں انتشار نہ ہونے پائے۔ بسا اوقات اپنے خدام اور اہل تعلق کی بڑی سے بڑی بے عنوانی کو نظر انداز فرما دیتے۔ لیکن جہاں کسی رخ سے فتنہ یا انتشار کی بات سامنے آتی، وہاں کسی طرح کی مداہنت یا خاموشی گوارا نہیں تھی۔

حضرت مولانا گذشتہ کئی سالوں سے مختلف ممالک کے پیرانے کارکن اور مختلف مراکز کی اہل شوریٰ کو آپس کے اتفاق و اتحاد اور مشوروں میں اپنی رائے پر خدا اور ہٹ و صرمی سے بچنے پر بڑی قوت کے ساتھ متوجہ فرما رہے تھے۔ ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے اہم اجتماعات کے موقع پر تو آپ اپنا دل کھول کر رکھ دیتے تھے۔ اپنی نجی مجلسوں میں بار بار فرماتے تھے کہ موجودہ زمانہ کی یہودیت و نصرانیت ہمارے اندر کے اتحاد و اتفاق کو توڑنے پر تلی ہوئی ہے اور دعوت کی اس عظیم و وسیع محنت پر اگر دشمنان اسلام کی طرف سے کوئی کاری زو پڑے گی تو وہ صرف یہ ہوگی کہ آپس میں بے اعتمادی اور انتشار و خلفشار پیدا کرا دیا جائے گا۔ اسی لئے آپ کسی موقع پر بھی اس خطرہ سے آگاہ کئے بغیر نہیں رہتے تھے۔ آپ کے ذہن میں اتحاد و اجتماعیت کا جو عظیم تصور تھا اس کا اندازہ ذیل کے

ارشادات و فرمودات سے لگایا جاسکتا ہے۔

دنیا بھر کے انسانوں میں جوڑ اور اجتماعیت کیسے پیدا ہو؟ اس کی سرن ایک ہی شکل ہے کہ تمام انسان اپنے رب سے جڑ جائیں۔ رنگ و نسل اور قومیت اور علاقائیت کی بنیاد پر انسانی جوڑ ہرگز وجود میں نہیں آسکتا۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا اجتماع قلوب تقریروں اور تدبیروں سے نہیں ہوتا بلکہ یہ تو دوسروں کی خوبیاں دیکھنے اور اپنے عیوب دیکھنے سے ہوتا ہے خوبیاں دیکھنے کے لیے دوسرے کی ذات ہو اور عیوب دیکھنے کے لیے اپنی ذات ہو، جو اس طرح چلے گا وہ ایک دن سراپا خوبی بن جائے گا۔ جس طرح اللہ پاک نے بدن کو مختلف اعضاء سے بنایا ہے اسی طرح انسانوں کو مختلف طبقات میں بنایا ہے۔ کوئی امیر ہے کوئی غریب ہے۔ کوئی کالا ہے، کوئی گورا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور ان سب طبقات کی کامیابی جوڑ میں رکھی ہے۔ اگر انسانوں میں جوڑ ہوگا تو کامیاب ہوں گے۔ اور توڑ ہوگا تو ناکام ہوں گے مگر جوڑ بھی اگر ترتیب کے ساتھ ہو تو کامیاب ہوں گے۔ گھڑی کے پرزے اگر ترتیب کے ساتھ جوڑے ہوں گے تو فائدہ ہوگا اور گھڑی چلے گی ورنہ بند رہے گی۔

آج لوگ رنگ نسل اور قومیت کی بنیاد پر جڑے ہوئے ہیں۔ ہر ایک چاہتا ہے کہ جوڑ ہو جائے۔ ہر آدمی اتفاق و اتحاد کو اچھا کہتا ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو باپ بیٹے میں، بھائی بھائی میں، امیر غریب میں، ملک ملک میں جوڑ نہیں ہے۔ اور اگر کسی غرض کے تحت لوگ جڑ بھی گئے تو بس اسی وقت تک جڑے رہیں گے جب تک کہ غرض پوری نہ ہو۔ جب غرض پوری ہو گئی تو جوڑ بھی ختم ہو جائیگا اور اگر یہ محسوس ہو کہ غرض پوری نہیں ہوتی تب بھی جوڑ ختم ہو جائے گا۔ تو کیا وجہ ہے کہ جوڑ نہیں ہوتا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک آدمی ایک اسکیم بناتا ہے اور یوں چاہتا ہے کہ سب میرے کہنے پر جڑ جائیں اور نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ انسانوں کے مختلف طبقات ہیں اور ان کی مختلف اغراض ہیں۔ اگر امیر امیر جڑ جائیں تو یوں کہیں گے کہ کام زیادہ ہو اور تنخواہ کم دو اور اگر غریب غریب جڑ جائیں تو وہ یوں کہیں گے کہ ہم تنخواہ زیادہ لیں گے اور کام کم کریں گے تو اپنے اپنے جذبات پر

چلنے کی وجہ سے جوڑ نہیں ہو سکتا۔

اس لئے اب جوڑ کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ سب اللہ سے جڑ جائیں۔ انسانوں کا انسانوں پر جڑنا بہت مشکل ہے اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک فائدہ لینا چاہتا ہے اور اللہ کو فائدہ کسی سے لینا نہیں۔ اللہ تو سب کو فائدہ پہنچانے والے ہیں۔ اور اللہ سب کے ہیں اور سب کو دینے والے ہیں۔ اور دینے والے پر سب جڑ جائیں گے۔ اللہ اکبر کی صدا لگا کر سب کو مسجد میں لے آؤ اور اللہ پر جوڑو۔ اللہ پر سب جڑ جائیں گے۔ اگر انسان کو انسان سے جوڑنا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر لانا پڑیگا اور حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت والی دعوت ہر ایک کو جوڑ دے گی۔^۱ ایک مرتبہ اجتماع رائے رائڈ کے موقع پر ترکی سے آنے والے دعوتی احباب نے وہاں کے حالات مشورہ میں رکھے تو اس پر فرمایا کہ اجتماعی کاموں میں ہر قسم کے آدمی بھلے اور برے سبھی ہوتے ہیں ان کے ساتھ مل کر نبھاتے ہوئے کام کیا جائے۔ حدیث میں ہر بھلے برے کے ساتھ نماز پڑھنے کو کہا گیا ہے۔ یہ نہیں کہ نماز جماعت سے الگ ہو جائیں۔ جہاد کے لئے بھی ایسا ہی حکم ہے۔ سب سے پہلی ضرورت آپس کے اتحاد و اتفاق کی ہے، ٹھان لو کہ اتفاق رہے گا۔ اختلاف تو ہوتا ہی ہے۔ بڑے بڑے صحابہ کرام میں ہوا لیکن خلاف نہیں ہوا۔

۲۴ مارچ ۱۹۸۷ء میں پرائیڈ کے جوڑ میں ایک دوسرے کے حقوق کو ادا کرنے اور اس کے نتیجے میں آپس میں جوڑ پیدا ہونے کو اس طرح سمجھاتے ہیں۔

”نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ آپس میں حسد نہ کرو بھائی بھائی کی طرح رہو، ہر ایک کو اپنی ذمہ داری پوری کرنی چاہئے۔ اور ہر ایک کے حقوق پورے کرنے چاہئیں۔ اگر یہ بات ہم میں ہوگی تو ہم میں آپس میں جوڑ ہوتا چلا جائے گا۔ اور اگر ہم اپنی ذمہ داری پوری نہیں کریں گے تو آپس میں پھٹن ہوتی چلی جائے گی اور یہی اس

امت کا عذاب ہے۔ خدائے پاک بغض سے حسد سے کینے سے، اور دل کی پھٹن سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین۔

حضرت مولانا کے نزدیک کسی بھی قسم کا انتشار و خلفشار دین کی جڑوں کو کاٹنے کا ذریعہ ہے اور انانیت و خود پسندی اجتماعیت کے لئے ستم قاتل ہے۔ اجتماعیت جتنی مضبوط ہوگی اتنا ہی دین مضبوط ہوگا۔ اس سلسلہ میں ایک مرتبہ کارکنان ہند کے اجتماع منعقدہ ۱۷ مارچ ۱۹۸۲ء میں ارشاد فرمایا:

”ایمان و یقین کی یہ محنت جو آج عالم کے چپہ چپہ پر ہو رہی ہے یہ کوئی اپنے گھر کا کام نہیں ہے اور کوئی دنیا کا کام نہیں ہے، یہ اللہ کا کام ہے۔ اور آخرت بنانے کا کام ہے۔ دین کی جڑیں کاٹنے والی چیز انتشار ہے۔ میں امیر بنوں، میری بات چلے، میں اگرچہ حقیر فقیر لیکن میری بات کیوں نہیں مانی گئی۔ یہ سب انتشار پیدا کرنے والی چیزیں ہیں۔ شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار انتشار اور افتراق ہے۔ اجتماعیت جتنی ہوگی۔ کام کی جڑیں اتنی ہی مضبوط ہوں گی۔

حضرت مولانا اس اتفاق و اتحاد اور اجتماعیت کی اہمیت صرف دعوت و تبلیغ ہی میں نہیں بلکہ امت کے ہر طبقہ میں ضروری محسوس فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر جب کہ ایک علمی ادارہ میں انتشار و خلفشار سنت خطرناک شکل اختیار کر گیا تھا، ایک صاحب کو ان کے مکتوب کے جواب میں تحریر فرمایا۔

”آج امت میں ایسا افتراق ہے کہ ایک دوسرے کی ٹوپی اچھالنے کی فکر میں ہیں ہم امت کے تمام طبقات میں کام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کسی کی منقبت و مذمت میں زبان نہیں کھولتے۔ کیونکہ ہر شق میں کسی نہ کسی کی دھجولی یا دل آزاری ہوتی ہے۔ اس لئے ہم سکوت ہی کو اپنا وطیرہ بنائے ہوئے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ امت میں اتفاق و اتحاد اور ایک دوسرے کی قدردانی نصیب فرمائے۔ نکتہ چینی اور عیب جوئی سے حفاظت فرمائے۔

غالباً آپ کے علم میں ہو گا کہ ہمارے اس دینی کام میں ایک مستقل نمبر ”اکرام“ ہے

اس لئے ہم تو ہر مسلمان کے اکرام کو اہم جانتے ہیں اور خصوصاً وہ حضرات جو دین کا کسی بھی لائن سے کام کر رہے ہوں۔ وہ تو اور زیادہ قابل اکرام ہیں۔ جس میں کسی بھی فرد کی خصوصیت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ پوری امت میں اس اکرام کے ذریعہ محبت فرمائے۔ فقط والسلام بندہ انعام الحسن۔ بقلم خالد

ناموافق جگہوں میں کام کا طریقہ

موافق اور مساعدا ماحول میں کام کرنا اتنی بڑی ہنرمندی نہیں ہے جتنا کہ ناموافق اور مخالفانہ ماحول میں اپنے اصول اور نہج کی حفاظت کرتے ہوئے کام کرنا ہنرمندی ہے۔ کام کرنے والے کی استعداد اور صلاحیت کا بہترین اندازہ بھی ایسے ہی موقع پر ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت مولانا اپنی مجالس میں بار بار فرمایا کرتے تھے کہ ماحول کی ناموافقت اور مخالفت سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ اس لئے کہ کرنے والی ذات صرف اللہ جل شانہ کی ہے اور وہ جب کرنے پر آتے ہیں تو اصرام سے بھی توحید ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور باطل کے نقشوں سے حق کی آواز اٹھنے لگتی ہے۔

مرکز نظام الدین سے اطراف عالم میں جانے والی جماعتوں کو چونکہ ہر جگہ یکساں ماحول نہیں ملتا۔ کہیں مخالفت ہوتی ہے۔ کہیں مسجد میں قیام کی ممانعت ہوتی ہے اس لیے ایسے ماحول میں اگر کام کرنا پڑ جائے تو حضرت مولانا کی اولین نصیحت اور تاکید یہ ہے کہ حتی الامکان نرمی کی جائے۔ اگر مخاطب اپنے سخت رویہ پر جا رہے تو پھر خاموشی اختیار کر لی جائے۔ کیونکہ جوابی طور پر سخت رویہ یا مناظرہ و مباحثہ اس راہ میں نقصان دہ ہے چنانچہ ایک موقع پر فرمایا: ”جماعت میں نکل کر اپنی بات کو نرمی سے سمجھاؤ۔ بات میں سختی لانے سے بچنا ہے اپنے بھائیوں کو ایسے طریقہ سے اس کام پر لانے کی کوشش کرنا ہے جس سے وہ آجائیں۔ نرمی سے ان کی خوشامد کریں۔ یہ نہیں کہ ان کو وحشت ہو جائے اگر وہ سختی کریں تو مجلس کو خوبی کے ساتھ ختم کر دو۔ یہ نہیں کہ تم بھی سختی پر آ جاؤ۔ خود سختی نہ کرو، نرمی سے سمجھاؤ“

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے نرمی برتنے کا حکم دیا تھا۔
ایک مرتبہ خود حضرت مولانا نے اپنے مخاطب کا ایسا ہی طرز و رویہ دیکھتے ہوئے اپنی مجلس
برخواست کر دی تھی۔ حافظ محمد یوسف صاحب (ٹانڈہ چھرولی) یہ واقعہ اس طرح بیان
کرتے ہیں۔

”ملک شام کی ایک ذی وجاہت سرکاری شخصیت حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے
ملاقات کے لئے مرکز نظام الدین آئی۔ حضرت کو اطلاع کی گئی۔ حضرت فوراً اپنے حجرہ سے
تشریف لائے۔ ان سے ملاقات و مزاج پرسی کے بعد حضرت نے ان کو دعوت دی۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محنتوں اور قربانیوں کا
خوب ذکر فرمایا۔ مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی ترجمان تھے۔ حضرت جی اردو میں فرما رہے
تھے اور مولانا اس کی عربی کر رہے تھے۔ میں بھی اس مجلس میں موجود تھا۔ لیکن وہ
صاحب حضرت جی کی ہر بات کاٹ دیتے، یا اس پر اعتراض کر دیتے۔ یہ رنگ دیکھ کر
حضرت جی نے مولانا عبید اللہ صاحب سے فرمایا کہ ان سے یہ پوچھو کہ یہ کام کیسا ہے جو ہم
کر رہے ہیں؟ ان صاحب نے کہا کہ کام تو بہت اچھا ہے۔ اس پر حضرت جی نے مولانا
عبید اللہ صاحب سے فرمایا کہ ”بس یہیں چھوڑ دو۔ اور یہ جملہ کہہ کر اپنی بات ختم کر دی۔“
دعوت و تبلیغ کی تمام محنت اور ترتیب مسجد سے چلتی ہے۔ اب اگر کسی مسجد کا کوئی
ذمہ دار متولی وغیرہ بیان کرنے سے منع کر دے تو ایسے موقع پر کیا کیا جائے۔ حضرت
مولانا اس مشکل کا حل اس طرح بیان فرماتے ہیں:

”اگر کسی مسجد میں متولی بیان کرنے سے منع کرے یا اس کا خطرہ ہو تو بھی اسے کو
حکمت سے دعوت دی جائے۔ بجائے بیان کی اجازت لینے کے دین کی دعوت دیں اگر
وہ اسے قبول کرے تو ایسے میں اجازت خود بخود ہو گئی۔ اور اگر وہ بالکل روک دے تو
پھر صبر نہ کرے، بلکہ دوسرے مسجد میں کام کرے۔“

ریل میں اذان باواز بلند دینے یا نہ دینے کے متعلق جب حضرت مولانا سے دریافت
کیا گیا تو آپ نے موقع و محل کی رعایت کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا کہ:

ریل میں اذان زور سے دینے کے بارے میں کوئی کلیہ نہیں۔ بعض مرتبہ زور سے اذان دینے سے دینی فضا بنتی ہے تو وہاں زور سے دیں۔ اور بعض مرتبہ صبح کے وقت لوگ اگر نیند میں ہوں تو اس موقع پر زور سے اذان دینے سے اغیار کی نیند میں خلل پڑ کر وحشت کا سبب بن سکتا ہے تو اس موقع پر آہستہ اذان دیں۔ غرض موقع و محل کو دیکھ زور سے یا آہستہ دے۔

ناموافق جگہوں میں اگر کسی ناجائز کام پر مجبور کر دیا جائے یا کسی عہدہ و منصب کے قبول کرنے پر اصرار کیا جائے۔ تو ایسے موقع کے لئے ایک جامع نصیحت کے طور پر تحریر فرماتے ہیں:

”ہمارے کام کرنے والے حضرات بجائے متولی یا صدر بننے کے یکسوئی سے اپنی محنت کے کام میں لگے رہیں، یہ زیادہ مفید ہے۔ صدارت وغیرہ کے لئے اور لوگ ہیں۔ ہمیں یکسوئی سے اپنے کام میں لگے رہنا ہے۔“

بعض مجبوروں میں اگر کسی ناجائز کام پر مجبور کیا جائے تو ایسے موقعوں پر دو باتوں کا خیال رکھا جائے۔ ایک تو یہ کہ امر الہی نہ ٹوٹے، کہ اس کا ٹوٹنا بھی غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ کسی قسم کا فساد یا اختلاف برپا نہ ہو۔ امر الہی کے پورا کرنے میں اگر فساد برپا ہو گیا تو بھی یہ غلط ہے اب بیچ کی راہ اس موقع پر خوب کڑھن اور شکر سے اللہ تعالیٰ نکالتے ہیں، جو متعین کر کے نہیں بتائی جاسکتی۔“

علم و مطالعہ کا اچھا ذوق رکھنے والے ایک ذی علم رجو متعدد کتابوں کے مصنف بھی ہیں) کو اپنے ملک میں دعوتی کام کرنے والے بعض نوجوان ساتھیوں کی کچھ عملی کوتاہیوں اور تقریری خامیوں کا احساس ہوا۔ اور پھر انھوں نے ماحول کی ناموافقیت اور عدم مساعدت کی بنا پر تبلیغی اجتماعات میں شرکت سے یکسوئی حاصل کرتے ہوئے اپنے تفصیلی مکتوب کے ذریعہ حضرت مولانا کو اس کی اطلاع بھی کر دی۔ حضرت مولانا نے جو جواب ان کو تحریر فرمایا

لہ اقتباس مکتوب بنام مولانا محمد صالح صاحب برما۔

اس کی نقل یہاں پیش کی جاتی ہے۔

کام کرنے والوں میں کمی اور پھر اس کمی کا احساس اور اس کا تدارک، یکسوئی اور گوشہ تنہائی میں بھی عافیت کا نہ ملنا اور فتنوں کا وہاں تک پہنچ جانا کام کو صحیح پہنچ پر لانے کی فکر و تدبیر، اپنی نااہلیت کا استحضار اور کسی پرخطر وادی سے اپنے گزرنے پر شکر و تشویش، یہ سب اس مکتوب کے حکمت اور بصیرت سے بھرپور نکات ہیں اور جن سے صرف اہل حکمت اور اہل بصیرت ہی محظوظ اور منتفع ہو سکتے ہیں۔ اس مکتوب گرامی کی نقل یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بنگلہ والی مسجد ۲۵ محرم ۱۴۱۵ھ، ۶ جولائی ۱۹۹۴ء۔

مکرم و محترم، زادت عنایا تکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کل ہی ڈاکٹر خالد صدیقی کے بدست گرامی نامہ نے مشرف فرمایا۔ جو بات آپ نے تحریر فرمائی وہ صحیح ہے۔ اس کا احساس بھی ہے اور اس کے تدارک کی صورتیں بھی اختیار کی جا رہی ہیں۔ اللہ جل شانہ عم نوالہ خیر کی صورت میں پیدا فرماوے۔

اور آپ نے جو اپنے لئے یکسوئی تجویز فرمائی ہے یہ اپنے دیگر مشائخ کا راستہ ہے۔ ہمارے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مشائخ کا یہی اختلاف تھا۔ دیگر مشائخ کا رویہ یہ تھا کہ اب زمانہ اصلاح کا نہیں رہا ہے۔ بس ایک گوشہ کے اندر پڑے رہیں۔ لیکن ہمارے حضرت جی نور اللہ مرقدہ کا ارشاد عالی یہ تھا کہ اب فتن اتنے کثیر ہیں کہ تنہائی کی کوٹھری میں بھی گھسے چلے جا رہے ہیں اسلئے سپینہ سپر ہونے کی اور ہمت سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ تنہائی میں بھی محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔ یہی آپ سے عرض ہے کہ گوشہ تنہائی اختیار کرنے میں اگرچہ عافیت نظر آتی ہے لیکن اس میں بھی عافیت دشوار ہے۔ اس لئے ہمت کی بات یہ ہے کہ تمام باتوں کو برداشت کرتے ہوئے صحیح پہنچ پر لانے کی فکر فرماتے رہیں۔ اللہ جل شانہ و عم نوالہ ہمارے ہاتھوں اس نعمت کو ناکام نہ فرمائے۔ بلکہ اپنے فضل کا معاملہ فرما کر آلائشوں سے اس کی حفاظت فرمائے۔

نیز گزارش ہے کہ الحمد للہ پورے عالم میں اب اس کام کا استقبال ہے اور نوجوان طبقہ

بھی متوجہ ہو رہا ہے جن میں جوش زیادہ ہوتا ہے اور ہوش کم ہوتا ہے۔ اس کیلئے دعا بھی فرماویں۔ اور جہاں تک ہوسکے معاونت سے دریغ نہ فرمائیں۔ بس اللہ جل شانہ ہی کار ساز ہیں اور حفاظت فرمانے والے ہیں۔ اور بندہ اپنے لئے بہت ہی دعاؤں کا محتاج ہے۔ کیونکہ بہت پرخطر وادی سے گذر رہا ہے۔ امید ہے کہ میری گذارش گرامی کا سبب نہ ہوگی۔ فقط والسلام

محمد انعام الحسن

بقلم محمد غزالی علیہ

جماعت میں نکلنے والوں کو نصائح و ہدایات | مرکز نظام الدین کے جماعتیں چونکہ روزانہ

نکلتی ہیں اور ہر جماعت میں نئے نئے افراد ہوتے ہیں اس لئے اہتمام سے ان کو ہدایات دی جاتی ہیں۔ حضرت مولانا جماعتوں میں جانے والے افراد کو روزانہ ہی ہدایات دے کر اور دعا فرما کر رخصت کیا کرتے تھے۔

ایک موقع پر حضرت مولانا کی خدمت میں یہ تمام ہدایات تحریری طور پر مرتب کر کے پیش کی گئیں اور حضرت مولانا نے انھیں ملاحظہ فرما کر ان کی منظوری دی۔ یہاں اسی تحریر کو قدرے اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

جماعتوں کیلئے روانگی کی ہدایات

روانگی | یہ ذہن بنایا جائے کہ سیکھنے کے جذبہ سے نکلیں، جن لوگوں میں جائیں ان سے پر شفقت اور ترجم کے جذبہ کے ساتھ جائیں۔ آزاد زندگی چھوڑ کر امیر کے تابع ہو کر امیر کی مان کر وقت گزارنے کی نیت سے جائیں جس طرح نماز میں امام کی مان کر عمل کرتے ہیں۔ اسی طرح امیر کی مان کر وقت گزاریں۔ امیر کو یہ سمجھایا جائے کہ مامورین کا وقت اور مال امانت سمجھ کر صحیح وقت گزارنے کا فک کر کریں۔ ترغیب سے کام لیں۔

راہ عطیہ مکتوب جناب بھائی محمد خالد صاحب صدیقی علی گڑھ

ڈانٹ ڈپٹ کریں۔ امارت ذمہ داری ہے عہدہ نہیں۔ سفر میں کس طرح گزاریں، یہ سمجھایا جائے۔

نگاہ کی حفاظت ہو، اللہ کا ذکر ہو، آپس میں دُود کی جوڑی بنا کر سیکھنے سکھانے میں وقت گزاریں۔

بستی میں داخل ہوں تو خدا کی جناب میں اپنے ضعف کا اظہار اور خدا سے مدد مانگ کر بستی میں داخل ہوں، سنت طریقے سے مسجد میں داخل ہوں۔ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھیں یہ مسجد کا حق ہے۔ اگر وقت مکروہ نہ ہو۔ ساتھیوں کو جوڑ کر مشورہ کریں۔ اس کا فائدہ کریں کہ بستی کے ہر مرد و عورت کے لئے اللہ ہیں خیر کا ذریعہ بنا دے۔

دینی اور دنیوی لائن کے بڑوں سے ملاقات کریں۔

دینی لائن کے بڑے | دینی لائن کے بڑوں سے بات اس طرز سے کریں کہ آپ بڑے ہیں ہم چھوٹے ہیں۔ بشاشت دیکھیں تو کارگزاری سنائیں، دعا کے لئے کہیں، مقصود متوجہ کرنا ہے۔

با اثر یا خواص | کو ذمہ داری کا احساس دلائیں کہ آپ کے تعاون سے لوگ ہمارے ساتھ جڑیں گے۔ اس کا اجر خدا آپ کو دیں گے، ان کو ذریعہ بنائیں۔ اپنے کام میں ان کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

تعلیمی گشت | تعلیم کا حلقہ قائم کریں۔ تعلیمی گشت کریں، کھانے کا نظم کریں، برتن ساتھ ہوں، صورت سوال سے بچیں، کوئی دعوت کرنے آئے تو اس کے جذبہ کی قدر کریں، کام میں جوڑیں، قریب کریں، کام کا نفع دیکھیں، اگر قبول نہ کرنا ہو تو مناسب طریقے سے عذر کر دیں۔ اپنے اندر اکڑاؤ ترک کر دے۔

ظہر کا وقت | نماز کے بعد مقامی لوگوں کو ٹھہرا کر ساتھ دینے کے لئے آمادہ کریں کہ ٹھہر جائیں۔ اگر نہیں ٹھہر رہے ہیں تو گشت کا وقت بتلا کر اس وقت آنے پر آمادہ کریں۔ ان کے سامنے عمومی گشت کا مشورہ بھی ہو۔ پھر اپنی تعلیم کریں۔ بستی والے شریک ہو جائیں تو جوڑ لیں۔ ورنہ عمومی گشت کا وقت بتلا کر

اس وقت آنے پر آمادہ کریں۔
بعد عصر اگر گشت مغرب کے بعد ہے تو عصر کے بعد دو، دو تین، تین مقاموں کے ساتھ جماعتیں بنا کر گشت کی تیاری کیلئے بھیجیں بقیہ کو ترغیب دیکر ذکر میں بٹھائیں۔

ناز مغرب کے بعد فکر سے اعلان ہو، گشت کی ترغیب دے کر تیار کیا جائے۔ بہتر ہے کہ اپنے ساتھی پیچھے بھیجیں اور ان کو آگے بٹھائیں۔
بعد مغرب عشاء کے بعد تک وقت دینے کے لئے آمادہ کریں، تیار نہ ہوں تو قربانی پر آمادہ کریں، اس پر بھی تیار نہ ہوں تو جلد اپنے تقاضے پورے کر کے آنے پر آمادہ کریں۔ اور یہ کہیں کہ جو ملے اسے مسجد میں بھیجیں، منکر مند بنائیں، داعی بنا کر بھیجیں، تیار شدہ مجمع سے پہلے عمومی گشت کے لئے جماعتیں بنائیں۔ ضرورت ہو تو بہتر ہے کہ خصوصی گشت کے لئے جماعتیں بنائیں، ان کا حق سمجھ کر مسجد میں لانے کی کوشش کریں، دو تین آدمی ذکر و دعا کے لئے بٹھائیں۔ ایک دو آدمی مسجد میں آنے والوں سے بات کر کے انہیں اعمال میں جڑنے کے لئے آمادہ کریں۔ ایک آدمی دعوت دینے کے لئے بٹھائیں جو بقیہ مجمع کو دعوت کی باتیں سمجھائے۔

گشت ایک آدمی مقامی ہو جو لوگوں کو متوجہ کرے کہ یہ اللہ کے بندے اللہ کے لئے تمہارے پاس آئے ہیں، اپنے کام کو چھوڑ کر ان کی بات سنو اس بنیاد پر کریں کہ ایمان کی دولت بڑی مایا ہے۔ اسی پر دوزخ سے نجات ملے گی۔ جنت حاصل ہوگی۔ مسجد میں اسی کی بات ہو رہی ہے ہم تمہیں لینے آئے ہیں، مسجد میں چل کر بات سن لو۔ دین پر چلنے میں مسلمان کا نفع ہے اور دین پر نہ چلنے میں نقصان ہے۔

بات گشت ایمان کی تحریک پیدا کر کے نماز کی تقریب پر اذان سے پہلے ہر بالغ مرد کو مسجد میں جمع کرنے کی محنت ہے۔ مناسب ہو تو کلمہ بھی سنا جاسکتا ہے۔ ایمان کی دولت بڑی مایا ہے۔ آگ کے ذریعے کی طرح ہے اسے بھڑکا کر شعلہ بنایا جاسکتا ہے

ایمان کا احساس ہو جائے تو ولی بن سکتا ہے۔

نیت | ترجم کے جذبے سے جائیں کہ اللہ کے بندے اللہ کے گھر میں آئیں گے اللہ کے حکموں پر چلیں گے، اللہ ان پر رحم کرے گا تو ہم پر بھی رحم کرے گا۔

اعلان : بہتر ہے عملہ کا کوئی با اثر آدمی کرے، ورنہ خود کریں۔

بیان | دین پر چلنے میں مسلمان کا نفع ہے۔ دین پر چلنے کا موقع موت سے پہلے ہے، جی چاہی چھوڑ کر رب چاہی زندگی گزارنے کے لئے یہ دین ہے۔

اللہ پاک نے جو پاکیزہ طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دے کر بھیجا ہے۔ اس کی پابندی کر کے زندگی گزارنا یہ دین ہے۔ اللہ کے راستے میں نکلیں گے۔ چھ نمبروں کی مشق کریں گے تو اسکے ذریعہ اللہ پاک پورے دین پر چلنے کی توفیق دیں گے۔ اس سے متاثر نہ ہو کہ لوگ کیسے نکلیں گے تشکیل کرو۔ چلے تین چلے کے لئے تیار کرو، رات کو اٹھ کر دعا مانگیں۔ صبح کو موجود ہوں تو آمادہ کرو کہ جلدی سے تیار ہو کر کے آجائیں اور نکلیں ورنہ گشت کر کے نکالیں۔

تعلیم | حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا احترام ہمیں دوسروں کی طرف متوجہ نہ ہونے دے۔ متوجہ کرنے کے لئے دو چار باتیں کہدی جائیں۔ فضائل کے ذریعے دین کی سچی طلب پیدا ہو جائے۔ طلب صادق عمل پر ڈال دیتی ہے۔ علم اور عمل میں جوڑ پیدا ہو جائے، اس طرح پڑھیں کہ سننے والوں کے دل لے لیں۔ اپنی بات نہ ملائیں۔ اللہ اور رسول کے کلام سے متاثر کرنا ہے۔ اگر کوئی لفظ یا عبارت ایسی آجائے کہ جس کے بارے میں اندازہ ہو کہ جمع نہیں سمجھا ہے تو اسے آسان الفاظ میں سمجھا سکتے ہیں۔ عبارت کا یا وہو جانا یہ سمجھنا نہیں ہے۔ حدیث میں امر وہی ہے۔ سمجھنے کا معیار یہ ہے کہ فضائل سن کر داعیہ پیدا ہو جائے۔ اور وعید سن کر اگر مبتلا ہو تو توبہ کرے اور خدا نے بپا رکھا ہو تو اور خشکی پیدا ہو جائے۔

قرآن کے حلقے | عمومی حلقے میں صرف قرآن پاک ہو، ہر لائق کے اختلاف سے بچنا ہے۔ مسلک کے اختلاف سے بچنا ہے۔ سیکھنے کا احساس

دلانا ہے۔ سیکھنے کی ترغیب دینی ہے۔ رہبری کے طور پر ایک دو آیت روزانہ سکھانے
اہتمام کرنا ہے۔ نکلنے کے زمانہ میں۔ دو دو کی جوڑی بنادیں کہ باقی وقت میں سیکھیں۔
علماء سے مسائل معلوم کرنے کی ترغیب دینی ہے۔

یہ ذہن بنایا جائے کہ اللہ کے راستہ میں نکل کر جو مایا حاصل ہوئی ہے۔ اس
کی حفاظت اپنے مقام پر ان عملوں میں لگنے سے ہوگی۔ ورنہ یہ مایا آہستہ
آہستہ نکلتی رہے گی۔ حاصل ہونے کے بعد نکل جائے تو پھر اتنی مایا شاید دس گنا محنت
سے بھی حاصل نہ ہو۔

ایک یہ ہے کہ چلہ تین چلہ لگا کر فارغ ہو گئے اور ایک یہ کہ موت تک کرتے رہنے
کی نیت سے جاؤ اور موت تک کرتے رہنے کی ترتیب یہ ہے کہ اپنے مشغلوں کے ساتھ
اسے جوڑ کر کرنے کی نیت سے جاؤ۔ ترتیب بنائیں گے تو بنا سکیں گے ورنہ موت آجائیگی
اور وقت ہاتھ سے جاتا رہے گا اس کی کوشش کریں کہ اللہ کے بندوں کو ہم سے کوئی
تکلیف نہ پہونچے۔

کام اونچا اور بہت نازک ہے۔ کتنی ہی احتیاط آدمی کرے مگر چون
ہو جاتی ہے، مذاکرہ اسی لئے ہے تاکہ سب کو نفع ہو، نہ امتحان
مقصود ہے نہ غلطی نکالنا مقصود ہے، نہ کسی کو شرمندہ کرنا نہ کارنامہ تہلانا، یہ ذہن
بنا کر کارگزاری سنی جائے کہ اپنے اوپر محنت اور دوسروں کے اوپر محنت کیلئے
گئے تھے۔ خود کیا سیکھا۔ اوروں پر کیا محنت کی، اللہ کا یقین سیکھنے، نمازوں کو
جی لگا کر پڑھنے اور جاندار بنانے کی محنت کرنے گئے تھے۔ سفر میں وقت کیسے گزرا۔
بستی میں کس طرح داخل ہوئے۔ گشت کیسے کیا۔ دعوت کیا دی، تعلیم کس طرح کی،
نقد جماعت نکالی کہ نہیں، مسجد وار جماعت بنائی یا نہیں؟

ان باتوں کو سن کر ذہن بنا کر کام سمجھایا جائے کہ اس طرح کا کرتے تو زیادہ اچھا ہوتا۔

واپسی والوں کی تشکیل کی جائے کہ زمین دن لگاتے ہوئے جائیں۔
پہلے ہوتا تھا اب کریں یا نہ کریں، اپنی بستی کی مسجد میں جا کر ٹھہریں اور

تشکیل

جماعت نکال کر گھر جانے کی کوشش کریں۔ دوبارہ کب آئیں گے یا کب نکلیں گے۔ مقرر کر کے جائیں۔

جماعتوں کا قیام چونکہ مساجد میں ہوتا ہے۔ اس لئے مرکز کی جانب سے خصوصی طور پر ان کو متوجہ کیا جاتا ہے کہ وہ اس پورے عرصہ میں مساجد کے قیام میں درج ذیل امور کا اہتمام اور خصوصی طور پر خیال رکھیں۔

(۱) مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے بائیں پیر کا جوتا نکالیں، پھر دائیں پیر کا۔ لیکن مسجد میں پہلے دایاں پیر داخل کریں، پھر بایاں پیر اور مسجد میں داخلے کی ٹاپڑھیں اور اعتکاف کی نیت کریں اپنا سامان بستر وغیرہ اگر خارج مسجد کوئی کمرہ ہو تو اس میں رکھیں ورنہ مسجد کے کسی کونے میں سلیقے اور ترتیب سے رکھیں کہ نمازیوں کو مزاحمت نہ پڑھنے اور آنے جانے میں تکلیف نہ ہو۔

(۲) مسجد کے نظام میں کوئی دخل نہ دیں، نہ امامت میں، نہ اذان میں اور نہ دیگر انتظامی امور میں۔ مسجد کے قرآن پاک پڑھنے کے لئے جہاں رکھے ہوں، پڑھ کر اسی ترتیب سے وہیں رکھ دیں، تسبیحات جہاں ٹنگی ہوں، پڑھ کر وہیں ٹانگ دیں۔

(۳) مسجد کی روشنی اور پنکھے وہاں معمول سے جتنی دیر استعمال ہوتے ہوں اس سے فائدہ اٹھالیں۔ اگر بعد میں روشنی کی ضرورت ہو تو اپنی ٹارچ اور موم بتی کا انتظام رکھیں۔ امام صاحب یا مسجد کے ذمہ داران اگر روشنی اور پنکھوں کے استعمال کی اجازت دیدیں تو بھی حسب ضرورت استعمال کریں۔

(۴) مسجد میں کوئی مولیٰ چیز بچھائے بغیر آرام نہ کریں تاکہ سر کے تیل وغیرہ یا بدن سے اگر کوئی چیز خارج ہو تو اس سے مسجد کا فرش اور صوفیں ملوث نہ ہوں۔ مسجد کی چٹائیوں اور جہانازوں کو تکیہ اور بستر کے طور پر استعمال نہ کریں۔

(۵) مسجد سے متصل اگر کوئی جگہ کمرہ یا سہ دری وغیرہ ہو تو کھانا وہاں کھائیں۔

حتی الامکان مسجد میں کھانا نہ کھائیں۔ اگر مسجد سے متصل کوئی جگہ نہیں ہے اور محبوبہ مسجد ہی میں کھانا پڑے تو اپنی چادریں بچھا کر ان پر دسترخوان لگا کر احتیاط سے کھائیں کہ مسجد کا فرش ملوث نہ ہو۔

(۶) مسجد سے متصل مسجد کے ماحول یا اس کی چہار دیواری میں جہاں کھانا پکائیں تو صفائی کا پورا خیال رکھیں۔ دیواروں سے لگا کر چولہا اس طرح نہ بنائیں کہ کھانا پکانے سے دیوار سیاہ ہو جائے۔ سلیقے قرینے سے کھانا اس طرح پکائیں کہ کوئی بات نظروں کو بری نہ معلوم ہو۔ اسی طرح برتن وغیرہ دھونے میں مسجد کے غسل خانے اور وضو خانے وغیرہ گندے نہ ہونے پائیں۔ غرض کہ جماعت کے قیام کے زمانے میں اندرون و بیرون مسجد ہر طرح کی صفائی کا خیال رکھیں۔ کبھی کبھی اس میں تھوڑی سی بے احتیاطی اور لاپرواہی سے مقامی مصلیوں اور مسجد کے منتظمین کو اعتراض ہو جاتا ہے۔ اور وہ اتنے بڑے نافع کام سے دور ہو جاتے ہیں۔

(۷) بعض جگہ فلش کے پائخانے ہوتے ہیں، استعمال شدہ ڈھیلے یا کپڑوں کے کترن وغیرہ اس میں ہر گز ہر گز نہ ڈالیں۔ مبادا وہ بند ہو جائیں اور مسجد کے مصلین اور منتظمین کو ان کی صفائی کرانے میں ہماری وجہ سے زحمت ہو۔

(۸) اذان سے پہلے پہلے اپنے بستر وغیرہ اٹھا کر کونے میں رکھ دیں اور نماز کی تیاری کر کے اعمال مسجد میں مشغول ہو جائیں۔

(۹) مسجد کے پینے کا پانی پینے کے لئے اور وضو و غسل کا پانی وضو و غسل کے لئے استعمال کریں۔ پانی کے استعمال میں احتیاط ملحوظ رہے۔ تاکہ مقامی مصلیوں کو کوئی تنگی پیش نہ آئے۔ حضرت مولانا ان ہدایات و اصول و ضوابط کے علاوہ نکلنے والوں کو بڑی دلسوزی و فکر مندی سے نصیحتیں بھی فرمایا کرتے تھے۔ یہاں ان بیش قیمت نصائح کا ایک انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔ فرمایا:

”دین کے کام بالکل آسان اور مزے دار ہیں۔ دنیا کی چیزوں میں کوئی مزہ نہیں ہے لیکن چونکہ مزاج بگڑا ہوا ہے اس لئے اس میں مزہ جانتے ہیں۔ جیسے بیمار آدمی کو کھڑوا

میٹھا لگتا ہے اور میٹھا کڑوا معلوم ہوتا ہے۔ کسی مریض کے سالن میں اگر خوب مرچیں ڈال دیں اور پھر بھی اسے محسوس نہ ہوتی ہو تو یہ بے حسی ہے۔ یہی حال اس وقت ہوتا ہے جب ایمانی مزاج بگڑ جائے۔ اگر ایمانی مزاج بنا ہوا ہوتا ہے تو اعمال بڑے مزیدار لگتے ہیں۔ دینی اعمال کے مزے کے سامنے دنیا کی تکلیفیں بھی ہٹیج ہیں۔ محنت کرنے سے ہی انسان کو ملتا ہے مَن جَدَّ وَجَدَّ۔ آج ہر چیز پر محنت ہو رہی ہے۔ یہاں تک کہ پانخانہ پر محنت ہو رہی ہے اور اعمال پر محنت نہیں ہو رہی ہے۔ چلہ تین چلہ دین کی قیمت کے اعتبار سے بہت تھوڑے ہیں۔ لیکن چونکہ ذوق بدل گیا ہے۔ اس لئے شروع میں رخ بدلنے کے لئے تھوڑا وقت مانگا جاتا ہے اور بھائیو! خدا کے یہاں تو کام کرنے والے ہی کی پوچھ ہے۔“

جماعت میں نکل کر صرف اپنی اصلاح کی فکر کرنی ہے۔ کسی دوسرے کی اصلاح کی نہیں۔ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

”جماعت میں نکل کر دین کے کام کو سیکھنا ہے اور گشت تعلیم وغیرہ جو بھی کیا جا رہا ہو وہ اللہ کے لئے کیا جا رہا ہو۔ اور اصل اپنے آپ کو دیکھنا ہے۔ اپنے آپ کو بنانے کی محنت اور مشق کرنا ہے۔ دوسروں کی خدمت کرنا اور ان کا اکرام کرنا، یہ ہم کہتے تو بہت ہیں لیکن یہ عمل میں آجائے، اس کو سیکھنا ہے۔ آج ہماری زندگی خدا کو ناراض کرنے والی گذر رہی ہے اصل غرض تمام کوششوں کی اللہ کو راضی کرنا ہے اور اسی کے لئے اعمال ہیں۔ ایک تو ہم عمل کرتے نہیں اور اگر کرتے ہیں تو پتہ نہیں کیا کیا اپنے آپ کو سمجھ بیٹھتے ہیں اور اپنے منہ میاں مٹھو بن جاتے ہیں۔“

اسی طرح رخصت ہونے والی جماعتوں کو حضرت مولانا کی یہ تاکید بھی ہوتی تھی کہ وہ صرف اپنی اصلاح کی نیت لے کر جائیں، دوسروں کی اصلاح کی فکر و نیت لے کر نہ جائیں۔ ورنہ دونوں طرف محرومی رہے گی۔ جناب خالد سیف اللہ صاحب لکھتے ہیں:

”جماعتوں کی روانگی سے پہلے حضرت جی ایک بات بہت اہتمام سے فرمایا کرتے تھے کہ تم اللہ کے راستے میں مجاہدہ کے لئے جا رہے ہو اور اللہ کا وعدہ ہے وَاللّٰدِیْنِ

جَاهِدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا - یعنی مجاہدات پر اللہ تعالیٰ اپنے راستہ کی ہدایت
 مرحمت فرمادیتے ہیں۔ لیکن شیطان یہاں پر ایک چال چلتا ہے۔ وہ یہ کہ اُن لوگوں
 کی ہدایت کی نیت کر دیتا ہے، جہاں جا رہے ہیں۔ اور اپنی ہدایت کی نیت بھلا دیتا
 ہے۔ اب اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ وہاں والے تو اس لئے محروم رہ گئے کہ وہ
 مجاہدہ میں نہیں آئے۔ اور جانے والے مجاہدات میں رہنے کے باوجود اس لئے
 محروم رہ گئے کہ اپنی ہدایت کی نیت نہیں کی۔ اس لئے روزانہ اہتمام سے اپنی ہدایت
 کی نیت کیا کرو۔ اور اپنی آخرت کے لئے محنت میں لگو تو اللہ کا وعدہ ہے کہ ہدایت
 کا نزول تم پر ضرور ہوگا اور جب تمہاری دعاؤں سے رحمت کی اور ہدایت کی بارش ہوگی تو وہ
 خالی تمہارے سر پر نہیں ہوگی بلکہ سب کے سروں پر ہوگی۔ یہ بات دعوت کا بہت اہم نکتہ ہے۔
 • ایک مرتبہ نکلنے والی جماعت کو مخاطب بنا کر سلیقہ اور حسن انتظام سے متعلق چند
 باتیں اس طرح ارشاد فرمائیں۔ کسی کے ساتھ زور و زبردستی کا معاملہ نہ کیا جائے کھانے کا اپنا
 انتظام کیا جائے کھانے کا ایسا نظم ہو کہ صرف ضرورت پوری ہو جائے۔ سیدھی سادی خوراک
 سے پیٹ بھرنا ہے۔ جماعت میں نکل کر وقت ایسا گزار کر آؤ کہ جب اپنے گاؤں واپس
 جاؤ تو وہاں بھی غلط کام نہ کرو۔ معمولات کو پورا کرنا۔ نمازوں میں دل لگانا۔ آپس
 میں ٹھیک سے رہنا سہنا ضروری ہے۔ آپس میں جب ایثار ہوگا تو دلوں میں الفتیں و
 محبتیں آئیں گی۔ اللہ کے راستے میں دوسرے کے کام آیا جائے نہ یہ کہ اپنا بوجھ دوسروں
 پر ڈالا جائے۔ اگر سارے عمل خدا کے لئے کرنے کی صفت ہمارے اندر آجائے تو
 پھر کھانا کمانا، ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا، یہ سب دین بن جائے گا۔ اگر خدا کا حکم نبی کے طریقے
 پر کیا جا رہا ہوگا تو اس پر ثواب ملے گا۔ لیکن اگر اپنے جی کی ترتیب پر پورا کیا جا رہا ہوگا
 تو اس پر کوئی ثواب نہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ خود پسندی سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔
 • ۲۹ شعبان ۱۳۸۶ھ (۲۲ جون ۱۹۸۳ء) اتوار کی صبح میں جماعتوں کو رخصت کرتے
 وقت مختصر مختصر جملوں میں جو نصیحتیں یاد دہانے والی الفاظ میں رہنما اصول ارشاد فرمائے انکو
 مولانا عبد السلام صاحب پونوی اس طرح تحریر کرتے ہیں

فرمایا: دوستو بزرگو بھائیو! یہ سب جانتے ہیں کہ کرنے کا کام کرنے ہی سے ہوتا ہے اور کام کو طریقہ سے کیا جائے تو نفع ہوتا ہے۔ ورنہ نفع والے کام سے بھی بغیر صحیح طریقہ کے نقصان ہوگا۔

آدمی خود عمل کر رہا ہو اور بے غرض ہو کر دوسروں تک پہنچا رہا ہو۔ دین کا کام کرو تو دشمن بھی دوست بن جاتے ہیں اور دنیا کے کام میں دوست بھی دشمن ہو جاتے ہیں۔ فرمایا: لوگوں کو نرمی سے سمجھایا جائے اور ان کی سمجھتی کو ہر داشت کر لیا جائے۔ ایک بھائی متکلم ہو، باقی سب ساتھی متوجہ ہوں اللہ کی طرف۔ اور متکلم صحیح طریقہ سے بول رہا ہو تو اللہ اثر ڈالیں گے۔ متکلم ایسا ہے جماعت کے اندر جیسے بدن میں زبان۔ گشت میں خانہ پری نہ ہو کہ بس ایک دو کے پاس چلے گئے۔ گشت کر کے جس کو لاؤ، اگر اس نے نماز نہ پڑھی ہو تو نماز پڑھاؤ۔ کوئی بھائی دین کی بات مسجد میں سمجھا رہا ہو تو وہ اس کو سنواؤ۔

فرمایا: جب بیان کرنے والا بات پوری کر چکے تو اب سب جماعت کے ساتھی اپنے قریب والوں کو سمجھاویں کہ دیکھو یہ دنیا عارضی ہے جو آگے کا عمل کیا ہو گا وہ باقی رہنے والی پونجی ہے۔

جو تیار ہو جائیں تو بہت اچھا، اور اب بھی جو نہ مانے تو اپنی کوتاہی سمجھے کہ اسے اللہ ہم اس کو اس کی ضرورت نہیں سمجھا سکے ورنہ آدمی ضرورت سمجھتا ہے تو ضرور نکل جاتا ہے۔

فرمایا: بیان کے وقت جو تشکیل ہوگی اس پر اکتفا نہ کر لو، بلکہ صبح جا کر اس کے گھر والوں کو سمجھاؤ اگر نام لکھانے والا رک جائے اور نہ نکل سکے تو یہ مت سمجھو کہ اس نے جھوٹا وعدہ کیا تھا، اس کو الزام مت دو۔ اس لئے کہ اس نے اس ماحول کے اثر سے واقعہ وعدہ کیا تھا اب جب وہ دوسرے ماحول میں گیا تو پختگی نہ رہی۔ اب اسکی اعانت کرو، اس کو اور گھر والوں کو سمجھاؤ اور جب اپنی سچی کوشش کر لو تو اللہ سے دعا کرو کہ اسے اللہ ہماری کوتاہی معاف فرما۔

فرمایا: لڑنا نہیں، یہ شیطان کا ایسا تیر ہے کہ کام سے روک دیتا ہے۔

نئے آدمی کو اپنے پیسوں کی اور چیزوں کی خبر نہ سمجھو۔ معاملہ سب سے صاف رکھو اور چوکنا رہو۔ پیسہ روپیہ اس کے حوالہ نہ کرو۔ نیز روپیہ پیسہ اس انداز سے خرچ کرو کہ ضرورت بھی پوری ہو جائے اور وقت بھی پورا ہو جائے۔ یہ نہیں کہ بے پرواہی سے خرچ کر ڈالو اور پھر وقت سے پہلے واپس جانے لگو۔

فرمایا: ہر ایک اپنے کو چھوٹا سمجھے تو دل جڑیں گے، ورنہ پھوٹ پڑ جائے گی۔ یہ خوبیاں اور صفات سیکھنے کی ہیں۔ اللہ کے یہاں صفات کی قیمت ہے ڈھانچے کی نہیں۔ فرمایا: ہمارے اندر یہ منکر ہو کہ ہر انسان سیدھے راستے پر چلنے والا بن جائے۔ اور اللہ سے خوب مانگو۔ آدمی کرے گا تو اتنا ہی جتنا اس کے بس میں ہے۔ مگر منکر پر ثواب بڑا ملے گا۔

فرمایا: حدیث میں آتا ہے جس کو دوسرے مسلمان بھائی کی منکر نہ ہو تو اس کا ہم سے جوڑ نہیں۔ بتاؤ بنی کے ساتھ جس کا جوڑ نہ ہو تو وہ کیسا؟

فرمایا: جماعت میں نکلنا اپنے آپ کو عمل والا بنانا ہے اور عمل میں سب سے پہلے نماز ہے۔ اور عمل کو ختم کرنے والا عمل دوسرے کے حقوق کو غصب کر لینا ہے۔

فرمایا: آدمی اپنے کو چھوٹا سمجھے اور دوسرے کو بڑا سمجھ کر اس کا حق ادا کرے۔ فرمایا: اسی عمل میں ہمارا وقت لگ رہا ہو۔ ادھر ادھر کی باتوں میں نہ لگ رہا ہو۔ انشاء اللہ پھر اعمال کی قیمت دل میں اترے گی اور قیامت کے دن اعمال کی پوٹلی لے کر جاویں گے۔

فرمایا: اصل مسئلہ موت کے بعد کا ہے، ہر ایک کو مرنا ہے، بہت سوں نے یہاں باقی رہنے کی کوشش کی مگر نہ رہ سکے۔

جو وہاں کی تیاری کمرے لیتے ہیں تو ہنستے ہوئے جاتے ہیں۔ جہاں کمائی ہوتی ہے، وہاں جانے کو دل چاہتا ہے۔

فرمایا: میری تیری بیکار باتوں میں وقت ضائع نہ کیا جائے، بیکار باتوں میں اپنے کو

لگانے سے بچاؤ۔

جو جتنا کرے گا اتنا پاوے گا۔ ورنہ اپنے منہ میاں مٹھوئے تو کیا حاصل ہوگا؟
فرمایا: شیطان ایسی باتیں دل میں لاتا ہے کہ جماعت بکھر جاتی ہے۔ یوں سمجھتا ہے
کہ ہم کو ایسا امیر دیدیا ہے یا ایسا علاقہ دیدیا۔

ہیں شیطان سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ اپنے کو عمل میں لگایا جائے نہ کہ سوتے رہیں۔
چھ گھنٹہ آرام کرنا ہے۔ اگر آرام کے وقت آرام نہیں کرو گے تو عمل کے وقت نیند آویچی۔
آرام بھی آگے کے عملوں میں تیاری کے لئے ہو تو وہ بھی عمل بن جائے گا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ جماعتوں میں نکلنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے اندر بندگی آجائے اور
پھر اس کی تشریح اس طرح فرمائی۔

”جماعتوں میں نکلنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم بندے بن جائیں اور ہمارے اندر بندگی
آجائے اور بندگی یہ ہے کہ مالک کا جو حکم ہے پوری زندگی اس کے مطابق گذاری جائے
جماعتوں میں نکل کر خدا کی بات ماننے کی عادت ڈالنا ہے۔ اس لئے کہ جماعت میں صحبت
کا اثر پڑتا ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے حمام میں خوشبودار مٹی کا دیکھنا اور پھر اس میں
پھولوں کی صحبت سے خوشبو کا آجانا بیان فرمایا ہے۔ آج ہمارے شب و روز کے
مشاغل میں شیطانی اثرات ہیں۔ شیطان کا اثر ہماری طبیعتوں پر پڑا ہوا ہے جس کی وجہ
سے خدا کے حکموں پر عمل کرنا ہمارے لئے دشوار ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہمارا
کچھ وقت مساجد میں اور اعمال مساجد میں گزرے تاکہ فرشتوں کی ہم نشینی حاصل ہو۔
ملکوتی صفات حاصل ہوں۔ ملائکہ کی ہم نشینی اگر ہمیں ملی تو ہمارے اندر ماننے کی صفت
پیدا ہوگی۔“

حضرت مولانا کی عادت شریفہ یہ بھی تھی کہ جماعت میں نکلنے والوں کو خطوط کے ذریعہ بھی
متواتر ہدایات و نصائح فرما کر ان کو انفرادی و اجتماعی اعمال اور صحیح طور پر وقت گزارنے

کی بطور خاص تاکید فرماتے۔ اس طرح ان مکاتیب کے ذریعہ حضرت مولانا کا ان سے مسلسل رابطہ قائم رہتا تھا۔ ذیل میں ایسے ہی چند مکاتیب پیش کئے جاتے ہیں۔
پیش نگاہ مکتوب میں عربوں کی اہمیت اور جو بیس گھنٹے کے اعمال میں ترتیب پر توجہ دلائی گئی ہے۔

”مکریم و محترمین، وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
آپ کا خط موصول ہوا۔ دینی سفر بہت ہی مبارک ہے۔ حق تعالیٰ مشرو با برکت فرما کر قبولیت سے نوازیں۔

محترم دوستو! اپنے اس سفر کے اوقات کی بہت قدر کرتے ہوئے دعوت و تعلیم و اذکار و نوافل، خدمت گزاری وغیرہ امور میں مصروف رکھا جائے۔ مقامی دوستوں کو بھی ساتھ لیا جائے۔ اور ان کی جماعتیں بنا کر ماحول میں روانہ کی جائیں جن مملوں میں کچھ احباب اوقات لگا چکے ہیں وہاں جماعت بنا کر مقامی دینی محنت پر آمادہ کئے جائیں۔ ہر آدمی سال کا چلہ، مہینہ کے تین دن، ہفتہ کے دو گشت کر لیا کرنے، اسکی بھی تشکیل کی جائے۔ عرب حضرات کی عظمت و احترام ہو۔ اللہ رب العزت نے ان میں جو فطری طور پر جو خوبیاں رکھی ہیں ان کے لینے کی آسان صورت یہی ہے۔ ہم ہر گھنٹے والے معمولات اصل کام ہیں، اس سے قلوب متوجہ ہوتے ہیں۔ دن کی محنت و مساعی میں رات کی دعاؤں سے جان پڑتی ہے۔ ساتھیوں سے ان کی استعداد کے مطابق کام لیا جائے۔ آپس میں جوڑ، محنت و خدمت گزاری ہو۔ ہم بھی دعا کرتے ہیں۔ آپ حضرات بھی دعا فرماتے رہیں۔ احباب کو سلام عرض ہے۔

بندہ الغلام الحسن غفرلہ، بقلم موسیٰ ۱۲۔ ۸۔ ۱۴۰۶ھ

ایک جماعت کو اس مبارک راہ میں عاجزی و انکساری کا شرط اولیں ہونا اپنے ایک مکتوب کے ذریعہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

”میرے دوستو! انبیاء علیہم السلام کی دعوت والا یہ عمل اصول و قواعد و شرائط و آداب چاہتا ہے۔ اس کے بغیر اس کی حقیقت نہیں کھلتی اور اس کی بنیاد اور اساس کا

پتہ نہیں چلتا اور اس کی غرض و غایت معلوم نہیں ہوتی۔ اور قرآن کریم میں حق تعالیٰ شانہ کا انتشار اور مقصد معلوم نہیں ہوتا۔ دعوت کی اس عظیم محنت میں چلنے والے بھی اصولوں کی پابندی کے بغیر چلتے ہیں اور اس کے قواعد و شرائط اور آداب کا خیال نہیں رکھتے۔ اتنے عظیم کام کو بھی اور تحریکوں کی طرح ایک تحریک سمجھتے ہیں حالانکہ اس کے لئے بڑی قربانی، جدوجہد، آہ و بکا، عاجزی و انکساری پہلی شرط ہے۔ (اس کے بعد امیر کی۔۔ اطاعت اور بڑوں کی نگرانی ضروری ہے تاکہ خواہش نفس سے حفاظت ہو۔ دشمن کو معاف کرنا، اپنے ساتھ برائی کرنے والے کو معاف کرنا، اعراض دنیا سے اپنے دامن کو چھڑاتے رہنا، مخلوق سے استغناء اور زہد فی الدنیا کو طلب صادق کے ساتھ اختیار کرنا، حکم کی لائن سے ہچتے ہوئے ترغیب سے کام کرنا۔ (اس راہ کی اہم شرطیں ہیں)۔ ایک دور دراز مقام پر گئی ہوئی جماعت کو دین کے فروغ کے اصلی سبب اور حق تعالیٰ شانہ کی ذات عالی سے تعلق اور اس پر یقین کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں!

”میرے دوستو! جس دین کے سیکھنے کے لئے آپ نے گھروں کو چھوڑا ہے۔ یہ وہی دین ہے۔ جو خاص انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے۔ اور جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہترین اجتماعی اصولوں کے اتباع کے ساتھ چھوڑ گئے۔ انسان بالطبع مخلوق سے متاثر ہے اور وہ اس بارے میں کچھ غلط یقین بے بنیاد علم اور ان کے مطابق غلط عمل پر پڑا ہوا ہے۔ مخلوق کے بارے میں جو بھی یقین و عمل اپنے کو حاصل ہے اس کو اپنے میں سے نکالنے کے لئے اور اس سفلی و فانی یقین کے بدلہ اپنے میں صرف ذات باری کا یقین و علم پیدا کرنے کے لئے جدوجہد کا ایسا جذبہ پیدا ہو کہ ان کی صفات و کمالات کا مظہر بن کر ان کی ذات والے انعامات کے عمومی دروازے کھل جائے گا اور رعبہ بنے اور اصل اس کا انعام۔۔ باری تعالیٰ کی رضا اور محبت ہم کو ہمیشہ کے لئے حاصل ہو۔ اصل دین حق تعالیٰ شانہ کو مخلوق میں ان کی ذات کا یقین پیدا کرنے کے لئے یقین کے ساتھ اپنی جان کھانے اور ٹھوکریں کھانے کے طریقے کو سیکھنا ہے جس پر نہ کسی مخلوق کا تاثر اثر انداز ہو سکے، اور نہ بھوک، پیاس، نہ بیماری و کمزوری، نہ گرمی نہ سردی، نہ کوئی غیش و عشرت اور نہ

خوف و ہراس - یہی دین کے فروغ کا اصلی سبب ہے -

محنت کی ایسی ترتیب قائم کی جائے کہ احباب نقد نکلیں ، مقامی کام کی ترتیب بنے اور ساتھیوں میں خدا کا تعلق اور دعوت کے مطابق عمل بنتا چلا جائے - فقط

مرکز نظام الدین دہلی سے بہت کثرت

بیرون ملک جانوالوں کو ہدایات کے ساتھ جماعتیں بیرونی ممالک میں

جاتی رہتی ہیں - ذیل میں ایسی جماعتوں کے لئے حضرت مولانا کی بتلائی ہوئی پچیس ہدایات پیش کی جاتی ہیں - یہ تمام ہدایات سلیقہ و انتظام اور دعوتی منکر و عمل پر مشتمل ہیں -

فرمایا!

- ۱ - کرنسی امانت ہے ، اس کو صحیح استعمال کیا جائے -
- ۲ - ضرورت کی چیزیں اپنے ملک سے لے کر جائیں -
- ۳ - بیرون ملک سے کوئی چیز خرید کر نہ لائیں اور نہ کسی کی امانت لائیں -
- ۴ - بیرون ملک میں کاروبار کی باتیں نہ کریں -
- ۵ - بیرون ملک جا کر اپنا پتہ مرکز نظام الدین کو بتائیں -
- ۶ - اپنے ذاتی خطوط رشتہ داروں کو مختصر لکھیں اور دعوت کی بات سامنے رکھیں مہینہ میں دو دفعہ نظام الدین خط لکھیں -
- ۷ - بیرون ملک جا کر کوئی قرضہ نہ لیں -
- ۸ - تمام مسائل میں الشریاک سے رجوع کریں -
- ۹ - جماعت کے ساتھ اکٹھا واپس آئیں -
- ۱۰ - کھانے پینے کی اشیاء میں کوئی چیز ہدیہ میں نہ لی جائے -
- ۱۱ - اپنے پاسپورٹ کی زیر کس نکال لیں -
- ۱۲ - واپسی پر کرنسی بینک میں دے کر رسید حاصل کریں -
- ۱۳ - پاسپورٹ ، ٹکٹ اور کرنسی کی حفاظت کی جائے -
- ۱۴ - ہر ملک کے مقامی باشندوں کو اپنی محنت کا مرکز بنایا جائے -

۱۵۔ جماعت میں جانے والے ساتھیوں پر حج کا غلبہ نہ ہو۔

۱۶۔ مسجد وار جماعتیں بنائیں۔ اور چار ماہ کی جماعتیں تیار کر کے نظام الدین روانہ کریں۔

۱۷۔ اندرون ملک چار مہینہ ایک ساتھ یا اس سے زیادہ اوقات لگائے ہوئے حجاب میں سے بیرون ملک کی جماعت بنائی جائے۔

۱۸۔ کم از کم چار ماہ کی جماعت بنائی جائے۔

۱۹۔ اگر کسی تقاضہ کے پیش نظر چار ماہ سے کم کی جماعت بنائی ہو تو اس کے وجوہ اور رائے لکھ کر اجازت لی جائے۔

۲۰۔ جانے والے احباب ہر سال چلہ لگاتے ہوں۔ اور ہر ماہ مسجد وار جماعت کے ساتھ تین دن لگاتے ہوں۔

۲۱۔ اپنی مسجد وار جماعت کے ساتھ اہتمام کے ساتھ مقامی کام میں شریک ہوتے ہوں۔ اور جوڑ کامزاج رکھتے ہوں۔ اور اپنے امیر اور شوریٰ کے مشورہ سے چلتے ہوں۔

۲۲۔ اگر کسی کے تین چلہ کسی عذر کی وجہ سے اندرون ملک نہیں لگ سکے لیکن مندرجہ بالا صفات ان میں موجود ہیں اور وہاں کے ذمہ داروں کی اتفاق رائے ان کے بارے میں یہ ہے کہ انھیں بیرون ملک بھیجنے میں کوئی حرج نہیں تو انھیں جماعت میں جوڑنے یا یہاں جماعت کے ساتھ بھیجنے یا لے کر آنے سے پہلے مندرجہ بالا امور کی روشنی میں ان کے احوال لکھ کر اجازت لی جائے۔ اور یہ بھی لکھا جائے کہ اس کے بارے میں اگر پہلے اندرون ملک چار مہینہ لگانے کا فیصلہ ہو تو وہ پشاشت سے تیار ہے۔ اگر مشورہ سے ان کو اجازت دیدی جائے تو ان کو جماعت میں جوڑا جائے۔

۲۳۔ ہر جماعت بیرون میں جانے سے پہلے ہنگلہ والی مسجد آئے اور اسی طرح واپسی پر بھی پہلے ہنگلہ والی مسجد آئے۔

۲۴۔ حج یا عمرہ کا وعدہ کر کے یا امید دلا کر بیرون کی جماعت کی تشکیل نہ کی جائے۔ اگر کسی مصالحت سے جماعت کے سفر میں حج یا عمرہ کو شامل کرنا ہے تو جانے سے پہلے بنگلہ والی مسجد سے اجازت لی جائے۔ جن پر حج فرض ہو وہ جماعت میں جانے سے پہلے حج ادا کر لیں پھر کسی ملک میں جانے کے لئے نام دیں۔

۲۵۔ جماعت خراج کے اعتبار سے بنائی جائے اور اپنی رایوں کو لکھ کر رخ یہاں سے لیا جائے۔ جن کو پہلے سے ملکوں کے رخ دیئے جا چکے ہیں۔ وہ اپنی تمام کارروائیاں مکمل کر کے یہاں تشریف لائیں۔

• ذیل میں کچھ ایسی نصاب بھی درج کی جاتی ہیں جو آپ نے وقتاً فوقتاً جانے والے احباب کو فرمائیں۔

مولانا احمد لاٹ صاحب گجراتی نے ملک شام جاتے ہوئے کچھ نصیحت چاہی، تو فرمایا۔ ”فرصت معصیت کا دروازہ ہے۔ اپنے آپ کو مشغول رکھنا، اور اگر کچھ کام نہ ہو تو بڑھ کر سو جانا۔“

ایک جماعت سے فرمایا جس وقت ہوائی جہاز اس ملک کی حدود میں داخل ہو جہاں جانا ہے تو ہر ساتھی اپنے دل کو ٹوٹے کہ میں کیوں جا رہا ہوں۔ اگر ایک ساتھی کے دل میں بھی دعوت کے علاوہ کوئی اور جذبہ ہو تو توبہ و استغفار کر کے اپنا جذبہ صحیح کرے ورنہ اس کا اثر اس پورے ملک پر پڑے گا

ایک صاحب سے فرمایا ”جذبہ صرف یہ ہونا چاہیے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے۔“

مولانا محمد انعام الحسن صاحب
راوران سے پہلے مولانا محمد یوسف

والپی والوں کو نصاب اور ہدایات

جس کا معمول ہمیشہ یہ رہا کہ عامۃ صبح گیارہ بارہ بجے کے درمیان آنے والی جماعتوں کا استقبال اور جانے والی جماعتوں سے کچھ دیر کام کے تقاضے اور اس کے اصول و آداب بیان کر کے دعا اور مصافحہ کے بعد جماعتیں رخصت فرما دیتے تھے۔ اس مجلس میں مختصر مختصر جملوں میں بڑی اہم اور مفید باتیں حاضرین کو معلوم ہو جاتی تھیں۔ یہاں ایسی بعض مجلسوں کے کچھ

ارشادات و فرمودات پیش کئے جاتے ہیں۔

فرمایا: "الشَّجَلُ شَانَهُ وَعَمُّ نَوَالٍ كَوَعْمَلٍ وَالِي زَنْدُكِي پَسْنَدِيدِهِ هِي هَمَارِے اَنْدَرِ اَعْمَالِ زَنْدِه هُو جَائِسِ اَوْ رَاْعَالِ سِي هِم چَلْنِي وَا لِي بِن جَائِسِ تَوْ هِم اَللّٰهُ كِي پَسْنَدِيدِهِ بِن جَائِسِ كِي۔ الشَّجَلُ شَانَهُ مَلِكِ سِي، مَالِ سِي اَوْ رِ دَوْلَتِ سِي رَاَصْنِي نِهِيں هُو تِي بَلَكِ الشَّجَلُ رَاَصْنِي هُو تَا هِي عَمَلُوں سِي، اَوْ رِ اَللّٰهُ رَاَصْنِي هُوں كِي تَوْ هِم دُنْيَا وَ اٰخِرَتِ مِيں كَا مِيَا ب هُونِ كِي زَنْدُكِي مِيں اَعْمَالِ پَر چَلْنِي مِيں چَارِ بَاتِيں هِيں۔ اِنھِيں اَكْرِهَمِ اِنِي زَنْدُكِي مِيں اِتَارِيں كِي تَوْ چَلْنَا اَسَانِ هُو جَائِي كَا۔ اَوْ رِ وَ هِ چَارِ بَاتِيں تَعْلِيمِ تَسْبِيحِ، جَاعَمَتُوں كَا تَكْبِيرِ اُولِي كِي سَا تَه پَرِ طَهْنَا، اَوْ رِ گَشْتُوں كَا كَرْنَا هِي۔ اَنجِ هَمَارِي عَمَلِي زَنْدُكِي تُوْطِي هُو تِي هِي۔ اَللّٰهُ كِي حَكْمُوں سِي غَافِلِ هُو نِي سِي اِنِي هِي بَكْرُ تَا هِي۔ خَدَائِي كَا كُچھ نِهِيں بَكْرُ تَا۔ هِم اَكْرِ زَنْدُكِي بَهْرِ اَعْمَالِ كَر تِي رِهِيں تَوْ اَللّٰهُ كُو اَسِ سِي كُچھ فَائِدَه نِهِيں پُھُو نِچْتَا اَوْ رِ اَكْرِهَمِ سَارِي زَنْدُكِي نَا فَرْمَانِي كَر تِي رِهِيں تَوْ اَسِ سِي بَهِي اَللّٰهُ كَا كُچھ نَقْصَانِ نِهِيں، يِه تَوْ اَدْمِي كَا اِنِي نَفْعِ اَوْ رِ نَقْصَانِ هِي۔ اَللّٰهُ جَلِ شَانِ نِيں هِيں اَسِ دُنْيَا كِي اَنْدَرِ تَهْوَرِے سِي وَ قْتِ كِي لِي بِيحَا هِي۔ اَكْرِ دَوْرِ خِ وَ ا لِي رَا سْتِه پَرِ چَلَا هِي تَوْ تَه كَا نَا دَوْرِ خِ هِي اَوْ رِ اَكْرِ حَبْتِ وَ ا لِي رَا سْتِه پَرِ چَلَا هِي تَوْ تَه كَا نَا جَنّتِ هِي۔"

فرمایا: "وِينْدَارِي اِيكِ دَوَعْمَلُوں كِي كَرْنِي كَا نَامِ نِهِيں هِي۔ بَلَكِ دِينْدَارِي نَامِ هِي پُورِي زَنْدُكِي دِينِ پَرِ چَلْنِي كَا اَوْ رِ پُورِي زَنْدُكِي كُو اَللّٰهُ كِي حَكْمُوں پَرِ كُذَارْنِي كَا۔ گَشْتِ تَسْبِيحِ چَلِي اَوْ رِ تِينِ چَلِي اَوْ رِ تَعْلِيمِ، يِه صَرَفِ اَسِ وَ ا سَطِي هِيں كِي هَمَارِي لِي عَمَلِ كَا رَا سْتِه كَهْلِي، اَوْ رِ هِم اِنِي زَنْدُكِي مِيں خَدَا كِي حَكْمُوں پَرِ چَلْنِي وَ ا لِي بِنِيں۔ يِه گَشْتِ اَوْ رِ چَلِي وَ غِيْرَه سَارِ اَدِينِ نِهِيں هِي۔ اَلْبَتَّه سَارِي دِينِ پَرِ چَلْنِي كَا ذَرِيْعَه هِي۔ اِنِ— چَارِ كَامُوں مِيں اِي سِي اَبِ كُو رِ كَا تِي رِ كَهْنَا اَوْ رِ مَشْغُولِ رِ كَهْنَا هِي۔ اَوْ رِ بِيكَا رِ بَاتُوں سِي اِنِي حِفَاظَتِ رِ كَهْنِي هِي۔ بِيكَا رِ بَاتُوں سِي بِيكَا رِ كَامُوں سِي جَتْنِي حِفَاظَتِ كِي جَائِي كِي۔ اِتْنَا هِي كَرْنِي كِي كَامُوں مِيں جِي لُكِي كَا اَوْ رِ دَلِ لُكِي كَا۔"

فرمایا: "اَصْلِ هُو زَنْدُكِي هِي وَ هِ اٰخِرَتِ كِي زَنْدُكِي هِي اَوْ رِ دُنْيَا كِي زَنْدُكِي تَوْ اٰخِرَتِ كِي زَنْدُكِي بِنَانِي كِي لِي هِي۔ جَتْنِي اٰخِرَتِ كِي زَنْدُكِي بِنَانِي جَائِي كِي اِتْنِي هِي اَللّٰهُ كِي

یہاں درجے بلند ہونگے۔ یہ دنیا کی زندگی کھیلنے گھومنے کے لئے نہیں ہے۔ غفلت کیلئے نہیں ہے۔ بلکہ اس لئے ہے تاکہ اس میں آخرت کی تیاری کرنے والے، آخرت کی فکر کرنے والے اور اس کا سامان کرنے والے بن جائیں۔ اور اس کے لئے ہمیں جماعتوں میں جا کر عملوں کی مشق کرنی ہے اور عملوں کی عادت ڈالنی ہے۔ جب ہم جماعتوں سے واپس آئیں تو اپنے کاروبار اور دھندے کے ساتھ آخرت والی زندگی کے لئے عمل بھی کرتے رہیں۔“

پرانے احباب کو مشورے اور ہدایات | کام میں جڑے ہوئے پرانے احباب کو زیادہ سے زیادہ

اصول و ضوابط کی پابندی اور کام کی سطح کو زیادہ سے زیادہ بلند کرنے، نیز دعوتی و تبلیغی انتساب کی قدر دانی اور اپنے اپنے احوال کی درستی و اصلاح کی طرف بھرپور توجہ کی غرض سے حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے دور امارت میں پرانے کام کرنے والوں کی مرکز نظام الدین میں سال میں ایک مرتبہ جمع ہونے کی ترتیب قائم کی گئی۔ مرکز دہلی میں اپنی افادیت سے بھرپور اس پہلے جوڑ میں حضرت مولانا نے۔ حاضرین سے بہت کھل کر خطاب فرمایا۔ اور اس جوڑ اور جمع ہونے کا مقصد ان پر واضح کیا۔

تبلیغی کارکنان کے یہ علاقائی اور صوبائی جوڑ اپنی غرض و غایت کے اعتبار سے بہت ہی مفید اور مؤثر ثابت ہوئے۔ اور اس کے بعد ملک کے تمام علاقوں اور صوبوں کے پرانے کام کرنے والے احباب کے درمیان بھی یہ ترتیب قائم ہوتی چلی گئی۔ اب ہر علاقہ و صوبہ کے ذمہ دار احباب اپنی متعین شدہ تاریخوں پر (جو ان کو مرکز ملتی ہے) آتے ہیں اور تین دن یہاں قیام کے بعد اپنے مسائل اور امور میں مشغول کرتے ہیں اور آئندہ کے لیے بلند عزائم لے کر جاتے ہیں۔

سطور ذیل میں حضرت مولانا کی ایسے ہی اجتماعات میں کی جانے والی تقریروں کے اقتباسات اور مختلف مجالس کے ارشادات و فرمودات پیش کئے جاتے ہیں۔
پرانوں کی تعریف و شناخت بتلاتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا:

”جو کام کا منکر کرے اور لگا رہے اور کام کو اوڑھ لے بس وہ پرانا ہے فکر پر خدا دروازے کھولتے ہیں۔ جیسے اذان کی ابتداء عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، مہاجرین اولین میں سے ہیں، ان کو اس کا منکر ہوا اور اللہ نے ان کی منکر پر دروازہ کھول کر ان سے اذان دلوائی۔ پرانے کام کرنے والوں کی ذمہ داری کے احساس کی بات یہ ہے کہ اپنی شخصی ذاتی ضرورتیں موخر کر دی جائیں اور دین کے تقاضوں کو مقدم کر دیا جائے۔ خوب سمجھ لو کہ اپنی ضروریات کو ترک نہیں کرنا ہے بلکہ موخر کرنا ہے۔ اللہ کے ساتھ ہر ایک کا اپنا اپنا معاملہ ہے آج ہم اپنے مطمئن ہیں اگر مطمئن نہ ہوتے تو ہماری بے قراری ظاہر ہو جاتی۔ غیر مطمئن آدمی کا تو چہرہ سے پتہ چل جاتا ہے اس کام میں مطمئن ہو جانا اور یہ سمجھ لینا کہ ہم نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے۔ یہ خطرے کا الارم ہے۔“

ایک موقع پر دین میں پرانے ہونے کی تشریح اس طرح فرمائی:

”دین میں پرانے ہونے کے معنی یہ ہیں کہ شروع سے آخر تک بڑھتا چلا جائے۔ دنیا میں تو جو پرانا ہوا بیکار ہو گیا لیکن دین میں جو جتنا پرانا ہوتا ہے صفات کے اعتبار سے اتنی ہی قیمت اس کی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ سابقین وہ ہیں جو شروع سے آخر تک جمے رہے۔ اور بڑھتے رہے۔ سابقین وہ نہیں ہیں کہ شروع میں کیا اور آخر میں چھوڑ دیا اور سستی کر گئے۔ دین میں آدمی جتنا پرانا ہوتا ہے۔ اتنی ہی اس کی مسئولیت بڑھ جاتی ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ آنے والی جماعتوں اور افراد کا وقت صحیح گزرے۔ لوگوں کا وقت امانت ہے۔ اپنی ذات سے محنت کرنا اور دوسروں کے وقت کو صحیح گزروانا یہ ترقی کا ذریعہ ہے۔ خدا کے دشمنوں کے یہاں پرانا آدمی ریٹائر کر کے گھر بھگا دیا جاتا ہے۔ لیکن اللہ کے یہاں پرانوں کی قیمت بڑھتی رہتی ہے۔“

ہر پرانی چیز قیمتی نہیں ہوتی۔ اس طرف توجہ دلاتے ہوئے ایک اجتماع میں یوں فرمایا۔
 ”پرانے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو پرانا ہونے پر سڑ جاوے۔ مثلاً پرانا
 سالن، پرانی کار، پرانا کپڑا۔ دوسرا پرانا وہ ہے کہ جس قدر وہ پرانا ہوا اتنی ہی اس کی
 قیمت بڑھ جائے، جیسے پرانا سرکہ، پرانا چاول۔ اب بتاؤ تم کون سے پرانے ہو۔ قیمت
 بڑھنے والے پرانے ہو یا قیمت گھٹنے والے پرانے ہو؟“

حضرت مولانا اپنی مجلسوں۔ اور خواص میں کی جانے والی اپنی تقریروں میں اس
 پر بہت زور دیا کرتے تھے کہ یہ دعوت و تبلیغ سے انتساب ایک نعمت ہے اس کی قدر
 بہت ضروری ہے۔ ورنہ بڑے خطرات ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا۔

”پرانے اپنے بارے میں زیادہ ڈریں۔ کیونکہ ایک تو ان کے لئے بچنے اور
 پھسلنے کے مواقع زیادہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ جنہیں دیکھ کر لوگ چلتے ہیں اور جن میں
 مقتدا میت والی بات ہو ان کو بہت سی جائز چیزوں سے بھی بچنا پڑتا ہے۔ بزرگوں
 کا مقولہ ہے کہ جس کے دونوں دن برابر ہوں وہ خسارہ میں ہے۔ یعنی ہر روز ترقی
 کرتا رہے۔ پرانے پن کی صفت میں اگر ترقی نہیں ہوتی تو پھر پستی ہے۔ ظاہری ترقی
 یہ ہے کہ قربانی کی مقدار بڑھ رہی ہو اور باطنی ترقی یہ ہے کہ خدا کی طرف کی پیشگی کار۔۔
 استحضار بڑھ رہا ہو۔ یہ ہر شخص کے اپنے اور خدا کے بیچ کا معاملہ ہے۔“

حضرت مولانا کے نزدیک تمام پرانے احباب کے لئے دو کام بہت ضروری ہیں۔
 ایک شکرِ نعمت، دوسرے قربانی کی مقدار میں اضافہ اور اپنی ذمہ داری کا احساس۔
 چنانچہ فرماتے ہیں:

”جن لوگوں پر کام کا دار و مدار ہے اگر وہ عام لوگوں جیسا معمول رکھیں گے۔
 اور آگے نہیں بڑھیں گے تو ان کی ترقی نہیں ہوگی۔ حسنات الابوار سیات المقربین
 اگر آدمی قربانی دے کر پیچھے دیکھے کہ کتنی دی، تو تنزل ہو گا اور آگے کو دیکھے کہ اور
 کیا کرنا ہے اور اس پر قربانی بڑھائے تو یہ ترقی ہے۔ دین میں ٹھہراؤ نہیں ہے۔ اللہ
 نے ہمیں دولت دی ہے تو اس کی قدر کرنی چاہئے۔ ناقدری سے نعمت چھین لی جاتی

ہے۔ انسان کو اللہ نے دنیا میں کرنے ہی کے لئے بھیجا ہے۔ اچھے کام اگر نہیں کرے گا تو برے کام مجبوراً کرنے پڑیں گے۔ دنیا دار العمل ہے۔ اس لئے ضروریات میں تو بقدر ضرورت لگیں۔ باقی خدا کی رضا والے کام ہی میں لگے تو برکت ہوگی۔ اور اگر برکت نہ ہوئی تو ہر وقت خطرہ ہے۔

ایک دوسرے موقع پر اس اجمال کی تفصیل و توضیح اس طرح فرمائی :-
 ”دین کی محنت بڑی نعمت ہے جو اس امت کو ملی ہے۔ نعمت جتنی بڑی ہوتی ہے اس کی ذمہ داری بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے اور جتنی ذمہ داری بڑی ہوتی ہے اتنی ہی اس میں نزاکت ہوتی ہے۔ کوئی شخص خدائے پاک کی دی ہوئی نعمت کو قبول نہ کرے یا قبول کر کے ذمہ داری کا احساس نہ کرے یا نزاکت کا خیال نہ کرے تو وہ خطرے میں ہے۔ اس نعمت پر شکر کے ساتھ ساتھ اس کی ذمہ داری کے لئے بھی متفکر رہیں۔ اور ڈرنا اور خدا سے مانگنا یہ بھی ہمارے ذمہ ضروری ہے۔ نعمت کی ذمہ داری ساری امت پر تھی اور ہے لیکن جو اس نعمت کو اوڑھ لیں وہ سعادت مند ہیں۔ یہ بھی اللہ کا کرم ہے کہ اس نے ذمہ داری کا احساس دیا۔ یمنون علیک ان ایسلموا قل لا تظنوا

علی اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھذا کم للایمان ان کنتم صادقیں
 اللہ کا احسان ماننا چاہئے۔ اور شکر کرنا چاہئے لیکن شکر خالی زبان سے نہ ہو، شکر کے تین جز ہیں۔ پہلے یہ کہ دل میں اس نعمت کی عظمت و قدرت ہو، دوسرے زبان سے شکر کر رہے ہوں۔ اور تیسرے بدن سے نثار اور قربان ہو رہے ہوں۔ جب نعمت کا پورا شکر ادا کیا جاتا ہے تو اس نعمت میں اللہ زیادتی کرتے ہیں اور اگر اس کی ناقدری ہو رہی ہو تو اس پر گرفت بھی فرماتے ہیں۔ لئن شکرت لآزیدنکم ولئن کفرت لآعذابن لشدید، ہم اس نعمت پر جو اللہ کی طرف سے ہے، تینوں اجزاء والا شکر ادا کریں۔ تب شکر ادا ہوگا۔ آج ہم شکر کے صرف ایک جز زبان والے پر قناعت کر لیتے ہیں۔ ہمیں بقیہ دونوں جزوں کے لئے متفکر ہونا اور کوشش کرنا پڑے گی۔ تب تک پورا بدن قربانی میں آگے نہیں بڑھے گا اور دل میں عظمت نہ آئے گی۔ لہذا کام کرنے والوں

میں شکر کی کیفیت کو بڑھانا ہے جو اس قربانی میں بڑھتا رہے گا۔ اس کی یہ نعمت بھی۔
بڑھتی رہے گی۔“

• اپنے معاملات اور معاشرت کے اعتبار سے پرانے احباب ایک نمونہ اور مثال بن کر رہیں۔ اس پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”اللہ جل شانہ“ و عہ نوالہ نے ایک اعلیٰ نسبت مرحمت فرمائی ہے۔ اور وہ دین کی محنت اور اس کی طرف منسوب ہونا ہے۔ خدا کا کرم ہے۔ اس کا فضل ہے کہ اس نے اس نسبت سے ہمیں نوازا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہماری ذمہ داری بھی بہت بڑھ جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم دوسروں کو جو دعوت دے رہے ہیں تو ان کے لئے نمونہ اور کشش کا ذریعہ بھی بن رہے ہوں۔ یہ ہماری اپنی زندگی، شب و روز کے اعمال، ہماری معاشرت، معاملات، ہر چیز دوسروں پر اثر کرتی ہے، ہماری جتنی زندگی، معاشرت اور معاملات کے اعتبار سے اور اخلاق کے اعتبار سے بلند اور صاف ہوگی، اتنی ہی دوسروں کے لئے کشش اور آمد کا سبب بنے گی۔“

• اسی طرح ایک موقع پر فرمایا۔

”دین پر چلنا ہماری زندگی کا اصل مقصد ہے۔ یہ ہر ایک کی اپنی اپنی کوشش اور اپنی اپنی محنت ہے۔ اور ہر ایک کو اپنے آپ کو سوچنا ہے اور اپنے اوپر محنت کرنی ہے، اعمال کے ساتھ ساتھ معاملات اور معاشرت کو بھی درست کرنا ضروری ہے معاملات کے ٹھیک ہونے پر معاشرت کی درستگی ہوتی ہے۔ اگر ہم نے اپنے معاملات کو صحیح نہیں کیا تو اس کا مسئلہ قیامت کے دن بہت اہم ہو گا۔ معاملات کی درستگی کا اپنوں اور بیگانوں پر اثر پڑے گا۔ اگر معاملات بگڑے ہوئے ہوں تو یہ نمازیں اور تسبیحیں قیامت کے دن ان کو دیدی جائیں گی جن کا اپنے اوپر حق ہو گا۔ اس لئے معاملات، معاشرت اور اخلاق کی درستگی اپنی اپنی عبادات کے اجر کو بچانے کے لئے بھی ضروری ہے۔“

• ایک مرتبہ نقشبوت اور اسکیموں والی زندگی سے نکل کر حقیقت والی زندگی پر متوجہ کرنے کے ساتھ ساتھ شیطان کے مکر و فریب اور کید پر ان الفاظ میں متوجہ فرمایا:

"اللہ جل شانہ کے فضل و کرم سے دعوت کے اس عظیم کام کے اثرات دنیا میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ سب جانتے ہیں اور یہ بات ساری دنیا میں مشہور ہو رہی ہے کہ یہ دعوت کا کام امت کی اصلاح کے لئے ہے۔ اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم دین بین کو اجتماعی اصولوں کے ساتھ جس سطح پر چھوڑ کر تشریف لے گئے اس کو زندہ کرنے کے لئے یہ کام ہو رہا ہے۔ لہذا ایسے وقت میں دعوت کی راہ میں چلنے والوں کی ... ذمہ داریاں کئی اعتبار سے بڑھ جاتی ہیں۔ مثلاً جان و مال کی قربانیوں میں آگے بڑھنا اور مثلاً مفاد دنیا سے اپنے آپ کو بچانا اور مثلاً دعوت کے مطابق اپنی زندگیوں کو بنانا۔ دعوت کے مطابق اپنی زندگیوں کو بنانے کا مطلب یہ ہے کہ قولی دعوت کے ساتھ عملی دعوت کو بھی اختیار کیا جا رہا ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نعمتوں کی امیدوں پر اپنی جان و مال کی قربانی اور جدوجہد کو بڑھاتے رہتے تھے۔

حق تعالیٰ شانہ امید افزا شکلیں دکھلا رہے ہیں تو اگر ہم اس کا پورے طور سے ... استقبال نہ کریں تو یہ دعوت کی اس عظیم محنت کی ناقدری کے مترادف ہے۔ لہذا ایسے وقت میں اپنی محنت کو بڑھانے کی ضرورت ہے تاکہ حق تعالیٰ کے وعدے کے مطابق زیادہ سے زیادہ آثار رحمت ظاہر ہوں مومن کے عزائم ہمیشہ بڑھنے والے ہوتے ہیں اور دعائیں ان عزائم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہوتی ہیں۔ مگر شیطان بغیر عمل کے صرف عزائم پر ہی خوش کر دیتا ہے اور عمل تک نہیں پہنچنے دیتا۔ محض اسکیمیں بنا کر اور نقشے قائم کر کے اسی پر قناعت کر دیتا ہے اور اس کا رواج بہت سے شعبوں میں بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ لہذا اس دھوکے سے نکل کر حقیقت پر اپنی طاقت اور قوت لگانے کی ضرورت ہے۔"

• ایک موقع پر آیات شریفہ وصابکم من نعمۃ اللہ اور لیس شکر تیر لاذید نکم تلاوت کرنے کے بعد شیطان کی مفسدانہ کوشش اور انسان سے اس کی

عداوت اور حق تعالیٰ کی بے نیازی اور صمدیت کو انتہائی کرب و فکر کے لب لہجہ میں اس طرح بیان فرمایا :

”دین اللہ جل شانہ و عم نوالہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور دستورِ خداوندی یہ ہے کہ جب نعمت کی ناقدری کی جاتی ہے تو وہ سلب ہو جاتی ہے۔ خدا پر کوئی رکاوٹ ڈالنے والا نہیں ہے۔ جب نعمت سلب ہوتی ہے تو اس سے انسان کی صلاحیت بھی مٹنے لگتی ہے۔ شیطان قسم کھا کر آیا ہے۔ لا غوینہم اجمعین، وہ کوشش میں لگا ہوا ہے۔ جب انسان سے نعمت کی ناقدری ہوتی ہے تو انسان کی صلاحیت و قوت ناکر وہ چیزوں پر لگواتا ہے۔ یہ دعوت والا عمل اللہ کی نعمت ہے اور پوری امت کے لئے یہی ایک عمومی کام ہے اور یہ قرن اول کا ہیرا ہے۔ خدا نے آہنی دیوار تک بات پہنچا دی ہے۔ اللہ بے نیاز ہیں، صمد ہیں، عبادت و طاعت کی انھیں ضرورت نہیں ہے۔ ہم سرایا احتیاج و منکر اور ضرورت مند ہیں۔ ہمارے بس میں کوئی چیز نہیں ہے۔ عمر تیزی سے گزرتی جا رہی ہے۔ اس عمر کی قیمت کو پہچاننا اور اس میں خدا کی رضا کو حاصل کرو۔“

ایک مرتبہ منکری، ذہنی اور عملی بے عنوانی نیز انسانیت اور حب جاہ سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے یہاں تک فرما گئے کہ اس طرح کے لوگوں کو خدائے پاک مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیں گے۔ فرماتے ہیں۔

”اللہ جل شانہ بہت کریم ہیں اور بہت نوازتے ہیں۔ بندہ اگر صحیح رخ پر چلتا رہے تو اس کو نواز دیتے ہیں۔ اور اگر اس کے اندر انسانیت یا جاہ آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیتے ہیں۔ یہ خدا پر احسان نہیں بلکہ خدا کا ہم پر احسان ہے کہ اس نے ہمیں کام کی نسبت مرحمت فرمائی۔ اس کی قدر دانی کی جائے۔ جس سے جتنا کام لینا جا رہا ہے اس پر اللہ جل شانہ کا شکر ادا کرے اور اس سے ڈرتا رہے کہ میری کسی بے عنوانی سے اللہ جل شانہ مجھے کام سے محروم نہ فرمادے۔ اور بے عنوانی عملی بھی ہو سکتی ہے اور منکری و ذہنی بھی ہو سکتی ہے، فکری و ذہنی (بے عنوانی) یہ کہ

آدمی یہ سمجھے کہ میں تو سمجھا ہوں دوسرا نہیں سمجھا۔ بلکہ ہر ایک کی منکر کا اعتراف کیا جائے اور اس کی قدر کی جاوے اور اس کے اوپر اپنے آپ کو لانے کی کوشش کی جاوے اپنی رائے اخلاص کے ساتھ دے کر پھر جو کچھ فیصلہ ہو تو اس پر خوشی کے ساتھ قدم اٹھانا چاہئے۔ اپنی رائے پر اصرار کرنا یا اپنی رائے کو وحی سمجھنا یہ نہیں ہونا چاہئے۔“

• علاقوں اور صوبوں میں کام کرنے والے قدار کو حضرت مولانا جو رہنما اصول دیکر گئے ہیں وہ یہ ہیں :

(۱) چار ماہ کی جماعتیں اپنے علاقوں میں پیدل و سواری کی بنائی جائیں اور انکی نصرت و نگرانی کی بھی منکر کی جائے۔

(۲) بیرون کی جو جماعتیں آئیں ان کا مشورہ (یعنی نظام) ان کے سامنے کیا جائے۔

(۳) جماعتوں سے روانگی کی بات کی جائے اور واپسی پر ان کی کارگزاری سنی جائے۔

(۴) دو مہینہ کی ترتیب کے جوابات بھیجیں تو ان کو آپس کے مشورہ سے پرہیز

دے کر بھیجیں۔

(۵) بیان میں کوئی بات بغیر تحقیق نہ کہیں۔ چھ نمبر سے ہٹ کر بیان نہ کریں، کسی

پر تنقید یا اعتراض نہ کریں۔

(۶) بیرون جانے والی جماعتیں شرائط کے مطابق مکمل جماعت بنا کر بھیجیں۔ افراد

نہ بھیجیں۔

مرکز میں دو ماہی ترتیب اور اسکا آغاز | حضرت مولانا نے اپنی حیات میں ایک جدید نظم یہ بھی قائم

فرمایا تھا کہ مختلف علاقوں میں کام سے وابستہ لوگ اپنے علاقائی ذمہ داریوں سے

مشورہ و انتخاب کے بعد مرکز نظام الدین آکر دو ماہ قیام کریں اور یہاں کے اعمال

انتظام میں جڑ کر اپنی استعداد و صلاحیت کو مزید جلا بخشیں۔ یہاں کے عالمی تقاضوں کو

پورا کریں۔ اور پھر اپنے علاقوں میں واپس پہنچ کر مرکز کے دیکھے ہوئے اور نئے ہوئے

سہ ہدایات بموقع آمد کارکنان ہند مورخہ ۶۔ ۷۔ ۸۔ دسمبر ۱۹۹۲ء

طریقہ عمل کو اپنے یہاں جاری کریں۔ حضرت مولانا کا مقصد اس جدید نظم کے قیام سے یہ بھی تھا کہ پورے ملک میں مرکز نظام الدین کے بیج پر کام چلتا رہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ علاقائیت اور قومیت کی بنیاد پر یا اپنے ذہن و دماغ سے تیار کردہ سانچہ کے مطابق کام کا رخ موڑ دیا جائے۔ یہ حضرت مولانا کی غم و بصیرت ہی تھی کہ اس طرح اس دعوتی کام کی فکری نظریاتی طور پر حفاظت بھی ہو گئی اور مرکز کے زیر تربیت رہ کر علاقوں کے لیے افراد و اشخاص بھی تیار ہونے لگے۔ مرکز میں اس دو ماہی ترتیب کا آغاز ۱۹۵۵ء مطابق سنہ ۱۴۳۶ھ میں ہوا تھا۔ اس مقصد کے لیے جو سب سے پہلا بنیادی خط حضرت مولانا کے مشورہ و ہدایت کے مطابق جناب الحاج منشی بشیر احمد صاحب مرحوم نے تیار کیا اور جس کو ملک و بیرون ملک کے مراکز تبلیغ کو بھیجا گیا، یہ ہے۔

”مکرین و محترین و دینی محنت میں لگے ہوئے تمام احباب کی خدمت میں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضی۔

امید ہے کہ آپ حضرات خیر و عافیت سے ہوں گے۔ اور دینی مسائل میں خوب مشغولیت کے ساتھ عمر عزیز کا قیمتی زمانہ گزار رہے ہوں گے۔ حق تعالیٰ اخلاص کے ساتھ اپنے کام میں موت تک لگے رہنے اور آگے ہی بڑھتے رہنے کے لئے اپنے کرم سے قبول فرمائے۔ اور پورے عالم میں ہدایت کی ہواؤں کے چلنے کا ذریعہ بنائے۔

حضرت جی دامت برکاتہم ۲۶ جون کو امریکہ اور انگلینڈ کے اجتماعات کے لئے مع اپنے رفقاء کے تشریف لے گئے ہیں سفر کی قبولیت، صحت، ہمت، قوت کیلئے دعاؤں کا اہتمام کرنا ہے۔ تقریباً آخری ذی الحجہ تک کا سفر ہے۔ الحمد للہ اندرون و بیرون سے جماعتوں کی آمد بدستور ہے اور بڑھ رہی ہے۔ ان احباب کو کام میں لگانے کے لئے اور کام کی فضاؤں میں عملی مشق کرائنے کے لئے کام کو لے کر چلنے والے احباب کی ہر وقت پورے سال یہاں

۱۔ حضرت مولانا، شوال ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۶ جون ۱۹۵۵ء میں امریکہ و انگلینڈ وغیرہ کے طویل دورہ پر تشریف لے جاتے ہوئے جناب منشی بشیر احمد صاحب مرحوم کو متعین فرما گئے تھے کہ وہ یہ خط مراکز تبلیغ کو اپنے نام سے ارسال فرما دیں۔

ضرورت ہے۔ الحمد للہ ارسی اور اجولائی کو ملک کے چند صوبوں سے پرانے احباب کا یہاں دو ماہ کے لئے تشریف لانا ہوا۔ جو بنگلہ والی مسجد کے تقاضوں میں استعمال ہو رہے ہیں۔ اس سے جانبین کو حق تعالیٰ فائدہ پہونچا رہے ہیں۔ نیز حق تعالیٰ نے سال سال کی پندرہ جماعتیں پیدل ملک کی مختلف سمتوں میں کام کرنے کے لئے روانہ فرمائیں۔ جن کی کارگزاریاں بھی آرہی ہیں۔ حق تعالیٰ انھیں استقامت کی دولت سے مالا مال فرمائے اور پورے ملک میں مزید ایسی جماعتوں کے چلنے کی صورت پیدا فرمائے۔ اور ایمان کی ہواؤں کے پورے دنیا میں چلنے کا ذریعہ بنائے۔ آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اپنے ضلع اور ماحول میں جتنے پرانے کام کرنے والے احباب ہیں۔ ان کی باری باری دو دو ماہ کے لئے یہاں پہونچنے کی ترتیب بنائی جائے۔ ہر ماہ کی دس تاریخ کو احباب کے پہونچنے کا سلسلہ شروع ہوا ہے، تاکہ پہلے سے جو یہاں کام کر رہے تھے بعد میں آنے والے ایک ماہ ان کے ساتھ رہ کر کام کا تجربہ حاصل کر سکیں، پھر یہ بھی بعد میں آنے والوں کے لئے پرانے رہیں گے۔ لہذا اگست کو بھی مختلف اصناف سے احباب پہونچ رہے ہیں۔ آپ حضرات بھی اپنے احباب کو ترغیب دیکر پورے سال کی ترتیب بنائیں، نیز سال سال تین تین چلہ کی جماعتیں اور چلے کی بھی جو زیادہ خرچ کر سکیں یہاں بھیجتے رہیں تاکہ انھیں کام کرنے کی سلسلے کی پوری بات سمجھا کر پورے ملک کے اعتبار سے جہاں زیادہ ضرورت ہو پہلے بھیجا جاسکے۔ نیز بیرونی ممالک میں بھی مسلسل جماعتوں کے بھیجتے رہنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے چار چار ماہ اندرون ملک میں لگائے ہوئے پرانے احباب کا وقت اور خرچہ طے کر کے یہاں بھیجا جائے تاکہ ان کی نوعیت کے اعتبار سے اور تقاضوں کے اعتبار سے اس ملک میں کام کی جو نوعیت ہے پوری طرح سمجھا کر ان کو بھیجا جائے۔

نیز مقامی دعوت کا ماحول بننے کے لئے اور مساجد کی آبادی کے لئے مسجد والی جماعتیں ہر جگہ بنانے کی ضرورت ہے۔ جو فضائل کی تعلیم اپنے محلے کا گشت، ہر مہفتہ دو ہر محلے کے گشت کے عنوان پر جماعت کی شکل میں دوسری مسجد میں جائے، تاکہ اس مسجد کی جماعت ان امور کے لئے بنائی جاسکے۔ اور ماہانہ تین دن کی عمومی جماعت لیکر اپنی مسجد

سے نکلنا، اپنے گھروں میں نماز تبیخ، تلاوت اور فضائل کی تعلیم پابندی سے کرنا اور اپنی ذات سے ان کاموں کو کرتے ہوئے اپنے محلے اور گاؤں کے سونفیدایان والوں کو ان اعمال میں لگانا تاکہ ہر گھر سے چار چار ماہ باری باری نکلنے کا عام رواج زندہ ہو۔ نیز سال سال والی پیدل جماعتوں کی نصرت کے لئے پرانوں کو ان کے پاس پہنچنا ضروری ہے تاکہ ان کی ہمت افزائی کے ساتھ صحیح پنج پر پورے سال کام کر سکیں۔

ان سب امور کو ہر جگہ کے کام کرنے والے احباب کو سمجھانے کے لئے و عملی شکل و تشکیل کے وجود کے لئے ایک مختصر سی جماعت یہاں کے رفقاء کے ساتھ مختلف علاقوں میں بھیجنا طے پایا ہے۔ اس سلسلہ کی فکر میں ۲۵ جولائی کو دو ہفتہ کے لئے بہار و کلکتہ کی طرف میاں جی محراب صاحب و بھائی محمد یوسف صاحب کے ساتھ جماعت روانہ ہوئی ہے حق تعالیٰ سب تقاضوں کو خیر و عافیت کے ساتھ پورا ہونے کی غیب سے صورت پیدا فرمائے۔

میرے دوستو! الشرب العزت کو اپنا دین محبوب ہے اور دین کی خاطر قربانی دینا محبوب ہے۔ اور اسی کو حالات عالم کے سدھرنے کا ہدایت کی دولت کے ملنے کا اور ان دونوں جہاں میں حقیقی کامیابی دینے کا حق تعالیٰ نے سبب حقیقی قرار دیا ہے۔ اس لئے ہمت کے ساتھ دعوت کے تقاضوں میں آگے بڑھنے اور کھانے کمانے کو ضمنی میں رکھنے اور ضرورت ہی کا درجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اپنی کوشش و محنت میں لگتے ہوئے تنہائیوں میں آہ و زاری والی دعاؤں کی مقدار کو بڑھایا جائے۔ حق تعالیٰ ہر طرح اکرم کا فضل کا نصرت کا معاملہ فرمائے۔ آمین۔ فقط والسلام۔

منشی بشیر احمد، بقلم اخلاق احمد، مطابق یکم اگست ۱۹۸۵ء

علاقائی اور صوبائی یا عالمی اجتماعات کے ساتھ سہ ماہی جوڑ

سہ ماہی جوڑ اور اس کی غرض و افادیت

لے بشکریہ جناب حکیم شبیر احمد صاحب اعظمی

بھی کام کی تقویت کا ذریعہ ہیں۔ اسکے ذریعہ کام کرنے والوں کو نئی امنگوں اور حوصلوں کے ساتھ آگے قدم بڑھانے کا موقع ملتا ہے۔ پھلی کارکردگی سامنے آتی ہے اور آگے کے لئے محنت کی ترتیب بنتی ہے۔ حضرت مولانا کی حیات میں سرمایہ جوڑ کے لئے یہ اصول اور طریقہ کا مرتب ہوا۔ اور ان ہی کے مطابق کام ہوتا رہا۔

۱۔ ہر حلقہ کے اندر جو اضلاع ہیں ان کے فکر مند کام کرنے والے ہر تین ماہ میں ایک بار چوبیس گھنٹہ کے لئے جوڑا کریں۔ یہ جوڑ عمومی بالکل نہ ہو۔

۲۔ یہ جوڑ ضلع بدل بدل کر ہو۔

۳۔ نظام الدین میں جو ارادے اضلاع کے احباب کر کے آئے ہیں ان کی تنفیذ کی ترتیب سوچی جائے۔

۴۔ اس جوڑ میں پچھلے تین مہینہ کے کام کا جائزہ لیا جائے۔

۵۔ اگلے تین مہینے کی محنت کی ترتیب بنائی جائے۔

۶۔ ہر ضلع سے مسجد و ارجماعتوں کے بنانے کی کارگزاری سنی جائے اور مزید مسجد و ارجماعتیں بنانے کی ترتیب سوچی جائے۔ مسجد و ارجماعت بنانے میں اس بات کا

خیال رکھا جائے کہ جس مسجد کی جماعت میں چند پرانے فکر مند احباب ہوں، وہاں روزانہ اس جماعت کو فکر پر جوڑنے کو کہیں۔ البتہ جس مسجد کی جماعت میں بالکل نئے لوگ ہوں،

وہاں روزانہ فکر پر جوڑنے کے لئے نہ کہا جائے بلکہ اعمال کو اہتمام سے کرنے کی ترغیب دی جائے اور اعمال ہی پر جانے کی منکر رکھی جائے۔

۷۔ جو احباب سال کے لئے یا سات چلے والے علماء یا بیرون کے لئے یا سو ماہ

بنگلہ والی مسجد کی ترتیب پر وقت لگانے کے لئے تیار ہوں۔ ان سب احباب کو لے کر ضلع والے اس جوڑ میں آئیں۔

۸۔ چلے اور تین چلے کی جماعتیں اپنے اپنے ضلع ہی سے نکالی جائیں۔

۹۔ آئندہ کے لئے سال کی جماعتیں، بیرون کی تشکیلیں، دو ماہ کی ترتیب والے

اور سات چلے کے لئے علماء کی تشکیل اور وصولیابی کے لئے اسی جوڑ میں پرانوں کی

جماعتیں بنائی جائیں اور اسی جوڑ میں نظام بھی طے کیا جائے۔ عمومی کام کے ساتھ یہ کام کیا جائے۔

۱۰۔ بیرون کی تشکیل میں حضرت جی دامت برکاتہم کی ہدایات کا پورا خیال رکھا جائے
۱۱۔ کسی ضرورت کی بنا پر کسی ضلع میں کوئی جوڑ رکھنا ضروری ہو تو اس پر بھی اسی حلقہ کے جوڑ میں غور کیا جائے اور ضرورت کے پیش نظر طے کیا جائے۔ اضلاع والے اپنے طور پر کوئی جوڑ طے نہ کریں۔

۱۲۔ ہر جوڑ کی مختصر کارگزاری نظام الدین بھی بھیجی جائے۔

حضرت مولانا کے اسلوب

دعوت اور طریقہ کار کو جن

کارکنان ہند کے جوڑ اور ان کا آغاز

لوگوں نے دیکھا اور سمجھا ہے وہ اس کا اعتراف کریں گے کہ آپ کے زمانہ امارت میں کام تھامتر وسعت اور پھیلاؤ کے باوجود اسی پنج اور طرز پر باقی رہا ہو آپ کو — مولانا محمد یوسف صاحب سے ورثہ اور ترکہ میں ملا تھا۔ اسی پنج اور طرز کو قائم رکھنے اور اسکو استحکام دینے کے لئے آپ نے جو دور رس فیصلے فرمائے اور اس کام کو منظم رکھنے کے لئے جو مختلف صورتیں اور متعدد شکلیں اختیار فرمائیں انہی میں ایک یہ "اجتماع کارکنان" بھی ہے۔ اس اجتماع کے ذریعہ آپ سال میں ایک مرتبہ پورے ملک کے کام کرنے والے اور وقت لگانے والے ذمہ دار احباب کو مرکز نظام الدین آنے کی دعوت دیکر ان کے تاثرات و احساسات سے براہ راست واقفیت حاصل کرتے۔ ان کے علاقوں میں ہونے والے کام کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لے کر ان کو مشورے دیتے اور یہ آنے والے احباب بھی موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے علاقوں میں کام کی نسبت سے پیدا ہونے والی اونچ نیچ اور مشکلات و رکاوٹوں کو حضرت مولانا کے سامنے رکھ کر رہنمائی اور رہبری حاصل کرتے تھے۔

ان اجتماعات میں حضرت مولانا آخری دن جو بیانات فرماتے ان سے صاف طور پر یہ بات ظاہر ہو جاتی تھی کہ آپ کی توجہ میں قدر کام کو بڑھانے اور لوگوں تک اس دعوت

کو پہونچانے پر ہے اتنی ہی منکر اور کوشش کام کرنے والوں کی ذاتی تربیت اور ان میں محامد و محاسن اور خصائل و صفات سے آراستہ ہونے پر بھی ہے۔

کارکنان ہند کے ان اجتماعات کا آغاز کب ہوا اور کن مقاصد کے لیے یہ شروع کئے گئے۔ اس کی پوری تفصیل جناب الحاج حبیب نصیر الدین صاحب کی مرسلہ یادداشت میں ملتی ہے۔ موصوف لکھتے ہیں :

اپریل ۱۹۸۱ء (جمادی الثانیہ ۱۴۰۲ھ) میں کوٹھاپور کے بعد آئند میں مشورہ کا جوڑ تھا۔ ایک طرف مشورہ اور دوسری طرف اجتماع چل رہا تھا۔ علی گڑھ کے ڈاکٹر خالد صاحب، امریکہ کے بھائی عبدالرقيب، بھائی لقمان، نیز بھائی سلیمان مسایا شریف بھائی اور کرنل امیر الدین صاحب بھی موجود تھے۔ اس موقع پر ڈاکٹر خالد صاحب نے سب احباب کے سامنے یہ بات رکھی کہ حضرت والا سے کوئی وقت لے کر ہندوستان کے پرانوں کو تین روز کے لئے نظام الدین میں جوڑا جائے تاکہ ہر جگہ پر یہ دعوت والا عمل ایک ہی ہیج اور ایک ہی طریقہ پر چلتا رہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہر علاقہ والے اپنے اپنے لئے حسب منشاء جدا جدا طریقے اختیار کر لیں۔ ڈاکٹر خالد صاحب کے اس مشورہ پر متعدد احباب کے درمیان مذاکرہ ہوا۔ مرکز نظام الدین میں اور بھوپال کے سالانہ اجتماع میں بھی اس سلسلہ میں مشورہ کیا گیا جب ہر طرح سے اطمینان ہو گیا تو حضرت والا کے سامنے پوری تفصیل رکھ کر مشورہ کیا گیا اور آپ سے اجازت لینے پر ۱۹۸۲ء میں پرانوں کا سب سے پہلا جوڑ مرکز نظام الدین میں رکھا گیا۔ اس سے کام کرنے والے احباب کو بہت فائدہ ہوا۔ اس کے بعد دوسرا جوڑ ۱۹۸۳ء میں گودھرا میں اور تیسرا جوڑ ۱۹۸۴ء میں ارریہ کوٹ بہار میں اور چوتھا جوڑ ۱۹۸۵ء میں بنگلور میں رکھا گیا۔ پھر ۱۹۸۶ء میں کوئی جوڑ نہ ہو کر ۱۹۸۷ء سے اس کا سلسلہ سال بہ سال مرکز نظام الدین میں شروع کر دیا گیا۔ اور مجمع کی زیادتی کی وجہ سے چونکہ انتظامی امور بھی بہت زیادہ ہو جاتے تھے اس لئے شرکت کرنے والوں کی تعداد مقرر کر کے ہر علاقہ کیلئے کوٹ مقرر کر دیا گیا لیکن اس کے باوجود بھی مجمع ہر سال مقررہ تعداد سے زیادہ ہو جاتا ہے۔

ایک قدیم کارکن ۱۹۸۲ء میں ہونے والے جوڑ کے موقع پر حضرت مولانا کی افسردگی مزاج اور گریہ و بکا کا ایک واقعہ اس طرح لکھتے ہیں :

”پہلے جوڑ کے موقع پر حضرت مولانا صحت و تندرستی کے اعتبار سے قوی و توانا تھے اس لئے خوب چل پھر کر جائزہ لیتے تھے۔ حتیٰ کہ شب میں بھی ساتھیوں کے احوال کا تفقد فرماتے تھے۔ ابھی جوڑ شروع ہوئے دوسرا ہی دن تھا کہ بھری مجلس میں دریافت فرمایا کہ بھائیو! جوڑ کیسا رہا؟ ساتھیوں نے جواب دیا کہ ماشاء اللہ بہت اچھا رہا۔ فرمایا کچھ کمی تو نہیں رہی؟ عرض کیا گیا، بظاہر تو کچھ کمی نہیں رہی۔ اس پر فرمایا کہ یہ پرانے رات کو سو رہے تھے۔ اٹھنے والوں کی کمی تھی۔ پھر فرمایا کہ رات کو اٹھ کر اللہ جل شانہ سے مانگنے کا اہتمام کریں۔ یہ فرماتے ہوئے آپ پر گریہ طاری ہو گیا اور اسی حالت میں فرمایا کہ ”میں اللہ کو کیا جواب دوں گا کہ انعام نے اپنے ساتھ سوئے والے بنائے ہیں۔ یہ فرما کر خود بھی خوب روئے اور احباب کو بھی خوب رلایا۔“

حضرت مولانا ہر جگہ کے رفقا و تبلیغ کو اس پر متوجہ فرماتے تھے کہ کسی گاؤں اور علاقہ کے مسلمان

مسجد و ارجماعت کے امور | بے نمازی نہ رہیں اور اس طرح جم کر محنت کی جائے کہ امت کا عمومی رخ مسجد کی طرف ہو جائے اس کے لئے ہر مسجد سے جماعت نکالنے کا فیصلہ بہت اہم اور مؤثر ثابت ہوا۔ اس مسجد و ارجماعت کی وجہ سے اب ہر مسجد میں وہی کام ہونے لگا جو نظام الدین مرکز میں ہو رہا ہے اور نتیجہ کے اعتبار سے جہاں پہلے ایک حلقہ سے ایک جماعت نکلتی تھی، وہاں اب ہر مسجد سے ہر ہفتہ ایک سو روزہ جماعت یا کم از کم مہینہ میں دو سو روزہ جماعتیں نکلنے لگی ہیں۔ حضرت مولانا کی بنائی ہوئی اس ترتیب سے ہر مسجد میں وہاں کی مسجد و ارجماعت ایک متحرک اکائی بنتی جا رہی ہے۔

حضرت مولانا نے اپنی حیات میں مسجد و ارجماعت کے جو امور طے فرمائے اس کیلئے جو طریقہ کار وضع فرمایا اس کے متعلق دعوت و تبلیغ کے ایک ذمہ دار کن اپنی یادداشت میں لکھتے ہیں :

نومبر ۱۹۹۳ء (جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ) میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے بعد نماز عشاء

نظام الدین میں مشورہ میں مسجد و ارجاعت کے یہ امور متعین فرمائے۔

(۱) ہفتہ کے دو گشت - (۲) گھر اور مسجد کی روزانہ کی تعلیم، (۳) مہینہ کے تین یوم

(۴) روزانہ ڈھائی گھنٹہ کی محنت - (۵) روزانہ مشورہ کے لئے بیٹھنا، یعنی محلہ میں

پاکیزہ اعمال کو زندہ کرنے کی فکر کر بیٹھنا۔

ان پانچوں محل نمبرات و اشارات کی تفصیل دوسری مجلس میں جب حضرت مولانا
کو لکھ کر پیش کی گئی تو آپ نے اس کو ملاحظہ فرما کر اس کی تصویب و توثیق فرمائی۔

وہ تفصیل و تشریح اس طرح سے ہے۔

مسجد و ارجاعت کے امور

۱: ہفتہ کے دو گشت :- ہر گشت سے نقد جماعت نکالنے کی کوشش اور دوسرے

گشت کے ذریعہ شہر کی تمام مساجد میں مقامی جماعتیں بنا کر کام کو اٹھانے کی کوشش کی جائے۔

۲: روزانہ مسجد اور گھر کی تعلیم :- مسجد کی تعلیم کے علاوہ گھر میں روزانہ تعلیم ہوتا کہ

اعمال کا شوق بڑھے اور پھر ستورات اپنے مردوں کے ذریعہ علماء سے مسائل پوچھ کر

گھر کی ۲۴ گھنٹہ کی زندگی دین کے مطابق گزارنے کی کوشش کریں۔

ہر ساتھی مہینہ میں تین دن پابندی کے ساتھ محلہ کے

۳: مہینہ کے تین دن | نئے ساتھیوں کو لے کر نکلنے کی کوشش کریں۔ ہر روزہ

سے اپنی بستی کے مضافات کی ہستی کی تمام مساجد میں جماعتیں بنا کر کام اٹھانے کی کوشش کی جائے۔

۴: روزانہ ۲ گھنٹہ کی محنت | اعمال دعوت کو زندہ کرنے کی گھر گھر محنت کرتے

ہوئے ان اعمال میں لگنا۔ ۲ گھنٹہ کم از کم ہیں

زیادہ کے لئے بھی کہا جائے اور جو زیادہ دے اسے قبول کیا جائے، تاکہ مسجد ۲۴ گھنٹہ

مسجد نبوی کے پنج پر آباد رہے جس میں ایمان کی دعوت، مضافات کے حلقے، جماعتوں

کی بیرون ملک اور اندرون ملک روانگی اور آمد، علم و ذکر، آنے والوں کی تعلیم و

شریعت اور مہمان نوازی سب شامل ہے۔ جو زیادہ دے دے ڈھائی گھنٹہ دے اسے

حقیر نہ سمجھا جائے، اس کی قدر کی جائے۔ ساتھیوں کا کھانا اور سونا گھروں میں ہو۔

۵: روزانہ مشورہ کیلئے بیٹھنا | محلہ میں پاکیزہ اعمال کو زندہ کرنے کی فکر کے لیے بیٹھنا، سارے عالم میں دعوت، نماز، تلاوت، ذکر و

دعا، عبادت اور حسن اخلاق کو سو فیصد زندہ کرنے کی کوشش کی جائے، تاکہ ہر مسلمان کی ۲۴ گھنٹے کی زندگی اللہ کے حکموں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر آجائے، فکر کے لئے یہ جڑنا ایسے وقت میں ہو جو سب کی سہولت کا ہو۔ پچھلے دن کی محنت کی کارگزاری سن لیں، آج کے دن کی محنت کا مشورہ کر لیں، یہ مشورہ زیادہ لمبا نہ ہو،

• ایک موقع پر مسجد وار جماعت کے لئے جناب الحاج میاں جی محراب صاحب نے کچھ امور تحریر کر کے حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کئے۔ آپ نے ان کو ملاحظہ فرما کر ان کی منظوری دی اور اس کی نقول مختلف علاقوں اور ملکوں کے مراکز کو بھیجنے کی ہدایت فرمائی۔ وہ امور یہ ہیں۔

ہر مسجد میں جماعت بنانا کہ وہ جماعت ایک گشت اپنے محلے میں کرے دوسرا پڑوس کے محلے میں کرے، روزانہ اپنی مسجد میں تعلیم کرے اور دوسرے کو ترغیب دے کر جوڑے۔ تین دن کے لیے آس پاس کی بستیوں میں جائے گھروں میں تعلیم چالو کرے، نماز، ذکر۔ تلاوت، ان اعمال کے گھروں میں زندہ کرنے کی فکر کرے تاکہ ہمارے گھرا بیکانی اعمال سے آباد ہوں۔

روزانہ ڈھائی گھنٹہ فارغ کر کے یہ ڈھائی گھنٹہ مسجد کی آبادی کیلئے دیں

دہماری مسجدیں ۲۴ گھنٹے ایمانی اعمال سے آباد ہو رہی ہوں۔

مسجد میں اگر اکیلے ہوں تو ذکر و تلاوت، نماز میں مشغول ہوں، اگر تین چار ہو جائیں تو تعلیم کا حلقہ لگائیں، کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کریں، کوئی جماعت ہو تو اس کی نصرت کریں۔ کسی کو جماعت میں نکالنا ہو تو اس سے ملاقات کریں، ملاقات کے ذریعہ نماز پڑا اور مقامی اعمال میں جڑنے پر تیار کریں۔

مشورہ کی اہمیت اور اس کے اصول و آداب

حضرت مولانا کا مزاج
خالص شورائی مزاج

نہا اسی لیے تمام معاملات و مسائل شورائی میں رکھ کر طے کرنے کے قابل تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ شورائی سے بالاتر۔۔۔ ہو کر فیصلہ فرما دیا ہو یا آمر مطلق بن کر شورائی کی اہمیت و افادیت کا انکار کر دیا ہو، جس طرح اپنی ذات کو شورائی کے ساتھ مربوط رکھتے، اسی طرح چاہتے تھے کہ دنیا بھر کے کام کرنے والے مل جل کر مشورہ سے کام کرتے رہیں۔ اور انفرادیت و خود پسندی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ کر قدم بڑھاتے رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے دنیا بھر کے مراکز تبلیغ میں شورائی کی جماعتیں قائم فرمائیں اور پھر اس مجلس شورائی میں بھی یہ نظم قائم فرمایا کہ اس مجلس کا ہر فرد صرف وہی کے اعتبار سے باری باری فیصلہ بنایا جائے۔ تاکہ سب کی استعداد اور صلاحیتوں میں اضافہ ہو اور وہ اتفاق و اتحاد و نیز اجتماعیت و یک جہتی کے ساتھ دعوت والے اعمال میں مصروف و مشغول رہیں۔ ایک موقع پر اس شورائی نظام کی ضرورت و اہمیت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

”کام اب خود اس کا متقاضی ہے کہ ہر ایک جگہ جماعت ہو جو کام کو سنبھالے مشورہ کی جماعت جب بناؤ تو اس میں سے امیر کا لفظ ہی نکال دو اور صاف صاف کہہ دو کہ یہ امیر ایسا ہے کہ اس کا کوئی اختیار نہیں ہے، یہ صرف خادم ہے اور قوم کا خدمتگار۔ حضرت مولانا اپنے بتیس سالہ دور امارت میں جس شیخ اور انداز سے شورائی کی اہمیت و افادیت و دعوتی احباب کو سمجھاتے اور بتلاتے رہے اس کا ایک ہلکا سا نمونہ یہاں اس نیت سے پیش کیا جاتا ہے کہ تمام دعوتی احباب اس کو اپنے لیے مشعل راہ بنائیں۔ فرماتے ہیں: مشورہ میں کسی کو اپنی رائے پر اصرار نہ ہو، کسی کو اپنی رائے پر یہ نہ ہو کہ یہ ہی ٹھیک ہے۔ بلکہ اپنی رائے پیش کر دے پھر جو فیصلہ ہو جائے اس کے اوپر خوش دلی کے ساتھ قدم اٹھائے، رائے کے اندر اختلاف ہونا تو فطری چیز ہے۔ اور ہونا بھی چاہیے کیونکہ ہر ایک کی سمجھ الگ الگ ہے کسی کی تھوڑی سمجھ ہے کسی کی بڑی سمجھ ہے، کسی کی بہت اونچی سمجھ ہے، ہر ایک اپنی سمجھ کے مطابق رائے دیتا ہے۔ سب کی رائے آنے سے

سب پہلو کھلتے ہیں تو اس سے بات نکھر کر سامنے آ جاتی ہے۔ اس لئے ہر ایک کی رائے کا معلوم ہونا یہ بہت اہم ہے۔ پھر جو فیصلہ ہو جائے اس کے اوپر خوش ولی سے قدم اٹھانا چاہئے۔ اور اپنی رائے کے اوپر اصرار نہیں کرنا چاہئے۔ اس پر ضد نہیں کرنی چاہئے۔ اور اگر اس فیصلہ پر طبیعت نہیں مانتی تو اپنی طبیعت کو سمجھانے کی کوشش کرے اور اس کے خلاف نہ کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس شوریٰ بنائی تھی، خلافت کے طے کرنے کیلئے اور اس میں فرمایا کہ یہ چار دوست جس بات میں ایک طرف ہو جائیں۔ اس کو مان لیا جاوے اور اس پر فیصلہ کر دیا جاوے اور جو بات کے خلاف کرے اس کی گردن اڑا دو چاہے جو نہ سا شخص ہو۔ فیصلہ ہونے کے بعد پھر اس کے خلاف کرنا یہ قابل گردن زدنی ہے۔
 ایک موقع پر اختلاف اور خلافت کے باہمی فرق اور حضرات شیخین (سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کے درمیان ہونے والے اختلاف رائے کو اس طرح بیان فرمایا:

میرے عزیزو! دوستو! بزرگو! ہم اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتے ہوئے، اپنی کمی کا اعتراف کرتے ہوئے، اللہ کے فضل کی امید رکھتے ہوئے کوشش کرتے رہیں اور چلتے رہیں اور خدا سے مانگتے رہیں، اور خدا سے ڈرتے رہیں کہ وہ ہمیں اس کام سے محروم نہ کرے آپس میں جڑ بیل کر ایک دوسرے کی رائے کا احترام کرتے ہوئے فیصلہ پر خوشی سے قدم اٹھاتے ہوئے چلتے رہیں گے تو انشاء اللہ گاڑی چلتی رہے گی اور اگر اختلاف ہوا تو اختلاف کوئی بری چیز نہیں، لیکن خلافت بری چیز ہے۔ فیصلہ ہونے کے بعد اس کے خلاف کرنا یہ بہت بری چیز ہے۔ "الخلافت اشد" خلافت بہت سخت چیز ہے، خلافت نہیں کرنا چاہئے، جو فیصلہ ہو جائے چاہے اپنی رائے کے جتنا خلافت ہو لیکن اس کو خوش ولی سے مان لینا چاہئے، اس پر جھنا چاہئے۔ اور اس کے اوپر قدم اٹھانا چاہئے۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خوب اختلاف ہوتا تھا، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ

سے یوں ارشاد فرمایا کہ صرف میرے خلاف کی وجہ سے تم نے یہ بات کہی ہے، مواردیت
 الاختلافی کہ تمہارا مقصد ہی میرے خلاف کرنا ہے۔ یہاں تک نوبت آجاتی تھی۔
 لیکن اس کے باوجود اللہ جل شانہ و علم نوالہ نے ان میں آپس میں ایسا جوڑ رکھا تھا اور ایسی
 محبت رکھی تھی کہ اس خلاف سے اور اختلاف سے کوئی ہار نہیں آتا تھا۔ اور کوئی اسکے
 اندر کمی نہیں آتی تھی۔ مشورہ کے اندر خوب کھل کر رائے دو۔ جو فیصلہ ہو جاوے،
 اس کے اوپر سب جم جاویں۔ مشورہ میں کسی کی رائے کے خلاف ہو گا اور کسی کے موافق،
 تو موافق والا ڈرتا رہے اس بات سے کہ میری رائے کے اندر بے برکتی نہ آجائے اور
 جس کی رائے کے خلاف ہو اوہ اس پر خوش ہوتا رہے کہ اللہ کا شکر ہے کہ میری نفسانیت
 سے یہ بات محفوظ ہو گئی۔ دونوں کو اپنے آپ کو اس کا پابند بنانا چاہیے۔ اللہ جل شانہ
 صحیح پنج پر چھنے اور صحیح پنج پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔
 ایک مرتبہ کو لمبو (سری لنکا) میں مشورہ والی جماعت کو بڑی تفصیل کے ساتھ
 مشورہ کے آداب اور مختلف پہلو اس طرح سمجھائے:

”کام کرنے والا اپنے جذبات کو قربان کرتا رہے اور مشورے کے تابع رہے تو
 چلتا رہے گا۔ ورنہ خطرہ ہے کہ ہٹ جائے گا۔ دین کے بارے میں دبنے سے دروازے
 کھلتے ہیں۔ ایسے موقع پر نفس یوں کہتا ہے کہ ناک نیچی ہو گئی، حالانکہ جو دیتا ہے، اللہ تعالیٰ
 اس کو بلند کرتے ہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ بلند کرتے ہیں اس کو کوئی نیچا نہیں کر سکتا۔
 دین کے کام کرنے والے کو اپنے کو چھوٹا بنانا اور نفس کو دہانا اور کسی بلا مت کرنے
 والے کی بلا مت کی پرواہ نہ کرنا ضروری ہے۔ سب کام کرنے والے مشورہ میں خیر
 جانیں، چاہے ظاہر میں دشوار و ناممکن ہو لیکن کھلے دل سے مشورے کے مطابق کام میں
 لگ جائیں۔ مشورہ کرنے پر اللہ تعالیٰ راہ دکھاتے ہیں۔ نامراد و خائب و خاسر نہیں کرتے
 مشورے سے جو کام کیا جائے اس میں پشیمانی نہیں ہوتی۔ مشورہ میں سب اجنبات امانتداری
 سے مشورہ دیدیں۔ المستشار مؤتمن۔ آنکھ دیکھ کر مشورہ نہ دے۔ امیر سب کی رائے
 لے کر دیا ننداری کے ساتھ فیصلہ کرے اور سب کھلے و ناخ سے مانیں۔ امیر کی بات

ماننے کو حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات کا ماننا جانو من اطاع الامیر فقد اطاعنی
 امیر کے مشورے کے ماتحت چلو اور اپنے جذبات کو کچلو۔ امیر بھی انسان ہے۔ اس کے
 غلطی ہو سکتی ہے۔ من رای من امیرہ شیئاً یکرہ فلیصبر۔ اور اس وقت خدا کی طرف
 متوجہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ شر میں سے خیر نکال سکتا ہے۔ راستہ آسان ہے لیکن اگر غلط
 آجائے یا راحت پسندی آجائے تو پھر مشکل ہے۔ اپنے آپ کو مشورے کے مطابق
 رکھنا ہے، اجتماعیت اور بندھن رہے، توڑ نہ ہو۔ ہمارا کام یہ ہے کہ مان کر چلیں۔
 اگر ہر ایک اپنے اپنے ما و جب کو لے کر چلے تو جوڑ ہو گا۔ اگر امیر یوں کہے کہ اس نے
 میری نہیں مانی، اور مامور یوں کہے کہ مجھے نہیں پوچھا، تو ہمیں سے افتراق اور توڑ
 ہو جائے گا۔ امیر کا حق مامور پر ہے اور مامور کا حق امیر پر ہے۔ اگر ہر شخص اپنے اپنے
 حق کو ادا کرے اور دوسرے کے ذمہ جو حق ہے اس کو معاف کر دے تو جوڑ ہو گا اور
 اگر اس کا برعکس ہو کہ اپنا حق وصول کرنے کی توہات کرے اور دوسرے کا حق ادا نہ
 کرے تو توڑ ہو گا۔ ۱۷

ایک موقع پر مشورہ میں اختلاف رائے کی وجہ بتلاتے ہوئے فرمایا:
 ”ایک استشارہ ہے اور ایک استخارہ ہے۔ اللہ کا فضل ہے کہ غرض سب کام کرنے
 والوں کی ایک ہی ہے لیکن اختلاف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وجوہ مختلف ہوتی ہیں کسی کے
 سامنے کوئی وجہ ہے اور کسی کے سامنے کوئی وجہ ہے۔ اس لئے اپنی رائے کو ایسا
 پاک نہ سمجھو کہ وہ وحی ہے، تالیفِ قلب اور کام کے تقاضے، ان دونوں کے درمیان
 ہم کو چلنا ہے۔“

۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔
 ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔

اپنے کو کمزور ہی سمجھے تو جو طاقت ہے وہ بھی نکل جائے گی۔ ہاں آدمی کمزور ہو اور اپنی طاقت کے بقدر کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد کی جاتی ہے۔

تالیفِ قلب بھی ایک چیز ہے۔ اس کی بھی ایک حیثیت ہے۔ ہم تالیفِ قلب کے اس حد تک مامور ہیں کہ کوئی منکر نہ ہو۔ اور حدودِ شریعت کے اندر رہتے ہوئے ہم تالیفِ قلب کے کرنے والے بنیں۔

مشورہ میں جو فیصلہ ہو وہ خدائے پاک کا دھیان کرتے ہوئے فیصلہ کرے کیونکہ جو شخص فیصلہ کرنے والا بنا دیا گیا وہ تو گویا چھری سے ذبح کرنے کے قابل بنا دیا گیا۔ ایک مرتبہ رائے ونڈ (پاکستان) میں وہاں کے خواص مضمین کو مشورہ اور آدابِ مشورہ کے بارے میں اس طرح ہدایات ارشاد فرمائیں۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ما خاب من استخار وما ند من استشار۔ جو آدمی استخار کرتا ہے وہ نادم نہیں ہوتا۔ اور جو مشورہ کرتا ہے، وہ نادم نہیں ہوتا۔

اس لئے مشورہ بہت اہم چیز ہے۔ سارے مل کر بیٹھیں، رائے ملائیں، حق تعالیٰ سیدھی راہ مرحمت فرما دیتے ہیں۔ مشورہ میں اہتمام سے بیٹھیں۔ کسی کی رائے کو کاٹنا یا طعنہ دینا یا کسی کی تحقیر کرنا نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی کی رائے پر ہنسنا ہے۔ اللہ پاک ہمیں مشورہ کرنے کی اور اس کے آداب کے رعایت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے اپنی رائے پر اڑنے، ہٹ کرنے، جھننے سے محفوظ فرمانے۔ خیر الشریاک کی طرف سے آتی ہے۔ ہمیں اہتمام سے مشورہ کرنا ہے، آداب کو ملحوظ رکھنا ہے۔ پھر اخلاص کے ساتھ اپنی رائے کو بیان کر دینا ہے۔

جو فیصلہ ہو جائے اس پر مطمئن ہو جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ تم دونوں اگر کسی بات پر جمع ہو جاؤ گے تو میں اس کے خلاف نہیں کروں گا۔

اپنی رائے اگر قبول ہو جائے تو ڈرے اور اگر قبول نہ ہو تو اللہ پاک کا شکر ادا

کرے، دونوں حالتوں میں شکر ادا کیا جائے۔ اللہ جل شانہ ہمیں شریعت کے تمام اصولوں پر کار بند ہونے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ ہمارے ذمہ کوشش اور فکر کرنا ہے ہماری رائے کسی عرض کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اللہ کے دین کو اور دینی مصلحت کو سامنے رکھ کر رائے دیویں۔ اللہ جل شانہ ان آداب سے مؤدب فرمائے۔ شیطان انسان کا دشمن ہے۔ ہر کام میں اپنی ٹانگ اڑانے کی کوشش کرتا ہے۔ مشورہ میں بھی اپنی رائے پر اصرار کرتا ہے، منہ پر ڈالتا ہے، دوسرے کی تحقیر پر ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مرشدانہ لو کی ہدایت نصیب فرماویں اور صحیح راستہ پر چلنے والا بناویں۔ آمین۔

حضرت مولانا کی نگاہ میں اس دعوت کے مزاج اور اسلوب میں یہ بات داخل ہے کہ اللہ کے راستہ میں نکلنے والے لوگ مشورہ اور کام کی ضرورت کے اعتبار سے اپنی جان اور اپنا مال خرچ کرنے والے بنیں۔

چنانچہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :

”یہ دعوت والی محنت اپنے وجود، اہمیت اور فضیلت کے اعتبار سے بہت اونچی محنت ہے اس کو کرتے ہوئے اس کے نہج اور اسلوب کی بھی حفاظت کرنی ہے تاکہ اس میں لگنے والے بھی اور عام مسلمان بھی پوری طرح مستفید ہو رہے ہوں اس محنت کے بہت سے اصول و آداب ہیں سے یہ بھی ہے کہ اس کے لیے اللہ کی راہ میں نکلنے والے مشورہ اور کام کی ضرورت کے اعتبار سے جان و مال کو خرچ کر رہے ہوں جیسے اسلام کا مزاج ہے کہ مسلمان اپنے کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری تابعداری کا ثبوت دے ایسے ہی اس دعوت والے کام کا بھی یہی مزاج ہے کہ کام کرنے والے اپنے کو اس کام کے حوالے اور سپرد کر دیں اور پھر یہ کام جہاں کی ضرورت کا تقاضا کرے وہاں چلے جاویں۔ اللہ پاک کام کرنے والوں میں اس کی والی صفت کو زندہ فرما کر ان سے پوری امداد کے لیے استفادہ کی صورت پیدا فرمائیں

آپ کے پاس سے ۹ جون سنہ کو یہاں آنے والے احباب ضرور تشریف
لاویں البتہ ان کا یہ ذہن بنا کر بھیجیں کہ جہاں ضرورت ہو وہاں کے لیے اپنی
جان و مال کے خرچ کے ساتھ تیار ہوں کہ ہمارے یہاں یہی اصل ہے —
اشتر پاک آسان فرمائیں۔

تبلیغی مراکز میں دعوتی فکر پر زور

دعوت و تبلیغ کے ذریعہ ہونے والی اس
عالمی محنت کا طائر نقشہ اور طریقہ کار یہ

ہے کہ ملکوں اور علاقوں میں جا بجا مراکز قائم ہیں جن کو تبلیغی مرکز کے نام سے جانا پہچانا جاتا
ہے اور جہاں مرکز ہیں وہاں یہ کام مقامی مساجد کے ذریعہ ہوتا ہے ہر مرکز میں پرانے
اور دینی مزاج رکھنے والوں کی ایک مختصر سی جماعت ہوتی ہے جس کو "شوری" سے تعبیر
کیا جاتا ہے۔ یہی شوری والے اپنے علاقہ کے کام کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور اتفاق رائے
سے فیصلہ کرتے ہیں۔ کوئی اہم غیر معمولی مسئلہ ہو یا کسی معاملہ میں اتفاق رائے نہ ہوتا ہو، تو
مرکز نظام الدین سے رجوع کرتے ہیں۔ حضرت مولانا آئیے مواقع پر بارہا خطوط کے ذریعہ
تفصیلی ہدایات ارسال مانتیں۔ کبھی احوال یا مقام کی نزاکت کے پیش نظر منتخب تجربہ کار
افراد کو بھی بھیج دیتا کہ وہ تمام پہلوؤں سے واقف ہو کر صحیح اور مناسب فیصلہ کر دیں
اس طرح گویا دنیا بھر کے مراکز تبلیغ، مرکز نظام الدین سے وابستہ اور مربوط رہتے ہیں۔
حضرت مولانا کے دل و دماغ میں مرکز نظام الدین کی دعوتی حیثیت و شناخت کا جس قدر
فکر و اہتمام تھا، اسی قدر اس مرکز کی بھی حفاظت کا فکر و اہتمام تھا، جو دنیا کے آخری
بلک میں قائم اور انتہائی سرے پر موجود ہے۔ اس فکر و اہتمام کی خدا معلوم کتنی شاخیں
اور کتنی لائیں حضرت مولانا کے دل و دماغ میں رہتی تھیں۔

مثلاً مراکز تبلیغ میں مالیات کا بیجا استعمال نہ ہو، وہاں اسراف اور فضول خرچی

۱۰۔ مکتوب بنام جناب بھائی سعید الدین صاحب نور محل بھوپال۔

نہ ہو، غیر ضروری تعمیرات نہ ہوں اور جس قدر ضروری ہوں وہ اصحاب مشورہ سے رائے اور مرکز نظام الدین سے استصواب کے بغیر نہ ہوں۔ کام کرنے والوں میں کسی قسم کا خلفشار اور انتشار نہ ہو اور کسی بھی قسم کی سیاست کا وہاں کوئی عمل دخل نہ ہو۔ اسباب ظاہریہ کے نقشوں میں وسعت نہ ہو بلکہ ہر چیز بقدر ضرورت ہو اور پھر ضرورتیں بھی بہت محدود ہوں، اغراض والوں کی آمیزش اخلاص والوں کے ساتھ نہ ہو۔ معاملات ٹھیک ہوں، معاشرت صحیح ہو۔ سب کے اخلاقی اخلاق محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نمونہ اور عکس ہوں، ظاہر کی درستی کے ساتھ اپنے باطن کی اصلاح اور اجتماعی اعمال کے ساتھ اپنے انفرادی اعمال پر بھی زور ہو، یکسوئی ہو، اخلاص ہو، اور کام کی لگن، فکر اور کڑھن ہو انسانیت، کبر، خود پسندی نہ ہو، کسی کو بڑھانا اور کسی کو گھٹانا نہ ہو، عجب دریا اور۔۔۔ خود نکالی سے پوری پوری احتیاط ہو، کام کرنے والے احباب اپنی ذات پر مطمئن اور بے نیاز ہو کر نہ بیٹھ رہے ہوں بلکہ قربانیوں میں اور اعمال میں برابر آگے بڑھ رہے ہوں کام چھ نمبر کے دائرہ میں ہو رہا ہو، اس میں کوئی آمیزش اور ملاوٹ نہ ہو رہی ہو۔ اصحاب ثروت اپنے مال و دولت کے بل بوتے اور اعیان حکومت اپنی سیاست کی بنیاد پر اس میں کوئی نقب زنی نہ کر رہے ہوں۔ مرکز دہلی میں رہتے ہوئے آپ ان تمام جہتوں اور۔۔۔ لائٹوں سے دنیا بھر کے تمام مراکز دعوت و تبلیغ کی مسلسل نگہداشت، ونگرانی فرماتے رہتے تھے اور جب ملک بیرون ملک کے مراکز تبلیغ میں (جس کا سلسلہ پورے سال ہی چلتا رہتا تھا) تشریف لے جاتے تو بڑے اہتمام سے وہاں کے خواص سے ملاقات فرماتے۔ اہل شوریٰ کو جمع کر کے ان ہی مذکورہ خطوط پر بڑی جامع اور موثر ہدایات دیتے۔ کسی شخص سے متعلق کوئی غیر معمولی بات یا کوئی بے اصولی اور بے عنوانی معلوم ہوتی تو تنہائی میں بلا کر اس کو نصیحت و فہمائش فرماتے یا خطاب عام کے ذریعہ اس کی اصلاح فرماتے۔

حضرت مولانا کی طبیعت و ہمت جب تک معمول کے مطابق رہی پابندی کے ساتھ مرکز نظام الدین کے تمام مقیمین اور بدینہ کاشف العلوم کے اساتذہ و طلبہ کو مہینہ میں ایک مرتبہ بڑے اہتمام کے ساتھ افہام و تفہیم فرماتے تھے۔ یہ مجلس گو مقیمین مرکز اور طلبہ کاشف العلوم

کیلئے ہوتی تھی لیکن شرکت وہ تمام خواص بھی کرتے تھے جو باہر سے آئے ہوتے تھے اسلئے بات سب کو پہونچتی۔ اور تمام مراکز کے ذمہ دار اس سے نفع اور فائدہ اٹھاتے تھے۔ یہاں عمومی نفع اور فائدہ کے لئے ایسی ہی چند مجلسوں کے ارشادات پیش کئے جاتے ہیں۔ ان ارشادات و فرمودات سے جس طرح دعوتی کام کی نزاکتیں سامنے آتی ہیں اسی طرح مرکز نظام الدین کی چہار دیواری کی قد و قیمت اور اس میں کسی بھی ہونے والی بے اصولی و بے عنوانی پر غیبی پکڑ اور جزاء و سزا کے بھی واضح اشارات ملتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ۔ ایک مرتبہ کی مجلس میں اپنے جذبات پر قابو رکھنے، لوگوں کی کڑوی کیسی جھیلنے اور اپنے اندر تواضع و عاجزی پیدا کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرمایا۔

”اگر ہم جیسے نیکوں سے یہ کام بگڑا تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔ صرف جھیلنا ہے اور اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا ہے اگر جذبات میں رہے یا دوسرے کی نہ جھیلی تو بیڑا غرق ہو جائے گا۔ خدا نے ستاری کر رکھی ہے اگر ظاہر فرما دیں تو دنیا و آخرت میں کہیں ٹھکانا نہ رہے۔ بڑے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہاں کا بگڑا ہوا پھر اس کا کہیں ٹھکانا نہیں، اپنے بارے میں فیصلے کرو کہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھ کر چھوٹا بن کر رہنا ہے ہماری نسبت اور قابلیت کچھ نہیں ہے جو اپنے کو قابل جانتا ہے وہ اس کے ناقابل ہونے کی دلیل ہے اللہ ہر ایک کے دل اور سینے کو دیکھتا ہے، عملی کوتاہی بہت دور تک معاف ہو جاتی ہے لیکن قلبی چھوٹی سی کوتاہی کو پکڑ لیتے ہیں۔ حدیث پاک میں دان ذی دان سرق میں عملی کمزوری پر معافی بتلائی ہے، لیکن دل کے بارے میں ذرا سے کبر والے کو جنت میں نہ جانا فرمایا ہے۔ اگر انسان اپنی نگاہ میں بڑا بن جائے تو دوسروں کی نگاہ میں چھوٹا بن جاتا ہے۔ مجھے اس بات کا درد ہے کہ ہمارے یہاں کے رہنے والے ساتھی اپنے آپ کو محتاج نہیں جانتے۔ یہ بڑے خطرے کی بات ہے۔ مستغنی بن جانا اور اپنے اوپر مطمئن ہو جانا، یہ خطرے کی گھنٹی ہے۔ اپنی ذات کے مٹانے کی کوشش ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔ اگر ہم صحیح دستور پر ہے تو خدا بھی دستور پر ہے گا اور اگر ہماری طرف سے کوئی بے عزتی ہوئی تو اللہ بھی دستور بدل دیں گے اور اگر غور کرو گے تو سارا معاملہ نیت پر آکر ٹھہر جائے گا۔ یہ

• مرکز نظام الدین کی عالمی حیثیت یہاں کے مقیمین و خواص کی امتیازی نوعیت اور پھر اس حیثیت اور نوعیت سے پیدا ہونے والے انتہائی لطیف و باریک اثرات و ثمرات کو ایک مرتبہ بڑے مضبوط لب و لہجہ میں اس طرح بیان فرمایا۔

”اللہ نے اپنے فضل و کرم سے کام کی یہ ایک صورت ظاہر فرمائی ہے جس کے اثرات دنیا میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ یہ کام اس جگہ سے چل رہا ہے اور یہ کام کا قلب ہے۔ اس جگہ کو آکر سب دیکھتے ہیں اور جس نے نہیں دیکھا وہ دیکھنے کی تمنا کرتا ہے۔ اور ہم بھی دعوت دیتے ہیں کہ آؤ مرکز دیکھو۔ اگر مرکز صحیح چل رہا ہے تو پورے عالم میں کام صحیح چلے گا۔ ذوات و اشخاص کی طرف ہماری دعوت نہیں ہے بلکہ کام کی طرف دعوت ہے۔ ساری دنیا والے اس کام میں اس جگہ کو قلب جانتے ہیں اور تم لوگ بھی اس جگہ میں قلب کا درجہ رکھتے ہو، تمہاری خوبیاں یا عکس وہ سب آنے والے دیکھتے ہیں۔ جن چیزوں کی طرف دعوت دے کر بلایا جا رہا ہے وہ چیزیں آنے والا یہاں خود دیکھے تو اس کو سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آنکھ والا تو خود دیکھ لیتا ہے۔ ظاہری الفاظ اور صورت کا لوگ اتنا اثر نہیں لیتے جتنا آنکھوں دیکھی کا اثر لیتے ہیں۔ ہمارا سدھار یا بگاڑ صرف ہماری ذاتوں سے متعلق نہیں، بلکہ پورے عالم سے متعلق ہے۔ لہذا ذمہ داری بہت آتی ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء نے لکھا ہے کہ مقتدا کے لئے بعض مرتبہ جائز چیزیں کرنا بھی مناسب نہیں ہوتا مقتدا کو عموم کو دیکھ کر زندگی بسر کرنی پڑے گی۔ اگر اپنی نفسیات شخصیات ذاتیات کو دیکھے گا تو یہیں سے بگاڑ شروع ہو جائے گا۔ اور پھر دنیا صرف ہم کو نالائق کہے گی۔ لیکن اگر ہماری نالائقی کے ساتھ ساتھ کام پر کوئی حرف آیا تو یہ زیادہ فطرناک ہے۔ جب جاہ صرف کرسی پر بیٹھا ہی نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ہے کہ میری بات اور میری رائے چلی یا نہیں چلی اور میری بات کو کون کتنا مانتا ہے۔ یہ جب جاہ سب سے آخر میں نکلتی ہے اور اس کی جڑیں بہت گہری ہوتی ہیں اور اس کے نکلنے کے بعد ہی فنایت شروع ہو جاتی ہے۔ اپنایت نکل کر خدا کی ذات کے ساتھ تعلق قائم ہو جائے پس اسی کا نام نسبت ہے۔

آخری دم تک اس حب جاہ سے نجات مل جائے تو کامیاب ہے۔ سارے مجاہدوں اور ریاضتوں کے بعد اگر اپنے اوپر اطمینان ہو گیا تو قدم پھسل جائیں گے۔ بس خاتمے کا اعتبار ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ ایمان کا معاملہ آخر میں ہوتا ہے چاہے ساری زندگی اچھی گزری ہو۔ اور بعض بے عنوانیوں پر آخر میں ایمان بھی سلب ہو جاتا ہے۔ لہذا موت سے پہلے اطمینان نہیں کرنا چاہیے۔

• ایک مرتبہ مرکز نظام الدین کی عالمی اور بین الاقوامی حیثیت اور اس چہار دیواری میں ہونے والی کسی بھی بے اصولی کی خطرناکی کو ان الفاظ میں بیان فرمایا۔

”ہمارے یہاں عالمی نوعیت ہے۔ اگر اپنی ذات کو قربان کیا تو عالمی ثواب ہے اور اگر صرف اپنی ذات کی وجہ سے کام پر اثر پڑا تو پھر عالمی وبال ہے۔ یہاں ہر آنے والا دیکھتے ہی جان لے کہ یہ کام ہے۔ تبلیغ، تدریس، مطبخ میں کھانا پکانے والے سب کے سمجھنے کی یہ بات ہے کہ ہم سب ایک ہی مشین کے پرزے ہیں۔ یہ سب آپس میں جڑیں تو چل سکتے ہیں۔ الگ الگ ہوں گے تو نہیں چل سکیں گے اللہ کا کسی سے کوئی رشتہ تعلق یا ذاتی نسبت نہیں ہے۔ اس کے بنائے ہوئے قوانین و ضوابط پر چلنا یہی نسبت ہے عبدیت کی لائن پر اگر چلیں گے تو اللہ بھی کہے گا کہ یہ میرا بندہ ہے۔“

وہ عالم مافی الصدور ہے۔ اگر ہم یہ ٹھان لیں کہ ہماری ذات کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ کام کی نسبت پر ہم یہاں ہیں تو یہ نیت ہم کو اللہ کے یہاں سے بہت کچھ دلوائے گی۔ یہاں کارہنا کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے۔ اگر ملے گا تو بہت زیادہ ملے گا اور اگر پکڑ ہوگی تو بہت زیادہ ہوگی۔ ہر بات دور مخی ہے، ایک رخی نہیں ہے۔ دلوانے والی بھی ہے اور پکڑوانے والی بھی ہے۔ ہمیں اپنے بارے میں بہت ڈرتے رہنا چاہیے، دل میں بٹھالو کہ معاملہ خدا کے ساتھ ہے کسی مخلوق کے ساتھ نہیں ہے۔ وہ سب کو دیکھتا

ہے۔ بے نیاز ہے۔ جس کو جب چاہے دھکا دیدے۔ ولا یغربکم باللہ الغرور، اللہ کو کسی کی حاجت نہیں، پڑھنے پڑھانے والے، کھانا پکانے والے، انتظام و تبلیغ والے سب مسجد کے کام میں شریک ہوں، یہی اصل کام ہے۔ اللہ ہمیں ان بد بختوں میں نہ

فرمائے کہ جن سے دین میں نفع کے بجائے نقصان پہونچے۔

ایک مرتبہ مرکز نظام الدین کی سالمیت اور اس کی چار دیواری میں اجتماعیت کی اہمیت پر پھر پورا انداز سے زور ڈالتے ہوئے فرمایا:

”ہمارے یہاں ایک کام ہو رہا ہے اور وہ انفرادی اور شخصی نہیں ہے بلکہ اجتماعی ہے اور اجتماعی و انفرادی کاموں میں بہت فرق ہے۔ اجتماعی کام کا فائدہ اجتماعی طور پر دیکھا جاتا ہے۔ اور انفرادی کام میں اپنا فائدہ ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ میں سہارنپور حضرت شیخ کے یہاں گیا تھا۔ وہاں پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے موعظ سنائے جا رہے تھے۔ اوہو! ایسے ایسے حالات کہ لوگ اس میں محو ہو جائیں۔ علی میاں بھی تھے۔ میں نے کہا کہ یہ کوئی بعید بات نہیں ہے۔ انفرادی کام کرنے والوں کو یہ احوال آنے ہی چاہئیں۔ لیکن اجتماعی کام الگ۔۔۔ نوعیت رکھتے ہیں۔ مجھ پر تو ایک زمانہ میں صوفیاء کے احوال اور اس کام کے احوال بہت کھلے اس لئے مجھے تو کوئی اشکال نہیں رہا۔

ہماری فکر اجتماعی ہو اور ہم اپنے آپ کو جوڑ رہے ہوں اور قربانی دے رہے ہوں۔ جو جتنا قربان ہوتا جائے گا۔ اس کا اتنا ہی بڑا پار ہوگا۔ اور اگر اجتماعی ذمہ داریوں کو پس پشت ڈال کر شخصی بات کو دیکھتا رہا تو ہو سکتا ہے خدا کے یہاں اس کی پوچھ ہو جائے اور اگر بھائی یہاں رہتے ہوئے کسی کے بس کی اجتماعی زندگی نہ ہو تو پھر انفرادی زندگی کہیں اور جا کر گذریں۔ ورنہ یہ خیانت کی بات ہے۔ یہاں بڑے بڑے تاجر دیکھنے آتے ہیں۔ ایک تاجر کی میرے پاس روایت پہونچی ہے کہ ہم تو خوب پرکھتے ہیں تو یہاں لوگ ایسے ہی نہیں آجاتے آنکھوں پر پٹی باندھ کر، بلکہ پرکھتے ہیں اور خوب پرکھتے ہیں۔

بھائی اللہ نے ایک کام دے رکھا ہے۔ اس کے حقوق بھی ہم پر عائد ہوتے ہیں۔ ہم ذرا ذرا سی باتوں میں اجتماعیت کو کھودیتے ہیں اجتماعیت کا بڑا خیال رکھنا چاہیے۔ بس میں نکل جائے تو سب آسان ہو جائے۔ نہیں تو سب بیکار رہے۔ اور جو شخص میں پر آجائے تو میں کے گلے پر چھری۔ اور یہ چھری اللہ کی طرف سے چلتی ہے۔ تیکر والا جنت میں نہیں جائے گا۔ جب تک کہ میں پر چھری نہ چل جائے۔ اور اگر میں کرتا رہا تو کبرا

بھی میں میں کرتا ہے۔ اور اس پر چھری چلتی رہتی ہے۔

ایک مجلس میں فرماتے جانے والے ذیل کے یہ چند جملے عبرت و موعظت اور نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے بہت کافی ہیں۔ فرمایا :

”یہاں والوں کو اجتماعی منکر اور اجتماعی ذمہ داریوں کا احساس رکھنا ضروری ہے۔ ورنہ بعض وقت اللہ تعالیٰ مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیتے ہیں پھر روتا ہے کہ کیا ہوا۔ ہمارے اجتماعی کام میں جو جتنا جھڑے گا اور جلتی اونچی ذمہ داریوں کو اوڑھے گا اتنی ہی اس کی ترقی ہوگی۔ اور جو بٹے گا اور کیسو ہوتا جائے گا کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو مکھی کی طرح نکال دیں اور یہ اپنے منہ میاں مٹھو تعریف کرتا رہ جائے۔ خدا اسکو وہیں سے گرائے گا۔ چاہے جون سا مقام حاصل کر لیا ہو، خدا کے یہاں ظاہر کو نہیں دیکھا بلکہ اندر کو دیکھا جاتا ہے۔ چاہے ظاہر میں مبلغ اور داعی بنا رہے۔“

ایک مرتبہ پاکستان کا سفر درپیش تھا۔ روانگی سے تھوڑی دیر قبل مقیمین مرکز کو جمع فرما کر سنت پر عمل اور اس کی تاکید و اہتمام پر درج ذیل کلمات فرمائے۔

”دیکھو، اللہ کا کسی کے ساتھ نسب نہیں ہے۔ اللہ کے یہاں قیمت ہے قربان ہونے اور نثار ہونے کی، اور وہ بھی ایسے نہیں کہ جس طرح چاہے کرے بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ہو۔ علماء کرام نے لکھا ہے کہ بڑی سے بڑی چیز حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ والی چھوٹی چیز کے مقابلہ میں بھی کچھ نہیں ہے۔ شیخ شرف الدین اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو چیز نہیں تھی اور اب ہے تو وہ نور نہیں ظلمت ہے۔ آنکھوں نے اس کی مثالیں بھی دی ہیں۔ مگر میں ڈر کے مارے نہیں کہتا کہ پتہ نہیں، لوگ کیا کہیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر جو جتنا قربان ہو گا اس کو اتنا ملے گا کہ اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ آج ہماری آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور ہم دیکھنے کو تیار نہیں ہیں۔

میرے عزیزو اور دوستو، یہ دعوت جو دی جا رہی ہے یہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم

کے طریقوں پر ڈالنے کے لئے خدا کے ساتھ کامیاب رہے وہاں ہم اپنی عیاری اور چال بازی سے کام نہیں نکال سکتے، ہم اگر اپنے بارے میں متفکر رہیں اور اپنے بارے میں چھان بین کرتے رہیں تو اگر موت تک بھی خدائے پاک ہدایت پر ڈال دے تو کامیاب ہیں۔ ایک دوسری مجلس میں نفس کی سرکشی و انانیت، عجب، خود پسندی اور اپنے سے بے فکری کے مہیب خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”جب لوگ ہمارے ہاتھ کو بوسہ دیتے ہیں تو یہ ہمارے نفس کے موٹا ہونے کا ذریعہ ہو جاتا ہے۔ بھائیو! اپنے آپ کو سمجھاؤ جو لوگ اس دعوت کے کام میں لگ رہے ہیں وہ اپنے آپ کو بڑا مت سمجھیں بلکہ یہ دیکھیں کہ ہم حضور کا طریقہ سمجھ کر لگ رہے ہیں یا نہیں، ہر وہ عمل جس میں خدا کی نسبت نہیں ہے، چاہے وہ کتنا ہی بڑا نظر آئے لیکن خول ہی خول ہے۔ جب طریقہ رسولؐ سمجھ کر چل رہے ہو تو پھر تبکرا اور بڑائی کیسی؟ اللہ نے ہمیں ایک موقع دے رکھا ہے اور وہ زریں موقع ہے۔ اگر ہم نے یہاں (مرکز میں) رہ کر اپنی منکر نہ کی تو یہاں کی شیطنیت بھی بڑی ہے۔ راستہ اگر ڈاکوؤں والا ہوتا ہے تو بہت چوکننا رہنا پڑتا ہے یہ دعوت والا راستہ بہت اونچا ہے لیکن اگر منکر نہ کی، تو چور ڈاکو ہماری مایہ بے اڑیں گے۔ شب و روز اعمال کی ٹوہ میں رہنا ضروری ہے، اگر اعمال میں شیطان کی آمیزش رہتی ہے تو وہ اعمال کچھ بھی نہیں ہیں۔ ہم اپنے اوپر بہت مطمئن ہیں یہ ٹھیک نہیں ہے۔ خدا سے مانگتے رہنا، ڈرتے رہنا اور ڈرنے کے ساتھ ساتھ چلتے رہنا ضروری ہے۔ یہاں پر پڑھنے والے اور رہنے والے بہت خطرے میں ہیں۔ اگر فکر رکھی تو اللہ کے یہاں سے بہت پائیں گے۔ بس بھائی اپنے کو چھوٹا سمجھو گے تو ٹھیک ہے۔ جب آدمی اپنے آپ کو ”ہم چوں من دیگرے نیست“ سمجھتا ہے تو پھر وہ ”ہم چوں من ڈنگرے نیست“ ہو جاتا ہے۔ جو آدمی ظاہر کے اعتبار سے دنیا میں مشغول ہو اور اپنے کو کم سمجھے، تو یہ اس آدمی سے اچھا ہے جو دین میں لگا ہوا ہو مگر اپنے کو کچھ سمجھے۔ خدائے پاک کے یہاں عاجزی

اور مسکن ہی چلتی ہے وہاں "میں پنا" نہیں چلتا!

ایسی ہی ایک مجلس کی گفتگو مولانا احمد لاث صاحب اس طرح نقل کرتے ہیں:

ایک مرتبہ بنگلہ والی مسجد کے مقیمین کو حضرت جی نے جمع کر کے بات شروع فرمائی اور کہا کہ "بھائی قصور وار تو ہم سب ہیں" یہ کہہ کر اتنا روئے کہ ہچکیاں بندھ گئیں اور پھر کافی دیر کے بعد یہ فرمایا کہ "ہم میں سے کوئی اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ہم تبلیغ کا حق ادا کر رہے ہیں۔ بس اصل یہ ہے کہ کام کرنے والوں کے دل اندر سے جڑے ہوئے ہوں اگر کام کرنے والوں کے دل اندر سے جڑے ہوں گے تو اللہ پاک ہمارے پیسوں پر پردہ ڈال دیں گے۔ اور اگر کام کرنے والوں کے دل اندر سے جڑے ہوئے ہوں گے۔ جڑے ہوئے نہیں ہیں تو کام ہو رہا ہو صحیح منہج کے ساتھ ہو رہا ہو بلکہ اخلاص کے ساتھ بھی ہو رہا ہو تب بھی تمہاری محنت نتیجہ خیز نہ ہوگی!"

چند صفحات قبل یہ لکھا جا چکا ہے کہ حضرت مولانا مرکز دہلی میں رہتے ہوئے دنیا بھر کے مراکز دعوت و تبلیغ کی مسلسل نگہداشت و نگرانی فرماتے تھے اور اگر ضرورت پڑتی تو خط کے ذریعہ تفصیلی ہدایات ارسال فرماتے تھے۔ ذیل میں حضرت مولانا کے ایسے ہی چند مکاتیب کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جو آپ نے مختلف ممالک میں قائم مراکز تبلیغ کے ذمہ دار احباب کو ارسال فرمائے، ایک ملک میں کام کے ذمہ دار احباب کو مالیات کی لائن سے ایک جامع اور عمومی نصیحت اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

"اس کام کی بنیاد یہ ہے کہ ہر آدمی جانی۔ و مالی قربانی سے چلے ایک آدمی شروع میں قربانی سے اٹھتا ہے۔ اس میں اخلاص اور توکل کی صفات بڑھتی جا رہی ہیں۔ اب اس پر کسی نے مال اس طرح خرچ کرنا شروع کیا کہ اس میں سے یہ صفات نکل کر اشراف اور سوال کی خرابی میں مبتلا ہو گیا۔ جب بھی اس کی تشکیل ہو تو بجائے دعار کے الحاح و زاری کے، لوگوں کی طرف اس کا خیال جانے لگا۔ یہ اس کے یقین و اخلاص و توکل کی مایہ تھوڑا سا مال دے کر ختم کر دی گئی یہ اس کے ساتھ ہمدردی نہ ہوتی۔ (اس طرح) تقریر، تشکیل تعلیم سارے کام بے جان ہو جاتے ہیں اور اس انداز کے آدمی کے ہاتھوں کام بھی

اس غلط یقین کی بنیاد پر اٹھتا ہے تو ہر کام کرنے والے کا ذہن یہی بنتا ہے (جس کی وجہ سے) مالداروں کو ترغیب دینی پڑتی ہے وہ شروع میں خوش دلی سے مال لگاتے ہیں، لیکن جب بار بار یہی معاملہ ہوتا ہے تو غیر محسوس طریقے پر ان کی طبیعت کام سے ہٹنے لگتی ہے، دینے والے اور لینے والے دونوں اپنی پہنچ سے ہٹ جاتے ہیں۔ کام کی ساخت ایسی ڈالی جائے کہ ہر آدمی اپنے کاروبار اور گھریلو مشاغل سے سالانہ چار ماہ یا کم و بیش وقت فارغ کر کے اپنی جان و مال سے باری باری نکلتا رہے اس میں وقت تو ہو گی، لیکن کام کا پہنچ صحیح رہے گا۔ اس ذہن کے بننے کے بعد بلا طلب کوئی آدمی جو خود بھی جان لگا رہا ہو، وہ خود ہی اگر کسی مناسب موقع پر مال لگا دے تو اس میں گنجائش نکل سکتی ہے۔ اور اچانک بغیر کسی خیال کے کبھی کبھار کسی کم خرچ والے کو بہت حکمت سے دینے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ اس ساری بات سے معلوم ہوا کہ مالیات کا معاملہ بہت نازک ہے جو جانی مالی قربانی کے بغیر قابو میں نہیں آ سکتا۔

ایک دوسرے ملک کے ذمہ دار احباب کے نام لکھے جانے والے مکتوب کا ایک اقتباس: "جس قدر اصولوں کے مطابق کام کرنے والے اٹھیں گے اور اٹھنے والے... اصول پر پڑیں گے اور نیتوں کی صفائی کے ساتھ اور کام میں یکسوئی کی صفت کے ساتھ اعتدال میں رہ کر منہمک ہوں گے۔ اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی جانب سے رحمتوں کے شیوع اور ہجوم و غم کے دور ہونے کی صورتیں پیدا ہوں گی اتنی ہی ابواب ہدایت کے کھلنے اور ابواب ضلالت کے بند ہونے کی شکلیں ظاہر ہوں گی۔ درحقیقت یہ مبارک کام آسان بھی ہے اور دشوار بھی ہے، سہل بھی ہے اور نازک بھی ہے۔ معمولی سے معمولی مسلمان کے لیے اس کا کرنا آسان ہے اور بڑے سے بڑے فاضل کے لیے اس میں لگنا مشکل ہے۔ یہ راستہ دعاؤں سے کھلتا ہے، آہ وزاری، دل کی گرمی اور فکر کے سوز اور جان کی کھیت اور مال کے خرچ اور رضا الہی کی طلب سے بہت ہی زیادہ قرب الہی کا ذریعہ بن جاتا ہے اور لاکھوں انسانوں کی سیدھی راہ دکھانے کا بہت قریبی اور اعلیٰ سبب بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کی غلطیوں کو کوتاہیوں کو معاف فرمائے۔"

ایک دور دراز ملک میں دعوتی احباب اور مجلس شوریٰ کے حضرات کو آپسی اتفاق اور اتحاد کی طرف متوجہ کر کے اپنی خامیوں کو تاہیوں پر نگاہ رکھنے اور مشورہ کے ساتھ صحیح ہنج پر مل جل کر چلنے کی ترغیب دیتے ہوئے ذیل کا طویل مکتوب بڑے ناصحانہ و شفقانہ انداز میں تحریر فرمایا :

” بنگلہ والی مسجد ————— ۵ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ ۲۳ مئی ۱۹۸۵ء

مکرمین و محترمین بندہ احباب شوریٰ !

وفقنا اللہ وایسا کملما یحب ویرضی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ حضرات کے خطوط سے احوال و کارگزاری معلوم ہوئی، اللہ جل شانہ دین کی مبارک محنت کی نسبت پر کی جانے والی تمام کوششوں کو اپنے لیے خالص فرمائے۔ صحیح ہنج پر اصولوں کے ساتھ اپنے اندر صفات دعوت کو بڑھاتے ہوئے چلتے رہنے کی توفیق نصیب فرمائے اور استقامت کی دولت سے بھی مالا مال فرمائے۔

میکر دوستو! آپ دیکھ رہے ہیں کہ دنیا کی کامیابی اور ترقی کے لیے ایک بھیڑ کی بھیڑ ہے جو ہر تن اس کے خیال خام میں فکر مند نظر آتی ہے اپنی مطلب پراری کے لیے کس درجہ خوش اخلاقی سے کام لیا جاتا ہے دوسروں کی خوشامدیں کی جاتی ہیں۔ غرضیکہ جس صورت سے بھی اپنا کام بنتا نظر آئے اس کو کام میں لایا جاتا ہے، دوسروں کے سامنے ذلیل ہونا پڑے تو اس سے بھی دریغ نہیں ہوتا۔

دوسری طرف کچھ افراد نظر آتے ہیں جو دین کی سرسبزی کے لیے کسی درجہ فکر مند معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اس کام کو ایسا نہیں سمجھا جاتا جیسا ایک آدمی اپنی دنیوی غرض کے لیے فکر مند ہوتا ہے۔ شادیوں کے موقع پر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ اپنے روٹھے ہوئے عزیزوں کو منالے میں ہر ممکن تدبیر سے

کام لیتے ہیں اور آخر کار اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں لیکن دین کی محنت کو اتنا درجہ نہیں دیا جاتا اور اس کے لیے وہ تدابیر اختیار نہیں کی جاتی جس سے روٹھے ہوئے بھائی من جاویں اور قریب ہو جاویں۔
 اور مل جل کر دین کی سرسبزی کے لیے فکر مند ہو جاویں۔ کون سا بندہ ایسا ہے جس سے غلطی اور کمی کو تاہی نہیں ہوتی۔ لیکن ہمیں دوسروں کی۔
 خوبیوں اور اپنی کمیوں کو سامنے رکھ کر چلنے کی مشق کرنی ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے تو اضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اونچا اٹھا دیتے ہیں۔

دعوت کی اس مبارک و عالی محنت میں لگنا محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے لیے ہو۔۔۔۔۔ اپنی بڑائی اور اقتدار کو سامنے نہ رکھا جائے۔ اگر ان عالی اعمال میں غرض آگئی تو بڑے بڑے عمل بھی باطل اور بے کار ہو جاتے ہیں۔ اصول سے کام کا ہونا نہایت ہی ضروری ہے۔
 لیکن اہم اصول یہ ہے کہ کام کرنے والوں میں جوڑ ہو اور محنت بڑھ رہی ہو۔ اسی جماعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد ہوتی ہے اور اگر یہ صفات باقی نہ رہیں تو جماعت میں کھوکھلا پن آ جاتا ہے اور اس کی محنت بے جان ہو کر رہ جاتی ہے۔

آدمی اپنی نیت پر مطمئن ہو کر نہ بیٹھ جائے بلکہ ہر وقت فکر مند رہے کہ اس کے اندر کوئی بگاڑ تو نہیں پیدا ہو رہا ہے۔۔۔۔۔ دین کے کام میں بگاڑ لانے کے لیے شیطان کا بڑا حربہ ہے کہ وہ باہمی اختلاف پیدا کر دے۔

ہمیں یہ کام قومیت کو سامنے رکھ کر نہیں کرنا ہے۔ اپنی قوم و برادری کا آدمی غلط کرتا ہے تو ہمیں اس کی حمایت نہیں کرنی۔۔۔۔۔ بلکہ حق کا ساتھ دینا ہے خواہ حق دوسری برادری والوں کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔
 اور اس کی مشق اس وقت آسان ہے جب اپنے ماحول سے دور رہ کر اچھے ماحول میں ایک معتد بہ وقت لگتا ہے۔ تجربہ یہ ہے کہ جب کوئی فرد یا فرقہ

اپنی کمی کا اعتراف کرنے والا بن جاتا ہے تو نفسیاتی طور پر دوسرے پر بھی —
ندامت آتی ہے اور وہ بھی جڑنے میں ہی کامیابی سمجھنے لگتا ہے۔

باہمی صلاح مشورہ سے کام کرتے رہیں۔ شوریٰ کے احباب اپنے
مشوروں میں دعوت کے کام کرنے والے فکر مند ذمہ دار سمجھ دار ساتھیوں
کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیا کریں تاکہ کام کرنے والے ساتھیوں کی صلاحیتیں
ابھر رہیں، آگے بڑھنے کے جذبات بنیں اور کام کی سمجھ ہر ایک میں پیدا ہو۔
فیصلہ شوریٰ کے حضرات کریں گے۔ اگر کسی بات میں آپس میں رایوں کا اختلاف
ہو تو یہاں لکھ کر معلوم کر لیا کریں۔

آپ مٹھی بھرا جواب ہیں جن کے اوپر پورے ملک میں کام کے صحیح ہنج
پر چلانے کی ذمہ داری ہے اگر معمولی معمولی باتوں کی وجہ سے دل بھٹ جاویں
گے تو پھر اتنی بڑی ذمہ داری کو کس صورت سے ادا کر سکیں گے؟ ہر مہینہ
میں سارے شوریٰ والے مل کر یہاں خط لکھیں کہ کام کس انداز سے ہو رہا ہے
مشورہ تو سارے فکر مند احباب سے لیا جائے ہاں البتہ فیصلہ دینے میں —
اہل شوریٰ ہوں۔ سب کی رایوں کے بعد فیصلہ آسان ہوتا ہے۔ شوریٰ والے
جب فیصلہ کرنے بیٹھیں تو روزمرہ کی باتوں میں زیادہ پریشانی نہیں ہوتی جس کو
بھی فیصلہ دینے کے لیے متعین کریں تو اس کے لیے آسان ہے لیکن بعض اہم امور
ایسے ہوتے ہیں کہ اس میں بھی اگر سارے اہل شوریٰ متفق ہوں تو اسے برکت
کرے کام کریں لیکن اگر آپس میں رایوں میں اختلاف ہو تو یہاں پر وہ رائے
لکھیں۔ صرف اتنا اس میں لکھنا کافی ہوگا کہ بعض کی یہ رائے ہے بعض کی یہ
ہے لیکن ہر رائے کے ساتھ وجوہات ضرور ہوں تو یہاں پر سوچ کر طے کرنا
آسان ہوگا۔ اللہ بھر پور مدد کرے دعاؤں کا بھی اہتمام ہو ہم بھی دعا کرتے ہیں
فقط والسلام

محمد انعام احسن غفرلہ — بقلم بشیر احمد غفرلہ

امریکہ میں دعوتی عمل کا آغاز حضرت مولانا کے دور امارت میں ہوا اور اس میں وسعت اور کشادگی کی راہ اس وقت کھلی جب آپ نے وہاں کے (اور بقول خود امریکہ کی کس پیرس زمین کے) سفر فرمائے ذیل میں آپ کا دعوتی و ایمانی قدروں پر مشتمل ایک گرامی نامہ پیش کیا جاتا ہے جس میں کام کا طرز و اصول بھی ہے، ایمان کی دعوت چاشنی بھی ہے اور وحدت امت کا درس پینا بھی ہے۔

”مکرم بندہ عبدالرحمن خاں صاحب و احباب فی الشرع وفقنا اللہ وایتاکم

لما یحب ویرضی !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مکتوب ۲ جون کا لکھا ہوا موصول ہو کر کاشف احوال ہوا اور ٹیڑھیں اجاب کے مشورہ کی نسبت پر جمع ہونے اور امریکہ میں دعوت کی عالی محنت سے متعلق بہت سے امور طے کیے جانے کی خبر باعث مسرت ہوئی جو باتیں اس میں طے ہوئی ہیں اللہ جل شانہ ان میں برکت فرمائے اور عافیت کے ساتھ عمل کی توفیق بھی نصیب فرمائے۔

کام کرنے والے ذمہ دار فکر مند ساتھیوں کا اکتوبر میں یہاں آنے کا عزم و ارادہ معلوم ہو کر بھی خوشی ہوئی۔ اللہ جل شانہ مبارک فرمائے۔

آنے والے جولائی کے اجتماع کے بارے میں تفصیلی مشورہ اور اجتماع سے پہلے کی محنت کے لیے ابھی سے فکر و سعی اور جماعتوں کی نقل و حرکت کی خبر بھی باعث مسرت ہے۔ اللہ جل شانہ اس اجتماع کو بہت کامیاب فرمائے صفات قبولیت سے نوازے اور ہر جگہ مسجد و اجتماعوں کی ترتیب دعوت کے مقامی اعمال کے قیام و استحکام اور دور و دیر کے لیے زیادہ سے جماعتوں کے راہ خدا میں نکلنے کا ذریعہ فرمائے۔

بھائی افضل صاحب کی جماعت اور انگلینڈ وغیرہ سے آنے والی دیگر جماعتوں کی خبر و کارگزاری سے خوشی ہوئی۔ اللہ جل شانہ آپ سب حضرات کی مساعی کو قبول فرما کر ان میں برکت بھی نصیب فرمائے، بندہ دعا گو ہے۔

اجاب شوریٰ کے خطوط ملتے رہے جن سے وقت فوقتاً حالات کا علم ہوتا رہا۔ احوال و کارگزاری لکھتے ہیں۔ اللہ پاک تمہاری مدد فرمائے۔ میرے عزیز و اللہ جل شانہ نے آپ حضرات کو دین کی مبارک و عالی محنت کا جو وسیع و عریض میدان امریکہ میں عطا فرما رکھا ہے کم ہی کسی دوسرے ملک والوں کو نصیب ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک و قبائل اور مختلف رنگ و نسل کے لوگ بیک وقت وہاں موجود ہیں دعوت کی یہ مبارک و عالی محنت اپنی صحیح ترتیب پر وہاں چل پڑے تو اللہ جل شانہ کی ذات عالی سے امید ہے کہ جن جن ملکوں کے لوگ وہاں آباد ہیں ان میں سے ہر ایک دین کا داعی اور خادم بن کر اپنے اپنے ملک کی نمائندگی کا حق ادا کر سکتا ہے اور اس طرح امریکہ سے پوری دنیا میں آپ حضرات کی محنت کے اثرات عام ہو سکتے ہیں۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبائل و طبقات کے ایمان لانے والے صحابہ کرام کو جن میں عربوں کے علاوہ روم کے صہیب بھی تھے، فارس کے سلمان وغیرہ اور حبشہ کے بلالؓ بھی۔ ان سب کو مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے مبارک و نورانی اعمال کے اندر مشغول فرما کر ان مختلف المزاج و الطبائع، مختلف انجیال و العادات افراد کی ایسی تعلیم و تربیت فرمائی تھی کہ یہ اپنے تمام تر جنسی و نسلی اور علاقائی و قبائلی اختلافات کے باوجود ایک وحدت امت بن کر ایسے ابھرے کہ جہاں جہاں بھی ان کی دعوت و محنت کے اثرات پہنچے انسانیت کے مختلف طبقات اپنے اپنے جاہلی تعلقات و روابط کو توڑ توڑ کر ان کے ساتھ آکر جڑتے چلے گئے۔ ان میں عربی بھی تھے، عجمی بھی تھے، گورے بھی تھے اور کالے بھی، ہر ملک و زبان والے تھے مگر سب مل کر یہ ایک امت تھے جن کے درمیان سوائے تقویٰ کے کوئی اور فرق و امتیاز کرنے والا عامل نہ تھا، یہ آپس میں ایک جسم کے مختلف اعضاء

کی طرح سے تھے کہ اذا اشتكى منها عضو يستدعى له سائر الجسد
بالسهر والحصى اور ان کی مثال ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار جیسی تھی کہ جس کی
ہر اینٹ آپس میں ایک دوسرے کو تھامے اور جوڑے ہوئے رہتی ہے۔

حضرات صحابہ کرام کی اس اجتماعیت کی برکت تھی کہ یہ جہاں اور جس
طرف بھی نکل گئے قلوب انسانہ ان کی طرف کھینچے چلے گئے اور قوموں کے
قویں دین میں داخل ہو کر ایک امت بنتی چلی گئیں۔

حضرات صحابہ کرام میں امت پنے کی یہ صفت اور ان کا یہ اجتماع
قلوب نتیجہ تھا ان کے اجتماع فکر کا کہ ان میں سے ہر ایک نے حضور پاک
صلی اللہ علیہ وسلم والے فکر کو اپنا فکر بنالیا تھا اور فکر کی یہ وحدت ان میں
پیدا ہوئی تھی۔ مسجد نبوی والے مبارک و نورانی اعمال کے اشتغال و اہتمام
سے۔

اب دوبارہ یہ امت پھر اپنے اسی مقام پر لوٹ آئے اس کے لیے
میں اپنی مساجد کو اعمال مساجد سے آباد کرتے ہوئے سو فیصد کلمہ گو بھائیوں
کو ان اعمال میں مشغول کرانے کی محنت میں جان کھپانا ہے۔

خدا کرے کہ آپ حضرات اس کے لیے اپنے عزائم اور حوصلوں کو بلند
رکھتے ہوئے یہ طے کر لیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم والے فکر کو اپنا فکر
بناکر اور دین کی مبارک و عالی محنت کو اپنا مقصد حیات بنا کر پوری انسانیت
میں اس کی کوشش کرنی ہے اور اس پر دنیا والوں سے ہمیں کچھ نہیں لینا
ہے بلکہ آخرت میں اس مبارک و عالی انبیائی محنت پر اللہ رب العالمین کی طرف سے
جو بے انتہا انعامات و درجات ملنے والے ہیں ان کا پورا پورا یقین دل میں
جھاتے ہوئے اور اللہ جل شانہ کی ذات عالی سے ان کی پوری امید رکھتے
ہوئے آگے بڑھ رہے ہوں۔ اللہ جل شانہ آپ حضرات کی

مدد فرمائے، آسان فرمائے۔ بندہ دعا گو ہے۔ محمد انعام الحسن غفرلہ

جرمنی میں کام کرنے والے مرکزی احباب کو حضرت مولانا نے جس مشفقانہ و ہمدردانہ انداز میں کچھ رہنما اصول اور بنیادی ہدایات تحریری شکل میں ارسال فرمائیں ان کو بھی یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

”محترمی و مکرمی و فقنا اللہ و ایاکم لما یحب و یرضی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“

آپ کا خط مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۸۶ء ملا۔ جرمنی کی کارگزاری باعث مسرت ہوئی

اللہ جل شانہ اپنے فضل سے قبول فرمائے اور زیادہ کے لیے توفیق عطا فرمائے اللہ

کا بے حد احسان و کرم ہے کہ اس نے فتنہ و فساد کے اس دور میں دعوت کی۔

مبارک و عظیم محنت کو از سر نو زندہ فرما کر امت کے ہر فرد کی اصلاح کی صورتیں عام

فرمادیں اسے جتنی در و فکر و استقامت کے ساتھ کیا جائے گا اتنی ہی اللہ اپنے

فضل سے ہدایت عطا فرمائیں گے اور امن چین و سکون عام ہوگا یہ مسجد والے

اعمال (دعوت، تعلیم، عبادت و خدمت) جنہیں نورانی اعمال بھی کہتے ہیں بتدریج

انفرادی اور اجتماعی حالات کو نورانی بنائیں گے سبھی احباب سے استدعا ہے

کہ اپنی قربانیوں کی مقدار بتدریج بڑھائیں اور انتہائی در و فکر و عاجزی کے

ساتھ اپنی ذات سے دعوت کے انفرادی اور اجتماعی اعمال کو اہتمام سے کرتے

رہنے کی سعی فرمائیں اور ساتھ ساتھ دعا و استغفار کا بھی اہتمام رہے۔ اللہ

سے دعا ہے کہ سبھی ساتھیوں کو باجماعت نماز، نوافل کا اہتمام، ذکر و تلاوت کا روزانہ

اہتمام، مسجد کی فضائل کی تعلیم اور گھر کے فضائل کی تعلیم میں اپنی ذات سے شرکت،

روزانہ ڈھائی گھنٹہ فارغ کر کے خصوصی ملاقاتیں، ہر ماہ میں دن نکالنے کا اہتمام اور ہر

سالہ چلہ تین چلہ نکل کر ملک و بیرون میں محنت کرنے کی توفیق عطا فرمائے مسجد دار

جماعتیں بنانے کی بھی فکر ہو کہ ہر مسجد میں ایسی جماعت بن جائے جس کے احباب

اس حلقے کے ایک ایک فرد کی فکر کرنے والے ہوں تاکہ کوئی محروم نہ رہے۔ سب

کی دنیا کی زندگی اللہ کی رضا کو ملحوظ رکھ کر گزر رہی ہو اللہ آپ کو سب کے لیے باعث رحمت فرمائے۔

ایک ایسے ملک میں جہاں عیسائیت اپنی بھرپور مادی قوت کے ساتھ حملہ آور ہے کام

کرنے والے احباب اور اس ملک کی مرکزی شوریٰ کو ذیل کا گرامی نامہ تحریر فرما کر اتفاق و اتحاد سے کام کرنے کی ترغیب اس طرح دیتے ہیں

”مکرمین و محترمین احباب شوریٰ۔ وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“

”بھائی محمد اور بھائی یحییٰ سے آپ کے یہاں کے حالات معلوم ہو کر مسرت ہوئی معلوم ہوا کہ آپ سب احباب نے یہ طے کیا ہے کہ سب مجتمع ہو کر مشورہ سے کام کریں گے اللہ جل شانہ اس فیصلہ میں خیر فرمائے۔ برکت فرمائے۔ برکت اجتماع اور اتحاد میں ہے تشتت اور افتراق میں کمزوری آتی ہے اور ہوا اکھڑ جاتی ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔ ولاتنازعوا فتفشلوا وتذهب رب حکم، اور شیطان کا بہت موثر حربہ افتراق اور اختلاف ہے۔ اللہ جل شانہ تمہاری اور ہماری اور پورے عالم میں کام کرنے والوں کی افتراق و انتشار سے حفاظت فرمائے اور اتحاد و اجتماع مقدر فرما کر اس دعوت والے کام کو پورے عالم میں فروغ نصیب فرمائے اور اس کے ذریعہ دین کے ہر شعبہ کو زندہ فرمائے۔ اور اخلاص و ولایت نصیب فرمائے اور اعراض نفسانیہ سے حفاظت فرمائے سب دوستوں سے سلام سنون۔ دعاؤں کا اہتمام رکھیں۔ اور آپس میں اکرام و احترام کا بہت لحاظ رکھیں۔“ محمد انعام الحسن غفرلہ، بقلم محمد شاہد غفرلہ۔ ۲۲ جنوری ۱۹۹۴ء

• ایک ملک کے کام کرنے والے احباب میں بعض معاملات میں اختلاف رائے ہوا، نیز اصحاب مشورہ بھی مختلف رائے ہو گئے۔ حضرت مولانا کے علم میں جب اس کی تفصیلات آئیں تو ذیل کا گرامی نامہ لکھ کر ان کو اخلاص اور اتفاق کی طرف دعوت دی اور مشورہ کا فیصلہ مقرر کرنے کے لئے حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب قائم فرمائی۔

گرامی نامہ کی نقل یہ ہے:

”مکرمین و محترمین ہندہ، وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضی وجعل آخرتنا خیرا من الاولیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“

آپ حضرات کے یہاں کے حالات معلوم ہوتے رہے ہیں کی بنا پر یہ طے کیا گیا کہ

بنگلہ دیش تشریف لے آویں جس میں رُودر و بات ہو جائے۔ ٹیلیفون اور فیکس سے گفتگو ہونا مشکل ہے۔ اللہ جل شانہ نے تم لوگوں سے کام کی ایک داغ بیل ڈالی ہے جو ایک ابتدائی صورت ہے۔ ابتداء میں جس طرح کام کیا جاتا تھا، وہی صورت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ کوئی مستقل فیصلہ نہ ہو۔ بلکہ کام کرنے والے وہ احباب جو ہفتہ کے دو گشت اور تین دن ماہوار لگا رہے ہوں، جب وہ کسی مشورہ کے لئے بیٹھیں تو قوتی طور پر کسی کو فیصلہ مقرر کر لیں۔ اور حروف تہجی کے اعتبار سے فیصلہ بنایا جائے تاکہ سہولت سے فیصلہ کا تعین ہو جائے۔ فیصلہ بنانے میں زیادہ وقت خرچ نہ ہو۔ کام جو ہے محنت، اخلاص اور باہمی اتفاق کے ساتھ ہی چل سکتا ہے۔ اگر سب اتفاق و اتحاد کے ساتھ کوشش اور محنت کرتے رہیں گے۔ تو اللہ جل شانہ جو مقلب القلوب ہیں وہ دلوں کو پلٹتے رہیں گے۔ کیا عجب ہے کہ تمہاری محنتیں اور کوششیں اس کا ذریعہ بن جاویں۔ فقط والسلام محمد انعام الحسن غفرلہ ۸ جنوری ۱۹۹۵ء

علم اور علماء کی اہمیت اور ان کا مقام

حضرت مولانا چونکہ خود ایک بڑی علمی درسگاہ و جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے فارغ تھے۔ اور پھر درس و تدریس میں بھی عمر کا ایک بڑا حصہ گزرا۔ اس لئے تمام عمر علماء و طلباء اور مدارس دینیہ سے آپ کا بہت قریبی رابطہ اور رشتہ رہا۔ دین کی جو خدمت مدارس عربیہ کے ذریعہ ہو رہی ہے اس سے آپ نہ صرف واقف بلکہ اس کے معترف اور مداح تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ جیسے جیسے دین کی یہ محنت اور دعوت بڑھے گی مدرسوں اور مکتبوں میں اضافہ ہو گا۔ مولانا محمد یعقوب صاحب سہارنپوری آپ کا اسی سلسلہ کا ایک ملفوظ اس طرح نقل کرتے ہیں کہ:

”جب اللہ کے دین کی محنت ہوتی ہے تو اللہ دین کے تمام شعبوں کو وجود میں لاتا ہے، مدرسے بڑھیں گے، مکتب بڑھیں گے۔ حالانکہ ہم مدرسہ بنانے کی دعوت نہیں دے رہے ہیں لیکن اس عمل کے ذریعہ تمام شعبوں کو زندگی مل رہی ہے۔“

اس قریبی رابطہ و رشتہ کی بنا پر آپ ہمیشہ کام کرنے والے احباب و رفقاء کو اہل علم

ادب و احترام کی تاکید اور ان کے ذریعہ ہونے والی علمی و دینی خدمت کے احترام اور اس کے اعتراف کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر مدارس عربیہ کے تعلق سے خواص کے مجمع کو اس طرح مشورہ دیا کہ :

”عربی مدارس کا مسئلہ ایک اہم اور نازک مسئلہ ہے وہ ایک دینی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ اگر ہماری طرف متوجہ نہ ہوں تو ہمارے دل میں اگر کوئی بات ان کے خلاف بیٹھ جائے تو یہ بہت سخت بات ہے۔ ایک مرتبہ ایک مفتی صاحب یہاں مرکز میں آئے۔ ان سے میں نے کہا، یہاں آتے رہا کرو۔ انھوں نے کہا یہاں ہمارا کیا کام ہے؟ میں نے کہا کام یہ ہے کہ یہ دیکھتے رہو کہ ہمارا کام شریعت کے خلاف تو نہیں ہے۔ الحمد للہ مدارس آہستہ آہستہ آرہے ہیں، اگر کوئی بات ان کی طرف سے ہو تو جھیلو اور برداشت کرو۔ ان پر زور دینے کا بالکل ارادہ نہ کرو۔ بلکہ اکرام و احترام کا معاملہ ہو۔ سلیقہ کے ساتھ ان سے بات کرو، کیونکہ صحیح بات بھی اگر بے ڈھنگے طریقے سے کی جائے، تو وہی جھگڑے کا سبب بن جاتی ہے۔ ہمارا کام تو دعوت دینا اور ذہن بنانا ہے۔“

ایک مرتبہ دعوت و تبلیغ اور مدارس عربیہ میں باہم ربط و تعلق اور ایک کو دوسرے سے تقویت و نفع پہنچنے کو ان الفاظ میں بیان فرمایا :

”تعلیم دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تو خصوصی تعلیم ہے اور ایک عمومی تعلیم ہے خصوصی تعلیم وہ ہے جو کہ مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ جن لوگوں میں دین کے علم کو حاصل کرنے کی طلب ہوتی ہے وہی ان مدرسوں میں آتے ہیں۔ دوسرے وہ تعلیم جو عمومی ہے وہ یہ دعوت و تبلیغ ہے۔ جن کو دین کے علم کو حاصل کرنے کی طلب نہیں ہے ان میں جا کر دین کی محنت کرنا، تاکہ ان کے اندر طلب پیدا ہو۔ یہ عمومی تعلیم اس خصوصی تعلیم سے زیادہ ضروری ہے۔ اس لئے کہ جب عمومی تعلیم کی فضا بنے گی تو اس کا اثر خصوصی تعلیم پر بھی پڑے گا اور عمومی تعلیم سے خصوصی تعلیم زندہ ہوگی اس لئے مدرسوں کو تعلیم کے ساتھ دعوت کے کام کو بھی اس اہمیت کے ساتھ کرنا چاہئے تاکہ عمومی و

خصوصی دونوں تعلیم زندہ ہوں۔

• اہل علم کی مجلس میں ایک مرتبہ علماء کے عوام کے ساتھ ربط و تعلق کی افادیت اور ضرورت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”علماء کا عوام کے ساتھ اگر رابطہ قائم رہا تو یہ است چلنے والی ہوگی اور علماء اگر اس کو چلانے والے ہوں گے اور اگر چلنے والے نہ ہوں تو علم کا یہ چراغ جل کر ختم ہو جائے گا اور اس کی روشنی سے کسی کو فائدہ نہیں ہوگا۔“

ربیع الاول ۱۳۸۶ھ، فروری ۱۹۶۵ء میں سنگاپور وغیرہ کے کام کرنے والوں کا مرکز دہلی میں جوڑا تھا۔ اس میں طلباء کے تعلیمی اوقات کی رعایت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے اس تاثر کی تعلیٰ کی کہ تبلیغ سے تعلیم کو نقصان پہنچتا ہے۔ فرماتے ہیں:

”طلباء کے لئے کام اسی طرح ہے جس طرح عوام کا کام ہے۔ لیکن چونکہ وہ تعلیم میں مشغول رہتے ہیں اسلئے ان کی رعایت ضروری ہے۔ تبلیغی طلبہ کو اپنی تعلیم میں ان سے طلباء سے ممتاز ہونا بھی ضروری ہے کہ جو طلبہ تبلیغ میں لگے ہوئے نہ ہوں۔ یہ خیال غلط ہے کہ تبلیغ سے تعلیم میں نقصان ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس کام کی وجہ سے ذہن کو کیسویٰ حاصل ہوتی ہے۔ اوقات کا ضبط حاصل ہوتا ہے جس سے تعلیم میں بھی مدد حاصل ہوتی ہے۔ ہمارے طلبہ کو تعلیم کے اندر امتیازی درجہ حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ پیشہ کرنا

بھی ضروری ہے کہ جب ہم تعلیم سے فارغ ہو کر مختلف شعبوں میں جائیں تو دعوت کی فکر کے ساتھ جائیں۔ اور وہاں بھی دین کی دعوت پہنچائیں۔ اس لئے کہ اس دعوت کا مقصد یہ ہے کہ ہر شعبے والے اپنے کام کے ساتھ دین کی محنت میں لگیں۔ ان سے ان کے شعبے ہرگز ہرگز چھڑانے نہیں ہیں بلکہ ان ہی شعبوں میں رہتے ہوئے دینی اور دعوتی کام کرنا ہے۔“

• مدارس عربیہ دینیہ کے طلباء کی جماعتیں بہت کثرت کے ساتھ تعطیلات میں مرکز نظام الدین جاتی ہیں۔ حضرت مولانا ان کا اہتمام فرماتے ہوئے مستقل طور پر ان کو ملاقات کا وقت دیتے تھے، اور حسب گنجائش ان سے بات بھی فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ

”علوم چراغ ہیں اور اعمال تیل بتی ہیں اور اخلاص و خدا کی محبت یہ آگ ہے جب یہ ساری چیزیں جمع ہوں گی تب ہی روشنی ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے العلماء مصباح الہدیٰ چراغ اسی وقت چراغ ہے جب اس میں تیل بتی ہو، اور روشنی بھی دیر پا ہو۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں، لہذا انھیں مناقب و فضائل کے ساتھ ان کی ذمہ داریاں بھی ہیں۔ علوم دینیہ کے طلباء اور نبوت کے درمیان ایک درجہ کا فرق ہے۔ دعوت میں مشفقوں کو جھیلنا یہ علماء کی خاص ذمہ داری ہے۔ دعوت میں متعدد منزلیں آتی ہیں، ایک منزل آتی ہے اطاعت کی، پھر دوسری منزل آتی ہے استقبال کی، پھر تیسری منزل آتی ہے مالیات کی۔ اگر ان تمام منزلوں سے پار ہو گئے تو پھر آخرت میں سب کچھ ملے گا۔ ابھی تو ہم اس راہ پر پڑے بھی نہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب سے زیادہ اللہ کے محبوب ہیں، پھر بھی ان کو تکلیفیں اٹھانی پڑیں تو معلوم ہوا کہ اس کے بغیر راستہ ملے نہیں ہوتا۔ اجوع یوما و اشبع یوما۔ بس اللہ کو یہی ادا پسند ہے۔ اس راہ کی پہلی سیڑھی اپنوں اور پراؤں کی برداشت کرنا ہے۔ اس کیلئے نفس کو کچلنا ہے۔ نفس کو کچلو اس لئے کہ جتنی اس کی مانو گے اس کی فرمائشیں اتنی ہی آگے بڑھیں گی۔“

۱۸ شوال ۱۳۸۷ھ (۳۰ جنوری ۱۹۶۷ء) میں مدرسہ قاسمیہ عربیہ بلند شہر میں آغاز سال میں درس نظامی کی بعض اونچی کتابیں شروع کرائیں تو اس موقع پر علماء طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

”انسان کا امتیاز فرشتوں سے علم کے اعتبار سے ہے اور علم سراسر نور ہے۔ امام مالکؒ کا ارشاد ہے العلم نور یقذف النسا فی قلب من یشاء، حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ علم کسی نہیں ہے بلکہ اللہ کا عطیہ ہے۔ اللہ سے علم لینے کے کچھ اصول ہیں۔ اگر خدمت کے ساتھ دعا مانگ رہا ہو اور حصول علم پر محنت کر رہا ہو تو اللہ تعالیٰ علم دیدیتے ہیں۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے باب من یرود اللہ بہ خیراً یفقه فی الدین،

قائم فرما کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ واقعہ نقل کیا ہے جس میں انہوں نے حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے استنجاء کے لئے پانی کا ٹوٹا بھر کر رکھا تو ان کے اس خدمت سے خوش ہو کر آپ نے ان کو فتنہ فی الدین کی وعادی۔

دنیاوی علوم والے تو آسائش و آرام کے مطالبے کرتے ہیں، اس لئے کہ ان کو تو پیسہ کمانا ہے، ان کے پاس علم ہے ہی نہیں۔ لیکن خدا کی ذات تک پہنچانے والے علم کے لئے محنت کرنا روکنا اور مانگنا ہے، پورا لگنے پر علم کا کچھ حصہ ملتا ہے۔ صرف چار گھنٹہ بیٹھنے سے علم نہیں آتا۔ اسی طرح معصیت سے بھی بچنا بہت ضروری ہے، جو شخص معاصی میں مبتلا ہو گا اس کو نہ علم آئے گا اور نہ سبق یاد ہو گا۔ حضرت وکیع نے حضرت امام شافعیؒ کو وصیت و نصیحت فرمائی تھی۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی فاوصانی الی ترک المعاصی

فان العلم نور من اللہ ونور اللہ لا یعطی لکاحس

علم کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے جب کوئی حدیث آتی تو اس پر عمل کرتے۔ چاہے اپنے مذہب کے خلاف ہو۔
• شبانہ ۱۲۸۴ھ نومبر ۱۹۶۶ء میں مدرسہ کاشف العلوم مرکز نظام الدین دہلی سے فارغ ہونے والے طلباء کو اس طرح نصائح فرمائیں۔

”فارغ ہونے والے طلبہ کے لئے چند چیزوں کا اہتمام ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ

اپنے علم پر محنت کریں۔ دوسرے یہ کہ پوری انسانیت کی خدمت کا جذبہ اپنے اندر

پیدا کریں۔ تیسرے جماعت میں جانے کا اہتمام کریں۔ جمعرات و جمعہ کو نکل جانا یہ وقت

کے اعتبار سے اگرچہ بہت تھوڑا ہے لیکن خدا کے پاک کے یہاں سے بہت کچھ

دلوائے گا۔ علم اور عمل ایک ہی ہے۔ شی کا وجود ذہنی علم ہے اور اس کا وجود خارجی

عمل ہے۔ جب تک ذہن میں موجود ہے تو اس کو علم کہیں گے اور جب وہ بدن میں آجائے

اور جسم سے ظاہر ہونے لگے تو عمل ہے۔ عمل میں آنے پر ذہنی چیز کو قوت ملتی ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ علم تو ایک نور ہے جو اللہ کی جانب سے

عطا کیا جاتا ہے اب اس نور کو حاصل کرنے کے لئے محنت اور مجاہدہ والا راستہ ہے جس میں جتنی اللہ کے ساتھ نسبت ہوگی اس میں اتنی ہی نورانیت آئے گی۔ یاد رکھو کہ معاصی علم کے سمجھنے میں رکاوٹ ہوتے ہیں۔ کیونکہ علم نور ہے اور یہ نور معصیت سے ختم ہو جاتا ہے۔

انسانوں کا فرشتوں سے امتیاز صرف علم کی وجہ سے ہے۔ علم صفت الہی ہے۔ اور جو علم عمل سے وابستہ نہ ہو وہ پکڑا اور گرفت کا سبب ہے۔ حضرت مولانا اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں۔

”اللہ نے انسان اور کائنات کے بنانے کا جب ارادہ فرمایا تو فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔ اس پر فرشتوں نے کہا آپ کیوں خون خرابا والوں کو پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا انی اعلم ما لا تعلمون، فرشتوں نے اپنی وجہ ترجیح ذکر و عبادت کو بتایا۔ لیکن اللہ نے انسان کا فرشتوں پر امتیاز علم سے ہونا بتایا۔ یہاں پہونچ کر فرشتوں کو اپنے عجز و قصور کا اعتراف کرنا پڑا تسبیح و تقدیس پر علم کی فضیلت ظاہر ہے۔ تسبیح و تقدیس مخلوق کی صفت ہے اور علم اللہ کی صفت ہے، اللہ علیم ہے۔ انسان میں خالق والی صفت علم ہے۔ اس لئے یہ انسان ممتاز ہے۔ علم وہی ہے جو خدا کی ذات سے چلا ہوا اور جو خدا تک پہونچا دے، کبھی کبھی علم کے تقاضوں پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے عالم کو جاہل کے درجہ میں اتار دیا جاتا ہے، جس علم پر عمل نہ ہو اس پر گرفت ہوتی ہے۔ دنیا میں اندھیرا ہے۔ لہذا آپ لوگ دنیا میں پھیلیں تاکہ ذکر اور عمل والی کیفیات دنیا میں پھیلیں۔ صرف تقریریں کافی نہیں ہیں۔

۲۔ سوال ۱۳۸۶ ہجری (دیکم فروری ۱۹۶۷ء) میں مدرسہ معین الاسلام نون (میوات)

میں بخاری شریف وغیرہ کتب حدیث کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا :

حضرت انام ابو حنیفہؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر بدھ کا دن سال میں ایک مرتبہ بھی آتا تو اسی دن کتاب شروع کرتا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بدھ کے دن خدا نے نور کو پیدا فرمایا ہے اور علم نور ہے اور علم کی رویت اتنی اونچی ہے کہ اللہ نے انسان کی

شخص دھوکہ میں ہے۔“

۲۲ ربیع الاول ۱۳۹۱ء بم بدھ بعد نماز عصر مدرسہ کاشف العلوم دہلی کے اساتذہ اور طلباء کے مجمع میں تشریف لے گئے۔ مختلف علاقوں کے خواص اور دہلی کے کام کرنے والوں کا ایک بڑا حلقہ بھی اس وقت موجود تھا۔ اس موقع پر علم و عمل کے باہمی جوڑ پر فرمایا:

بچو! اس دنیا کو اگر کوئی شخص کھیل کود سمجھ کر زندگی گزارتا ہے تو سوائے کھیل کود کے اس کو کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر یہ سمجھے کہ آخرت کی کمائی کا راستہ ہے تو بجائے کھیل کود کے آخرت کی تیاری کرے گا۔ انبیائے کرامؑ یہی بتائے آئے تھے کہ کھیل کود سمجھ کر زندگی نہ گزارو بلکہ کچھ تیاری کرو۔ اگر ہم ارادہ کریں، عمل کریں تو ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ حقیقی عمل والا بنادیں گے۔ آدمی جب کوشش کرتا ہے تو ابتداء میں ٹھوکریں بھی کھانے کو ملتی ہیں۔ طبیعت میں جماؤ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ صحیح کرنے لگتا ہے اور عمل کے ساتھ مناسبت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ تمہارا نو عمری کا زمانہ ہے۔

یہ تمہارا کرنے کا زمانہ ہے اور کہنے والے بتلانے والے بھی موجود ہیں اگر تم اپنے جذبہ سے کرو گے تو اس کی بات ہی کچھ اور ہوگی۔ علم ذریعہ ہے عمل کا۔ علم سے یہی تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ مقصد کا جو درجہ ہے ذریعہ کا بھی وہی درجہ ہے۔ بشرطے کہ اس کو عمل کا ذریعہ بنایا جائے۔ نہیں تو صرف ذریعہ پر پڑا رہے تو بیکار رہے۔ جیسے وضو ذریعہ ہے نماز کا، لیکن آدمی نماز تو پڑھتا نہیں اور وضو کسے بیٹھا رہے تو بجائے گناہ جھڑنے کے اور گناہ پیش گئے۔ حالانکہ حدیث میں ہے کہ وضو کرنے سے ہر عضو سے گناہ نکل جاتے ہیں، لیکن کب، جب وضو کو نماز کا ذریعہ بنایا جائے، ایسے ہی علم کو جب عمل کا ذریعہ بنائے تو یہ بہت بڑا عمل ہے، نہیں تو یہ علم بھی وبال بن جاتا ہے بس اللہ مجھے بھی نصیب فرمائے اور تمہیں بھی۔ اللہ دین کی سچی محنت کرنے والا بنادے۔ یہاں اپنے آپ کو لگام لگاؤ تو پھر آخرت میں نہ بھٹ لے گی۔“

ایک موقعہ پر مدرسہ سبیل الرشاد ہنگلور میں یہی مضمون اس طرح بیان فرمایا کہ
اگر اصول و آداب کی رعایت ہو اور علم عمل سے وابستہ ہو تو علم سے اونچی کوئی چیز نہیں
ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں!

”تبلیغ و تقدیس و عبادت مخلوق کی صفت ہے اور علم خالق مالک معبود کی صفت
ہے۔ اگر اصول و آداب کی رعایت ہو تو علم سے اونچی کوئی چیز نہیں ہے اور وہ رعایت
یہ ہے کہ علم کے ساتھ عمل جڑا ہوا ہو۔ عمل نفس پر بہت شاق گذرتا ہے اور نفس کا علاج
یہ ہے کہ اس کے کہنے پر نہ چلیں۔ نفس کو قابو میں لانے کے لئے اس کے خلاف کرنا یہی
مجاہدہ و ریاضت ہے۔ مجاہدہ کرنے سے نفس خدا کے حکموں کے تابع ہو جاتا ہے۔
ہم کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کے ارادے فرمائے تو اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں
خدا کی دہش کا دستور یہ ہے کہ جو اُن سے رو کر مانگتا ہے اس کیلئے دہش میں کمی
نہیں فرماتے۔ آداب کی رعایت کے ساتھ دعا ہو تو فقہ فی الدین ملے گا۔ کتابوں میں
صرف رسوم و نقوش ہیں اسے تو خدا کا منکر بھی حاصل کر لیتا ہے۔ جب نفسانیت غالب
ہوتی ہے تو آدمی قرآن و حدیث کو نفس کی طرف کھینچتا ہے۔ ہمیں تو اپنے آپ کو قرآن و
حدیث کی طرف کھینچنا ہے، علم کے خطرات سے بچاؤ کے لئے رو کر دعا کرنا اور دعوت
کا کام کرتے رہنا ضروری ہے۔

۲۷ رجب ۱۳۹۱ھ (۱۸ ستمبر ۱۹۷۱ء) میں مدرسہ معین الاسلام نوح میوات کے
فارغین حدیث شریف کی بخاری شریف کا اختتام مرکز نظام الدین میں حضرت مولانا کے
ذریعہ ہوا۔ مولانا عبدالسلام صاحب ریونہ والے اس موقعہ پر موجود تھے۔ موصوف
نے اس یادگار اختتامی مجلس کی تفصیلات اپنی یادداشت میں اس طرح قلمبند کی ہیں:
آج عصر کی جماعت سے پہلے تپائیاں مسجد کے اندر والے حصہ میں رکھی جا رہی ہیں
اور بخاری شریف کی کئی جلدیں بھی۔ پتہ چل رہا ہے کہ ضرور کوئی خاص بات ہوئی ہے۔ تھوڑی
دیر بعد مولانا نور محمد صاحب نے اعلان کیا کہ مدرسہ معین الاسلام کے طلبہ کی بخاری شریف کا
ختم حضرت جی بعد نماز عصر کرائیں گے اور ایسے مواقع بار بار نہیں ملتے۔ اب عصر کی نماز ہوتے

ہی لوگ ٹوٹ پڑے، جن میں جماعت میں آئے ہوئے مہمان بھی تھے اور طلبہ بھی تھے بہت مشکل سے تیاریاں اور چوکی بچھائی گئی۔ اصل طلبہ کو مشکل سے جگہ ملی۔ اب حضرت جی چوکی پر آکر بیٹھ گئے۔ مولانا محمد عمر صاحب، مولانا محمد یعقوب صاحب سہارنپوری بھی طلبہ کی کتاب میں عبارت دیکھ رہے ہیں۔ منشی اللہ رتہ صاحب بھی حضرت جی کے سامنے بیٹھے ہیں۔ ایسے ہی ناگپور کے اسلم بھائی، دلی کے حاجی محمد شفیع اور بہت سے حضرات مجلس میں شریک ہیں۔ حضرت جی عمومی مہمانوں سے فرما رہے ہیں کہ بھائی اگر تم پیچھے نہیں ہٹتے تو ہم ادھر دوسری طرف چلے جائیں گے۔ پھر فرما رہے ہیں۔ مولانا صدیق صاحب اور دیگر اساتذہ کو بلا لاؤ، اصل تو وہی ہیں پڑھانے والے۔ آجاؤ بھائی آجاؤ۔

اب حضرت جی نے عبارت پڑھ کر اس کا مطلب بیان فرمایا شروع کیا اور وزن کی حقیقت، اعمال و اقوال کا تلکنا، میزان کی تحقیق و تشریح فرمانے کے بعد دیگر فرقوں کا رد فرمایا اور سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم کی توضیح و تشریح فرمائی۔ اور پھر طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ بھائیو! یہ تو مولیٰ مولیٰ باتیں تھیں۔ باریک بات یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ بخاری شریف وہ کتاب ہے جس کا درجہ قرآن شریف کے بعد ہے۔ اللہ نے ہمیں اس کے الفاظ پڑھنے کی توفیق دی۔ اب اس کے حقائق کو حاصل کرنے کے لئے وقت لگاؤ۔ توکل، صبر، قناعت، یہ ایسی صفات ہیں کہ ان میں کی ایک صفت بزاری مادیت پر غالب آسکتی ہے۔ یہ مادیت کا جھیلہ ان حقائق کے سامنے ٹک نہیں سکتا۔ حقیقت چاہتی ہے مرٹنے کو، تفویض کو، ہونا یہ چاہئے کہ صبر کے موقع پر صبر کریں اور توکل کے موقع پر توکل کریں۔ قناعت کے موقع پر قناعت کریں۔

بھائیو! ابھی تو یہ الفاظ پر قربانی دینا ہوا لیکن الفاظ سے حقیقت تک پہنچنا یہ اصل چیز ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ایک تو یہ ہے کہ جلیبی کے اوپر تقریر کرو کہ وہ یوں بنتی ہے اور ایسے بنتی ہے اور ایک یہ ہے کہ بنی بنائی جلیبی کسی کے منہ میں ڈال دو، تو تقریر اور حقیقت میں بہت فرق ہے۔ قرآن اور حدیث کے الفاظ تو اس کے منکر بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ اب اگر اس کی حقیقت کو پانا ہے تو جماعت میں وقت

لگاؤ کرو گے تو پاؤ گے۔ زبردستی کوئی نہیں کر سکتا۔

اب حضرت جی چوکی پر دو زانو بیٹھ گئے۔ اور پہلے عربی میں پھر اردو میں لمبی دعا فرمائی۔ اب دعا کے بعد حجرے کے سامنے خصوصی مجلس لگی ہوئی ہے۔ لیجئے اب مغرب کا وقت شروع ہو گیا ہے۔ اور ایک ساتھ پانچ جگہ کے ہنگامہ والی مسجد میں پانچ آدمی اذانیں دے رہے ہیں۔ عجیب و غریب منظر ہے، جو دلوں میں ایمان کو بڑھا رہا ہے۔

دنیا کے بس خطے | **برادرانِ وطن سے گفتگو اور اس کا طرز و اسلوب** | اور گوشے میں

جو بھی مسلمان آباد ہے اس کو اعمال صالحہ پر کھڑا کرنا اور ایمان و یقین والی صفات پر لانا ہر مسلمان کی اپنی ذمہ داری ہے۔ اس دعوت و تبلیغ کی محنت کا مرکز و محور بھی یہی امت اسلامیہ ہے لیکن اس محنت کے ذریعہ جہاں مسلمانوں میں دین کی صحیح اور سچی طلب پیدا ہو رہی ہے وہیں غیروں میں بھی ذوقِ مستحوا اور شوقِ طلب ابھر کر سامنے آ رہا ہے۔ ہوائی جہازوں میں ریلیوں اور گاڑیوں میں جہاں دینی اور دعوتی ماحول سامنے آتا ہے وہ بھی سراپا گوش بن جاتے ہیں۔ ایسے موقعہ پر ان میں صحیح انسانیت کا جذبہ نہ پیدا کرنا اور ان کو بھلا انسان بننے کی دعوت نہ دینا بڑے ظلم کی بات ہے حضرت مولانا کو اپنے طویل دوروں اور سفروں میں جب بھی ایسا موقع ملتا وہ اس کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔۔۔ اور خوب کھل کر اندھیرے میں رہنے والوں کو روشنی کی طرف بلاتے۔ آپ کی اس دعوت کا طرز و اسلوب اتنا مؤثر اور دل نشیں ہوتا تھا کہ سامعین کے چہرے اپنے اندر کے تاثرات اور جذبات سے کھل اٹھتے۔ پوری گفتگو میں نہ ان کی ذات و شخصیت پر کوئی تبصرہ ہوتا اور نہ ان کے عقائد و نظریات پر کوئی حملہ۔ بس سیدھی سادی بات انسانیت کی صلاح و فلاح اور اس کی آخرت سے متعلق ہوتی تھی۔

پیش نظر مضمون میں ایسے ہی کچھ قیمتی لمحات کی روداد پیش کی جاتی ہے۔

• ایک مرتبہ اجتماع میں جاتے ہوئے گنگاپور اسٹیشن پر ٹرین ٹھہری۔ بہت سے غیر مسلم خواص ملاقات کے لئے آئے تو ان سے خطاب میں یہ طرز اختیار کیا۔

”تم بتاؤ کہ انسان کو خدا نے کیوں پیدا کیا۔ اگر کھانے کمانے کے لئے پیدا فرمایا ہے تو یہ بات تو جانوروں میں بھی ہے اور اگر کھانا شرافت کی دلیل ہے تو بیل سب سے زیادہ کھاتا ہے۔ انسان کی شرافت یہ ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کو پہچان کر اس کو راضی کرنے کی فکر کرے، یہ ہے انسانیت۔ اور اس کے علاوہ کے سارے کام تو سارے جانور بھی کرتے ہیں۔ جب انسان جانور بنتا ہے تو پھر یہ جانوروں سے بھی زیادہ بدتر بن کر رہتا ہے۔ بس یہ ایک بات ہے اسے سوچتے رہو۔ جب انسان اللہ کو پہچاننا چھوڑ دے، ماننا چھوڑ دے، مالک کے کہنے پر نہ چلے اور اس کو راضی نہ رکھے تو پھر بارشیں یا تو رک جاتی ہیں یا پھر سیلاب آجاتا ہے۔ یہ سب خواہ مخواہ نہیں ہوتا۔ انسان کے عمل سے انسان کے حالات جڑے ہوئے ہیں۔ آج دنیا میں چیزوں کی جتنی ایجاد ہے اس سے پہلے نہیں تھی لیکن پریشانیاں پھر بھی بڑھتی جا رہی ہیں۔ میں اس کی وجہ بتلاتا ہوں۔ اچھے کھانے سے اور اچھا گھرنانے سے انسان اچھا نہیں بنتا۔ انسان اپنے اندر سے اچھا بنتا ہے انسان کے اندر کے جوہر کی اچھا انسان کی اچھائی ہے اور انسان کے اندر کے جوہر کی برائی انسان کی برائی ہے۔ آج چیزیں بن رہی ہیں۔ لیکن انسان بگڑ رہا ہے۔ اب چیزیں چاہے جتنی زیادہ ہو جائیں، انسان برابر بگڑتا رہے گا۔ اور پریشان رہے گا۔ اور انسان اگر بن جائے تو چیزیں چاہے جتنی کم ہو جائیں لیکن اس سے انسان کی زندگی بن جائے گی۔

• دوسرے مذاہب کی طرح اسلام کوئی قومی و طبقاتی مذہب نہیں ہے بلکہ سماج کے ہر شخص کے لئے ہر وقت اس میں داخل ہونے کی آزادی اور اجازت ہے۔ بس اتنا ضرور ہے کہ کچھ کام کرنے کے ہیں ان کو کیا جائے اور کچھ کام نہ کرنے کے ہیں ان سے بچا جائے۔ یہ بات حضرت مولانا نے ایک مجلس کے غیر مسلم حاضرین سے ان الفاظ میں فرمائی۔

”اسلام کوئی قومی یا طبقاتی مذہب نہیں ہے بلکہ کچھ باتیں ہیں، وہ جس میں بھی پیدا ہو جائیں وہ مسلمان ہیں۔ ورنہ غیر مسلم ہے۔ ان میں کچھ باتیں انسان کے قلب سے تعلق رکھتی ہیں انہیں یقینیات اور ایمانیات کہتے ہیں اور کچھ باتیں انسان کے بدن سے متعلق ہیں۔ ان کو عبادات کہتے ہیں۔ پھر تیسری بات یہ ہے کہ تمام انسانوں کے ساتھ اس کا رہن سہن ٹھیک ہو، اور چوتھی بات یہ ہے کہ اس کے معاملات ٹھیک ہوں اور پانچویں بات یہ ہے کہ اخلاق اچھے رکھتا ہو۔ اب اگر اللہ سے انسان کا معاملہ ٹھیک ہے تو مخلوق کے ساتھ بھی ٹھیک ہوگا۔ اور اگر اللہ سے معاملہ غلط ہے تو اس کے بندوں سے بھی غلط ہوگا۔ عبادات خدا سے لینے کے طریقوں کا نام ہے جسے خدا سے لینا نہ آئے گا، اس کا بندوں سے تعلق اچھا نہیں ہوگا۔ دنیا میں جس آدمی کو بس شخص سے تنخواہ ملتی ہے اسی کے کہنے پر چلتا ہے۔ بس یہی بات اگر ہمارے دل میں اتر جائے تو ہمارے بدن سے نکلنے والے اعمال ٹھیک ہو جائیں گے۔ اور آخری بات یہ ہے کہ دل سارے اعضاء میں بادشاہ ہے اس کا جیسا یقین ہوگا ویسا ہی عمل وجود میں آئے گا۔ دوکان کا یقین ہو تو ساری قوت دوکان پر ہی لگے گی اور اگر دل میں خدا کا یقین ہو تو ساری قوت دل کے درست کرنے پر لگے گی اور ایسا آدمی اپنے مالک کے منشاء کے مطابق چلے گا اور وہ دل بڑا قیمتی ہے جو اپنے مالک کی منشاء کے مطابق چلے۔

• ایک مرتبہ ننگلہ اٹا وڑ (میوات) کے اجتماع میں دعا سے قبل ہونے والے بیان میں مسلمان اور غیر مسلم مخلوط تھے اور بڑی مقدار میں تھے۔ حضرت مولانا کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نے دونوں کی رعایت فرماتے ہوئے اس طرح بیان کیا۔

”اللہ نے اس دنیا میں جتنی چیزیں بنائی ہیں وہ انسان کے لئے بنائی ہیں، تمام چیزیں انسان کے لئے ہیں لیکن انسان چیزوں کے لئے نہیں ہے۔ انسان دو چیزوں کے مجموعے کا نام ہے۔ ایک جسم یعنی شریہ، دوسرے روح یعنی آتما۔ اب اگر انسان صرف جسم منکر کرے تو روح والے حصہ سے یہ غافل ہو جائے گا اور جسم بغیر روح کے بیکار ہے روح اگر ہو لیکن جسم کا کوئی حصہ کاٹ دیا جائے تو پھر بھی کام چل جاتا ہے لیکن اگر جسم

تندرست و سالم ہو اور اس میں روح نہ ہو تو یہ سارا جسم بیکار ہے۔ اگر محنت صرف بدن کے لئے ہو تو روح سست اور پژمردہ رہتی ہے۔ خالی بدن والی محنت کھانا پینا مکان بنانا، یہ تو جانور بھی کرتا ہے۔ اصلی انسانیت تو روح پر محنت کرنا ہے تاکہ یہ پاکیزہ خوشنودار بن جائے۔ روح کا تقاضا کھانا پکڑا اور مکان نہیں ہے بلکہ اپنے مالک خالق پروردگار بنانے والے اور پیدا کرنے والے کو جاننا پہچاننا اور اس کی بندگی کرنا ہے وہ راضی ہو جائے۔ روح کو سائنس والے نہیں بنا سکتے ہیں وہ تو بس اپنے بنانے والے کے پاس سے ہی آتی ہے۔ روح پر اگر محنت ہو تو یہ پاک صاف روشنی والی بنتی ہے۔ اور اس پر محنت دو طرح سے ہوتی ہے، ایک تو بندگی کرنا ہے۔ یعنی اپنے بندہ پنے کو ظاہر کرنا۔ پہلے یہ جاننا کہ وہ کس کا بندہ ہے تاکہ اسی کی عبادت کرے دوسرے یہ کہ بندوں اور مخلوق کے ساتھ بہترین رہن ہو اور ان کو فائدہ پہونچانے والا ہو۔ اور یہ کام صرف خدا کے لئے بے غرض بن کر کرے اور مخلوق کو فائدہ پہونچانے تب تو یہ اخلاق ہیں اور اگر غرض کے ساتھ کرتا ہے تو وہ تو بیس روپے کا ملازم بھی کر لیتا ہے۔

روح پر محنت نہ ہو تو روح ناکارہ گندی بدبودار اور سیاہ بنتی ہے۔ روح کے اقداسوں کے پورا کرنے کی محنت کے لئے اپنے اپنے اوقات فارغ کرو۔ موت کے وقت پتہ چلے گا کہ روح کے تقاضے زیادہ ضروری تھے یہ

• رام گڈھ (یعنی تال) کے ایک تبلیغی اجتماع میں متعدد غیر مسلم چودھری صاحبان ملاقات کے لئے آئے تو ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”دنیا سے انسان کے ساتھ صرف اس کے اعمال ساتھ جائیں گے موت کو چاہے ہم بھول جائیں لیکن وہ ہمیں نہیں بھولے گی۔ خدا کے لئے دین کے بارے میں اپنی جانوں پر ترس کھاؤ۔ موت آنے پر جب ضرورت آدمی کی سمجھ میں آتی ہے تو وقت نکل جاتا

ہے۔ آج لوگوں کے پاس دین سیکھنے کے لئے وقت نہیں ہے سارا دن کارخانے میں لگ جاتا ہے۔ لیکن یہی آدمی جب دوسرے کارخانے کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو اس کو کھول دیتا ہے۔ خدا جانے اب اس کارخانے کے لئے کہاں سے وقت نکل آیا۔ گھاسیڑہ (میوات) میں اجتماع کے موقع پر بعدِ عشاء چار سیکھ صاحبان ملاقات کیلئے آئے۔ ان آنے والوں میں ایک سمر اور مرتاض بھی تھے۔ چہرہ مہرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ... ریاضت و مجاہدات کئے ہوئے ہیں۔ انھوں نے سلام کے بعد حضرت جی سے کہا کہ آج میرا قلب صبح سے کہہ رہا تھا کہ آپ سے ملنے چلو۔ لیکن میں ہجوم کی وجہ سے نہیں آسکا تھا۔ حضرت جی نے ان چاروں صاحبان سے بڑی دیر تک شکرِ آخرت سے متعلق گفتگو فرمائی اور صحیح زندگی گزارنے پر مرنے کے بعد کی کامیابی کا یقین دلایا۔ اسی مجلس میں شیعوں کے ایک صاحب بھی آگئے۔ آپ نے ان کو بھی شریکِ گفتگو فرما کر سب کے لئے ہدایت کی دعا فرمائی۔ آمین

برادرانِ وطن کے سامنے آپ مذہبِ اسلام کو کس قدر ہلکے پھلکے اور سادہ انداز میں پیش کرتے تھے اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو گا۔ جناب الحاج بھائی خالد صاحب صدیقی علی گڑھ بیان کرتے ہیں کہ: کچھ غیر مسلم حضرات ایک وفد کی شکل میں ہندوستان کے کسی صوبہ سے دہلی آئے ہوئے تھے۔ وہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مزار پر حاضری کے لئے بھی آئے۔ کسی نے ان کو بنگلے والی مسجد میں بھی غالباً جانے کا مشورہ دیا تو ایسے وقت بنگلہ والی مسجد میں داخل ہوئے کہ حضرت جی نور اللہ مرقدہ جماعتوں کی روانگی کی ہدایات دے رہے تھے۔ استقبال والوں نے انھیں حوض پر بٹھا دیا، جہاں سے انھوں نے حضرت کی بات سنی جب دعا اور جماعتوں کے مصافحہ سے فارغ ہو کر آپ اپنے حجرہ میں تشریف لائے تو یہ وفد بھی ملاقات کے لئے حجرہ میں آگیا۔ وفد کے ایک صاحب جو متکلم تھے

مہمہ بوقرۃ اجتماع رام گڑھ مورخہ ۱۲۸۶ھ ذیقعدہ ۱۲۸۶ھ ۳۱ فروری ۱۹۶۸ء بمقام اجتماع گھاسیڑہ ۲۱ ستمبر ۱۹۹۲ء

انہوں نے پہلے تو حضرت سے سنی ہوئی باتوں کی تحسین فرمائی۔ اس کے بعد کہنے لگے، کہ حضرت یہ باتیں آپ صرف مسلمانوں سے ہی کیوں کہتے ہیں یہ تو سارے انسانوں سے کہنے کی ہیں۔ اس پر حضرت نے برہتہ جواب دیا کہ مسلمان سن لیتے ہیں۔ اس لئے ان سے کہہ رہا ہوں۔ اگر تم سنے لگو تو تم سے بھی کہوں گا۔ اس لئے کہ ہماری بات تو پورے عالم کے انسانوں کے لئے ہے۔

اس کے بعد انہوں نے کہا کہ مذہب اسلام بڑا اچھا اور خوبیوں والا ہے مگر اس میں جانوروں کی ہتیا (ذبح) کر کے ان کا گوشت کھانے کی جو اجازت ہے وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ اس پر حضرت نے برہتہ فرمایا کہ بھائی اسلام کی جتنی اچھی اور خوبیوں والی باتیں سمجھ میں آگئی ہیں ان پر تو ہم اور تم دونوں عمل شروع کر دیں اور جو سمجھ میں نہیں آتی ہیں ان کو آہستہ آہستہ سمجھتے رہیں۔ اور ہم لوگ ڈاکٹروں کے کہنے سے بھی تو بہت سے جانور جیسے پھر مکھی وغیرہ کی ہتیا کرتے ہیں۔ اب اگر انبیاء کرام کے کہنے سے ایک خاص طریقے سے کچھ مخصوص جانور ذبح کر کے کھالیں تو اس میں کیا حرج ہے۔ لیکن یہ بات بعد میں سمجھتے رہنا۔ پھر انہوں نے سوال کیا کہ حضرت اگر کوئی ہمارے ساتھ ظلم کرے تو کیا کریں؟ اس پر فرمایا کہ اعلیٰ بات تو یہ ہے کہ معاف کر دو، ورنہ اتنا بدلہ لے لو جتنا اس نے ظلم کیا ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب

وزرا و حکام اور اہل سیاست کو دعوت

نے اس دعوتی و تبلیغی جدوجہد کا

آغاز اُس زمانہ میں فرمایا جب کہ پورے ہندوستان میں مختلف اور متعدد سیاسی تحریکیں زور و شور سے چل رہی تھیں۔ یہاں تک کہ مذہبی عنوان پر اٹھنے والی تنظیمیں اور جماعتیں بھی سیاست کی آلودگیوں سے اپنا دامن بچائے بغیر نہ رہ سکیں اور پھر بعد میں یہ ہوا کہ ان کا دین ان کی سیاست کے تابع ہو کر رہ گیا۔ ان تمام تنظیموں اور تحریکوں کا مرکز اور محور ہندوستان کا پایہ تخت (دہلی) تھا۔ دعوت و تبلیغ کی یہ عالمگیر محنت بھی ہندوستان کے اسی پایہ تخت دہلی سے اٹھی تھی۔ لیکن اللہ جل جلالہ کی حکمت بالغہ اور حضرت مولانا محمد الیاس کی دینی بصیرت اور قرآن و سنت پر ان کی گہری اور دور رس نگاہ نے اس بلند مرتبہ کا کام کو صرف قرن اول کا ہی رہا کر رکھا اور ہر طرح کی آمیزش اور ملاوٹ سے اسکی حفاظت

خاکسار کے دل پر نہ آج سے سکے جائے ہوئے ہے بلکہ کامریڈ کی نیرتابانی کے وقت سے جو ہر شناس اور قدردان ہے۔

اور شیخ الکل یعنی سیدی مولائی حضرت شیخ الہند کے زمانہ نیاز مندی اور آمد و رفت سامی کے برتاؤ نے اس خیال کو اور مضاعف اور مدلل کر دیا تھا۔ ہمیشہ سے اس پر زور انجن کے اسلام کی کوئی بڑی گاڑی کھینچنے کی طرف طبیعت متمنی اور جویا رہی۔ کچھ زمانہ سے خاکسار کے ذہن نارسا میں یہ مضمون آ رہا ہے کہ کوئی قابل اور اہل شخص خاص اور معتدل طریقہ سے فطری اور اوسط الملل مذہب یعنی اسلام کی طرف اس یورپین قوم کو زور و قوت اور پوری توجہ اور کوشش کے ساتھ دعوت الی الحق کرے تو اسکے لئے آپ کے سوائے کسی پر نظر نہیں جمتی۔

اس وقت یہ قوم ہر سراقتمدار ہے اور ایک مدت سے حکمرانی کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت مع الخلق پر نظر کرتے ہوئے یہ بات خیال میں آتی ہے کہ اہل حکومت لوگوں کو دعوت الی الحق کئے جانے پر مدعو وین کی دورا ہیں ہوئی ہیں۔ دعوت الی الحق کو قبول کر کے فوز دارین اور دین خداوندی اور مذہب آسمانی کی ترقی و تازگی اور آج تبابانی اور یا اس دین سے استنکاف اور اعراض کر کے استیصال و بربادی اور ہمیشہ کے لئے خسران و نامرادی، غرض کوئی ایک معاملہ کا ان کے ساتھ متعین ہو جانا اسی دعوت الی الحق کی قبولیت اور اعزاز اور رد و انکار پر مبنی ہے۔

اسی مدعا کے لئے یہ پہلا خط لکھ رہا ہوں خدا کرے یہ تخم ایک بار آور شجر کا ہو اور اس مراسلت کو مداومت بخشنے۔ اس کے واسطے پہلی بات اس طرز و طریق کا متعین کرنا ہے کہ جو اس کے لئے اختیار کیا جائے جس میں چند امور قابل لحاظ سمجھ میں آ رہے ہیں۔

اول یہ کہ مناظرے اور صریح کسی پر چوٹ کرنے سے محفوظ ہو۔
دوسرے جو خرابیاں اپنے مذہب کی ان کے... دلوں میں بیٹھی ہوئی ہیں ان کا شافی جواب لے ہوئے ہو۔ اور اپنے مذہب کی اصولی چیزوں مثلاً حسن تعلیم وغیرہ کی خوبیوں پر روشنی ڈال رہی ہو، باوجود اس کے مختصر ہونے کے بنا پر عام اشاعت کے قابل ہو۔

مختصر چیز کی اشاعت آسان ہوتی ہے۔ غرضیکہ میں ایک نا اہل شخص قابل و یگانہ زمانہ کو کیا متوجہ کروں کہ کن کن امور کی رعایت ضروری ہے۔ آپ خود مجھ سے اچھا سمجھ سکتے ہیں خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اس کے مالہ و ماعلیہ پر کافی نظر کر کے کوئی طریق اول متین کر لیا جائے اور پھر خدائے پاک وعدہ لا شریک لہ کی نصرت قطعہ کا یقین کر کے خدائے پاک پر بھروسہ کرتے ہوئے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کی سرخروئی اور آخرت کا بہترین ذخیرہ سمجھتے ہوئے اس کام کو تین دہی سے شروع کر دیا جائے۔ پھر حق تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق حقاً علینا نصر المومنین، ان تنصر اللہ ینصرکم، کتب اللہ لا غلبہ اننا ورسلی، انما النصر رسلنا والذین امنوا۔ کشتی کو کسی کنارہ لگا ہی دیں گے۔ رائے سامی سے مطلع فرمائیں۔ والسلام۔
بندہ محمد الیاس عفی عنہ بقلم احتشام غفرلہ۔

اسی طرح دعوت و تبلیغ کے بارے میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا نظریہ اور طرز فکر یہ تھا کہ عوامی جدوجہد کے ذریعہ لوگوں کا مزاج دینی و ایمانی بنایا جائے اور اقتدار و حکومت حاصل کرنے یا دیندار طبقے کو کرسی اقتدار پر بٹھانے کے بجائے اہل اقتدار و حکومت تک دین پہنچایا جائے تاکہ ان میں دینی شعور و مذہبی جذبات بیدار ہو جائیں اور وہ آخرت کو سامنے رکھ کر حکومت کریں۔

لیکن اس تبلیغی جدوجہد کی ستر سالہ تاریخ کی یہ بھی ایک حقیقت اور سچائی ہے کہ ارباب حکومت اور اہل سیاست کو انسانیت یا ایک ملت یا ایک امت ہونے کی بنا پر ان کا بھولا ہوا سبق ہمیشہ یاد دلایا جاتا رہا۔ عہدوں اور منصبوں کی بے وقعتی۔۔۔ بے حیثیتی اور اس کے مقابلہ میں انسانیت کی وقعت و حیثیت ہمیشہ پر زور الفاظ میں ان کے سامنے بیان کی جاتی رہی، اپنے مالک کو جاننے پہچاننے اور پھر اس کی ماننے کو ہمیشہ مؤثر اور پر زور الفاظ میں سمجھایا جاتا رہا۔

اس طرز فکر کا یہ اثر اور نتیجہ ہے کہ سربراہان اور وہ سیاسی شخصیتوں، کرسی نشینوں اور اعلیٰ عہدہ داروں کو کبھی بھی امتیازی شان کے ساتھ نہیں بلایا گیا اور نہ ہی ان کی شان میں

قصائد پڑھنے کی نوبت آئی اور اگر اُدھر سے کچھ اشارہ بھی ہوا تو مہذب انداز و الفاظ میں آداب شاہی اور رموز سلطنت سے اپنی ناواقفیت کا عذر پیش کر دیا گیا۔
اس مسئلہ میں مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی (زندۃ العلماء مکتوف) کے یہ

الفاظ بالکل بنی برحقیقت ہیں کہ :

”اس کام کے بانیوں نے اس کام کا مزاج ایسا رکھا کہ وہ اہل حکومت و سیاست کی نظر میں بے ضرر تھا۔ کیونکہ انھوں نے دعوت کے سرف مثبت اور تعمیری پہلو کو اختیار کیا اور وہ بھی انسانوں کی اصلاح اور ان کو اسلام کی اور ایمان و عمل صالح کی تعلیم سے وابستہ کرنے کا کام، اس طرح اس جماعت کا کسی پارٹی سے یا کسی سیاست سے کوئی تعلق یا ٹکراؤ نہیں ہوا اسی طرح اس سے دلچسپی لینے والوں میں ہر سطح کے اور ہر طبقہ کے لوگ شریک ہوئے۔ اس طرح جماعت کی اس غیر جانبداری کے سبب اس کے کام سے کسی کو بدگمانی یا مخالفت نہیں پیدا ہوئی۔“

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے قائم کردہ ان نقوش قد پر چلتے ہوئے مولانا محمد یوسف صاحب اور — مولانا محمد انعام الحسن صاحب بھی تمام عمر سیاست سے اپنا دامن بچا کر اصحاب سیاست اور اعیان حکومت کو دین و ایمان دیتے رہے اور خدا شناسی و حق پرستی کی طرف بلاتے رہے۔

دین حق کی حفاظت و حمایت اور اس کی سر بلندی کے لئے جدوجہد میں ان تینوں حضرات کا یہ طرز مسکرا اور سوچنے سمجھنے کا انداز وہی ہے جو حضرت مجدد الف ثانی نور اللہ مرقدہ کا تھا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب خود اس کی وضاحت اپنے ایک ملفوظ میں اس طرح فرماتے ہیں۔

”دین کا کام ایک تو ہے شاہ اسماعیل صاحب شہید کے طرز کا، لیکن اس میں دیکھو کہ ان کے ساتھ جو جمع تھا وہ اولیاء کی صفات سے بھی آگے بڑھا ہوا تھا۔ صحابہ کرام سے

مشابہت پائی باقی تھی اور پھر ابتداء ہوئی بدعات اور فسق و فجور کے خلاف کوشش سے اور انتہاء کی سکھوں کے خلاف جہاد سے۔ آج اس وقت امت میں اس طرز کے کام کی استعداد نہیں ہے۔

دوسرا کام ہے دین کا حضرت مجدد الف ثانی کے طرز پر کہ نیچے سے اصلاح کرتے آؤ۔ اور اگر نیچے اصلاح ہو جائے تو کم از کم درجہ یہ ہو گا کہ اوپر والوں کا شر انہیں میں محدود ہو جائے گا۔ اور آخر میں وہ بھی ترک شریعہ ہو جائیں گے۔ اگر حکومت سے شر آیا ہے تو عوام میں جن میں کوشش کر سکتے ہو، ان کو شر سے خیر پر ڈال دو تو حکومت کا شر بھی ختم ہو جائے گا، جس طرح حضرت مجدد الف ثانی نے حکومت کے علاوہ اس کے نیچے کو درست کرنا شروع کیا۔ آخر میں حکومت کا بھی شر ختم ہو گیا اور ان کی کوشش کے طفیل اکبر اور جہانگیر کی اولاد میں عالمگیر جیسے خادم شریعت پیدا ہوئے۔ ہمارا یہ کار تبلیغ حضرت مجدد کے طرز پر مشرک و کنا ہے اور خیر کی طرف موڑنا ہے۔

مذکور بالا نظریہ اور طرز فکر کے تناظر میں مولانا محمد یوسف صاحب کے ذیل کے واقعات ہمیں پڑھنے کے لئے ملتے ہیں۔

(۱) :- ربیع الاول ۱۳۶۶ھ (فروری ۱۹۴۷ء) میں مسٹر محمد علی جناح سے بعض تبلیغی احباب نے سندھ جا کر ملاقات کی اور اس دعوتی کام کی اہمیت و ضرورت ان کو بتلائی مولانا محمد یوسف صاحب اپنے ایک مکتوب میں اس ملاقات کی اطلاع حضرت شیخ کو اس طرح دیتے ہیں۔

”سندھ کے اس دفعہ کے کام پر جناح سے تبلیغی گفتگو حاج عبدالحمید کی زبانی وفد کی صورت میں ہوئی، اظہار تاثر کیا اور کہا کہ یہ تو ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کا کام ہے۔ باقی اس وقت مسلمانوں میں جو معاشی مصائب رائج ہیں، اس کا کیا علاج ہے۔ اس وقت اس سے زیادہ گفتگو خلاف مصلحت سمجھی گئی۔ دوسری ملاقات پر اسکو ملتوی کیا گیا۔ اس کے بعد خیال تھا کہ علی بیان قریشی ملک صاحب ڈاکٹر ذاکر، مولانا احتشام شریف لے جائیں وفد کی صورت میں وہاں کے لیگی ذمہ داروں کو اپنے یہاں دعوتیں

دے کر اس کام کی طرف متوجہ کریں اس کے لئے پہلے بھی اس طبقہ میں مختلف جگہ دعوتیں دی جا چکی ہیں۔

(۲) :- ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ (۲۳ مارچ ۱۹۴۶ء) میں دہلی میں ایشیائی ممالک کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں افغانستان چین، سری لنکا، سعودی عرب، مصر، عرب لیگ، انڈونیشیا، ملیشیا وغیرہ ممالک کے مندوبین نے شرکت کی۔ مولانا محمد یوسف نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو ایمانی و تبلیغی دعوت پہنچانے کا قصد فرمایا۔ چنانچہ ان مندوبین سے رابطہ قائم کر کے دعوت دی گئی۔ اور ۵ جمادی الاول (۲۹ مارچ ۱۹۴۶ء) شنبہ میں ایک اجتماع جناب الحاج محمد شفیع صاحب قریشی مرحوم کے کوٹھی پر منعقد ہوا۔ جس میں مختلف ممالک کے مندوبین نے شرکت کی۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی نے اس اجتماع سے مشترکہ طور پر خطاب فرمایا۔

● مولانا محمد یوسف صاحب، مولانا محمد انعام الحسن صاحب اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے مکاتیب (بنام حضرت شیخ) میں اس اجتماع کا ذکر تذکرہ اس طرح ملتا ہے۔
”ہم لوگ اپنی سستی اور نااہلی کی بنا پر خطوط کے لکھنے اور فیوض کے حاصل کرنے سے کوتاہ رہے ہیں مگر امید یہ ہے کہ از خود کرم و عنایت کے ماتحت ہمارے لئے اور خصوصاً اس کام کے فروغ کے لئے دعائیں ضرور فرماتے ہوں گے۔“

اس وقت ایک جماعت جس میں مولانا علی میاں، مولانا عمران صاحب، اور قریشی صاحب اور ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب وغیرہ حضرات ہیں، کانفرنس میں آنیوالے حضرات غیر ملکی میں کام کر رہے ہیں۔ اس وقت میں دعاؤں کی از حد ضرورت ہے۔
(دقیقاً اس مکتوب مولانا محمد یوسف صاحب)

● دھندلا سا ایک یہ خیال بھی دماغ میں چکر لگا رہا ہے کہ انگلینڈ سے جو وزراء آئے ہوئے ہیں ان سے سیاسی مسائل پر گفتگو میں ہو رہی ہیں۔ ایک مختصر وفد سیاسی مسائل سے علیحدہ ہو کر اسلامی دعوت کے لئے ان سے ملاقات کرے۔ دعا فرمائیں کہ حق تعالیٰ شانہ

اس میں جو صورت بہتر ہو مقدر فرمائے۔ جناب عالی خصوصیت سے اس طرف متوجہ ہوں
اس وقت انگریزی طبقہ کے لوگ کثرت سے آرہے ہیں اور پیدائنے آنے والے اور
ایسے لوگ جو اہل علم اور اس طبقہ والوں کے درمیان واسطہ ہوتے وہ کم ہوتے
چلے جا رہے ہیں۔ جس سے بعض اوقات ڈر معلوم ہونے لگتا ہے۔ اپنے بس میں تو
حق تعالیٰ شانہ کے سامنے عرض کرنے کی بھی اہلیت نہیں۔ غالی اللہ المشتکی۔

(اقتباس مکتوب مولانا محمد انعام الحسن صاحب)

کل ہفتہ کے روز ۲۹ مارچ کو قریشی صاحب کے یہاں تمام مسلمان نمائندوں
کو چائے کی دعوت دی گئی ہے جس میں میرا عربی میں اور ڈاکٹر ذاکر صاحب کا انگریزی
میں خطاب کرنا تجویز ہوا ہے۔ اوقات سخت گھرے ہوئے ہیں۔ ملاقات کرنیوالوں
کا مہمانوں پر سخت ہجوم ہے۔ کل مصری نمائندہ مصطفیٰ موسیٰ صاحب نظام الدین آئے
تھے عشاء کی نماز پڑھی اور مولانا یوسف صاحب کے حجرہ میں مولانا کی تقریر اور میری
ترجمانی سنی۔ آج جمعہ پڑھنا بھی وہیں موعود ہے۔

(اقتباس مکتوب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی محرمہ ۲۸ مارچ ۱۹۴۷ء جمعہ از مسجد مکر ٹریٹ دہلی)

(۳) تقسیم ہند کے چند ماہ بعد مولانا محمد یوسف صاحب نے پاکستان کا سفر کیا اور وہاں کے
عام مجامع اور مجالس میں بیانگ دہل فرمایا کہ جو عذاب معاصی کی وجہ سے آرہا ہے اس کو
تمھاری قواعد پریڈ، تمھاری توہین اور ہم کے گولے بھی نہیں روک سکیں گے اصل علاج
اور تدبیر رجوع الی اللہ ہے۔ اپنے اندر ایمان پیدا کرو۔

دہلی واپس تشریف لا کر آپ نے اپنی تقریر کے یہ الفاظ اپنی خصوصی مجلس میں بیان
کئے تو ایک اہل تعلق نے کہا کہ اگر آپ راضی ہوں تو میں چاہتا ہوں کہ آپ کو لے کر
پنڈت جواہر لال نہرو سے ملیں اور یہ تقریر جملے خود آپ کی زبان سے ان کو سنواؤں
اور اگر آپ نہ چاہیں تو میں خود جا کر ان کو سنواؤں۔ اس پر فرمایا:

”پرگز نہیں، میں نے یہ بات پاکستان والوں سے کہی تھی۔ آپ اگر پنڈت نہرو سے
یا حکومت کے دوسرے ذمہ داروں سے بات کریں تو ان سے یہی کہیں کہ تمھیں اور

ملک کو سرفروشی تیاریاں نہیں بچا سکیں گی۔ خدا کو راضی کرنے کی، ظلم کو ختم کرنے کی اور انصاف کو رواج دینے کی کوشش کرو تو تم بھی بچ جاؤ گے اور ملک بھی بچ جائیگا۔
(سوانح یوسفی لکھنؤ ص ۳۳)

(۴) مولانا حکیم مشتاق احمد صاحب کٹھوری اسی نوع کا دوسرا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ :
"حکیم صاحب آپ کا پنڈت نہرو سے براہ راست تعلق ہے لہذا اس تعلق کا تقاضا ہے کہ ان کو دعوت دی جائے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت ایک وزیراعظم اور دنیا کے چند شخصیتوں میں سے ایک ایسی شخصیت کو میں کیسے دعوت دینے کی جرأت کر سکتا ہوں۔ وہ تو بڑے ہیں اور میں بہت چھوٹا ہوں یہ سن کر فرمانے لگے۔ "حکیم صاحب آپ بحیثیت کلمہ گو اُن سے بہت بڑے ہیں اور دعوت دے سکتے ہیں۔" (سوانح یوسفی مجنور ص ۱۱)

(۵) ایک مرتبہ مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) میں قیام کے دوران وہاں کے سرکاری اور سیاسی سطح کے بہت سے خواص جمع تھے۔ ان کو مخاطب بنا کر فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سوال کے جواب میں اتنا فرمایا تھا کہ کل بتاؤں گا۔ اس پر وحی آئی ولا تقولن شیء انی فاعل ذلک غدا ان یشاء اللہ، اور تمہاری زبان پر ہر وقت یہی رہتا ہے کہ ہم نے یہ کیا، ہم یہ کر رہے ہیں اور ہم یہ کریں گے، وہ کریں گے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر تم مرنا بھی چاہو تو اپنے ارادے سے مر بھی نہیں سکتے۔ خلق کی صفت صرف خالق میں ہے۔ پوری مخلوق اپنی پیدائش، تربیت اور بقا میں ہر ہر مرحلہ پر خالق کی محتاج ہے۔

ایک مجلس میں فرمایا: "تم حضور کے نمونہ پر بننا شروع کر دو، جتنا بننا ہو گا بن جائیگا۔ اور جو بننے والا نہیں ہو گا اور بننے والوں کے لئے رکاوٹ بنے گا خدا اسے اس طرح توڑ دے گا جیسے اندھے کے چھلکے کو توڑ دیتا ہے۔ تم جن کو بڑی طاقتیں کہتے ہو، خدا کے نزدیک ان کی حیثیت مکڑی کے جالے کے برابر بھی نہیں ہے۔ اس دنیا میں پاکیزہ انسانوں کے نہ ہونے کی وجہ سے مکڑیوں کے بڑے بڑے جالے لگ گئے تھے۔ جب حضور کی سعی سے

پاکیزہ انسان بن گئے تو خدا نے عذاب کی ایک جھاڑو سے روم و فارس کے جاے صاف کر دیئے تھے۔ بالکل یہی صورت روس اور امریکہ کی ہو گی۔

ایک دفعہ فرمایا ایٹم سے ڈرنا ایسا ہی ہے جیسے مشرکین اپنے پتھر کے بتوں سے ڈرتے اور امید رکھتے تھے۔ ایٹم اور ایٹم والوں کی گردنیں قدرت کے ہاتھ میں ہیں۔ ایٹم سے وہ ہو گا جو خدا چاہے گا۔ فرعون بھی دھڑلا نہارت جری من تحتی، کہا کرتا تھا مگر خدا نے اسی پانی کو اس کے غرق و ہر بادی کا سامان بنا دیا۔

دعوت و تبلیغ اور حکومت و سیاست کے تعلق سے مولانا محمد انعام الحسن صاحب کے سوچنے اور سمجھنے کا طرز و انداز بھی بالکل وہی تھا جو آپ کے ہر دو پیش رو (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب) کا رہ چکا تھا۔ امیر جماعت تبلیغ بننے سے پہلے بھی آپ اسی بنیاد پر سوچتے اور سمجھتے تھے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی حیات میں جب آپ امراء و روساء کو دعوتی و تبلیغی مکاتیب تحریر فرماتے تو اس میں بھی یہی پہلو سامنے رکھتے ہوئے صرف دعوت و تبلیغ کے دائرہ میں مکاتیب فرماتے تھے۔ چنانچہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۷ء میں جب ایک طویل مکتوب آپ نے نواب ذوالفقار علی کو تحریر فرمایا تو پہلے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں اس کو تصویب و تصدیق کیلئے بھیجا اور لکھا کہ چار اصول اس خط میں ملحوظ ہیں۔ (۱) ان کی تعظیم۔ (۲) اپنا استغناء۔ (۳) تبلیغی رغبت۔ (۴) اپنا تکبر سے بچنا۔۔۔۔۔ خوش قسمتی سے ہمیں اس موقع پر مولانا محمد انعام الحسن صاحب کی ایسی اہم اور قیمتی تحریر دستیاب ہے جو آپ کے امیر جماعت تبلیغ بننے سے چودہ سال قبل کی ہے اور وہ اسی بلند پایہ فکر و سوچ کی حامل اور آئینہ دار ہے۔

اس تحریر کی مختصر تاریخ اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ مملکت پاکستان کے قیام کے ۳۴ سال بعد وہاں کے ایک ذی مرتب عالم دین نے سو سے زائد علماء و مفتیان کرام سے صلاح و مشورہ کے بعد اپنے ملک میں دینی و مذہبی کام کا نقشہ بنا کر ایک سوالنامہ مرتب کیا اور اس کو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمت مبارکہ میں بھیج کر مشورہ طلب کیا۔ آپ نے وہ سوالنامہ مولانا انعام الحسن صاحب کی خدمت میں دہلی بھیجتے ہوئے تحریر فرمایا کہ

ان سوالات کے نمبر وار جوابات لکھ دو۔ چنانچہ آپ نے پورا سوالنامہ بہت غور و فکر کے ساتھ ملاحظہ فرما کر اس کے جوابات نمبر وار مرتب فرمائے اور حضرت شیخ کی خدمت میں ارسال کئے تھے حضرت شیخ نے اس مکتوب کو ملاحظہ فرما کر اپنی پسندیدگی ظاہر فرمائی اور اس کے مندرجات کی تائید کی ذیل میں یہ سوالنامہ اور حضرت مولانا کے تحریر کردہ جوابات پیش کئے جاتے ہیں اس سوالنامہ پر ۸ سوال مسئلہ (۱۳ جولائی ۱۹۵۱ء) کی تاریخ مرقوم ہے۔

سوالنامہ

(۱) مسلمہ اسلامی فرقوں کے مقتدر علماء کو جمع ہو کر اپنے فروعی اختلافات کی حدود مقرر کر لینا چاہئیں اور ان اختلافات کی وجہ سے باہمی مخالفت کو بالکل ترک کر دینا چاہئے۔ اور اس کا عہد کر لینا چاہئے کہ خاص یا عام مجالس میں ایک دوسرے کی بیجا تغلیط اور سب و شتم نہ کیا جائے گا اگر کسی کی کوئی غلطی معلوم ہوگی تو نرمی اور غیر خواہی کے ہوج میں اس پر تنہائی میں متنبہ کیا جائیگا۔ اور مخاطب اس کا تہیہ کر کے غور سے سنے کہ اگر غلطی کا علم ہو گیا تو اپنے خیال سے رجوع کر لیا جائے گا۔ اور اگر اختلافی مسائل میں سے کسی مسئلہ کو کوئی حاکم مند دریافت کرے تو اپنا مسلک بیان کر دیا جائے۔ دوسروں پر تنقید نہ کی جائے۔ نہ ایک دوسرے کی مخالفت میں جلسے کئے جائیں۔ اپنے فرقے کے دیگر علماء اور عوام کو سمجھانا اور اس طے شدہ راستہ پر لانا حضرات شرکاء کے ذمہ ہو گا۔

(۲) فتویٰ دینے کا اختیار ہر مولوی کو نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ سب حضرات علماء مل کر ہر علاقہ کے لئے مفتی کا تعین فرما دیں تاکہ صرف ان ہی صاحب کا فتویٰ معتبر ہو اور ان ہی مفتیوں میں سے ایک جماعت ایسی بنادی جائے جو کسی اہم مسئلہ کے پیش آجانے کے وقت جمع ہو کر مشورہ سے فتویٰ دے۔ اس جماعت کا ایک شیخ بھی ہو۔ پھر کثرت رائے سے یا شیخ کے قول پر رجحان شرعی طریقہ پر مقرر کیا جائے جو فتویٰ ہو جائے، اسی کے پابند علماء سب ہوں۔ اس کے خلاف اپنی رائے کا بھی اظہار نہ کیا جائے اور کسی علاقہ کے مفتی کے معذور یا فوت ہو جانے کے بعد یہی کمیٹی مشورہ

اس علاقہ کے لئے دوسرا مفتی تجویز کرے۔

(۳) : یہ مسلم ہے کہ اسلام بزور شمشیر نہیں پھیلا بلکہ بذریعہ اخلاق پھیلا ہے۔ لہذا علماء اور مشائخ کو اپنے کو اخلاق محمدی کا نمونہ بن کر دکھلا دینا ضروری ہے تاکہ تمام مسلمانوں کے اخلاق اسی نمونہ کے مطابق ہو جائیں۔ اخلاق میں سے خدمتِ خلق، استغناء، ایثار، قناعت، صبر، شکر، وفائے عہد، حسن معاملہ، ادائے حقوق، حب فی اللہ، بغض فی اللہ، توکل وغیرہ اخلاق کو زیادہ نمایاں کیا جائے۔

(۴) : مشورہ سے نصابِ تعلیم، اور طرزِ تعلیم ایسا مقرر کیا جائے کہ ایک فارغ التحصیل طالب علم مدرس، مفتی، خطیب، قاضی، محتسب، سفیر، وزیر، صدر سلطنت بھی ہو سکے۔

(۵) : تبلیغ کے لئے مشورہ سے ایک طریقہ مقرر کر لیا جائے تاکہ ہر جگہ طریق تبلیغ ایک ہی ہو اور ایک ادارہ مبلغین کی تربیت کے لئے قائم کیا جائے۔

(۶) : تبلیغ صرف نماز و روزہ حج، زکوٰۃ ہی کی نہ ہو، ان کے ساتھ ہر طبقہ کو اس کے مناسب بھی تبلیغ کی جائے، مثلاً تاجروں کو کم تولنے، مال خراب نہ دینے، مال میں عیب کو ظاہر کر دینے، بلیک مارکیٹ نہ کرنے وغیرہ کی، خریدار کو مسلمان ہی سے خریدنے کی، مزدوروں قلیوں کو خواہ مخواہ زائد مزدوری بتا کر جھگڑانہ کرنے کی، عام لوگوں کو مزدوری پوری دیے کی، ملازموں اور چھوٹوں کو کام پورا کرنے اور اطاعت کی، آقاؤں اور بڑوں کو شفقت اور رفق کی، فوج، پولیس اہل و فائر، مہاجر، انصار۔ عرض اسی طرح ہر طبقہ کو اس کے مناسب تبلیغ ہو۔

(۷) : تبلیغ کا کام کم از کم ایک سال تک ایک مہم سر کرنے کے طور پر کیا جاوے، اگر دوسرے کام اس کی وجہ سے ایک سال کے لئے مؤخر بھی ہو جائیں تو پرواہ نہیں۔

(۸) : ایک جماعت علماء کی ایسی ہو جو شرعی ضروریات کے علاوہ ملک کی دنیاوی ضرورت پر بھی نظر رکھے کہ عوام کو ان حضرات تک پہنچنا سہل ہو۔

(۹) : ہر پاکستانی کے ذہن نشین یہ خوب اچھی طرح کر دیا جاوے کہ وہ جس کام میں مشغول ہے

اس کو ملک کا کام سمجھ کر کرے اور اپنے کو شریک سلطنت سمجھے۔ اگر صدر جمہوریہ ہے وہ بھی سلطنت کا کام کر رہا ہے، صنایع بھی، تاجروں بھی، کاشتکار بھی، حتیٰ کہ ایک گھسیارہ بھی اور لکڑہارہ بھی۔
(۱۰) مشورہ سے معاشرت کا بھی ایک طریقہ متعین فرما دیا جاوے جو قواعد شرعیہ کے موافق ہو۔ فقط

جوابات از حضرت مولانا محمد انعام الحسنی

امور مذکورہ مجوزہ بالکل صحیح اور درست ہیں جو اہل پاکستان ہی کیا تمام مسلمین عالم کے لئے موجب فلاح ہیں۔ اسلامی جذبات و اعمال کا جس قدر بھی وجود ہو جائے وہ مخلوقات کے لئے جالب رحمت اور نعمائے خداوندیہ کا دلائل والہ ہے۔ لیکن یہ دور جس میں اسلامیات اور جذبات اسلامیہ سے بعد روز افزوں ہے، ان امور کی طرف متوجہ ہونے اور ان کی استعداد پیدا ہونے کے لئے ابتداءً اسی عمومی جدوجہد کی ضرورت ہے جس سے اس طرف میلان اور اس کو اپنی عقبیٰ کی فلاح محسوس کرنے لگیں۔ جس کے لئے کم از کم ارکان اسلام کا صحیح پنج پر اہتمام اور کما حقہ ادا کرنے کا ذوق ایسا عام ہو جائے کہ کوئی کلمہ گو اس سے بے فکر نہ ہو کہ ارکان ہی پر شعبہ حیات کے ابواب خیر ہیں۔ اور اس عمومی جدوجہد میں اخلاق نبویہ اور اتباع کی پوری کوشش کی جائے تا وقتیکہ جذبات کا عمومی یہ رخ نہ ہو جائے۔ ہر طبقہ کے اسکے مناسب امور کی طرف متوجہ کرنا اشکالات پیدا کرنا والا ہے۔ چنانچہ !

۱۔ میں جب تک ان جذبات بالا کی روح موجزن نہ ہو اجتماع کسی حد جامع بردشوار ہے کہ مناظرات و مجادلات اور احقاق حق سے اب تک کسی مسئلہ پر بھی اتفاق نہ ہو سکا۔ نیز حقانی طبقات میں باوجود فرقے کے اتحاد کے کسی ایک طرز پر اجتماع نہ ہو سکا۔
۲۔ ایسے ہی نمبر ۲ میں طبقات کو چھوڑ کر افراد میں اختلافات کی کثرت باوجودیکہ مفتی ہونے کے لئے شرائط و قوانین مضبوط ہیں، اہل بردشوار ہورہے۔

بہت ضروری ہے۔ اگر کچھ بھی افراد حقیقتہً نمونہ بن جائیں تو اخلاق محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں چونکہ ذاتی کشش ہے۔ وہ خود دوسروں کے لئے جاذب اور باعثِ رغبت ہوں گے۔ لیکن اس کی رہنمائی اور ہر موقع کے اخلاق کی معرفت اور اس کے طرز استعمال میں حقیقت شناسی کے لئے جس بصیرت اور استعداد کی ضرورت ہے وہ بھی کسی استحقاق کی طالب ہے۔

۴۔ اس تعلیم ہی سے پہلے دور میں ان اوصاف کے حامل لوگوں کی پیداوار ہوتی تھی جو حضرت سید شہید اور آپ کی جماعت کے دیگر رفقا پر نظر کرنے سے بخوبی واضح ہے لیکن اب باوجود کتابوں میں اضافہ ہونے کے کسی وصف کو بھی پیدا کرنے والا اپنے علوم سے نہیں ہوتا۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی اور ایسی خامی ہے جو اس کے لئے مانع بنی ہوئی ہے۔ وہ بظاہر عمومی فضا کا ان جذبات اسلامیہ کے معارض ہوتا ہے۔

۵۔ تاوقتیکہ عمومی فضا اپنی زندگی کے ہر شعبہ کو اسلامی طرز سے کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو جائے۔ علماء کا ان اوصاف کا حامل ہونا بھی عوام سے وابستگی کا مردہ دنیوی مغربی طریقہ کے بغیر دشوار امر ہے۔

۶۔ آج کل جو دین کا انحطاط ہے وہ اس قدر ہے کہ ہر شعبہ مستقل محنت اور پوری مساعی کا محتاج ہے اور دین کا کام کرنے والے کفایت کے درجہ میں بھی نہیں جو شخص کسی دینی چیز کے احیاء میں ساعی ہے وہ اپنے اپنے درجہ میں ضروری ہے جب تک کسی طرز تبلیغ کو تجربہ سے ایسا نہ پایا جائے جو جذباتِ ایمانیہ، اعمالِ اسلامیہ، اخلاقی بنویہ کے لئے باعثِ فروغ ہو، اس وقت تک ان دینی کام کرنے والوں کو پابند نہ کیا جائے۔ مبادیہ دینی کام کرنے والے جو اقل قلیل ہیں، کیسے ہو کر اور اپنے طرز کو چھوڑ کر اس بڑے پھولے کام سے بھی جاتے رہیں۔ اور نیا طرز تجربہ سے کچھ زیادہ کامیاب اور سودمند ثابت نہ ہونے سے وہ بھی رہ جائے۔

۷۔ جب تک عمومی جذبات اپنے ماعلیہ کی ادائیگی کے رضاء خداوندی کے تحت

ہونے کے نہ ہو جائیں، یہ صورت زیادہ کارگر نہیں محسوس ہوتی۔ لہذا اگر ارکان ہی کے صحیح پنج پر پابندی اور اہتمام عمومی ہونے تک محدود رکھا جائے۔ بلکہ اس میں بھی اگر بعض کو اقدام اور اہم سمجھ کر ظاہری و باطنی امور سے وابستگی تک محدود کر لیا جائے۔ تو دیگر ہر شعبہ کے فرائض تدریجی زیادہ کئے جاسکتے ہیں۔

ع ۱۔ کم از کم ارکان کے عمومی اہتمام و پابندی تک اس مہم کو کیا جانا خواہر کام مؤخر کرنا پڑ جائے۔

اس میں علماء کو اگر دنیوی ضروریات کے لئے دنیوی طرق اختیار کرنا ہے، تو پھر علماء کے بجائے ان طرق کے جاننے والے ہی ان سب ہوں گے۔ اور علماء کو ان سے یکسو ہونا ہی زیبا اور مستحسن سمجھ میں آتا ہے۔

ع ۲۔ بجائے اس کے اگر ہر شخص کو فرائض سمجھائے جائیں کہ اس کے ذمہ کتنی انواع کے فرائض ہیں اور ان کی ادائیگی بھی منجملہ رضائے الہی ہے۔ ان کی رضا کے لئے دیانت و امانت اور کما حقہ ادائیگی ضروری ہے اور یہ بھی سابقہ جذبات و استعداد پر موقوف ہے صرف منہائی اور شریعت کے خلاف سے روک دینے کے علاوہ کسی ایک طرز کو متعین کر دینا سمجھ میں نہیں آتا۔ ان امور کے لئے ایک امام وقت اور امیر شریعت کی ضرورت ہے۔

المذہب شاذ اسلام اور مسلمین کے لئے خیر فرمادیں۔ والسلام۔ محمد انعام الحسن نظام الدین دہلی

یہ بات عالم آشکارا ہے کہ حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب کے زمانہ امارت میں دعوت تبلیغ کا دائرہ مسلسل پھیلتا اور بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس کو ایک عالمی وسعت پذیرائی اور بین الاقوامی شہرت و اہمیت حاصل ہو گئی۔ اعداد و شمار کے مطابق آپ کی حیات میں دنیا کے ایک سو سے زائد ملکوں میں دین کی یہ عظیم الشان محنت اپنے تمام اصول و ضوابط اور بیش قیمت جذبات کے ساتھ مسلسل اور متواتر ہو رہی تھی اور خلق خدا کی زندگی میں اس کے اثرات و نتائج نمایاں طور پر محسوس کیے جا رہے تھے اس عمومی وسعت و شہرت کی بنا پر آپ کو السواب مملکت، اعیان حکومت، والیان ریاست اور اعلیٰ حکام کو انسانیت کی فلاح بہبود والے طور و طریق اختیار کرنے اور ان کو آخرت والی زندگی کی طرف متوجہ کرنے

کے مواقع بہت زیادہ میسر آئے اور آپ نے اپنی خداداد توفیق و ہمت سے کام لیکر کسی خوف و خطر کے بغیر انتہائی ہمدردانہ و مخلصانہ انداز میں دنیا کی چمک دہک پر یقین رکھنے والوں کو آخرت کی فکر مرنے کے بعد کی زندگی پر یقین اور اس میں حقیقی کامیابی کا ہونا بتلایا اور انکو طریقہ نبوی پر اعمال خداوندیہ میں دل کا سکون اور راحت ملنے کا درس دیا۔

آپ کے تیس سالہ طویل اور وسیع دور میں اس پیغام الہی اور اس فریضہ دعوت کی ادائیگی کے صد ہا روح پرور اور ایمان افروز واقعات پیش آئے۔ نمونہ کے طور پہاں ان میں سے چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۶ء (۱۰ رجب ۱۳۸۶ھ) میں وزیر صحت حکومت ہند کا ایک خط آپ کے نام آیا جس میں ہندوستان میں انسانی آبادی کے اضافہ پر منکر و تشویش ظاہر کر کے ملک کا اقتصادی اعتبار سے کمزور ہونا اور خاندانی منصوبہ بندی اس کا واحد حل ہونا بتلایا گیا تھا۔ حضرت مولانا نے اس خط کے جواب میں اس مسئلہ کا دینی و شرعی پہلو اور انسانیت کی صلاح و فلاح کا طریقہ کار مفصل انداز میں تحریر فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی واضح فرمادیا کہ اس مسئلہ کا حل روحانی غذا ہے، جسمانی غذا نہیں ہے۔ یہ مکتوب گرامی یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

ہنگلہ والی مسجد بستی حضرت نظام الدین دہلی۔

محترمہ وزیر صحت صاحبہ۔ آپ کا خط پہونچا۔ جس میں پیدائش کے مسئلہ میں تشویش کا تذکرہ تھا اور اس مسئلہ کے حل کے لئے چند تجاویز بھی تحریر کی گئی تھیں لیکن مسئلہ صرف اتنا ہی نہیں ہے بلکہ ہمیں نہایت گہری نظر سے اس کے بارے میں مطالعہ کرنیکی ضرورت ہے۔ جہاں تک دنیا میں انسانوں کی پیدائش کا مسئلہ ہے وہ ایک فیصل شدہ امر ہے۔ جتنے انسانوں کا آنا ہے اتنے اس دنیا میں آکر رہیں گے ہم اس کے کم کرنے کی جتنی بھی کوشش کریں اس میں کمی نہیں ہو سکے گی۔ اس صورت میں ہم اپنے اوپر ایک بوجھ اور بڑھتا رہے ہیں جس کا نتیجہ کچھ نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ غلہ کی پیداوار

پیدائش انسان کے لئے کافی ہو، اس کی بھی کوئی کار نٹی نہیں دی جاسکتی، بارش کی قلت یا طوفان کی کثرت سے ایسا ہو سکتا ہے کہ غلہ کی پیداوار بالکل ہی نہ ہو تو اگر کھانے والوں کا کم ہونا ہی اس کا علاج ہے تو ایسی صورت میں جتنے پیدا شدہ ہیں ان کا کیا کیا جائے گا؟ اس لئے اس مشکل کا حل صرف یہ ہے کہ انسان زندگی گزارنے میں سادگی اختیار کریں سادہ زندگی گزارنے میں جہاں عیاشی کی زندگی سے حفاظت ہے وہاں انسان میں کردار کی بلندی بھی پیدا ہوتی ہے۔ اور جب انسان سادہ زندگی چھوڑ کر عیاشی کی زندگی اختیار کرتا ہے تو حیوانی اور بہیمانہ اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ بہیمانہ زندگی میں کبھی بھی انسان کی فلاح نہیں ہو سکتی۔ تمام بہیمانہ باتیں، ہمدردی کا فقدان، غمگساری کا عنقار ہونا اور نفع اندوزی اور دوسروں کو نفع رسائی کے جذبات سے متوحش ہونا یہ باتیں وجود میں آتی رہیں گی اور انسانیت مشکلات میں گھرتی چلی جائے گی۔ اس سے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے۔ وہ یہ کہ اپنے اعلیٰ کردار کی کوشش میں لگ کر اور اسی کو محنت کا میدان بنا کر انسانیت کے مقام کو حاصل کر لیں۔ جب عالم میں انسانیت کا وجود ہوگا تو قدرت کی طرف سے پیداوار میں برکت ہوگی اور قدرت ہی کی طرف سے جب تک انسانیت کے فلاح کی صورتیں پیدا نہ ہوگی، ہماری تمام کوششیں بے سود رہیں گی، غذائی مسئلہ کا ہی نہیں بلکہ تمام مسائل کا حل انسان کے انسان ہی بننے میں ہے۔ انسان دو چیزوں سے ملکر بنا ہے۔ ایک جسم، ایک روح۔ اور ان دونوں چیزوں میں روح اصل ہے۔ اگر انسان جسم کے اعتبار سے بالکل صحیح سالم ہو اور روح نہ ہو تو وہ جسم بیکار ہے۔ اس سے کوئی منفعت حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ غذائی مسئلہ صرف جسم سے متعلق ہے۔ روح کی غذا انسانی کردار ہے۔ اگر انسان اپنی روح کے اعتبار سے قوی ہے تو جسم کے غذا کی قلت زیادہ مضر نہیں اور اگر جسم خوب تو مند ہو اور روح مردہ ہو تو انسان کبھی بھی چین حاصل نہیں کر سکتا۔ لہذا اصل مسئلہ جو تمام مسائل کا حل ہے وہ روحانی غذا کا مسئلہ ہے جس کی اس زمانہ میں ہر شخص کو حاجت ہے۔

اس لائق کی سب سے پہلی کڑی اپنے مالک اور پیدا کرنے والے کو پہچان کر اپنا کردار اس کی مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش کرنا ہے۔ جب ہم اس کو راضی کرنے میں کامیاب ہوں گے تو وہ بھی خوش ہو کر ہمارے تمام مسائل کو حل کر دے گا۔

بندہ محمد انعام الحسن غفرلہ ۳ نومبر ۱۹۶۶ء

(۲) ملک شام کی ایک دینی و دعوتی شخصیت نے سانحہ بیت المقدس سے متاثر ہو کر حضرت مولانا کو ایک خط جس میں کچھ تجویزیں اور اسکیہیں مادیات اور مالیات سے متعلق تھیں، تحریر کیا۔ حضرت مولانا نے اس کا جواب تحریر فرما کر ان کو ظاہر سے حقیقت اور مادیت سے روحانیت کی طرف آنے کی دعوت دی۔ اور سمجھایا کہ یہ ظاہری تدبیریں ہماری مشکلات کا حل نہیں ہیں بلکہ اصل اور صحیح حل رجوع الی اللہ انابت اور نصرت الہیہ کو کھینچنے والے اعمال ہیں۔ یہ مکتوب گرامی ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔
ظاہر ہیں طبقہ کے لئے یہ مکتوب آج بھی سرمۂ بصیرت ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ آپ نے جس نکتہ مصیبت خاصہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کون دردمند ایماندار ایسا ہو گا کہ جس کو اس کا درد نہ ہوا اور اپنے ایمان کی بقدر اس کو تکلیف نہ پہونچی ہو۔

لیکن ظواہر کو دیکھ کر ظواہر ہی طرف متوجہ ہونا، یہ حقائق سے آنکھیں بند کر لینا ہے۔ غور اگر کیا جائے اور حقیقت کو اگر دیکھا جائے تو اس تمام سانحہ کے جو حقیقی اسباب ہیں جب تک ان اسباب کا تدارک نہ کیا جائے گا اس وقت تک خطرہ ہے کہ اس سے زیادہ خدا نہ کرے کہ مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔ اگر ظواہر ہی کی کوشش میں لگا جائے تو ظاہر میں لوگوں کے مقابلہ میں ہم ظواہر میں برابر نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ان وجوہ و اسباب میں فکر کرنا ہے جن سے خدا کی تائید و نصرت شامل حال ہو، اگر خدا کی نصرت شامل ہے تو کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یمخذکم فمن

ذالذی ینصرکم من بعدہ و علی اللہ فلیتوکل المتوکلون۔

اس لئے ہماری دردمندانہ درخواست یہ ہے کہ جو حضرات متدینین ہیں اور منگو
حقیقی درد ہے وہ اپنی تمام تر محنتوں اور تمام تر طاقتوں کو خدائی نصرت کے اسباب کے
پیدا ہونے والی چیزوں میں صرف کریں۔ یہی اصلی ہمدردی اور حقیقی مدد ہے۔
اور یہ جو ظاہری تدابیر آپ نے تحریر فرمائی ہیں یہ اُن لوگوں کے حوالے کر دیں
جو حقائق نہیں پہچان سکتے اور جن کی پرواز ظواہر سے اوپر نہیں ہے اور اسی کو وہ
حقیقی امداد سمجھتے ہیں۔ فقط بندہ محمد الغام الحسن

(۳) آپ کی امارت کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے کہ پاکستان کا سفر درپیش تھا۔ ویزا
کے لئے قانونی مراحل کی تکمیل ہو رہی تھی۔ اسی اثناء میں حکومت ہند کی وزارت داخلہ
نے تحریری طور پر آپ سے اس سفر کی وجہ اور اس کا مقصد دریافت کیا۔ آپ نے
جواب میں جو گرامی نامہ ارسال فرمایا اس میں ایمان و یقین اور مرنے کے بعد کی زندگی کو
بہت حسن و خوبی کے ساتھ تحریر فرماتے ہوئے انسانیت کے بگاڑ و فساد اور اس
کام کے ذریعہ اس کے سدھار کی کوششوں کو واضح کیا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے
سفر و حضر کا مقصد اس کام کو قرار دیتے ہوئے اس عزم کا اظہار فرمایا کہ ہم جہاں جائیں
گے اور جہاں رہیں گے یہی آواز لگاتے رہیں گے۔
اس مکتوب گرامی کی پوری نقل یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چٹھی وصول ہوئی، ہمارے اس سفر کا مقصد اعزہ و احباب سے ملاقات، بعض
اعزاء کا بیمار ہونا اور ملاقات کا اشتیاق اور مذہبی اجتماع میں شریک ہونا ہے۔
یہاں بھارت میں بھی چونکہ سفر کی مشکلات اور بار بار آمد و رفت کی سہولت مہیا
نہیں ہے اس لئے ایک سفر میں کئی چیزیں اور کئی اسباب جمع ہو جاتے ہیں تو سفر اختیار
کیا جاتا ہے۔ نیز دنیا کی زندگی کا وقت بھی بہت تھوڑا ہے۔ ہر انسان کو مرنا ہے۔
موت کے بعد اس دنیا میں جیسا کردار اور جیسے عمل کئے ہوں گے۔ ویسا ہی اس کو
بھگتنا ہو گا۔ اس دنیا کی زندگی میں انسان کے ساتھ جو کچھ بھی پیش آتا ہے وہ اس کے

اعمال و اخلاق کے مطابق ہی پیش آتا ہے۔

آج پوری دنیا میں جو ایک ہمارا ہی اور عام اضطراب اور بے چینی اور پریشانی ہے جس سے دنیا کا کوئی خطہ بچا ہوا نہیں ہے۔ خواہ یورپ ہو یا ایشیا، افریقہ ہو یا امریکہ، عرب ہو یا عجم، اور انسان کا کوئی طبقہ، خواہ غریب ہو یا سرمایہ دار، تاجر ہو یا کاشتکار، ہر ایک اس پریشانی میں مبتلا ہے۔ جس کی واحد وجہ انسان کا اپنے اعمال و کردار میں مفلس ہو پانا ہے۔ اس کا واحد علاج انسان کے اعمال و اخلاق کی درستگی ہے۔ یہ جتنا بھی پورے عالم میں بگاڑ ہے یہ انسان کے بگاڑ کی وجہ سے ہے۔ جب تک انسان میں سدھا نہیں ہوگا دنیا میں سدھا رہیں ہو سکتا، پوری دنیا کے انسانوں کو اس طرف متوجہ کرنا اور اسی سبق کو یاد دلانا ہم اپنا انسانی فریضہ سمجھتے ہیں اور ہر انسان جس کے اندر انسانیت کا تھوڑا سا بھی شعور ہے وہ اس وقت میں اس پکار کو وقت کی پکار اور اہم ترین ضرورت محسوس کرے گا اس کیلئے نہ کسی دولت کی ضرورت ہے اور نہ کسی حکومت کی ضرورت ہے بلکہ اس کے لئے صرف ضمیر کی بیداری کی ضرورت ہے۔ اس لئے جہاں تک ہو سکتا ہے اور جہاں تک پہونچایا جاسکتا ہے، ہم اس پکار کو پہونچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی ہمارے سفر و حضر کا وظیفہ ہے۔ جہاں جائیں گے، جہاں رہیں گے یہ آواز لگائیں گے۔ فقط والسلام۔

بندہ انعام الحسن

(۳) ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ (جولائی ۱۹۶۷ء) میں حکومت عراق کی جانب سے ایک خصوصی وفد مختلف ممالک کا دورہ کرتے ہوئے دہلی پہونچا اور یہاں کے مختلف اداروں اور جامعات کا معاہدہ کیا۔ مرکز نظام الدین آند پر حضرت مولانا نے اس وفد کا بھرپور اعزاز و اکرام فرمایا اور پھر ان کو براہ راست مخاطب بنا کر رحمت خداوندیہ کے دنیا میں نزول کی شرائط اور انسان کی کامیابی کے حقیقی اسباب پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ:

اسباب دو قسم کے ہیں ظاہری اور حقیقی۔ ظاہری اسباب جس قدر ہیں ان کے ساتھ اگر حقیقی اسباب مل جائیں تو یہی موجودہ اسباب مسلمانوں کے لئے بہت کافی ہیں کیونکہ حقیقی اسباب رحمت خداوندیہ اور نصرت الہیہ کو شامل حال کرنے والے ہیں۔ خدا کی نصرت

کے ساتھ پھر کوئی چیز غالب نہیں ہو سکتی۔ اور بغیر نصرت خداوندیہ کے تمام ظاہری اسباب بھی کامرانی اور کامیابی کی وجہ نہیں ہو سکتے۔ امت اسلامیہ کی ظفر بندی و کامیابی صرف دین پر موقوف ہے اور اسباب بقدر ضرورت ہی اختیار کرنے کی چیزیں ہیں۔

عراقی وفد سے ہونے والی گفتگو حضرت شیخؒ کو تحریر فرمانے کے بعد حضرت مولانا نے اپنے گرامی نامہ میں مزید یہ سطور بھی تحریر فرمائی ہیں:

”بندہ نے ان سے کہا کہ وہ واپس اپنے ملک جا کر یہ بات خوب قوت سے کہیں، بظاہر تو بہت متاثر تھے۔ ابتداءً تو انھوں نے اقتصادی، سیاسی، اجتماعی ضرورتوں سے کی تھی، لیکن پھر بندہ کی گفتگو سننے کے بعد وہ حضرات فرمانے لگے کہ اصل حقیقت یہی ہے جو آپ بتلا رہے ہیں۔

(۵۱) ایک موقع پر ہندوستان کا مسلمان جبر و تشدد اور ظلم و بربریت کا زبردست نشانہ بنا ہوا تھا۔ ظلم جب حد سے بڑھا اور حلال خداوندی جوش میں آیا تو ظالم کانپ اٹھا۔ اور کسی نہ کسی طرح حضرت مولانا سے رابطہ کر کے اپنے لئے دعا چاہی اور اس ذلت و ناکامی سے نجات ملنے کا طریقہ دریافت کیا۔ آپ نے وقت اور موقع کی سنگینی اور خطرات کے احساس کے باوجود ایمانی غیرت و حمیت کا حق ادا کرتے ہوئے اس کو صاف لفظوں میں اسلام اور ایمان کی دعوت دی۔ یہ پوری تفصیل حضرت مولانا اپنے قلم سے حضرت شیخؒ کو اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

”سابقہ مسماۃ ظالمہ اور ان کا بچہ آج کل بہت پریشان ہیں۔ میرے پاس پیغام آیا تھا کہ کچھ بتاؤ۔ بندہ نے کہلوا دیا کہ ظلم کا سا تھی بھی ظالم ہی کے ساتھ قدرت کے انتقام میں آجاتا ہے۔ اس ظلم کی تاریکی اور مظلومین کی آہیں اتنی بھیاںک ہیں کہ اس میں اس کے لئے کہیں روشنی نہیں دکھتی۔ صرف ایک ہی راستہ ہے کہ کلر پڑھ لے۔ یہی ایک راستہ ہے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ یہ بات اس تک پہنچ گئی ہے۔ سن کہ خاموش ہو گئی۔ نہ اقرار کیا نہ انکار کیا۔ اللہ جل شانہ ہدایت کے دروازے کشاؤں فرمائیں۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا قیام اس وقت مدینہ منورہ تھا۔ آپ نے مذکورہ گرامی نامہ ملاحظہ فرما کر اس کا یہ جواب حضرت مولانا کو ارسال فرمایا :

”آپ کا جواب بہت ہی اہم ہے۔ اللہ جل شانہ آپ کو بہت ہی بلند درجہ عطا فرمائے۔ آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ میں نے (اپنے آپ کو) بہت ٹوٹا اور بہت ہی ندامت ہوئی کہ میں تو اس جواب کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اور میرے خیال میں کوئی بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ میں بھی دعاؤں کا بہت محتاج ہوں۔ محمد زکریا ۷۷/۴-۱۶ مدینہ منورہ۔

(۶) اکتوبر ۱۹۹۳ء میں گیا (بہار) میں عظیم الشان اجتماع تھا۔ انہی تاریخوں میں ... برادران وطن کا بھی مذہبی تہوار اور میلہ تھا۔ اجتماع کے ذمہ دار احباب اور مقامی ساتھیوں کا مشورہ تھا کہ اجتماع کی تاریخ یا کم از کم اس کی جگہ بدل دی جائے۔ مگر حضرت مولانا نے اللہ جل شانہ کی ذاتِ عالی پر اعتماد و یقین کرتے ہوئے اسی تاریخ میں اسی مقام پر اجتماع کا مشورہ دیا۔ چنانچہ بہت زوردار اجتماع ہوا اور اپنے پیچھے بہت گہرے اثرات اور تاثرات چھوڑ گیا۔ مقامی ڈی ایم ایک مسماۃ تھیں۔ اجتماع کے بعد ان کا پیغام آیا کہ ملنا چاہتی ہوں۔ حضرت مولانا نے اجازت دیدی جب آئیں تو سامنے نہیں بٹھایا، بلکہ پشت کی طرف بٹھا کر بات کی۔ سب سے پہلے ان کے حسن انتظام کا شکریہ ادا کیا اور پھر دعوت کا عنوان اسی کے ساتھ جوڑ کر اعمال صالحہ کی اہمیت، مرنے کے بعد کی کامیابی و ناکامی اور آخرت کا یقینی ہونا ان کو سمجھایا۔ موصوفہ نے آخر میں یہ خواہش ظاہر کی کہ میں اس علاقہ کا نام جہاں اجتماع ہوا ہے ”حضرت جی نگر“ رکھنا چاہتی ہوں اس پر فرمایا کہ نام سے کیا حاصل ہوگا؟ اصل تو کام ہے۔ اس پر انھوں نے جواب دیا کہ کام ہوا ہے اسی وجہ سے تو نام رکھنا چاہتی ہوں۔ فرمایا کہ اگر نام رکھنا ہی ہے تو رحمت نگر یا ہدایت نگر رکھ دیا جائے۔

(۷) ماہ رجب ۱۴۱۴ھ (دسمبر ۱۹۹۳ء) میں ہونے والے اجتماع بھوپال کے موقع پر ریاست کے غیر مسلم سربراہ نے آپ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو مولانا حبیب ریحان صاحب

نے حضرت مولانا کے ایما اور مشورہ سے ملاقات کا وقت متعین فرما کر تین شرطیں بھی لگا دیں۔ اول یہ کہ زیادہ لوگ ساتھ نہ آئیں، بس ۲-۴ احباب ہمراہ ہوں، دوسرے یہ کہ کیمرہ فوٹو وغیرہ کچھ نہیں ہوگا۔ تیسرے یہ کہ ملاقات کا جو وقت متعین ہو اس میں دس پندرہ منٹ آگے پیچھے ہونے میں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن یہ نہ ہو کہ صبح کی ملاقات شام میں ہو۔ حضرت مولانا تینوں شرطیں سن کر مسکرائے۔ اور تصویب فرمائی معزز مہمان نے بھی تینوں شرطوں کا پورا پاس و لحاظ کیا۔

حضرت مولانا نے ان سے ملاقات کے بعد اپنی دعوت پیش کرتے ہوئے اس طرح ان سے خطاب فرمایا:

”یہ عہدہ اور منصب جو اللہ جل شانہ نے آپ کو مرحمت فرمایا ہے یہ خدمتِ خلق کے لئے ہے، اس میں کوشش کرو کہ جس قدر خدمتِ مخلوق کی ہو جائے آپ کے لئے اس زندگی میں بھی کام آئے گی اور دوسری زندگی میں بھی، دوسری زندگی مرنے کے بعد شروع ہوتی ہے اور کبھی ختم نہیں ہوتی۔ وہی اصل زندگی ہے۔ یہ عہدہ و منصب جو اللہ جل شانہ نے آپ کو مرحمت فرمایا ہے، خدمت کے لئے ہے، جتنی خدمتِ خلق ہوگی اتنی ہی وہاں — کامیابی ملے گی۔ بس اللہ جل شانہ آپ کو ہدایت نصیب فرمائے“

اس ملاقات کے ایک دن بعد ۲۷ دسمبر اتوار میں جناب رسول احمد صاحب صدیقی (جو قریبی زمانہ میں ریاستی وزیر رہ چکے تھے) ملاقات کے لئے آئے تو ان سے سلام و دعا کے بعد بڑے جوش اور ولولہ کے ساتھ فرمایا کہ:

”یہ منسٹری اور وزارت مخلوق کی خدمت کے لئے تھی۔ لیکن اب لوگوں نے اس کو جاہ و مال کمانے کا ذریعہ بنالیا۔ خدمت کو چھوڑ کر جب اغراض پر آئے تو آپس میں لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ کوشش کرو کہ اس عہدہ پر رہ کر زیادہ سے زیادہ خدمت ہو تو آخرت میں کام آئے۔“

(۸) جنوری ۱۹۹۴ء میں ہونے والے اجتماع بنگلہ دیش میں ملکی سلامتی اور حفاظتی ادارہ سے وابستہ اعلیٰ سطح کے کچھ حضرات ملاقات کے لئے آئے تو دل و دماغ کے پورے یقین اور بلند و بالا کیفیات و داعیانہ جذبات کے ساتھ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ :

حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بھی فوج کے جرنیل تھے لیکن دین کی کوشش میں متواتر مشغول رہتے تھے۔ آپ بھی کوشش کریں کہ آپ کے یہاں دین کی محنت ہو، نمازوں کا اہتمام ہو، مسلمان کی کامیابی ساز و سامان کی کثرت سے نہیں ہے بلکہ اللہ کی مدد سے ہے اور اللہ کی مدد اعمال کے ساتھ ہے (شخصا ص کے ساتھ نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں ۳۱۳ صحابہ کو لے کر ایک ہزار سے مقابلہ کیا۔ سامان جتنا تھا اسی کو لے کر میدان میں نکلے، ان کو صف بنا کر کھڑا کیا اور اپنی چھریاں جا کر دعا فرمائی۔ کہ اے اللہ اگر یہ چھوٹی سی جماعت ختم ہو گئی تو پھر دنیا میں آپ کی عبادت نہ ہو سکے گی۔ یہ دعا فرما کر آپ اتنا روئے کہ چادر مبارک بدن سے گر گئی۔

اس گفتگو کے بعد حضرت مولانا کھانے کے لئے اٹھ گئے۔

کھانے کے دوران ایک اور ممتاز شخصیت سے جو حال ہی میں اپنی ملازمت سے سبکدوش کر دیے گئے تھے، مخاطب ہو کر فرمایا :

”اپنی معزولی کی وجہ سے اپنے کام سے غافل نہ ہونا، دین کی محنت کرتے رہنا، یہ نہیں کہ عہدہ نہیں منصب نہیں تو کام بھی نہیں، یہ عہدہ اور منصب تو آنے جانے والی چیز ہے بلکہ پہلے سے زیادہ کام کرو۔ جب جنگ ہو رہی تھی تو مدینہ منورہ سے میدان جنگ میں اطلاع آئی کہ ابو بکر صدیقؓ وفات پا گئے اور ان کی جگہ حضرت عمرؓ بنا دیئے گئے اور انھوں نے حضرت خالد کو معزول کر کے حضرت عمرو بن العاص کو فوج کا۔ ذمہ دار بنا دیا تو حضرت خالد فوراً وہ خط لے کر حضرت عمرو بن العاصؓ کے پاس گئے اور کہا کہ میں تو معزول ہو گیا ہوں۔ اب تم ذمہ دار ہو لیکن میں کام پہلے سے بھی زیادہ کر کے دکھاؤں گا۔“

(۹) فروری ۱۹۹۲ء میں سر دھنہ ضلع میرٹھ کا سہ روزہ اجتماع تھا۔ اس میں مختلف اخبارات کے نمائندے اور صحافی حضرت مولانا سے ملاقات کے لئے آگئے۔ آپ نے ان سے خوب جم کر بات کی۔ انسانیت کی پستی اور اس کی زبوں حالی کو خوب کھول کھول کر بیان فرمایا اور پھر صرف دین و آخرت میں اس کا حل ہونا بتلایا۔ اسی زمانہ میں اخبارات اور ذرائع ابلاغ طلاقِ ثلاثہ کے مسئلہ پر اپنی تحقیقات اور گورہ افشانیوں میں مصروف تھے۔ آنے والے صحافیوں اور نمائندوں نے حضرت مولانا سے اس کے متعلق بھی سوال کر کے اس کا حل دریافت کیا تو فرمایا کہ :

”کچھ حقوق شوہروں کے بیویوں پر ہوتے ہیں اور کچھ حقوق بیویوں کے شوہروں پر ہوتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں تو طلاق کی نوبت ہی نہ آئے۔ جب ہر ایک اپنا حق لینا چاہے اور دوسرے کا ادا نہ کرے تب طلاق کی نوبت آتی ہے۔“ حضرت مولانا کی یہ گفتگو اگلے روز تمام ہندی اور اردو اخبارات میں شائع ہوئی۔

(۱۰) اپریل ۱۹۹۲ء میں آسام کا طویل سفر تھا۔ ہو جانی مقام پر سہ روزہ اجتماع سے فراغت پر جب ریاستی سربراہ، اسمبلی کے اسپیکر، نیز وزیر اوقاف، وزیر تعلیم اور وزیر صحت وغیرہ ملاقات کے لئے آئے تو آپ ان سے اس طرح مخاطب ہوئے :

”یہ عہدے اور مناصب دنیاوی منافع اور مادیات کے لئے نہیں ہیں، بلکہ خدمتِ خلق کے لئے ہیں۔“ ع ”ہر کہ خدمت کر دے اور محذور و مہند

پہلے زمانہ میں عہدہ اور منصب اس لئے قبول کیا جاتا تھا کہ اس کے ذریعہ سے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچے گا۔ منفعت مد نظر نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عین جہاد کے موقعہ پر فوج کے کمانڈر کو علیحدہ کیا گیا تو انھوں نے فوراً اپنے نئے امیر اور کمانڈر کی اطاعت قبول کر لی۔ اس بات کی کوشش کرو کہ تمہارے ذریعہ خدمت کا ماحول اور سچی انسانیت کا ماحول قائم ہو کہ آخرت میں یہی کام آئے گا۔“

(۱۱) حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب نے اپنی خداداد بصیرت اور مذہبی تحریکات

کی عالمی تاریخ کے گہرے مطالعہ کے بعد یہ رائے قائم فرمائی تھی کہ دنیا بھر میں جتنی جماعتیں یا تحریکیں دینی محنت میں سرگرم عمل ہیں ان کو حکومتوں کی حمایت اور مخالفت سے بالکل یکسو ہو کر کام کرنا چاہئے اور کوئی بھی موقعہ ایسا نہ آنے دینا چاہئے جس سے مزاحمت اور ٹکراؤ کا اندیشہ ہو۔ چنانچہ ایک مجلس میں فرمایا کہ:

مولانا محمد یوسف صاحب نے شیخ حسن البنا کو مشورہ دیا تھا کہ اپنے کام کو سیاست سے بالکل علیحدہ رکھیں۔ حکومت سے بالکل نہ ٹکرائیں۔ مگر انھوں نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا اور میں نے ایک موقعہ پر شیخ ابراہیم عزت کو یہی مشورہ دیتے ہوئے یہ بات بھی کہی تھی کہ ہمیشہ مثبت کام کریں۔ منفی پہلو بالکل سامنے نہ لائیں۔ انھوں نے میرا مشورہ قبول کر کے اس پر عمل بھی کیا۔

حضرت مولانا نے دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کی بھی اسی ہنج پر تربیت فرمائی کہ وہ عملی سیاست سے اپنے آپ کو دور رکھیں اور ان کانٹوں میں اپنا دامن نہ الجھائیں۔

لے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی "کاروان زندگی" میں تحریر فرماتے ہیں:

"واقعہ یہ ہے کہ اگر اخوان کچھ عرصہ اور عملی سیاست میں حصہ نہ لیتے (یا اس عملی سیاست میں الجھا نہ لئے جاتے) اور اپنا اصلاحی و دعوتی کام پوری قوت سے جاری رکھتے تو ممالک عربیہ میں ایک اسلامی انقلاب برپا ہو جاتا اور ایک نئی زندگی پیدا ہو جاتی۔ مجھے مستند اور باوثوق و متعدد ذرائع سے معلوم ہوا کہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں شیخ حسن البنا کو خود اس کا شدید صدمہ اور قلق تھا کہ انکو قبل از وقت سیاسی میدان میں اتارنا پڑا اور ان کا دامن ان کانٹوں سے الجھ گیا۔ ان کو اسکی بڑی تمنائی تھی کہ ان کو پھر خالص دعوتی و تربیتی کام کا موقع ملے اور وہ جماعت اور جمہور مسلمین میں وہ استعداد پیدا کر لیں جس کے بعد وہ ہر طرح کی ذمہ داری کو پورا کر سکیں اور ہر امتحان و آزمائش سے گزر سکیں۔

(کاروان زندگی جلد اول ص ۳۸۲)

لے مصر کے ایک ممتاز عالم دین اور دینی حلقوں کے معتد علیہ بلند پایہ خطیب، شوال ۱۳۸۰ھ ۸ جولائی ۱۹۶۳ء میں مصر کے مکہ مکرمہ (مصر) آئے ہوئے حالت احرام میں انتقال ہوا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

کہ اس سے آپس کی رسد کشی پیدا ہو کر دعوت کا میدان ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر نانڈیر (مہاراشٹر) سے کام کرنے والے ایک صاحب نے موجودہ سیاست میں عملی شرکت اور الیکشن میں اپنی کامیابی پر دعوتی کام میں اس سے تقویت ملنے کا تذکرہ کیا تو آپ نے اپنے مکتوب کے ذریعہ ان کے خیالات کی اصلاح فرماتے ہوئے یہ نصیحت تحریر فرمائی۔

"بھائی اس مبارک عمل میں تو آدمی آخرت میں کامیاب ہونے کی نیت سے لگے بنیاد موت کے بعد کی زندگی کا درست ہونا ہے۔ اب اس کے علاوہ کوئی اور نیت کرنے سے تو اس میں کامیابی ہونے کے بجائے آخرت کے بگاڑ کا سخت اندیشہ ہے۔ موجودہ ماحول میں کسی مادی طاقت سے آدمی دیندار نہیں بنتا بلکہ اس کے لئے دعوت اور ترغیب و ترہیب کا عمل زیادہ مؤثر ہے۔ موجودہ سیاست سے یہ عمل الحمد للہ پاک ہے۔ اس لئے ہم تو بچتے رہنے ہی کا مشورہ اپنے احباب کو دیتے رہتے ہیں۔

مستورات میں کام کا طریقہ اور ترتیب | حضرت مولانا نے اپنے حذر مجاہد محتاط اور دوراندیشانہ مزاج

نیز کام کی نزاکتوں کو سامنے رکھ کر مستورات میں اس عالی محنت کے لئے وقتاً فوقتاً جو ہدایات و نصائح تحریری یا تقریری طور پر فرمائیں ان کا ایک جامع مرقعہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ ایک موقع پر تعلیم و تربیت اور دوسرے امور پر زور دیتے ہوئے اپنے مکتوب (محرمہ ۲۶ محرم ۱۴۱۷ھ) میں تحریر فرماتے ہیں:

"مستورات میں دین کے کام کا فکرو جذبہ مبارک ہے۔ مستورات میں اصل کام تو انھیں دین کے اعمال پر قائم کرنا اور ترغیب دے کر ہر گھر میں روزانہ تھوڑی دیر فضائل کی تعلیم میں جو مستورات جمع ہوتی ہیں، ان کا ذہن بنا کر اس پر انھیں آمادہ کیا جائے اپنے بچوں کی دینی تعلیم و تربیت، پردہ کا اہتمام، اپنے بڑوں اور شوہروں کی اطاعت و خدمت اور غلبت مغل خوری وغیرہ سے بچنے کی ترغیب دی جائے۔ عورتوں میں دین کا کام اپنی لہستی کے دعوت کے کام کرنے والے ذمہ دار مردوں کے رائے اور مشورے سے

ہونا چاہئے۔ کبھی کبھی مردوں کے مشورہ سے کسی ذمہ دار سمجھ دار پرانے کام کرنے والے بھائی کی پردہ کے اوٹ سے بات چیت بھی رکھی جاسکتی ہے۔
اللہ تعالیٰ نفس اور شیطان کے شرور سے حفاظت فرمائے اور اخلاص و لہیت نصیب فرمائے۔ آمین۔

اسی طرح ایک دوسرے مکتوب میں مستورات میں تعلیم کے مقصد اور اس کی حدود و شرائط کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں :

خواتین میں دینی ذہن بنانے، آخرت کے اعتبار سے انھیں فکر مند کر کے نماز و روزہ، تسبیحات و تلاوت کی پابندی اور روزانہ اپنے گھر میں تقویٰ دیر فضائل کی تعلیم اور اپنے مردوں کو راہِ خدا میں نکلنے کے لئے معین و مددگار بننے پر آمادہ کرنے کے لئے کبھی کبھار مردوں کے مشورہ سے کسی پردہ دار مکان میں انھیں جمع کر کے کسی مہر شادی شدہ پرانے سمجھ دار آدمی کی بات کرائی جاسکتی ہے۔ مستورات میں بات کرنے کیلئے ایک اکیلا آدمی نہ جائے بلکہ تین کی جماعت بنا کر جائیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت میں جو قیود رکھی ہیں، مستورات کا کام اسی کے ماتحت ہو گا۔ اس کی تصریح کے ساتھ مزید ہدایات دیتے ہوئے ایک بڑے اجتماع میں فرمایا :

”دنیا کی ظاہری حیات مردوں اور عورتوں سے مل کر ہے۔ اللہ پاک نے یہ دنیا مرد و عورت دونوں کو ملا کر بنائی ہے۔ اسی طرح باطنی حیات بھی دونوں سے ملکر ہی ہوگی۔ اگر ایک حصہ میں فساد رہا تو دوسرا باقی نہیں رہ سکتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ عورتوں میں نماز، تعلیم، ذکر، تلاوت کے اعمال زندہ کئے جائیں اور اس کیلئے مردوں کے مشورے سے ان کو جمع کر کے ترغیب دی جائے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت میں جو قیود رکھی ہیں، یہ کام ان ہی قیود کے اندر ہے۔ بعض علاقے والوں نے

مستورات کے کام کے بارے میں ہم سے چھوٹ اور اجازت چاہی اور دلیل یہ دی کہ عورتیں سینا گھر جاتی ہیں اور نہ جانے کہاں کہاں جاتی ہیں۔ تو میں نے ان سے عرض کیا کہ وہ تو اس سے بھی بڑھ کر کام کرتی ہیں لیکن اگر ہم بھی ڈھیل چھوڑ دیں تو پھر یہ دین کا کام نہیں رہے گا بلکہ دنیا کا کام بن جائے گا۔ فقہاء کا فیصلہ ہے کہ عورتوں کا اجتماع نقصان سے بہت کم خالی ہوتا ہے۔ فکر مند ساتھی اپنے گھروں پر عورتوں کو بلائیں۔ اور یہ باتیں سکھائیں۔ تین میل کے اندر بلکہ ایک میل کے اندر بھی مستورات کی جماعت جائے تو محرم ساتھ ہو، — مشورے سے محرم کے ساتھ جماعت میں جائیں ایسے محرم جو ان کے خیالات کی بھی حفاظت کر سکیں اور عادات کی بھی حفاظت کر سکیں اور شریعت کی تمام شرطیں پوری کی جائیں۔

مستورات میں دغوتی کام مردوں کی زیر امارت ہی ہو گا۔ عورت امیر نہیں بن سکتی۔ اس کی وضاحت حضرت مولانا یوں فرماتے ہیں۔

”مستورات کا کام بہت نازک ہے اور دھیرے دھیرے ہی چلتا ہے۔ حضرت
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ عورتیں شیطان کے پھندے ہیں اس لئے ایسا
نہ ہو کہ جوش میں آکر ان حد و د کو پہچاند جائیں کہ جہاں شیطان کو دھوکا دینے کا موقع
مل جائے۔ مردوں کے مشورہ سے ہی مستورات کو جوڑ کر بات کی جائے۔ عورت امیر نہیں
بن سکتی۔ حدیث شریف میں ہے کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جو عورت کو اپنا امیر
بنائے۔ امارت تو نبوت کی شاخ میں سے ہے، خلافت، امارت اور نبوت یہ سب ایک
ہی لائنیں ہیں۔ اس لئے عورتوں کے لئے امارت، خلافت اور نبوت اللہ کی طرف سے
ہے ہی نہیں۔

ایک مرتبہ جنوبی افریقہ کی مستورات نے اس خواہش اور ضرورت کا اظہار کیا کہ حضرت مولانا تفصیل کے ساتھ مستورات میں کام کا طریقہ اور اس کا طرز و اسلوب مفصل

۱۰ ڈنڈیگل (مدرس) میں پرانوں کے اجتماع میں بیان۔

طور پر تحریر فرمائیں تاکہ وہ ان کے لئے مشعل راہ ثابت ہو۔ چنانچہ حضرت مولانا نے ذیل کا مفصل مکتوب ان کو ارسال فرمایا: یہ مکتوب مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری کے قلم سے ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

”مستورات کے کام میں یہ ہونا چاہئے کہ مقامی عورتیں اس دینی کام کے کرنیوالی بن جائیں۔ اسی سے مردوں میں بھی کام پھیل سکتا ہے۔ اس میں ایک اہم بات یہ ہے کہ عورتوں کا کام مردوں کی سرپرستی، نگرانی، اور مشورہ سے چلے۔ عورتیں خود ہی ذمہ دار نہ بنیں۔ کام کا طریقہ یہ کہ ہر گھر میں عورتوں میں تعلیم چالو ہو جائے عورت کتاب پڑھے یا ان کے گھر کا کوئی مرد پڑھے۔ جس میں گھر کے چھوٹے بڑے سب بیٹھیں، تعلیم صرف فضائل کی کتابوں میں سے ہو اس تعلیم کے ذریعہ پنج وقتہ نماز فرض نفلیں بھی جتنی آہستہ آہستہ ہو سکیں وہ کی جائیں۔ قرآن شریف کی تلاوت چھ تسبیحات یعنی ذکر اللہ ہو، اسی تعلیم کو ذریعہ بنا کر ہر عورت ملنے والیوں سے دینی بات کرنے والی بن جائے اور اسی سے جذبہ پیدا ہو کر اپنے گھر کے مردوں کو، شوہر، باپ، بیٹا، بھائی کو ترغیب دے کر جماعتوں میں بھیجنے کی کوشش ہو۔ مقامی کام میں شرکت کی ترغیب دیں۔ مستورات میں ان سب باتوں کو چالو کرنے کی ترغیب کے لئے کبھی کبھار عورتیں جمع ہوں اور ان میں مرد — — — ان باتوں کو چالو کرنے پر بیان کرے۔ اور اسی میں مردوں کے مشورہ سے عورتیں بھی اس گفتگو کو آپس میں کریں، چھ نمبروں میں رہ کر بات چیت ہو، فروعیات کوئی نہ چھیڑی جائے، حرام چیزیں جن میں عورتیں مبتلا ہیں۔ ان پر طعنہ نہ مارا جائے، ورنہ ان کا آنا جانا بند ہو جائے گا۔ بلکہ مجموعی طور پر ان کا یہ ذہن بنایا جائے کہ اللہ کے حکموں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر پورا کرنے میں ہی دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ یوں وہ دھیرے دھیرے احکامات پر آئیں گی۔ دینی محنت تو شرعی اصولوں کی پابندی کے ساتھ کی جائے۔ اور اس کی آواز لگائی جائے۔ اس میں بعض عورتیں ایک دم پابند نہ ہو سکیں تو ان پر سختی نہ کی جائے۔ بلکہ دھیرے دھیرے نرمی سے اصولوں پر لانے کی کوشش کی جائے۔ جب عورتوں کا ذہن بنے گا تو وہ خود ہی گھر کے محرم کو ساتھ

جائے پر تیار کرے گی۔ اور اگر سیر و تفریح اور دینی کام کو ذریعہ بنا کر گھومنے پھرنے کا ذریعہ بنائے گی تو ایسی عورتیں کوشش کریں گی کہ محرم ساتھ نہ ہو۔ اب یہ کام کرنیوالیاں اندازہ لگا کر آنے والیوں کے ساتھ ان کی حالت کے اعتبار سے معاملہ کریں۔ اس قسم کے معاملات میں سردست پرانے کام کرنے والے مردوں کا مشورہ مفید ہوگا، وہ ان کلیات کی روشنی میں سوچ کر رائے دیں، جہاں مرد بھی فیصلہ نہ کر سکیں تو وہ مرد عورتوں کی طرف سے نمائندگی کر کے نظام الدین لکھ کر پوچھ لیں، مثلاً ایک عورت میں دینی درد و جذبہ ہے، محرم کا ابھی ذہن نہیں بنایا ہے ایسی عورت کو محرم کا ذہن بنانے کا موقع دیا جائے۔ ایک دم سے اسے ڈانٹ دو گی تو ایک قیمتی مایہ ہاتھ سے نکل جائے گی۔ یہ بھی بڑے ڈر کی چیز ہے۔ ایک عورت ایسی ہے کہ تبلیغ کے نام سے سیر و سیائے کرنا چاہتی ہے۔ تبلیغ تو ایک گھنٹہ کی لیکن اس کا وقت پانچ گھنٹہ لگا، آتی جاتی گھومتی پھرتی رہی، ایک گھنٹہ تبلیغی مجلس میں شریک ہوئی اور آئندہ اس کی آوارگی کا خطرہ ہے تو ایسی عورت کے بارے میں چپ رہنا دین کے کام میں خطرہ ڈالے گا۔ اس لئے ایسی عورت کو حکمت کے ساتھ محرم کو ساتھ لانے پر زور دیا جائے۔ اور سرپرست مردوں کے ذریعہ اس کے مردوں کو بھی ترغیب دلائی جائے کہ ساتھ لائے اور لے جائے تو اس کام کی حفاظت ہوگی۔

یہ دو مثالیں دی گئیں ہیں، ہر آنے والی کے ساتھ ایک جیسا معاملہ نہ ہوگا بلکہ اس کی حالت کے اعتبار سے معاملہ ہوگا۔ جس جگہ عورتیں موجود ہوں وہ جگہ بند ہو، تاکہ مرد ویچھ نہ سکیں۔ تقریر نہ کریں بلکہ ذہنی ذہن بنانے کے لئے بات چیت کا انداز ہو اور کتابی تعلیم کرانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اختلافی مسائل پر بات چیت نہ ہو مسائل تو مردوں کے ذریعہ مفتی صاحبان ہی سے پوچھیں۔ ہماری ساری گفتگو فضائل پر ہو۔ بے پرواہی عام ہے، حکمت سے کام کرو گی تو دھیرے دھیرے پردہ آجائے گا کوئی کام ایک دم نہیں ہوا کرتا۔ پہلے ذہن بنانے کی کوشش کرو اور یہ ذہن تعلیم تلاوت ذکر نماز دینی گفتگو اور دعا سے بنے گا۔ نماز سیکھنے کا ذہن بن جائے تو ہر محلہ میں کسی

پڑھی لکھی عورت کے پاس سیکھنے والیاں سیکھ سکتی ہیں، صحابیات کے واقعات کے ذریعہ
سادگی کا ذہن دھیرے دھیرے بنایا جائے، قبر، حشر، جنت، دوزخ اللہ کی عظمت
والی بات چیت ہر ایک کے لئے مفید ہے۔ اس سے خود دین کا فکر پیدا ہوگا، عورتوں
کے لئے سب سے بڑا اصول دینی محنت کرنے والے مردوں میں کام کرنا ہے، خود
عورتیں اپنے طور پر نہ کریں، عورتوں کا کام بہت نازک ہے، لیکن ضرورت بھی
ہے۔ نزاکت کے سبب دینی کام چھوڑا بھی نہیں جاسکتا، اور بہت ضروری جان کر
بے اصولی برداشت نہیں کی جائے گی۔ بے اصولی کو روکنے کے لئے ایسا ڈنڈا بھی
نہ مارو کہ کام ہی سرے سے ختم ہو جائے اور کام ختم ہونے کے ڈر سے ایسی بیباک
نہ ہو کہ اصول ٹوٹ جائیں، بیچ کا راستہ اختیار کرو کہ کام بھی ہوتا رہے اور آہستہ
آہستہ اصول بھی آتے رہیں۔ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ اس کیلئے
دن کو تھکا دینے والی محنت کرو اور رات کو تنہائیوں میں اللہ کے سامنے ہچکیاں
مار مار کر اور رو کر دعائیں کرو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ عالم میں دین پھیلے گا
پھر مرنے کے بعد میٹھی نیند سونا ہے اور بعد میں جنت میں جا کر ہمیشہ ہمیشہ ایسے مزے کرنے
ہیں جن کا کبھی خیال بھی نہ گزرا ہوگا۔ مزہ تو جنت میں ہے۔ زیادہ فکر مند عورتیں جو ہوں
ان کا کام اپنے ذمہ لے کر ان کی نیند پوری کرائیں، اور ان کی صحت کا خیال کریں یہ
صرف زیادہ فکر مند عورتوں کے لئے ہے۔ کیونکہ عام عورتیں خود ہی اپنی نیند کا خیال
رکھتی ہیں۔ ہر کام میں اعتدال کا خیال رہے۔ عورتیں گشت نہ کریں، بلکہ نابالغ بچہ
اور بچیاں سمجھا بھگا کر بھیجی جائیں جو گھروں میں جا کر نماز کلمہ کی بات کریں اور کہیں جمع
کرنا ہے تو وہ بچے خود ہی کریں یا مسجدوں میں مردوں کو کہا جائے کہ وہ اپنی مستورات
کو بھیجیں۔ اگر چھوٹے بچوں کو بھیجا جائے تو بچوں میں بچپن ہی سے دعوت کا جذبہ پیدا
ہوگا۔ ان بچوں کی جماعت کے ساتھ ایک بڑا آدمی بھی ہو جو پاس کھڑا رہے، تاکہ بچے
اس دعوت کو کھیل نہ بنائیں۔ یہ مدرسہ کے بچوں سے بھی کرایا جاسکتا ہے۔ لیکن عورتیں
مردوں کی طرح گشت نہ کریں۔ مستورات میں کام کا طریقہ یہ ہے کہ جو مستورات دینی

محنت میں ساتھ چلیں ان سے تعلیم کرائی جائے، کتاب پڑھوائی جائے۔ شوقین عورتیں جو نماز سیکھنا چاہتی ہوں انھیں سپرد کر دیا جائے کہ نماز یاد کرائیں۔ چھ نمبروں کی بات سمجھانے بجھانے کے درجہ میں ان سے کرائی جائے۔ بعض دفعہ ان سے سیکھنے والی۔۔۔ مستورات کو ان کے محرموں کے ساتھ کچھ وقت کے لئے بھیجا جائے تاکہ کام کا بوجھ ان کے سروں پر پڑے۔ پھر اپنی مستورات دوبارہ آکر ملیں اور کارگزاری سنائیں اس طرح کئی کئی کام کرنے والی عورتیں بنیں گی۔ جو آخرت کا ذخیرہ ہونے کی امید ہے۔

فقط والسلام بندہ النعام الحسن غفرلہ

کام کرنیوالوں کیلئے آزمائش ضروری ہے

آزمائش، امتلاء

اور امتحان یہ وہ چیزیں

ہیں جو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے دین کا کام کرنیوالوں پر ضرور آتی ہیں اور ہر شخص اپنی استعداد و صلاحیت کے اعتبار سے آزمائش و امتحان میں آتا ہے یہی قانون الہیہ ہے اور یہی سنت نبویہ ہے۔ حضرت مولانا دعوت کا کام کرنے والوں کو ان چیزوں سے خبردار بھی رکھتے تھے اور مختلف انداز سے ان کی ہمت بھی باندھتے تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر فرمایا،

» کام کرنے والوں پر شدا ند آتے ہیں، حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت گھرنیوں کی طرف سے ہوئی۔ اندرون سے ہوئی، پہلے مکہ میں ابولہب و ابو جہل نے مخالفت کی، پھر مدینہ کے یہود مخالفت پر آگئے۔ خیبر میں یہ سانپ مرے تو دوسرے سانپ منافقین کے کھڑے ہو گئے۔ ایسا ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا۔ حضرت سید احمد شہید کو اپنوں کی مخالفت کی وجہ سے ہزیمت اٹھانی پڑی۔ کام کرنے والوں پر یہ صورتیں آتی ہیں۔ لیکن ان میں جہنم کی صرف ایک صورت ہے اور وہ ہے توجہ الی اللہ۔ اگر خدا کی طرف توجہ کرتے رہیں گے تو وہ قدموں کو جہاد دے گا۔ لے

• یہ آزمائشیں مختلف شکلوں میں مختلف درجات کے ساتھ آتی ہیں کبھی مال و دولت کے نقشوں میں الجھایا جاتا ہے اور کبھی عہدوں و منصبوں کے ذریعہ جانچا بولا جاتا ہے۔ ناچہ ایک مرتبہ کارکنان ہند کے اجتماع منعقدہ ۲۱ مارچ ۱۹۸۲ء میں فرمایا:

”کام کرنے والوں کی آزمائش کبھی مال کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ کبھی عہدوں اور عورتوں کی شکل میں ہوتی ہے۔ مکہ مکرمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے یہ سب چیزیں پیش کی گئی تھیں۔

آزمائش میں سب سے پہلا درجہ حرص و لالچ کا ہوتا ہے اس سے بچ جاتا ہے۔
تو دوسرا درجہ تکلیفیں پہنچانے کا ہوتا ہے۔ اس سے بھی بچ جاتا ہے تو پھر تیسرا درجہ
عہدہ کی طلب کا ہے اور جب اس سے بچ جاتا ہے تو چوتھا درجہ اپنی بات کا منوانا ہے۔
آزمائش و امتحان کو مقبولیت اور حق تعالیٰ کی ذات عالی تک رسائی کی علامت بتلاتے
ہوئے ایک مرتبہ فرمایا:

علمائے لکھا ہے کہ اللہ کی طرف سے تنبیہات کا آنا مقبولیت کی دلیل ہے اور اس
بات کی علامت ہے کہ خدا تعالیٰ پاک اس کو منزل تک پہنچانا چاہتا ہے۔ مصائب کی دو
نوعیتیں ہیں۔ اگر سلیم الطبع ہے تو وعظ و نصیحت سے ٹھیک چلنے لگتا ہے اور اگر خواہشات
میں اس قدر پھنسا ہوا ہو کہ وعظ و نصیحت ناکافی ہو تو پھر مصیبت آتی ہے۔ تاکہ اللہ کی طرف
متوجہ ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس کی نفسانیت کی بڑی مضبوطی ہو تو مصائب سے ان کا علاج
کیا جاتا ہے اور سلیم الفطرت ہو تو وعظ و نصیحت ہی کافی ہو جاتا ہے۔

دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اہل تعلق اور دعوتی احباب جب اپنی پریشانیاں اور مشکلات
آپ کی خدمت میں لکھتے اور آزمائش و امتحان کی ان نازک گھڑیوں میں اپنے لیے دعاؤں کی
درخواست کرتے تو بڑی ہمدردی و غمخواری کے ساتھ ان کی تسلی و تشفی کرتے ہوئے
فرمایا کرتے تھے کہ ایسے نازک موقع اور زندگی کے ایسے خطرناک موڑ پر کرنے کا کام
صرف دعا اور توجہ الی اللہ اور طاعات و عبادات میں مشغول ہو جانا ہے۔ حضرت مولانا
کے اس انداز کے چند مکتوبات یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔ ان میں پہلے اور دوسرے
مکتوب میں مصائب پر صبر اور ایسے مواقع پر توبہ و استغفار کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

تیسرا مکتوب جو بڑی تفصیل اور وضاحت اپنے اندر لئے ہوئے ہے اور جو
دعوت و تبلیغ کی بعض اہم اور مقتدر شخصیتوں کو ملت اسلامیہ کی تاریخ کے ایک اہم اور

الذات واقعہ پر جب خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کے کفر نے اس کو اپنے طعن و تشنیع اور تمسخر کا نشانہ بنا رکھا تھا م لکھا گیا تھا۔ پہلے مکتوب کا متن یہ ہے :

”حق تعالیٰ آپ کی بھرپور اعانت فرمائے، مشکلات کو آسان فرمائے، گھبراہٹیں نہیں، اہل ایمان کے لئے ان کی زندگیوں میں پیش آنے والی ناگواریاں رحمت ہوتی ہیں گو بظاہر ناگوار معلوم ہوں۔ مگر رحمت سے فائدہ اٹھانے کی راہ یہ ہے کہ ایسے حالات میں توبہ و استغفار کی کثرت کرتے ہوئے دعائیں کی جائیں۔ اور مصائب کو دور کرنے کی جائز تدبیریں کرتے ہوئے کہ کوئی گناہ نہ ہو اور خدائے پاک کا کوئی حکم نہ چھوٹے تو خدائے پاک کی ذات سے امید ہے کہ الشار اللہ (یہ مصائب) رحمت ہونگے۔“

فقط والسلام
بندہ محمد انعام احسن غفرلہ

• ایک اہل تعلق عالم دین کو جنہوں نے خط میں اپنی مشکلات کی تفصیل لکھی تھی نا صحاہ اور مشفقانہ انداز میں اس طرح سمجھاتے ہیں۔

عنایت نامہ باعث اطلاع احوال ہوا۔ جناب کے پریشان کن احوال کو معلوم کر کے قلق ہوا۔ مگر مولانا محترم! حال کے لغوی معنی بدلتے رہتے ہیں۔ اس لئے اس کا بدلنا اور مٹنا ضروری ہے۔ سورہ الم نشرح میں بتلایا گیا ہے کہ ہر عسر کے ساتھ دو یسر ہیں گویا ایک عسر بھیجا جاتا ہے دو یسر دینے کے لئے۔ جیسے امتحان ہوتا ہے درجہ بلند کرنے کیلئے اسی لئے فرمایا گیا استعینوا بالصبر والصلوة، یعنی پیش آمدہ حالات پر صبر کر جاؤ، اور متوجہ ہونے والے امر الہی کی تعمیل میں لگ جاؤ، بس عہدیت اور بندگی یہ ہوتی۔ جنت اور اس کے درجات انھیں دنیوی تکالیف کا انعام ہیں۔ قیامت کے دن

جب دنیوی بلایا کے ساتھ بتلانا لوگوں کو انعامات ملیں گے تو راحتوں والے رشک کریں گے کہ کاش ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی جاتی تو آج درجات بلند حاصل ہوتے رہے

ملکوتِ نبیؐ

میرے عزیزو، دوستو اور بزرگو! سنت اللہ اور عادت اللہ یہ جاری ہے کہ جس زمانہ میں اور جس خطہ میں خدائے پاک کے دین کی محنت جس جماعت نے یا جس فرد نے کی ہے، اس پر خدا کی طرف سے ابتلاوات اور آزمائشیں آتی ہیں اور یہ ابتلاوات خدا خواستہ کام کی حیثیت کے کم ہونے یا کام کرنے والی کی خدا کے یہاں قیمت کم ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتے۔ بلکہ اس راہ کی یہی گھاٹیاں اور منزلیں ہیں اور یہی خدا کی دہش کا راستہ ہے۔ اس سے محنت کرنے والوں کے استقلال اور استقامت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اور نیتوں کی صحت کی بھی جانچ ہوتی رہتی ہے اور جس کے دین میں جتنی پختگی اور صلابت ہوتی ہے، خدائے پاک کی طرف سے اسی کے بقدر یہ باتیں پیش آتی ہیں اور جس قدر ضعف ہوتا ہے اسی کی حیثیت سے ابتلاوات بھی نرم ہوتے ہیں۔ ابتلاوات کا زمانہ کام میں روح اور حقیقت کے پیدا ہونے کا زمانہ ہوتا ہے اور صحیح نہج پر محنت کے کرنے کا زیادہ موقعہ ہوتا ہے۔

اور عادت اللہ یہ بھی جاری ہے کہ جب اس وقت کو جس میں ہر چہار طرف سے آزمائشیں ہوتی ہیں، صحیح طریقہ سے گزار دیا جائے تو پھر سہولت اور فراخی کے دروازے کھلتے ہیں، ایسے وقت میں جو اعراض والے ہوتے ہیں وہ ان سہولتوں میں الجھ جاتے ہیں اور اسی میں پھنس کر ختم ہو جاتے ہیں۔ اور جو صحیح نہج والے ہوتے ہیں وہ اس سہولت اور فراخی میں اور زیادہ خائف ہو جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کا یہ مقولہ احتفظ من النعمۃ احتفاظک من المعصیۃ، سامنے ہو گا کہ نعمت سے اپنی حفاظت ایسے کرو جیسے معصیت سے کر لی چاہئے۔ اور نعمت میرے نزدیک زیادہ خوف کی چیز ہے۔ کیونکہ نعمت سے زندگی کے پورے نہج پر اثر پڑتا ہے۔ اسی بنا پر شریعت کا مزاج سادگی کا ہے طنائے جتنی سادگی کی طرف متوجہ ہوں گی، سمجھو کہ شریعت کی طرف مائل ہیں۔ اور جتنی سادگی سے دور ہوں گی تو گویا مزاج شریعت سے اتنی ہی نا آشنا ہیں۔ نبی پاک ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پاک ارشاد ہے ایاک والشعر فان عباد اللہ لیسوا بمتنعین،

میں نے تو مرکز میں یہ دیکھا ہے کہ راپنچی اور بھاگل پور کے اجتماعات کے لیے بار بار احباب بہار دہلی آکر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے اجتماع کا مطالبہ رکھتے اس کے جواب میں حضرت والا بار بار غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے کام پر استقلال اور جماؤ پر زور دیتے تھے اور ہر مشورہ کے آخر میں حضرت مجھ سے دریافت فرماتے تو میں عرض کرتا کہ جو خیالات حضرت کے ہیں بعینہ میرے بھی وہی ہیں۔

اسی طرح ارریہ کے آخری اجتماع کی تاریخیں لینے کے لیے کام کرنے والوں کے بڑے وفود مرکز دہلی آئے اور حضرت مولانا منور حسین صاحب اسی مقصد کو سامنے رکھ کر حضرت جی کے ساتھ ساتھ دہلی سے گودھرات تک گئے اور پورے سفر میں مستقل طور پر درخواست کرتے ہوئے یہ الفاظ دہراتے رہے کہ ایک اجتماع مجھے مانگے گا ہی ہے دو

اسی سلسلے کا ایک عجیب واقعہ جو میرے نزدیک حضرت جی کے ادبی و شعری ذوق کی بھی نشاندہی کرتا ہے اور عرض کروں۔ ضلع سہرسا سے ایک بڑے اجتماع کا مطالبہ تھا لوگ خطوط کے ذریعہ اور جماعتیں بنا بنا کر نظام الدین آکر تقاضے رکھ رہے تھے۔ آخری مرتبہ تقریباً ستر اشخاصی پُرانے ذمہ دار بہار کے نظام الدین آئے ان میں میں بھی شامل تھا۔

مشورہ مسجد میں صبح کے بیان کے بعد شروع ہوا، لوگ اٹھ اٹھ کر تقاضے رکھتے رہے لیکن مرکز نظام الدین کے بزرگ سمجھاتے رہے اور غور و فکر کی دعوت دیتے رہے مگر اصرار کم نہ ہوا پھر ظہر کے بعد بھی نیچے مسجد کے کمرے میں مشورہ ہوتا رہا وہاں بھی بات طے نہ ہو پائی، تو پھر عشاء کے بعد مسجد کے اوپر حصہ میں مشورہ شروع ہوا۔ حضرت جی تمام نشستوں میں بنفس نفیس شامل رہے۔ آخر میں خود حضرت جی نے فرمایا کہ بھائی حالات سازگار نہیں ہیں اس لیے چھوٹا موٹا جوڑ کر لو۔ اس پر ہمارے یہاں کے ایک صاحب

کھڑے ہوئے اور انھوں نے ایک بلیغ اور مختصر تقریر فرمائی اور آخر میں اقبال کے مشہور شعر کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ حضرت جی دین کے کام میں عشق کے کام میں عشق کی اس محنت میں مصاحبت کا دخل کیا ہے۔ اقبال فرماتے ہیں ۔

بے خطر کو دہڑا آتش نمرود میں عشق

عقل ہے محبت شائے لب بام ابھی

میں — کیا بتاؤں کہ اس روز مسجد کے اوپر ان صاحب کی تقریر اور اس شعر کی قرات کے بعد کیا ہوا ادھر ان صاحب نے اقبال کا یہ شعر ختم کیا ادھر حضرت جی نے سکراتے ہوئے فرمایا۔

کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

یہ فرما کر اٹھ کر تشریف لے گئے۔ حضرت جی کا یہ مہرہ پڑھنا تھا کہ مجھے

ایسا معلوم ہوا کہ میں زور سے اچھل پڑوں گا۔ اور رقص کرنے لگوں گا لیکن

آداب مسجد اور موقع کی نزاکت نے مجھے گویا دبوچ لیا اور بڑی مشکلوں سے میں

بیٹھا رہ سکا۔ میں دیوانِ غالب کا تقریباً نیم حافظ ہوں اور بچپن سے غالب

پسند اور غالب کے شعر بے ساختہ پڑھنے والا ہوں لیکن میرے خواب و

خیال میں بھی اقبال کے اس شعر کے جواب میں غالب کا یہ شعر نہیں آسکتا

تھا اور میں نے سوچا کہ بے شک مومن زندگی کے کسی محاذ پر بھی پیچھے نہیں

ہے آگے ہی ہے۔ اس کے بعد مشورہ میں چھوٹا اجتماع طے کر لیا گیا۔

اجتماعات کے سلسلہ میں مختلف مجالس میں حضرت مولانا نے جو ارشادات فرمائے

انکا ایک نمونہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ ایک موقع پر — فرمایا۔

”اجتماع میں ہمارا نقصان ہے، ہمارا کام تو یہ ہے کہ ہر آدمی دعوت پر محنت

کرنے، اجتماع طے ہونے پر اجتماع والوں کا کام تو یہ رہ گیا کہ جماعتیں بھیجی جائیں،

لے اقتباس مکتوب پروفیسر صاحب بنام راقم سطور۔

اور جماعتوں کا کام اجتماع سے نکلنا رہ گیا اس سے قوت دعوت نکل جاتی ہے اور اجتماع کے بغیر کوشش کرنے سے ہر ایک میں دعوت کی قوت آجاتی ہے اور کام میں عمومیت آتی ہے۔

ایک علاقہ کے ذمہ دار اجتماع کی تاریخ لینے آئے تو ان سے فرمایا: "اجتماع کے لئے اتنی وجہ کافی ہے کہ آپ لوگوں نے مل کر اس کو کرنا چاہا ہے بھی کافی وجہ ہے۔ لیکن ہم پھر بھی اجتماعات کا انکار کرتے ہیں۔ کام کی مصلحت دیکھو، جذبات پر مصلحت غالب رہنی چاہئے۔ کام کی سطح ایسی ہو کہ خطرات کا دفعیہ ہو جائے کرتے تو اللہ میں لیکن بندوں کی محنت دیکھ کر کرتے ہیں۔ صبر کے معنی ہیں زیادہ راحت کے لئے تھوڑی تکلیف برداشت کرنا، انما یوفی الصابر و ن اجر ہم بغیر حساب، جماعت میں اسی کا عادی بننا ہے۔ کام کو سامنے رکھ کر محنت کرو، اجتماع پر نظر نہ رکھو کام پر نظر رکھنے میں افادیت — زیادہ ہے اور اس سے نقد نکلنے کی عادی ہوگی۔ اس کے بعد مزید بات کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا:

"ہم نے سنا ہے کہ قرآن مجید میں امم ماضیہ کے واقعات اس لئے بیان کئے گئے ہیں کہ ان سے عبرت حاصل کر کے قدم سنبھال کر اٹھایا جاوے، اسی طرح جو پچھلے واقعات ہو چکے ہیں ان سے عبرت حاصل کر کے بجائے اجتماع سے نکالنے کے جماعت سے جماعت بنا کر نکالو۔ اگر اجتماع کے ذریعہ سمجھاؤ گے تو اس میں بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ سنتے نہیں ہیں۔ اور بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ

وہ سنتے ہیں لیکن سمجھتے نہیں ہیں۔ اور بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ سمجھتے ہیں لیکن کرتے نہیں ہیں۔ لیکن اگر جماعت کسی گھاؤں میں ہم گھنٹے کا وقت صحیح گزار کر لوگوں سے کہے کہ اس طرح کیا کرو تو اس سے اجتماع کی بہ نسبت کام زیادہ سمجھ میں آئے گا اور پوری فضا بنے گی۔"

اسی مجلس میں ان آنے والے احباب نے جب کچھ مشکلات کا تذکرہ کر کے یہ کہا کہ اجتماع کے عنوان پر کچھ محنت ہو جاتی ہے، اس لئے اجتماع ہونا چاہئے۔ تو اسپر

فرمایا کہ :

"اجتماع کرنے کی اگر وجہ یہ ہے کہ اس تقریب سے محنت ہو جاتی ہے تو اب یہ بتاؤ کہ پھر یہ محنت آخرت کی تقریب پر کیوں نہیں ہوتی جو متواتر بارہ ماہ تک ... کی سکتی ہے۔ اور جہاں تک مشکلات کا سوال ہے تو میرے بھائیو! دعوت کے کام سے مشکلات نہیں آئیں بلکہ مشکلات تو اپنی نفسانیت سے آتی ہیں۔

حافظ محمد یوسف صاحب (ٹانڈہ چھرولی) لکھتے ہیں :

"میں نے کھسکڑہ کے اجتماع کے موقعہ پر حضرت جی کی خدمت میں ایک خط دعا کے لئے تحریر کیا تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ :

"ہمارے یہاں اجتماعات اصل نہیں ہیں بلکہ جماعتوں سے جماعتیں نکالنا اصل ہے۔ اجتماعات میں شر کا پہلو غالب ہے۔ اور ان کو بڑی خوشامدوں اور منت سماجت سے (یعنی خوب دعائیں کر کے) خیر منوایا جاتا ہے۔"

ایک مرتبہ کسی علاقہ کے ذمہ دار احباب اجتماع کی تاریخ لینے آئے۔ اس جماعت نے بہت بے تکلفی کے ساتھ کھلے ماحول میں حضرت مولانا سے گفتگو کی، اور دلچسپ سوالات کئے۔ حضرت مولانا بھی بڑی بشاشت اور خوش دلی کے ساتھ ان کے جوابات دیتے رہے۔ یہاں سوالات و جوابات دونوں نقل کئے جاتے ہیں۔

جماعت : ہم اپنے علاقہ میں اجتماع کرنا چاہتے ہیں اس کی تاریخ لینے آئے ہیں حضرت جی : بھائی! اجتماع کے بغیر جماعتیں نکالو۔

جماعت : اہی جماعتیں تو نکالیں گے، اجتماع تو صرف کام کرنے کا بہانہ ہے۔ حضرت جی : بہانہ کی کیا ضرورت ہے، بہانہ بازی کی وہاں ضرورت پڑتی ہے، جہاں حقیقت نہ ہو۔ محنت کو اجتماع کے نام سے کرنے کے بجائے خدا کے نام سے کرو۔ جماعت : ہم جماعتیں بنا کر اجتماع سے نکلیں گے۔

حضرت جی : خوب نکلو! اللہ پاک مبارک فرمائے۔ بس ہم یوں کہتے ہیں کہ اجتماع کے نام سے کیوں کرو، خدا کے نام سے کرو۔ دوزخ، مشر، نشر وغیرہ کو سامنے رکھ کر

محنت کرنا ہے۔ یہ ہے کندھے کی لاکھی۔

جماعت : ہم نے ہر علاقہ والوں سے نکلنے کی گفتگو کی ہے۔

حضرت جی : بجائے اجتماع میں سے نکالنے کے سال بھر تک نکالنے کا رخ ڈالو، اجتماع میں نام و شور زیادہ ہوتا ہے، مغز تھوڑا ہوتا ہے۔ اور شریعت کا دستور ہے کہ نام و نمود نہ ہو اور مغز زیادہ ہو، اس کے اندر صلاحیت اور کام دونوں زیادہ ہوں گے۔ اب تم جماعت نکالنے کی اس طرح محنت کرو کہ جماعت ہمیشہ نکالتے رہو۔ یہ خیال غلط ہے کہ اجتماع تک نکالیں گے۔ بلکہ یہ طے کرو کہ موت تک جماعتیں نکالیں گے۔ چنانچہ گجرات والوں نے طے کیا ہے کہ چھ ہزار نفر نکالیں گے اور ہر ماہ دو جماعت بیرون کے لئے نکالیں گے۔

جماعت : تاریخ اجتماع طے کر دیجئے، اس کے بعد سے کریں گے۔

حضرت جی : یہی تو کمزوری ہے کہ اجتماع کے بعد سے کریں گے بلکہ یہ طے کرو کہ ابھی سے کریں گے۔ یہ صحیح ہے کہ جو بھی اجتماع کی تاریخ لینے آتا ہے وہ اس غرض سے آتا ہے کہ اجتماع کے ذریعہ کام میں قوت ہوگی۔ حالانکہ تجربہ یہ ہے کہ اجتماع سے نقصان زیادہ ہوتا ہے اور کام کم ہوتا ہے۔ اجتماع میں اب خطرات زیادہ بڑھ گئے ہیں اسلئے کام کو جماعت کے ذریعہ بڑھایا جائے۔ اور ہمارے یہاں کے آدمیوں پر نظر نہ کرو۔ اس لئے کہ دس آدمی جو کام کرتے ہیں، وہ سب یہاں کے ایک آدمی پر پڑ جاتے ہیں۔ اس لئے اپنے مقام کے علماء سے اور پرانوں سے کام لو۔

اس گفتگو کے بعد آنے والے حضرات مطمئن ہو کر وعدہ کر کے گئے کہ بغیر اجتماع کے جماعتیں نکالیں گے۔

حضرت مولانا اجتماعات کو اس دعوتی کام کی ظاہری شکل و صورت سمجھتے ہوئے اس پر زور دیتے تھے کہ اس کام کی حقیقت اور گہرائی تک پہنچا جائے کہ یہی اصل چیز ہے اور کام کی حقیقت اور گہرائی تک پہنچنے کا ذریعہ حضرت مولانا کی نگاہ میں بڑے بڑے اجتماعات نہیں تھے۔ بلکہ تعلیم، گشت اور اجتماعی و انفرادی اعمال تھے۔ چنانچہ

کارکنان ہند کے ایک جوڑ میں فرمایا۔

”ہر چیز کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت۔ حقیقت آتی ہے محنت کرنے سے، جان و مال کی قربانی دینے سے۔ چھوٹے چھوٹے بچے بازار سے پلاسٹک کی موٹریں خرید کر لاتے ہیں۔ یہ صرف ایک صورت ہے لیکن موٹر کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے اس کو لاکھوں روپے دے کر خرید کر لاتے ہیں اور پھر اس سے نفع اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دین کی محنت بھی ایسی ہی ہے۔ یہ اللہ جل شانہ نے ایک ظاہری صورت ہمیں مرحمت فرمائی ہے اس میں تعلیم اور گشت کے ذریعہ انفرادی اجتماعی اعمال کے ذریعہ جتنی محنت کر لی جائے گی اتنی ہی اللہ پاک حقیقت پیدا فرما دیں گے اور جتنی حقیقت آجائے گی اتنے ہی فائدے دنیا میں اس کے محسوس ہونے لگیں گے۔ لہذا فانی صورت پر قناعت کر لینا یہ مناسب نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت لانے کے لئے محنت کرنا ضروری ہے۔ اور دین کی حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اندر خدا کا دھیان پیدا ہو جائے۔ اسی طرح کارکنان بہار سے ان کی آمد کے موقع پر اس طرح خطاب فرمایا۔

”کام کا آج استقبال ہے لیکن ساتھ میں فتنے کے بھی خطرات ہیں۔ کام جتنا نام و نمود سے محفوظ رہے گا اتنا ہی اچھا ہے۔ اجتماع میں رسمیت اور ہنگامہ ہوتا ہے، نتائج کے ظاہر ہونے کا انکار نہیں ہے۔ پہلے منفعت والا پہلو غالب تھا۔ اب مضرت والے پہلو کے غالب ہونے کا شبہ ہے۔ لہذا اجتماعات سے بچتے ہوئے کام ہو تو اچھا ہے استعینوا علی حوائجکم بالکتمان۔ آج بلا ارادہ اجتماعات کی کثرت بڑھ گئی ہے۔ تجزیہ کیا جائے تو اس میں مضرت زیادہ ہے۔ اللہ ہماری حفاظت کرے۔ جی چاہتا ہے کہ کام ہو اجتماع نہ ہو۔ یہ راستہ اسلم و محفوظ ہے۔

جماعتیں پھرنے سے تو ماحول بنتا ہے لیکن اجتماعات سے ہنگامیت آتی ہے۔ اور اجتماعات کی وجہ سے جماعتوں کی کارکردگی میں ضعف آتا ہے۔

۱۔ اقتباس تقریر بموقع جوڑ کارکنان ہند در مرکز دہلی ماہ دسمبر ۱۹۹۱ء، بکریہ جناب اسماعیل صاحب منظر لکھنؤ
۲۔ ارشاد بموقع آمد کارکنان بہار مورخہ ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ، مطابق ۲۵ اگست ۱۹۷۸ء

حضرت مولانا کی یہ بھی خواہش اور کوشش رہتی تھی کہ علاقوں کے ذمہ دار ساتھی مرکز دہلی سے مبلغین کو طلب نہ کر کے چھوٹے چھوٹے اجتماعات خود ہی کر لیا کریں تاکہ کام کی عمومی فکر اور استعداد پیدا ہو اور کام کو لے کر چلنے والوں میں صلاحیت اور تجربہ بڑھے۔ چنانچہ ایک علاقہ کے کارکنوں کو ایسی طلب کے جواب میں تحریر فرمایا:

”جناب نے جس اجتماع کی اطلاع دی ہے ہم سب دعا کرتے ہیں کہ آپ کے اس اجتماع میں کامیابی اور ہدایت کے فیصلے اللہ تعالیٰ ڈال دیں۔ یہاں سے آدمی بھیجنا تو دشوار معلوم ہوتا ہے۔ ایسے چھوٹے چھوٹے اجتماعات تو علاقہ کے کام کر نیوالے اجباب جمع ہو کر خود ہی سنبھال لیا کریں۔ ایک طرف ذکر و دعا کی مقدار کو بڑھا دیا کریں، دوسری طرف اجتماعی شکر کو زیادہ کر دیا کریں۔ اللہ جل شانہ آپ کی مساعی جیلہ کو بار آور ہدایت آور فرمائے۔“

اپنی اس کوشش و خواہش کو ایک دوسرے مکتوب میں مزید تفصیل اور وضاحت کے ساتھ اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

”جناب کا عنایت نامہ باعث مسرت ہوا۔ کارگزاریوں سے خوشی ہوئی اور دعا، بکلی، یہ کام چونکہ اپنے نفس کی اصلاح کا ہے اس لئے اپنی اپنی محنت سے ہوتا، بڑھتا اور پھیلتا ہے۔ اجتماع کی محنت کو اپنے ذمہ سمجھو اور اصول سے ناواقفیت کے باوجود محنت کرنے سے کام کھلنے کا یقین کرو۔ جس مقام پر بھی اجتماع ہو تو وہ مقامی حضرات کے ذمہ ہوتا ہے۔ باہر والوں کے انتظار سے کام میں کمزوری آتی ہے، جیسا اور جتنا سیکھ لیا ہے اسی کے مطابق محنت کرو، البتہ ہم خود بھی آپ کے پاس جتنا ممکن ہو سکے گا جماعتیں بھیجتے رہیں گے۔ فضل کریم صاحب کو جلد روانہ کیا جا رہا ہے۔ ان کے علاوہ بھی جماعتوں کے بھیجنے کی کوشش ہے۔“

جس پر اس نے آدمی سے جو بھی اچھی بات یا اچھا عمل حاصل ہوا اس کو ایسے میں

پیدا کرتے ہوئے دوسروں کو اس پر کھینچو، یہاں تک کہ اعمال صالحہ کا نور دل کو روشن کر دے اور عصبیت کی نفرت عام ہو جائے اور ہر مسلمان دین کا داعی بن جائے۔ ہر فرد مسلم کو حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت پر لانا ہے۔

جن علاقوں اور شہروں میں اجتماعات طے ہو جاتے، حضرت مولانا کو ان کے متعلق بہت فکر ہو جاتی تھی۔ اور اس میں کسی بھی قسم کی بے اصولی، بے عنوانی اور فسادِ دینیت کو کام کے لئے بڑا نقصان وہ مہلک سمجھتے تھے، کام کرنے والوں خاص طور پر اجتماع کے ذمہ دار ساتھیوں کو برابر دینیت کو صاف ستھری رکھنے پر روک ٹوک فرماتے رہتے تھے۔ اس سلسلہ کا ایک واقعہ حافظ محمد یوسف صاحب (ٹانڈہ چھرولی) اسے طرح لکھتے ہیں:

”ایک علاقہ کے ماہانہ جوڑ سے فارغ ہو کر یہ احقر مرکز نظام الدین پہونچا اور حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی۔ فرمانے لگے کہ بھائی تم لوگ یہ جوڑ کیوں کرتے ہو؟ میں نے ایک جماعت کا نام لے کر عرض کیا کہ حضرت ہمارے علاقہ میں اسکا زور بڑھتا جا رہا ہے۔ ساتھیوں کا مشورہ یہ ہوا کہ کثرت سے جوڑ کر ونا کہ ہمارا غلبہ ہو جائے۔ پس میری زبان سے غلبہ کا لفظ سننا تھا کہ حضرت جی جو لیٹے ہوئے تھے ایک دم بیٹھ گئے اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا، یہ تم نے کیا کہا کہ ”ہمارا غلبہ ہو جائے“ دیکھو بھائی غلبہ کی بات تو کبھی مت سوچنا، ہمیں تو صرف اللہ کے لئے اور اس کے دین کے لئے کرنا ہے۔ یہ فرما کر حضرت جی بڑے فکر مند ہوئے اور مجھے بھی فکر ہو گیا۔“

تبلیغی اجتماعات میں ادعوتی و انتظامی اعتبار سے کیا ہونا چاہئے اور کیا نہ ہونا چاہئے اور حضرت مولانا ان اجتماعات کو سادگی کی کس قدر بلند سطح پر دیکھنا چاہتے تھے اس سے واقفیت کیلئے ذیل میں حضرت مولانا کا ایک اہم اور قیمتی مکتوب پیش کیا جاتا ہے اس میں آپ نے ایک علاقے کے ذمہ داران اجتماع کو اجتماع کی کامیابی کے متعلق ہدایات اور ضروری انتظامی امور تحریر فرمائے ہیں۔ یہ مکتوب آج بھی منتظمین اجتماع کے لئے راہنما اور راہبر ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا کے سادگی سے بھرپور دعوتی مزاج کی عکاسی

سے مناسب ہو گا۔ اجنبی سے نہیں پھر جتنا روپیہ ہاتھ میں ہوا اتنا خرچ کریں اس سے زیادہ نہیں۔ بزرگوں سے دعا کی درخواست کریں مقامی کام زور سے ہر جگہ چالو کریں۔ اور ہر تعلیم اور مجلس کے بعد اجتماع کی کامیابی اور برکت کی دعا کرنا شروع کر دیں۔ علاقہ کی مستورات میں اجتماع کر کے ان کو مردوں کی تشکیل کرنے کی ترغیب دیں اور عورتیں بھی روزانہ ہر عبادت کے بعد اجتماع کی کامیابی کی دعا کیا کریں۔ اجتماع — کی تاریخ تک — پیدل جماعتیں اجتماع کے مقام کی طرف چالو کریں۔ علاقہ کے خواص کو ان کے اثرات والے گاؤں میں بھیج کر ایک پرانا ان کے ساتھ میں گئے دعوت دلوائی جائے۔ علاقہ کے کارکن ہر ماہ جمع ہو کر محنت کی صحت و کامیابی کا جائزہ لیا کریں۔ ان سب تدابیر کو ذریعہ اور بہانہ جان کر دعاؤں کی مقدار کو بڑھائیں۔

بندہ انعام الحسن غفرلہ ۹ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ

مثبت پہلو پر زور اور منفی رجحان سے اجتناب

حضرت مولانا کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ ہر اس پہلو اور رجحان سے احتراز فرماتے تھے جو منفی اور سلبی رخ اپنے اندر لیے ہوئے ہو، یہاں تک کہ گفتگو اور تقریر میں بھی اس طرح کی کوئی بات نہ آنے دیتے تھے فرماتے تھے کہ منفی رخ کے مقابلہ میں مثبت اور ایجابی طرز اپنے زیادہ اثر و تاثیر رکھتا ہے اور مخاطب اس طریقہ کار سے حق کو جلد قبول کر لیتا ہے نیز ایجاب و اثبات میں خطرات و خدشات بھی اس درجہ کے نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے دعوت و تبلیغ کی مخالفت میں شائع ہونے والی کسی بھی تحریر کا کبھی نہ خود جواب دیا اور نہ کسی کو جواب دینے کی اجازت دی۔ ایسے مواقع پر یہ ارشاد فرماتے تھے کہ بسن اخلاص و استخلاص کے ساتھ کام کرتے رہو اور اللہ جل شانہ سے مانگتے رہو تمہارا کام کرنا ہی تمام اشکالات کو ختم کر دے گا۔ آخری سالوں میں ایک مخصوص حلقہ کی جانب سے جب کچھ کتابیں عربی زبان میں شائع ہو کر بیشتر پھیلائی گئیں تو ایک ذی تربت عالم دین نے ان کا جواب لکھنے کی اجازت چاہی تو اس پر فرمایا کہ

”آپ جواب دو گے تو وہ جواب دیں گے، پھر آپ جواب دیں گے تو وہ دوبارہ جواب دیں گے یہ سلسلہ سی طرح چلتا رہے گا اور کام نہیں ہوگا اس خاموشی اور یکسوئی بہتر ہے۔“

ایک مرتبہ مجلس میں اسی نوع کی کتابوں اور خطوط و مراسلات کا تذکرہ تھا تو کام کرنے والے احباب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ :

”جوابات دینے سے تو منفی رجحان سامنے آئے گا۔ اچھا یہ ہے کہ جو اعتراضات و الزامات لگائے گئے ہیں اگر وہ صحیح ہیں تو ان کو دور کر لیا جائے اور اگر غلط ہیں تو صبر کر لیا جائے۔“

ایک موقع پر حضرت مولانا تک یہ بات پہنچائی گئی کہ دعوت و تبلیغ میں اس کا مثبت پہلو یعنی ”امر بالمعروف“ تو بہت ہے لیکن اس کا دوسرا رخ یعنی ”نہی عن المنکر“ نہیں ہے تو اس پر فرمایا کہ :

”ہم لوگ نہی عن المنکر ایک دم نہیں کرتے بلکہ آدمی کو پہلے اپنے سے قریب اور مانوس کرتے ہیں اور جب ہمارے ساتھ اس کو تعلق ہو جاتا ہے تو پھر اس کو برائی سے روکنے کی ترغیب دیتے ہیں جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ فوری طور پر وہ متاثر ہو کر اس کو قبول کر لیتا ہے۔“

سکندر آباد (حیدر آباد) میں جب یہی سوال آپ کے سامنے اٹھایا گیا تو اس کا جواب ایک بالکل ہی الگ انداز میں ارشاد فرمایا۔ مولانا شبیر احمد (جنگاؤں) لکھتے ہیں :

”سکندر آباد گراؤنڈ میں تقریباً ایک صد علماء کی نشست میں حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کی مختصر بات ہوئی۔ شاٹا چھایا ہوا تھا میں نے سکوت توڑتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت کچھ احباب کا کہنا ہے کہ ہماری جنت میں صرف امر بالمعروف ہے نہی عن المنکر نہیں ہے جب کہ نص قرآنی میں یہ دونوں ایک ہی جگہ ہیں اس پر فرمایا کہ مقصود کیا ہے ؟ اظہار منکر یا ازالہ منکر ؟ میں نے عرض کیا کہ مقصود تو ازالہ منکر ہی ہے تو فرمایا کہ

اب تم دیکھو کہ وہ حضرات جو جماعت میں ہیں پہلے کی بہ نسبت ان میں۔

انکرات کا اضافہ ہوا ہے یا ازالہ؟ اس نشست میں موجود علماء کرام نے اس گفتگو سے اچھا اثر لیا جس کا بعد میں انھوں نے مجھ سے ذکر بھی کیا۔

حضرت مولانا کبھی کبھی اس اثباتی پہلو کو ”اچھائیاں لانے کی کوشش“ جیسے خوبصورت و

موزوں عنوان سے بھی تعبیر فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ

ایک مرتبہ بائیس صفحے کا طویل خط کسی کام کرنے والے ساتھی کا آیا اور اس میں ان خرابیوں کا ذکر تھا جو مقامی کام کرنے والے ساتھیوں میں تھیں۔ خط لکھنے والے ساتھی نے یہ بھی لکھا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ یہ سب خرابیاں دور ہو جائیں۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طویل خط کو بڑے غور کے ساتھ ملاحظہ فرما کر اس کا مختصر سا جواب یہ لکھوایا کہ ہم اس کام کے ذریعہ سے امرت میں اچھائیاں لانے کی کوشش کر رہے ہیں، خرابیاں دور کرنے کی کوئی کوشش نہیں کر رہے اس لیے کہ روشنی لانے کیلئے تو محنت کی ضرورت ہے لیکن اندھیرا بھگانے کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں، جیسے جیسے روشنی آئے گی اندھیرا خود ختم ہو جائے گا اسی لیے قرآن پاک میں اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ الْاَسِيَّاتِ فرمایا گیا ہے۔

اسی طرح حضرت مولانا کا نظریہ اور ذہن و فکر کی سوچ یہ تھی کہ دین و مذہب کے معاملہ میں دفاعی محاذ اور اقدامی محاذ میں ترجیح اور اولیت اقدامی محاذ کو حاصل ہے اس لیے کہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اور آپ کی برکت سے آپ کی امرت کا اصل محاذ اقدامی ہے۔ فرماتے تھے کہ یہ دعوت والا عمل بھی اقدامی محاذ ہے اور اس میں ضنا دفاع بھی آجاتا ہے۔ اسی لیے وہ علمائے کرام جو دین کے دفاعی محاذ پر جمے ہوئے ہیں، ان کی قدر و منزلت اور خدمات جلیلہ کے اعتراف کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا کی خواہش یہ رہتی تھی کہ یہ حضرات اپنی دفاعی محنت و جدوجہد میں اقدامی محنت و جدوجہد کو بھی جوڑ لیں تاکہ نتائج میں حیرت انگیز حد تک اضافہ ہو جائے۔

چنانچہ ایک موقع پر جب ہندوستان کی ایک مشہور علمی و فکری شخصیت نے تفصیلی خط لکھ کر حضرت مولانا سے مشورہ چاہا کہ وہ ان دونوں محاذوں میں سے کس محاذ کو اپنے لیے منتخب

کریں۔ تو حضرت مولانا نے ان کو یہی مشورہ دیا کہ وہ اقدامی محاذ یعنی دعوتی عمل کو اپنے لیے متعین کر لیں اور دفاعی محاذ کو اس کے ساتھ جوڑ لیں۔ یہ مکتوب اور حضرت مولانا کا جواب یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

”سکری محترمی ————— السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ نظام الدین سے واپسی کے بعد بار بار سوچتا رہا کہ آپ کو خط لکھوں مگر مضمون بن نہ سکا۔ آپ حضرات نے جس اخلاص کی محبت کا سلوک کیا اس کا اب تک دل پر نقش ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی مساعی کو زیادہ سے زیادہ بار آور فرمائے۔

میرے سامنے عرصہ سے ایک سوال ہے یہ سوال نظام الدین جانے سے پہلے بھی تھا اور نظام الدین جانے کے بعد وہ تیز تر ہو گیا ہے وہ یہ کہ میں اپنی زندگی کو خدمت دین کے کس شعبہ میں صرف کروں، ایک تو وہ کام ہے جس کو میں دعوتی و تبلیغی کام کہتا ہوں جس کو آپ حضرات خدا کے فضل سے بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔ میرے اندر طبعی طور پر اسی کام کی طرف لپک ہے اس میں مجھے بڑا روحانی سکون ملتا ہے اور جب بھی اس کا موقع آتا ہے دل بے اختیار اس کی طرف کھینچنے لگتا ہے مگر ذہنی فیصلہ کے تحت میں نے اپنے لیے یہ طے کیا تھا کہ میں اپنے آپ کو دین کے دفاعی محاذ پر صرف کروں۔ دفاعی محاذ سے میری مراد وہ محاذ ہے جو مغربی افکار کے تصادم سے اسلام کے لیے فکری طور پر پیدا ہوا ہے۔ یہ محاذ چونکہ میرے اپنے احساس کے مطابق اس وقت تقریباً خالی ہے۔ اس لیے بالقصد میں نے اپنے آپ کو اس پر لگانے کی کوشش کی ہے، اسی سلسلہ میں تیاری کے لیے میں لکھنؤ اور علیگڑھ میں مقیم رہا۔ اور تمنا ہے کہ اسی سلسلے میں۔ آئندہ لندن کا ایک سفر کروں کیوں کہ وہاں میرے موضوع کے لیے دنیا کی بہترین لائبریری ہے

آپ سے درخواست ہے کہ اس سلسلے میں اپنے قیمتی نصائح سے مجھے مستفید فرمائیں۔ آپ کے نزدیک میری آخرت کے لیے جو مفید ترین اور صحیح ترین کام ہو کسی تحفظ ذہنی کے بغیر آپ بے تکلف اس کے متعلق تحریر فرمائیں، انشاء اللہ میں کھلے دل سے اسی پر غور کروں گا۔ احباب کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ آمین

مکتوب بالا کا جواب حضرت مولانا نے اپنے قلم سے اس طرح تحریر فرمایا:

”اللهم الهما مرشد امورنا واعزنا من شرور نفوسنا
محب مكرم احبك الله الذي احببني له !

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

گرامی نامہ نے مشرف فرمایا، یاد آوری اور توجہ فرمائی کا شکر گزار ہوں۔
آپ نے اپنے لیے جو دینی دفاعی محاذ اختیار فرمایا ہے اللہ جل شانہ اس میں برکت فرمائے اور منہج اور بار آور فرمائے۔ دفاعی محاذ بڑا کٹھن اور لمبا راستہ ہے اور پرخطر ہے دفاع میں بسا اوقات اقدامی محاذ کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔ ہمارے بنی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اصل اور آپ کی برکت سے امت کا محاذ دعوت ہے اور دعوت بہت مشا محقر اور سہل اقدامی محاذ ہے، اقدام میں دفاع بھی ضمنا آجاتا ہے لیکن جب کہ جناب نے دفاعی محاذ کو شروع فرمادیا ہے تو لا تبطلوا اعمالکم کے قانون کے تحت اس کو چھوڑنا نہیں ہے البتہ اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑتے ہوئے دعوتی اقدامی محاذ کو اس کے ساتھ ایسے جوڑنا ہے کہ دونوں محاذ جاری رہیں اور ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہوں اور انشاء اللہ

۱۔ اس مکتوب پر تاریخ لکھی ہوئی نہیں ہے لیکن ڈاک خانہ کی جانب سے ۱۹۹۶ء/۸/۲۷ء کی مہر اس پر لگی ہوئی ہے۔

یہ صورت آپ کے لیے بہت مفید اور روح کی تسکین کا باعث ہوگی اور
آپ اس بارے میں استخارہ بھی ضرور اہتمام سے فرماتے رہیں۔ والسلام
محمد انعام الحسن غفرلہ ہم ارجحادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ
۳۱ اگست ۱۹۶۶ء

حضرت مولانا کو جس طرح معاملات و مسائل کا منفی پہلو پسند نہیں تھا اسی طرح غیر متعلقہ
معاملات و مسائل میں کنج و کاؤ اور بحث و مباحثہ بھی ناپسند تھا آپ ہمیشہ اپنا زور اس پر صرف
کرتے تھے کہ اپنے ذمہ جو کام ہیں ان میں لگے رہنا چاہئے تاکہ غلط کاموں سے حفاظت
رہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ کرنے کے کاموں میں اگر لگے رہو گے تو نہ کرنے والے کاموں
سے بچے رہو گے ورنہ شیطان جو دشمن انسان ہے وہ تم کو نہ کرنے والے کاموں میں
ابھالے گا۔

مولانا احترام الحسن صاحب کاندھلوی اس سلسلہ کا اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں،
”ایک بار ڈاکٹر غلام کریم صاحب کی اور میری ظہور امام ہدی علیہ
السلام کے سلسلے میں بحث چل پڑی۔ ڈاکٹر صاحب کا موقف دلائل کی روشنی
میں یہ تھا کہ ظہور امام ہدی بس ہوا چاہتا ہے۔ اور میں یہ عرض کر رہا تھا کہ
احادیث میں ظہور ہدی سے پہلے جو علامات بتائی گئی ہیں ابھی ان کا ظہور
نہیں ہوا اور ظہور ہدی سے پہلے ان علامات کا پایا جانا ضروری ہے مقدمہ
فیصلہ کے لیے حضرت جی کی خدمت میں پیش ہوا۔ پہلے ڈاکٹر صاحب نے
اپنے دلائل بیان کیے۔ مولانا تمام دلائل کو توڑتے رہے میں اپنی جگہ پر خوش

۱۔ حضرت مولانا کا یہ مکتوب جب مکتوب الیہ کو ملا تو انہوں نے اس کی رسید ان سطور کے ساتھ ارسال کی۔
”گرامی نامہ مورخہ ۳۱ ارجحادی الاولیٰ ۱۳۸۶ء اور میں نے فرط خوشی سے اسے چوم لیا۔ آپ نے
جو بات تحریر فرمائی ہے وہ بہت مناسب ہے اور ان شاء اللہ میں اس کو اپنے لیے مشغل راہ
بناؤں گا۔“

ہو رہا تھا کہ میری حمایت ہو رہی ہے۔ لیکن حیرت اس وقت ہوئی جب مولانا نے میرے دلائل کو بھی توڑنا شروع کر دیا۔ جب ہم دونوں خاموش ہو گئے تو مولانا نے فرمایا، میاں! جو کام ذمہ کیا گیا ہے بس اسے کرتے رہو امام مہدی کو جب آنا ہوگا آجائیں گے جو کام اپنے ذمہ ہے ہی نہیں اس میں وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟



سولہواں باب

بیعت، طریقہ بیعت اور اہل ارادت کی اصلاح و تربیت

کیا دل ہے کہ اک سانس بھی آرام نہ لے ہے
محفل سے جو نکلے ہے، تو خلوت میں چلے ہے

بیعت، طریقہ بیعت

اور

اہل ارادت کی اصلاح و تربیت

اس کتاب کے چوتھے باب میں حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کی بیعت و ارادت تکمیل طریقت اور اجازت و خلافت کی تفصیلات سے قارئین کے مطالعہ میں یہ بات آچکی ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی حیات میں آپ کی زندگی کے لیل و نہار ذکر سحر گاہی، دعائے نیم شبی اور خلوت و ریاضت سے بھرپور اور معمور گزرے تھے یہ زمانہ خصوصیت کے ساتھ آپ کے لیے بڑے مجاہدات اور خاموش قربانیوں کا تھا، اسی کا یہ ثمرہ اور نتیجہ تھا کہ اللہ جل شانہ و عہ نوالہ نے آپ کو زہد و اخلاص کے ساتھ زیانیت و روحانیت کے اونچے درجہ پر فائز فرمایا اور بعد کے آنے والے دور میں آپ کو صاحب ارشاد شیخ کامل بنا کر لاکھوں سالوں کے اعمال و اخلاق کی درستگی کا ذریعہ اور سب

بنایا۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی طرف سے آپ کو اجازت بیعت بیس رجب ۱۳۶۳ (۱۲ جولائی ۱۹۴۴ء) میں مرحمت فرمائی گئی تھی لیکن دعوت و تبلیغ کی ستر سالہ تاریخ میں جب جب بھی اپنی ذات و شخصیت کو مٹانے والوں اور اپنی حیثیت و مقام کو فنا کرنے والوں کی تاریخ لکھی جائے گی تو اس میں یہ بات بھی نمایاں طور پر جگہ پائے گی کہ حضرت مولانا محمد یوسف سے تعلق و وابستگی اور ان کے ادب و احترام میں ان کے پورے بائیس سالہ عہد امارت میں آپ نے تین اشخاص کو بیعت فرمایا، اور یہ بیعت بھی ایک خاص سبب کے تحت کی گئی تھی۔

حضرت مولانا نے اپنے مکتوب (بنام حضرت شیخ) میں اس بیعت کی تفصیل اس طرح تحریر فرما رکھی ہے:-

مولانا یوسف صاحب کی حیات میں بندہ نے صرف تین اشخاص کو مولانا یوسف کے مشورہ سے بیعت کیا تھا، ایک کو ایک مرتبہ دو کو دوسری مرتبہ جبکہ ان تینوں نے صاف یہ کہہ دیا تھا کہ مولانا یوسف سے تو ہمیں بیعت نہیں ہونا ہے۔ جس پر بندہ نے مولانا یوسف صاحب سے پوری بات بتائی تو یہ فرمایا بیعت ضرور کرو بندہ ہے رہیں گے۔ بندہ نے اس شرط پر کہ وہ کسی سے بیان نہیں کریں گے۔ اور تذکرہ نہیں کریں گے اور کسی کو خبر کریں گے، بیعت کر لیا تھا۔

بائیس سال میں صرف تین اشخاص کو بیعت کر کے آپ نے سب سے پہلی عمومی بیعت تین ذی قعدہ ۱۳۸۴ (۱۳ اپریل ۱۹۶۵ء) میں امیر جماعت تبلیغ منتخب ہونے پر فرمائی۔ اور پھر اس کے بعد یہ سلسلہ ہر گز سے ہوتے دن کے مقابلہ میں وسیع اور دراز ہوتا چلا گیا۔ قیام گاہ پر روزانہ خواص و عوام کا بڑا مجمع آتا اور بیعت ہو کر واپس جاتا۔ اسی طرح آپ کا ہر سفر بھی آہستہ آہستہ ارشاد و ہدایت کی لائن سے ہزاروں افراد کی اصلاح و تربیت اور رجوع الی اللہ کا ذریعہ بنتے لگا۔

اپنی امارت کے ابتدائی دور میں آپ نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو بیعت کے وقت

سینکڑوں کی تعداد میں یہ قوم اجتماعات میں شریک ہوتی اور بیعت ہو کر جماعتوں میں نکل جاتی تھی یہ عمل خیر اس عجیب و غریب مخلوق کی اصلاح و ہدایت اور دینی زندگی پر ثبات قدمی کا ایک اہم اور مؤثر ذریعہ بنا ہوا تھا۔

یہاں اس سلسلہ کی تفصیلات سے قصداً احتراز کرتے ہوئے صرف دو اجتماعات میں ان کی شرکت کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۰ اجتماع بدتیا (منعقدہ ۱۷ رجب ۱۳۸۷ھ ۲۲ اکتوبر ۱۹۶۷ء) میں اس قوم کی آمد ہوئی اور بڑی تعداد میں جماعتوں میں نکلے۔ چنانچہ حضرت مولانا، حضرت شیخ کو لکھتے ہیں! جنات حضرات سات سو کی تعداد میں شریک جلسہ ہوئے۔ جس میں دوسو سولہ تو تین چلوں کے لیے اور ایک سو نو ایک سال کے لیے اور ایک سو دس نفر ایک چلہ کے لیے (جماعتوں میں) گئے ہیں۔ لہ

۱۱ اجتماع سنہل ضلع مراد آباد (منعقدہ ۴ ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ) کے موقعہ پر بھی کثیر تعداد میں ان کی آمد اور جماعتوں میں جانے اور بیعت ہونے کی خبر دیتے ہوئے حضرت مولانا، حضرت شیخ کو تحریر فرماتے ہیں!

سنہل میں جنات بھی تشریف لائے تھے اور ۴۰ نفر جماعت میں تین چلہ کے لیے گئے ہیں ایک ان میں سے بدر الدجی نامی نے بندہ سے بیعت ہونے پر اصرار کیا تو بندہ نے اس کو جناب والا کا حوالہ دے دیا کہ ہمارے سب کے بزرگ ہیں لیکن اس نے یہ کہا کہ میں مرکز آؤں گا دو روز وہاں پر رہوں گا بندہ نے یہ عرض کر دیا کہ پھر اس وقت تفصیل سے بات کریں گے۔ اس کی بات سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ بہت سے سلسلہ میں داخل ہیں جس کا بندہ کو علم نہیں ہے اس کے بارے میں بھی ارشاد فرمادیں کہ ان کو کیا جواب دیا جائے۔ لہ

بیعت طریقت سے متعلق بعض اہم ارشادات و فرمودات

حضرت مولانا کا معمول تھا کہ بیعت لینے سے قبل

اس کی ضرورت اور افادیت و نافعیت — پر ضرور کچھ روشنی ڈالتے اور پھر کلمات بیعت ادا فرماتے تھے۔ تاکہ بیعت ہونے والوں کو اس کی اہمیت کا احساس ہو اور وہ اس کو صرف ایک رسم و رواج یا کوئی معمولی چیز نہ سمجھ بیٹھیں۔ ایسے مواقع پر فرمائے گئے کچھ اہم ارشادات یہاں پیش کیے جاتے ہیں!

(۱) ایک موقع پر بیعت کو محنت اور قول و قرار سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا کہ! بیعت میں آخرت کی زندگی بنانے کا قول و قرار ہے کہ ہم ان چیزوں سے بچیں گے جو آخرت میں نقصان پہنچائے اور جن کو گناہ کہتے ہیں اور جماعتوں میں نکل کر ان سے بچنے اور مفید عمل کے کرنے کی مشق کریں گے معاملہ اللہ سے ہے سوچ والا تو صرف واسطہ ہے آدمی پہلے نیت کرے پھر زبان سے کہے پھر عمل کرے لہ

(۲) دوسری مجلس میں اس اجمال کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں۔ بیعت ایک محنت کا قول و قرار ہے وہ یہ کہ اللہ کی ناراضگی والے عمل سے بچیں گے جو اس عہد کو توڑے گا اس کا نقصان اسی کو ہوگا و من نکث فانما ینکث علی نفسه۔

ہر انسان کے اوپر خدا کے چار قسم کے احکامات ہیں ایک عبدیت دوسرے تقاضائے بشریت تیسرے خلافت الہیہ اور چوتھے نیابت انبیا یہ چار قسم کے احکامات ہیں ان میں اول حکم عبدیت ہے جیسے نماز و روزہ زکوٰۃ حج وغیرہ۔ دوسرے تقاضا بشریت جیسے کھانا پینا مکان تجارت

نہیں کرنا ہے۔ موت تک کی زندگی صحیح گزارنی ہے جو جتنی محنت کرے گا اس پر اس کا رنگ اتنا ہی مضبوط آئے گا، اور اگر محنت نہ کرے تو دوسرے ماحول میں جا کر وہ رنگ صاف ہو جائے گا۔ لے

(۴) ایک مجلس میں انوارات و ظلمات کے درمیان تقابل بتلا کر طاعات و عبادات اور ان کے ذریعہ نسبت روحانیہ کے اجاگر اور چمکدار ہونے کو اس طرح بیان فرماتے ہیں !
 آج نفسانیت کا شکر غلبہ پائے ہوئے ہے قلب کا شکر انوارات ہیں اور نفس کا شکر ظلمات ہیں اب ہمیں محنت و کوشش کر کے قلب کے لشکر کو اور انوارات کو غالب کرنا ہے اور نفسانیت کے لشکر کو مغلوب کرنا ہے۔ ریاضت طاعت اور عبادات سے نورانیت آتی ہے خدا کی طرف کا راستہ طے ہوتا ہے نماز خوب رغبت سے پڑھی جائے، تسبیحات و تلاوت کا اہتمام کیا جائے۔ ان اعمال سے نور آکر خدا تک پہنچنا آسان ہوگا کیونکہ اصل منزل صرف خدا کی ذات سے تعلق قائم کرنا ہے اور وسائط آلات و سواریاں ہیں۔ منزل تک پہنچنے میں بہت سے ڈاکو کھڑے ہوئے ہیں جو منزل تک پہنچنے نہیں دیتے۔ اور وہ ڈاکو نفس کی خواہشات ہیں یا رکھو کہ نسبت تو ہر شخص میں خدا کی ہے یعنی مخلوق ہونے کی وجہ سے خلق کی نسبت ہے مزروق ہے تو زرق کی نسبت ہے لیکن یہ سب نسبتیں انسان کے اندر چھپی ہوئی ہیں۔ مجاہدات اور ریاضات سے اوپر کی دھول مٹی ہٹ کر وہ نسبت اجاگر اور چمکدار ہو جاتی ہے اور ان ریاضات و مجاہدات میں سب سے پہلی چیز نماز ہے۔

(۵) ایک مرتبہ وصول الی اللہ اور عبدیت کے متعلق ارشاد فرمایا کہ !

لے ارشاد بموقعہ اجتماع راجستان۔ مورخہ ۲۱ شوال ۱۳۸۶ھ ۲۲ جنوری ۱۹۶۸ء

وصول الی اللہ کے معنی یہ ہیں کہ اپنا ارادہ تمنا اور خواہش ختم ہو جائے یہی عبیدیت ہے صوفیا کی اصطلاح میں وصول بمعنی عبید بننے کے ہیں۔ خیر کا منبع خدا کی ذات ہے باقی سب نالیاں ہیں۔ اسی میں فیضان ہوتا ہے نالی غلط چلے یا بند ہو جائے تو فیضان بھی بند ہو جاتا ہے فیض کا چشمہ خدا کی ذات ہے ابھی تو ہماری نالیاں بند ہیں اگر محنت کریں گے تو نالیاں صاف ہونگی آج نالیاں آٹی پڑی ہیں خدا کے حکموں کے خلاف ورزی وہ کچرا ہے جس سے نالی بند ہوتی ہے۔ آج اس نالی کو صاف کر کے کھولنا بہت ضروری ہے۔

(۶) ایک مرتبہ بیعت کی افادیت اور اس کی غرض بتلاتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا۔ دوستو! بیعت ہونا کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ ہم کو اپنی زندگی پیار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب پر بنانی ہے۔ اللہ نے آپ کو نمونہ بنا کر بھیجا ہے جو شخص اس نمونہ کے جس قدر قریب ہوگا اتنا ہی اللہ جل شانہ کے یہاں محبوب ہوگا۔ ہم کو موت تک اس کوشش میں لگنا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے حکموں کے مطابق زندگی گزارنی ہے۔ رات ہو یا دن ہو، جاگنا ہو یا سویا، کھانا ہو یا پینا ہو، ہم کو آپ کے حکم کے مطابق زندگی گزارنی ہے۔ بس یہ خلاصہ ہے بیعت کا، یہ کوئی رسم نہیں ہے کہ پلہ پکڑ لیا اور کافی ہو گیا بلکہ ہم کو عہد کرنا ہے کہ گناہوں سے بچیں گے اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کے طریقے پر چلنے سے ہماری حفاظت فرمائے۔ اللہ سے معافی مانگنا یہ اپنے گناہوں کو ان سے معاف کرانا ہے۔

(۷) اپنے تمام اکابر و مشائخ کی طرح حضرت مولانا بھی شریعت اور طریقت کو دو الگ الگ چیزیں نہیں سمجھتے تھے اور نہ ہی ان کے درمیان کسی تفریق یا حد فاصل کے قائل تھے۔ بلکہ وہ شریعت کو احکامات خداوندیہ کا ظاہری حصہ اور طریقت کو (جس کا ایک اہم جز بیعت بھی ہے) احکامات خداوندیہ کا باطن حصہ سمجھتے تھے۔ اور اپنی عمومی و خصوصی مجالس میں گاہ بگاہ اس کی توضیح و تشریح بھی فرما دیا کرتے تھے۔ چنانچہ

احکامات خداوندی دو طریقے کے ہیں ایک وہ جو ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج معاملات بیع و شرا ان کے احکام ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں اور دوسرے احکامات وہ ہیں جو انسان کے باطن سے تعلق رکھتے ہیں باطن کے احکامات جیسے تقویٰ ہے، زہد ہے، رضا بالقضائے، صبر و شکر ہے، حلم ہے، بردباری ہے، عفو ہے، تواضع ہے، انکساری ہے، یہ بھی احکامات ہیں خدائے پاک کے انہیں طریقت کہا جاتا ہے۔ طریقت کوئی شریعت سے الگ چیز نہیں ہے۔ وہی احکامات جو شریعت نے ظاہر کے دے رکھے ہیں وہی احکامات باطن کے بھی ہیں۔ دونوں احکامات کے پورا کرنے میں لگنا یہ ہے شریعت و طریقت۔

سرِ بے نیّت و طریقہ نیست۔
ایک طبقہ وہ ہے جو باطن کے احکامات پورا کرنے میں اس کے سدھار
میں اس کو اپنے اندر لانے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ وہ اولیاء کرام کہلاتے
ہیں۔ ہمارا کام ظاہر کے احکامات کو پورا کرنا ہے اس طریقہ سے کہ باطن کے
احکامات اس میں اجاگر ہو رہے ہوں۔ ہم جو نماز کی تعلیم کی تسبیح کی دعوت
دے رہے ہیں اس کی کوشش کر رہے ہیں اور اس کوشش میں جو کچھ اپنے
اوپر پیش آ رہا ہے۔ اس پر اگر ہم صبر کر رہے ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ
اگر دل خوش کن بات سامنے آ رہی ہو تو اس کے اوپر شکر کر رہے ہیں
اور اپنے کرنے میں خدائے پاک عز اسمہ پر بھروسہ کر رہے ہوں اور پھر جو
کچھ پیش آ رہا ہو اس کے اوپر راضی ہو رہے ہوں تو پھر ہماری ترقی ہوگی
ہم بڑھتے چلے جائیں گے اور خدائے پاک ہمیں دین کا عامل قرار دیں گے
یہ ظاہر و باطن کے دونوں احکامات کو لے کر چلنا یہی انسان کی اصل ذمہ داری
ہے اور اگر ظاہر کے احکامات پر محنت کرنے میں اپنے باطنی احکامات کی

کوشش نہیں کی تو اس سے رذائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے ظاہر کے منہیات ہیں مثلاً جھوٹ ہے، غیبت ہے، چوری، شراب خوری، بدکاری ہے اور یہ سب چیزیں ممنوع ہیں ایسے ہی باطن کے بھی منہیات ہیں جیسے تکبر ہے، تحقیر ہے، غیبت ہے عجب ہے اپنی بڑائی کی عادت ہے۔ یہ چیزیں باطن کی ممنوعات ہیں۔ اگر ہم اپنے باطنی احکامات کو پورا کرنے کی کوشش نہیں کریں گے تو پھر یہ باطنی منہیات ابھریں گے اور یہ منہیات ابھریں گے تو پھر ظاہر کے احکامات کی بھی جان نکل جائے گی۔ لہ

بیعت کا طریقہ اور اس کے الفاظ | حضرت مولانا کی ایک بیعت تو وہ ہوتی تھی جو اجتماعات کے وقت باقاعدہ جلسہ گاہ

منبر پر بیٹھ کر فرماتے تھے۔ اس میں عمومیت ہو تھی یہاں تک کہ اجتماع میں شریک غیر مسلم بھی وہ کلمات بیعت دھرا لیا کرتے تھے۔ لیکن یہ بیعت صرف میوات تک محدود تھی شاذ و نادر کسی اور گاؤں دیہات میں بھی ہو جاتی تھی، دوسری بیعت وہ تھی جو اجتماعات میں اپنی قیام گاہ پر ہوتی تھی، شہری اور علاقائی اجتماعات میں اس کام کے لیے مغرب بعد کا وقت متعین تھا۔ حضرت مولانا او ایمن سے فارغ ہو کر اس مجلس میں تشریف لاتے اور بیعت فرماتے۔ مولانا محمد بن سلیمان جھانجھی پہلے سے اس مقصد کے لیے آنے والوں کو بیعت کے آداب اور اس کے اصول بتا دیا کرتے تھے۔

تیسری بیعت وہ تھی جو حضرت مولانا مرکز نظام الدین میں روزانہ صبح کے وقت (جماعتوں کی روانگی کے بعد) اپنے حجرہ میں فرمایا کرتے تھے، بیعت ہونے والے (مرد و مستورات) الگ الگ دو کمروں میں جمع ہو جاتے مستورات کے لیے زمانہ مکان کا ایک کمرہ متعین تھا، وہاں تک آواز مالک کے ذریعہ پہنچ جاتی تھی۔

بیعت ہونے والا مجمع خواہ بہت بڑا ہوتا یا ایک دو ہی نفر ہوتے۔ حضرت مولانا اسی یکسانیت کے ساتھ بیعت فرماتے اور دونوں موقعوں پر آپ کی احساس ذمہ داری کا انداز ایک سا ہی رہتا تھا۔

جناب محمد صدیق صاحب دامتبارہ (تمل ناڈ) احساس ذمہ داری کی یکسانیت کا ایک چشم دید واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں!

ایک مرتبہ تجدید بیعت کے لیے میں نظام الدین حاضر ہوا۔ سردی کے ایام تھے جماعتیں بھی بہت کم تھیں۔ (یہ غالباً ۱۹۸۷ء تا ۱۹۸۶ء کے دوران کی بات ہے) حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ روانگی کی جماعتوں کی دعا کر اکر اپنے کمرے میں تشریف لا کر بیعت کرنے والوں کو بیعت سے نوازتے تھے۔ غرض اس دن صرف دو ہی صاحب بیعت کے لیے حضرت کے کمرے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک میں دوسرے کوئی اور صاحب حضرت جی صاحب کمرے میں تشریف لائے تو مولوی محمد بن سلیمان جھانجھی نے باہر آکر ہم لوگوں دیکھا تو پوچھا کہ اور کوئی نہیں ہے؟ ہم نے بھی ادھر ادھر نظروں کو دوڑایا لیکن کوئی تیسرا شخص بیعت کے لیے نہیں تھا۔ لگ بھگ پانچ منٹ تک مولانا سلیمان صاحب باہر ہی کھڑے رہے اور بیعت ہونے والوں کی تعداد صرف دو ہونے پر کچھ ہچکچا رہے تھے کہ اندر سے حضرت جی صاحب نے انہیں پکار کر فرمایا کہ جو بیعت ہونا چاہتے ہیں انہیں بلائیں۔ مولانا سلیمان صاحب نے کہا کہ حضرت صرف دو ہی ہیں۔ حضرت جی صاحب کی آواز آج بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہے کہ ”بھائی انہیں بلاؤ بلاؤ“ اس آواز میں سب کچھ شامل تھا، تواضع بھی تھی، خوف خدا بھی تھا، ہلہیت بھی تھی تعلیم بھی تھی پھر ہم دونوں کے لیے حضرت نے خطبہ پڑھا، بیعت کے آداب بتائے پھر مکمل طریقہ پر بیعت کے الفاظ کہلوائے اور تعلیم کی یعنی پچاسوں آدمیوں کو بیعت کرتے وقت حضرت جو طریقہ اختیار کرتے تھے۔ وہی صرف ہم دو

کے لیے بھی اختیار کیا۔ ۱۷

حضرت مولانا کی بیعت کا طریقہ یہ تھا کہ ایک بڑی رسی (اور کبھی بڑا رومال یا چادر وغیرہ) کا ایک سر اپنے ہاتھ میں تھام لیتے اور بیعت ہونے والے اس کو اپنے دونوں ہاتھ سے مضبوطی سے پکڑ لیتے بعد ازاں آپ چند کلمات بیعت کی حقیقت پر فرما کر خطبہ مسنونہ پڑھتے پھر عہد و پیمان کراتے، اسکے بعد پڑھنے کے لیے اوراد و ظالفت بتلا کر دعا کر دیتے۔

یہاں کیسیر وہ (ضلع مظفرنگر) میں ہونے والے آخری اجتماع کی بیعت اور اس سے قبل ہونے والی نصائح پیش کی جاتی ہیں۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ حضرت مولانا کی حیات کی آخری بیعت تھی۔ اس موقع پر حضرت مولانا نے بطور نصیحت جو چند جملے فرمائے وہ یہ تھے۔!

بھائیو، بزرگوں دوستو! بیعت ہونا دراصل ایک بات کا عہد کرنا ہے کہ سب سے پہلے ہم عمل کریں گے بھلائی کو اختیار کریں گے، خدا کی ناراضگی کی چیزوں سے بچیں گے اس عہد کرنے کا نام ہی بیعت ہے اور موت تک اس عہد کو نبھانا ہے پورا کرنا ہے اور اس پر جتنا ہے اور اس پر چلنا ہے جو جتنا ہے گا جتنا چلے گا اللہ جل شانہ اس کو بدلہ دیوں گے نہیں جھے گا نہیں۔ چلے گا تو اللہ جل شانہ و عم نوالہ کی کسی سے کوئی رشتہ داری نہیں ہے اور کوئی تعلق داری نہیں ہے۔ اللہ جل شانہ ہمیں سچی بلکی توبہ نصیب فرما دیں اور ہمیں اپنے عہد میں مضبوط فرمائیں۔ ان نصائح کے بعد حضرت مولانا نے ان الفاظ کے ساتھ بیعت شروع کی۔

۱۷ مکتوب جناب محمد صدیق معادن پروفیسر آف کامرس اسلامیہ کالج دہلی۔ بنام راقم سطور

محررہ ۱۹۹۲/۲۲/۵

خطبہ بیعت۔ الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به

و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا
من يهده الله فلا مضل له و من يضلل الله فلا هادي له و نشهد
ان لا اله الا الله وحده لا شريك له و نشهد ان سيدنا و مولانا
محمدًا عبده و رسوله صلى الله عليه و على آله و اصحابه و بارك
و سلم تسليمًا كثيرًا كثيرًا قال الله تبارك و تعالى ان الذين
يبايعونك انما يبايعون الله يد الله فوق ايديهم فمن
نكث فانما ينكث على نفسه و من اوفى بما عاهد الله
فسيؤتيه اجرًا عظيمًا اما بعد۔

عہد و پیمان

جو میں کہ رہا ہوں دھیان سے سنیں اور اپنی زبان سے کہتے رہیں
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ کوئی عبادت کرنے کے لائق
نہیں کوئی جی لگانے کے قابل نہیں اللہ پاک کے سوا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ
کے سچے اور پاک بندے ہیں۔ ایمان لائے ہم اللہ پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں
پر اس کے رسولوں پر قیامت کے دن پر تقدیر پر جو کچھ بھلا ہو یا برا سب اللہ کی طرف سے
ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر۔ ایمان لائے ہم اللہ پر جیسا کہ وہ اپنی
عالی ذات میں ہے اور پاک صفات میں ہے اور قبول کئے ہم نے اس کے سارے حکم
توبہ کی ہم نے شرک سے کفر سے بدعت سے پرا یا مال ناحق کھانے سے ناحق خون
سے چوری سے زنا سے شراب سے جوئے سے سود سے جھوٹ سے غیبت سے
بہتان سے دین پھیلانے میں کمی کرنے سے دین سیکھنے میں کمی کرنے سے سستی کرنے سے
اور ہر چھوٹے بڑے گناہ سے عہد کرتے ہیں شرک کفر نہیں کریں گے بدعت نہیں کریں گے
اور انشاء اللہ تمام گناہوں سے بچیں گے۔ اسے اللہ توبہ ہماری قبول فرما غنیمت میں
ہمیں مضبوط فرما۔ بیعت کی ہم نے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر
الغام کے واسطے سے۔

تعلیمات بس بھائی دیکھو جن چیزوں سے توبہ کی ہے ان سے ہم بچتے رہیں یہ بڑے
بڑے گناہ ہیں۔ اگر ان سے بچتے رہو گے اور یہ پانچ عمل کرتے رہو گے تو انشاء اللہ بھلے
بندے بن جاؤ گے۔

پہلی چیز جو ہر مسلمان کے لئے ہے وہ نماز ہے پانچ وقت کی فرض نمازوں کو جماعت
کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام کرو اور نماز کسی جانکار کو سنا کر صحیح صحیح یاد کر لو اور چار
وقت کی نفلیں ہیں۔ تہجد، اشراق، چاشت، اوابین جہاں تک ہو سکے ان کا اہتمام کرو
دوسری چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے جس میں تین تسبیح صبح کو اور تین تسبیح شام کو
دھیان سے جی لگا کر پڑھو ایک تسبیح۔ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ اور ایک تسبیح درود شریف
کی ایک تسبیح استغفار کی یہ تین تسبیح صبح کو اور تین شام کو پڑھنی ہے۔

تیسری چیز قرآن پاک کی تلاوت ہے جو بھائی قرآن پاک پڑھے ہوئے ہیں وہ
روزانہ تلاوت کریں اور جو پڑھے ہوئے نہیں ہیں وہ روزانہ سیکھنا شروع کریں۔
چوتھی چیز یہ فضائل کی کتابیں ہیں ان کو اپنی اپنی مسجدوں میں کسی نماز کے بعد
کھڑا کھڑا اہتمام سے سنتے رہو۔

پانچویں چیز گشتوں کا کرنا ہے ہر آٹھ دن میں یہ گشت اپنی بستی میں جماعت بنا کر
کرتے رہو مہینے میں تین دن کی جماعت بنا کر اس پاس کی بستیوں میں جاتے رہیں اور
سال میں کم سے کم ایک چلے کے لئے نکلتے رہیں عورتوں کے ذمہ جماعت نہیں ہے وہ
اپنے اپنے وقت میں اہتمام سے نماز پڑھیں اور جماعت میں نکلنا بھی نہیں ہے لیکن
ملنے جلنے والیوں سے اپنے دین کی ایمان کی کلمہ کی نماز کی قرآن کی جنت کی دوزخ
کی آخرت کی باتیں کرتی رہیں بیکاریات کرنے سے دل مردہ ہو تا ہے اور گھروں
سے برکت جاتی رہتی ہے اور دین کی ایمان کی باتیں کرنے سے دل زندہ ہوتا ہے
گھروں میں برکت آتی ہے اور اپنے شوہروں کو رشتہ داروں کو جماعت میں بھیجنے

پر آمادہ کریں۔ اللہ قبول فرمائے۔ آمین ۱۵

خط کے ذریعہ بیعت | حضرت مولانا کے دست مبارک پر جس طرح بیعت ہونے کا سلسلہ پورے سال جاری رہتا ایسے ہی خط کے ذریعہ

بھی احباب بکثرت بیعت ہوتے رہتے تھے۔ دور دراز کی مستورات کو پردہ کے اہتمام کے پیش نظر خط سے بیعت ہونے پر ترجیح دیتے تھے۔ حضرت مولانا کی طرف سے جو مکتوب غائبانہ طور پر بیعت کے لئے لکھا جاتا تھا اس کا ایک نمونہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ جو آپ نے کسی مسماۃ کو ان کی طرف سے بیعت کے خواہش کے جواب میں تحریر فرمایا تھا!

بیعت کے لئے دو رکعت نماز پڑھ کر اپنے پچھلے تمام گناہوں سے سچی پکی توبہ کر لیں اور آئندہ سے ہر چھوٹی بڑی معصیت اور گناہ کے کاموں سے بچتے رہنے کا پختہ عہد و عزم کر کے اللہ جل شانہ سے اپنی توبہ کی قبولیت اور عہد و عزم میں پختگی و استقامت کی دعا کریں۔ اس کے بعد اپنے کو بیعت سمجھیں اور مندرجہ ذیل معمولات کی پابندی کرتی رہیں۔
پنجوقتہ فرائض اپنے اپنے وقت پر ادا کریں ان سے پہلے اور بعد کی سنتیں اور نوافل میں سے جہاں تک ہو سکے اشراق، چاشت، آدابین اور تہجد کی نمازیں ہیں۔ روزانہ قرآن پاک کی تلاوت اور صبح شام تین تسبیحات (تیسرا کلمہ، درود شریف، استغفار سو سو مرتبہ) اور روزانہ کسی وقت گھر میں کھوڑی دیر فضائل کی تعلیم کا اہتمام کیا جائے اپنے مردوں کو خدا کے راستہ میں نکلنے کے اندر اور دعوت کے کام میں ان کا تعاون کرتی رہیں۔ نیز پردہ کا اہتمام کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ آسان فرمائے، مدد فرمائے اور اخلاص و استقامت عطا

فرمائے۔ فقط والسلام محمد انعام الحسن — بنگلہ والی مسجد

بقلم محمد غزالی — ۹ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ بمطابق ۱۹۹۱ء

یہ ہشکریہ جناب محمد ارشد صاحب تبلیغی مرکز مظفرنگر ۱۵ مکتوب ہشکریہ جناب حبیب الرحمن صاحب والنبی ٹری۔

معمولات کی پابندی اور اسکا اہتمام | حضرت مولانا اپنے سے تعلق بیعت رکھنے والوں کو معمولات میں سستی

و کا، اہلی سے بچنے پر نیز یکسوئی کے ساتھ دعوت و دعا، تلاوت و نوافل اور ذکر و استغفار میں لگے رہنے پر بھرپور انداز سے متوجہ فرماتے تھے اور اس راہ کی محنت و مجاہدات پر بہت بندھاتے ہوئے بتدریج ان کو آگے بڑھاتے رہتے تھے۔

جو لوگ حضرت مولانا سے سلسلہ ارادت قائم کر لیتے ان کے بارے میں آپ کی پوری کوشش اور توجہ یہ رہتی کہ وہ اپنے اجتماعی اور انفرادی معمولات پورے اہتمام کے ساتھ ادا کریں۔ اس میں کسی قسم کی سستی اور غفلت نہ آنے دیں۔ فرماتے تھے کہ اجتماعی معمولات، انفرادی معمولات کے لئے معین و مددگار بنتے ہیں اور انفرادی معمولات کی پابندی و اہتمام اجتماعی معمولات کے اندر قوت و طاقت پیدا ہونے کا سبب ہے۔ اسی طرح فرمایا کرتے تھے کہ دن میں وجود میں آنے والے اجتماعی اعمال (گشت، دعوت وغیرہ) کے لئے رات میں انفرادی اعمال (ذکر، گریہ، زاری اور دعا) کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ اگر اس میں کچھ کمی کوٹا ہی ہو جائے تو توبہ و استغفار سے اس کو پورا کر لیا کریں۔

ایک موقعہ پر کسی ارادت مند نے مکائد شیطان اور طاعات و معمولات میں کمی
اور غفلت کا شکوہ کیا تو فرمایا کہ !

بھائی نہمت اور عزم سے کام لو جب تم خود نہمت اور بے سختم ارادہ
کمر و گے تو یہ غفلت اور سستی دور ہو جائے گی۔ شیطان کا کید تمہارا
کچھ نہیں بگاڑ سکتا اس لئے کہ اس کا مکر بہت کمزور ہے۔

اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا، شیطان کا بکر بہت کمزور ہے شیطان صرف وسوسہ ڈال سکتا ہے وہ انسان سے کچھ کروا نہیں سکتا بشرطیکہ انسان بخیر ہمت اور مضبوط ارادہ کرے اور شیطان کے وسوسہ میں اور دھوکہ میں نہ آئے۔

حضرت مولانا اپنے وابستگان کو سلوک و احسان کی اس راہ پر جس شفقت و محبت اور حسن اعتدال کے ساتھ چلاتے تھے اس کا اندازہ ذیل میں دیئے ہوئے بعض مکاتیب کے اقتباسات سے بخوبی ہو سکتا ہے ان مکاتیب میں باطنی اصلاح و تربیت کے حوالہ سے بہت سے کارآمد نکتے اور مفید باتیں بھی قارئین کے علم میں آجائیں گی۔

● ۱۔ تمہارا خط ملا۔ تفصیلی حالات معلوم ہوئے تمہارے خط میں تمہارے مرض کا بھی ذکر ہے اور تمہیں شاید خبر نہ ہو۔ تمہاری دوا کا بھی اسی میں ذکر ہے۔ تمہارا تعلیم میں جی نہ لگنا جس سے تمہارے والد صاحب کی خفگی اور ان کا یہ کہنا کہ تبلیغ کی وجہ سے ایسا ہو گیا۔ حالانکہ خط میں تم نے صاف ذکر کر دیا کہ گشتوں کی پابندی نہیں ہو رہی ہے۔ شب گزاری نہیں ہو رہی ہے تسبیحات کی پابندی نہیں ہو رہی ہے۔ (حالانکہ ہمارا) تجربہ تو یہ ہے کہ جو طلباء جماعت کے کام میں لگے وہ پہلے سے آگے ہو گئے۔ اچھے نمبرات سے کامیاب ہوئے۔ اللہ کی مدد شامل حال رہی، جس کا اللہ پاک نے قرآن کریم میں وعدہ فرمایا ہے کہ تم اللہ کے دین کی مدد کرو تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور تمہارے قدم جما دیگا۔ بھائی تمہارا اصل مسئلہ تبلیغ کی وجہ سے بگڑا ہوا نہیں بلکہ تبلیغ کے کام کو اصول سے نہ کرنے کی وجہ سے یہ صورت حال پیش آ رہی ہے طلباء کا جو نصاب ہے اس کی پورے اہتمام سے پابندی کرو۔ مہینے میں چوبیس گھنٹوں کی جماعت میں باہر نکلنا، ہر ہفتہ دو گشت مرکز کا اجتماع ہو سکے تو شب گزاری صبح شام کی تسبیحات۔ نماز یا جماعت کی پابندی، قرآن پاک کے لئے ہر روز ۲۰ منٹ یا ۳۰ منٹ فارغ کرنا۔ مسجد کی تعلیم اور ہو سکے تو گھر کی تعلیم بھی۔ اگر اس کی پابندی تم کر لو تو کاہلی چستی سے بدل جائے گی اور دینی تعلیم پر بھی دین کا اجر ملے گا۔ نیت یہ کر لو کہ چھٹیوں میں

پچالیس دن (چلے) لگاؤ گے۔ اور تعلیم ختم ہونے پر تین چلے۔

بھائی اصل میں تمہارے والد صاحب اس لئے ناراض ہو رہے ہیں کہ تم تعلیم تندہی سے نہیں کرتے تبلیغ کی وجہ سے۔ حالانکہ تم تو تبلیغ کا کام کر رہی نہیں رہے ہو۔ اس لئے ہمیں دونوں کام کو صحیح طور پر انجام دینا ہو گا۔ دین کے کام میں غفلت کی وجہ سے دنیا کے کام میں غفلت ہوتی ہے۔ اور اصل غفلت ہے جو تمہارے والد کو اعتراض کا سبب بنا رہی ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر جب دنیا کا کام کرتے تو ان کا وہ کام لا جواب ہوتا تھا۔ کوئی دیکھتا تو یہ سمجھتا کہ یہ کتنا دنیا دار آدمی ہے لیکن جب نماز شروع کرتے تو دیکھنے والے کہتے کہ اس اللہ کے بندے کا دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ صحابہ کرام کی زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے۔ اب زیادہ سوچنا چھوڑ دو۔ تبلیغ کے کام کو بھی پورے اصول سے شروع کر دو اور اپنی تعلیم میں مصروف ہو جاؤ۔ ورنہ کہیں تم اس غفلت میں نہ رہو کہ میں تبلیغ کر رہا ہوں۔ تبلیغ کا کام تو بھی اپنی اصلاح کے لئے ہے۔ اپنی ہی اصلاح نہیں تو تبلیغ کیسی۔ بہر حال اللہ تمہاری مدد کرے۔ اس معاملہ میں شیطان کے دھوکے سے محفوظ رہنا چاہیئے۔ ہماری طرف سے آپ کے والد صاحب کو سلام مسنون۔

● ۲ خط موصول ہوا۔ دنیا ایک آزمائش گاہ ہے یہاں ہر ایک کی آزمائش ہوگی۔ اس لئے نفس و شیطان سے بچکر اللہ کے احکامات کی طرف جھک جانا اسی میں کامیابی لپٹی ہے۔ اس کا انتظار نہ ہو کہ دنیا کی انجھنیں ختم ہوں تو پھر دین کے کام کی صورت نکالیں گے۔ ایسا ہونا مشکل ہے بلکہ ان ہی انجھنوں میں ہمت کر کے دین کی طرف توجہ کریں

اور ایک ترتیب قائم فرما کر اس پر پابندی کریں۔ خدا نے چاہا تو رفتہ رفتہ آسانیاں پیدا ہو جائیں گی۔ ۱۵

۳ • آپ کا خط ملا احوال معلوم ہوئے۔ کالج کی ذمہ داری کو نبھاتے ہوئے گشتوں اور تعلیم کا اہتمام رکھیں۔ تین چلہ کے لئے راہ خدا میں نکلنے کا ارادہ بہت مبارک ہے۔ کالج کی ذمہ داریوں کے ساتھ سہولت سے جتنے وقت کے لئے نکل سکیں جماعت میں وقت لگائیں۔ ورنہ فی الوقت چھٹی کے بقدر وقت لگائیں اور نیت چار ماہ کی ہی رکھیں اور جب اس کی سہولت ہو نکل جائیں معمولات کی پابندی کا اہتمام رکھیں ہمت کے ساتھ روزانہ کرتے رہنے سے تھوڑے دنوں میں خدا کے پاک جماد نصیب کرتے ہیں۔ شیطان دشمن انسان بچلانے اور معمولات سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ ہمت سے اور پابندی سے کرتے رہو گے تو تھوڑے دنوں میں سہولت کے ساتھ جماد نصیب ہو گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے۔ ۱۶

۴ • تمہارے خط سے احوال معلوم ہو کر قلق نہوا۔ اللہ جل شانہ نے اپنے بندوں کو جتنے احکامات دین کے دیئے ہیں وہ سب ایسے ہیں جن کو ہر شخص اپنی اپنی استطاعت کے ساتھ پورا کر سکتا ہے۔ روزہ نہ رکھنے یا رکھ کر توڑنے کی بڑی سخت وعیدیں ہیں۔ اور مسئلہ کے اعتبار سے اس کے لئے شریعت میں کیا جرمانہ ہے۔ اس کو کسی مفتی صاحب سے معلوم کر لیں۔ تھوڑی سی ہمت کی بات ہے، چھوٹے نابالغ بچے بھی رمضان المبارک کے روزے کس قدر شوق و رغبت سے رکھتے

۱۵ مکتوب بنام یکے مستر شہد بھوپال محرمہ ۲۲ رمضان ۱۳۹۳ھ (۲۰ اکتوبر ۱۹۷۳ء)

۱۶ مکتوب بنام جناب محمد صدیق صاحب و انباری محرمہ ۹ جمادی الثانی ۱۳۹۴ھ (۲۷ اپریل ۱۹۷۳ء)

ہیں کہ والدین اگر کسی وجہ سے انہیں سحری میں نہ اٹھائیں تو سخت ناراض ہوتے ہیں۔ اور دن بھر ان کو اس کا غم رہتا ہے۔

آپ ماشاء اللہ بڑے ہیں۔ اللہ پاک نے سمجھ دی ہے۔ ہمت کو کام میں لائیں اور اس ماہ مبارک میں روزہ، نماز، تسبیحات و تلاوت اور صدقہ و خیرات، تعلیم و گشت ان اعمال کا خوب اہتمام کرتے رہیں۔ اور خدا کرے کہ کم از کم ایک چلہ کا وقت فارغ کر کے کسی جماعت میں قریب یادور کی طرف نکل جائیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی ذات عالی سے امید ہے کہ اللہ کے راستہ کے مبارک ماحول میں ان سب اعمال کا شوق و رغبت کے ساتھ پورا کرنا آسان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے۔ لے

۵ ● آپ کا خط ملا۔ احوال و کوائف معلوم ہوئے معمولات کی پابندی کی کوشش مبارک ہے۔ امید ہے کہ دعوت کے مقامی اعمال میں بھی خوب فکر و اہتمام کے ساتھ کوشش کر رہے ہوں گے۔ وساوس کی طرف بالکل دھیان نہ دیں۔ ان کی پرواہ نہ کریں اپنے کام میں لگے رہیں۔ آپ نے مزید ذکر کے لئے پوچھا ہے۔ اللہ، اللہ، تین سزا مرتبہ پڑھ لیا کریں۔ اللہ، اللہ، ایک مرتبہ شمار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنا تعلق نصیب فرمائے اور اخلاص و استقامت کی دولتوں سے بھی مالا مال فرمائے۔ لے

۶ ● خط موصول ہوا۔ حق تعالیٰ استقامت اور اخلاص کی دولت سے نوازے معمولات جو بیعت کے وقت بتائے گئے تھے۔ اس کا اہتمام کریں۔ ناغہ کرنا مناسب نہیں ہمت درکار ہے اور عزم کی ضرورت ہے حصن حصین کی منزل پڑھ لیا کریں۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ذکر کی پابندی کے ساتھ

لے محرمہ ۱۱ رمضان ۱۴۰۴ھ (۱۲-۱۴-۱۹۸۴ء) بنام یکے اہل تعلق و المباڑی

لے مکتوب بنام جناب فاروق احمد عرف ابو الحسن صاحب بنگلور۔ محرمہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ (۲۷-۱۱-۱۹۸۶ء)

دعوت کے اعمال کا اہتمام کریں تاکہ مقام پر دین کی فضا قائم ہو۔ گھروں میں تعلیم کے لئے لوگوں کا ذہن بنائیں تاکہ ہر ایک کے یہاں بیوی بچوں میں دینداری آئے دین کے بغیر کامیابی نہیں۔ بے دینی سے دنیا کی پریشانیاں اور آخرت کی گرفتاری کا خطرہ ہے۔ اس لئے فکر کے ساتھ کام کریں اور دعائیں کریں۔ لے

● آپ کا خط ملا، حالات کا علم ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی محنتوں اور کوششوں اور قربانیوں کو قبول فرمائے۔ اخلاص اور استقامت نصیب فرمائے۔ کسی کی مخالفت کا خیال نہ کریں۔ نہ کسی سے بحث و مباحثہ میں پڑیں۔ بس اپنا کام کرتے رہیں۔ اور اپنی بے بسی اور بے صلاحیتی اور کمزوریوں کو اللہ کے سامنے پیش کر کے اللہ پاک ہی سے مانگیں۔ ہدایت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ لوگوں کے دل اسی کے قبضے میں ہیں وہی دلوں کا پھیرنے والا ہے۔ ہمیں تو بس احسن طریقے سے اپنی ترتیب پر کام کرتے رہنا ہے۔ جب ہماری قربانیاں اللہ پاک کے نزدیک قابل قبول ہوں گی تو پھر اللہ پاک اپنی قدرت سے دین کو پھیلانیں گے۔

کسی پر تنقید و تبصرہ نہ ہو۔ ہر ایک کے ساتھ اکرام سے پیش آئیں جس کی جتنی ہو سکے مدد کریں۔ لوگوں کو مانوس کرنے کی کوشش کریں۔ جب لوگ آپ سے مانوس ہوں گے آپ کو اپنا ہمدرد سمجھیں گے تو پھر آپ کی دعوت پر دین سے بھی مانوس ہوں گے۔ اپنے علاقے کے پرانے کام کرنے والوں کے مشورہ سے کام کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نہ ذفر لے آسان فرمائے۔ حالات سے بدل نہ ہوں۔ گھبرائیں نہیں۔ اپنی محنت اور طریقہ محنت پر بھرپور یقین کے ساتھ کام کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ

آپ کی محنتوں کو باز آور فرمائے۔ ۷

۸ ● آپ کا خط ملا، احوال و کوائف معلوم ہوئے۔ آپ کا اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے فکر و اہتمام کی کوشش مبارک ہے اور اس مقصد کے لئے اپنے اہل و عیال کے ساتھ اپنے وطن واپس آکر اس کے بہتر نظم و انتظام کی جو صورت آپ نے سوچی ہے وہ مناسب ہے اللہ جل شانہ آپ کے جملہ مقاصد خیر میں کامیابی عطا فرمائے، ہر طرح سہولت و عافیت کا معاملہ فرمائے اور آپ کے پورے گھرانہ کو حق تعالیٰ شانہ دین کی مبارک و عالی محنت کے لئے قبول فرمائے۔ ۸

۹ ● آپ کا خط ملا حالات معلوم ہوئے۔ کارگزاری معلوم ہوئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کی کوششوں اور محنتوں کو قبول فرمائے اور دارین کی ترقیات کا ذریعہ فرمائے۔ معمولات انفرادی و اجتماعی کا اہتمام فرماتے رہیں اور اللہ سے مانگتے رہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات عالی ہی سب کچھ کرنے والی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کے لئے بہترین حلال اور برکت والی روزی کا انتظام فرمائے۔ صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ نصیب فرمائے دعوت کی عالی و عظیم محنت کے ذریعہ سے کوشش کی جا رہی ہو کہ ہر ایک اللہ کا بندہ بندہ بن کر اپنی زندگی گزارنے لگے اس کی کوشش کی جا رہی ہو۔ اللہ کسی کی کوشش کو رائیگاں نہیں فرماتے ہیں۔ ۹

۱۰ ● روانہ کردہ خط مل کر کاشف احوال ہوا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کے تمام احوال کو زیادہ سے زیادہ بہتر اور اچھا سے اچھا بنادیں۔ سو فیصد

۷ مکتوب بنام محمد نعیم صاحب جے پور راجستھان۔ محرمہ ۲۳ رجمادی الاول ۱۴۱۱ھ (۲۳ دسمبر ۱۹۹۹ء)

۸ مکتوب بنام محمد افضل قریشی صاحب جمرنی۔ محرمہ ۱۴ رجب ۱۴۱۱ھ (۳ فروری ۱۹۹۱ء)

۹ محرمہ ۱۴ رجب ۱۴۱۳ھ (۲ اگست ۱۹۹۲ء)

اپنے مرضیات پر چلنے کی توفیق دیں سنتوں پر عمل کی توفیق عنایت کریں۔ اور دوسروں میں بھی اللہ کے احکامات حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو زندہ کرنے کی محنت کے لئے قبول فرمائیں کہ یہی چیز ہمارے تمام دنیاوی اور دینی و اخروی مسائل کے حل کے لئے ہے۔ ان کے علاوہ میں نہ دنیا کی بھلائی ہے نہ آخرت کی اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی سمجھ و توفیق دیں۔ امید کہ معمولات کی پابندی فرماتے ہوں گے۔ بیعت صرف نام کے لئے نہیں بلکہ کام کے لئے ہے۔ نمازوں، تلاوت، تسبیحات کی پابندی کے ساتھ دونوں تعلیم گشتوں، تین دن اور چلہ کی خود پابندی فرماتے ہوں گے۔ اور دوسروں کو ان کے لئے تیار کرتے ہوں گے۔ اللہ توفیق دیں مدد کریں آسانی فرمائیں۔ لے

۱۱ ● آپ کا خط ملا حالات کا علم ہوا۔ حالات کا تعلق اعمال سے ہے۔ حالات کے بگاڑ میں تو اعمال کو اور زیادہ اہتمام سے کرنا چاہیے تاکہ خدا خوش ہو کر حالات کو بدل دیں۔ حالات میں اعمال کو چھوڑ دینا یا کم کر دینا حالات کا علاج نہیں بلکہ بسا اوقات حالات کو مزید الجھانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس لئے دل لگے یا نہ لگے ہمت سے کام لیں اور اپنے معمولات کو اہتمام سے کرنے کی کوشش فرمائیں۔ بندہ دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی جملہ پریشانیوں کو دور فرمائے مقاصد خیر میں کامیابی عطا فرمائے آمین۔ لے

۱۲ ● آپ کے خط سے معمولات کی پابندی اور دعوت کے اعمال کے اندر اہتمام کی خبر معلوم ہوئی۔ اللہ جل شانہ مبارک فرمائے۔ جو معمولات آپ نے

لے بنام جناب محمد صدیق صاحب دہلوی۔ محرمہ ۱۳۱۳ھ، مارچ ۱۹۹۳ء

لے مکتوب بنام محمد صدیق صاحب دہلوی۔ محرمہ ۹، جمادی الثانی ۱۴۱۵ھ (۱۴ نومبر ۱۹۹۴ء)

لکھے ہیں انھیں کو پابندی سے پورا کرتے رہیں۔ اور جن کتابوں کے مطالعہ کے بارے میں آپ نے پوچھا ہے (ان کے مطالعہ میں) کوئی مضائقہ نہیں لیکن ان کی باتوں پر عمل کرنے کی بغیر پوچھے اجازت نہیں ہے۔ نمازوں کے اندر دھیان انشاء اللہ دھیرے دھیرے جمے گا۔ لگے رہیں۔ اور اللہ جل شانہ سے مانگتے رہیں اللہ جل شانہ استقامت فرمائے۔ ۱۱

۱۳ • خط موصول ہوا۔ احوال سے مطلع ہوا۔ آپ نے تسبیح وغیرہ میں دھیان نہ لگنے کی شکایت کی پہلے جو طریقہ دھیان کا بتایا تھا اسی پر عمل کرتے رہیے انشاء اللہ کچھ دنوں بعد دھیان اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔ نیز تسبیحات ایک جگہ بیٹھ کر ہی یکسوئی کے ساتھ پڑھی جائے تو بہتر ہے اور اس کے لئے ایک وقت مقرر کر لیں تو بہت بہتر ہوگا۔ نیز ایک وقت مقرر کر کے اس دھیان سے پڑھے کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں اور اس کے بعد کون سا لفظ آتا ہے۔ یا اگر تسبیحات کے معنی معلوم ہوں تو ان کے دھیان سے پڑھے۔ چھوٹا درود شریف صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو بتایا گیا ہے۔ اور اگر ہو سکے تو دھیان کے لئے یکسوئی کو بہت دخل ہے اس لئے جہاں تک ہو سکے اس کی مشق کرنے کے لئے جماعت میں نکلا کیجئے۔ مقامی کام میں۔ تعلیم و گشت اور مہینے کی تین دن میں برابر جڑتے رہیے۔ نیز اپنے قبضہ میں جو کام ہے (اس کو کرتے رہیں) برابر تسبیحات پڑھتے رہیے۔ ۱۲

۱۴ • آپ کا خط ملا احوال معلوم ہوئے۔ دعوت کی مبارک و عالی محنت میں کوشش اور تبلیغ کے مقامی اعمال اہتمام کی سعی مبارک ہے۔ ذکر

۱۱ بنام جناب مستحسن صاحب بھوپال۔ محرمہ ۲۱ رجب ۱۴۱۵ھ (۲۵ دسمبر ۱۹۹۳ء)
۱۲ بنام ذکی الدین صاحب۔ ٹریفک ڈیپارٹمنٹ لشکور۔ جمشیدپور۔

بالجہر کو دوبارہ شروع کرنے کا عزم و ارادہ بھی معلوم ہوا۔ اس کے لئے بہتر وقت تو تہجد کے بعد کا ہے کہ اس وقت یکسوئی بھی رہتی ہے اور دماغ بھی فارغ رہتا ہے ورنہ جب بھی اہتمام سے پورا کر سکیں مناسب وقت مقرر کر کے پورا کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اللہ جل شانہ استقامت و ترقی عطا فرمائے۔ ۱۵

● ۱۵ معمولات کی پابندی اور سالانہ چلہ کا اہتمام مبارک ہے۔ امید ہے کہ دعوت کے مقامی اعمال اور گھر میں فضائل کی تعلیم کا اہتمام بھی ہو رہا ہوگا آپ نے مزید ذکر کے لئے پوچھا ہے۔ انہیں معمولات کو پورا کرتے رہیں اور اگر وقت نکال کر درود شریف کی ۵ تسبیح کو پابندی کے ساتھ نباہ سکیں تو پڑھ لیا کریں۔ اللہ جل شانہ اخلاص و استقامت عطا فرمائے بندہ دعا گو ہے۔ ۱۶

● ۱۶ آپ کا خط ملا۔ آپ کے اپنی ذاتی احوال بھی معلوم ہوئے، واہ واہ! بہت اچھی بات ہے کہ اپنے کو کام میں تو لگائے رکھا جائے اور اپنا کوئی حق نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ دین کے کام میں جب آدمی کی منشاء کے مطابق کام ہوتا رہتا ہے تب تو آدمی چلتا ہی رہتا ہے۔ لیکن جب طبیعت کے خلاف امور پیش آویں پھر بھی وہ چلتا رہے اسی میں بندہ کے اخلاص کی جانچ ہے۔ اللہ جل شانہ ہم سب کو اخلاص کے ساتھ دینی کام میں لگے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ۱۷

● ۱۷ آپ کا خط ملا پڑھ کر حالات سے آگاہی ہوئی اللہ رب العزت

۱۵ مکتوب بنام جناب محمد قاسم صاحب مسجد مدارالہمام گنوری۔ بھوپال۔ محرمہ ۲، جمادی الاول ۱۴۱۵ھ (۸-۱۰-۱۹۹۲)

۱۶ بنام جناب مستحسن صاحب بھوپال۔ محرمہ ۱۲، جمادی الاول ۱۴۱۳ھ (۸-۱۱-۱۹۹۲)

۱۷ مکتوب بنام قاسم بھائی بمبئی۔ محرمہ ۱۳، محرم ۱۴۰۳ھ (۱۰-۱۱-۱۹۸۲)

آپ کی جملہ پریشانیوں کو دور فرمائے اپنی غیبی تائید شامل حال فرمائے
آمین۔ حالات سے متاثر ہو کر اپنے حوصلہ کو پست نہ ہونے دیں۔ حالات
کبھی آزمائش کے لئے اور کبھی ترقی درجات و کفارہ سیئات کے لئے آتے
ہیں ان سے زیادہ متاثر نہ ہوں خداوند قدوس سے امید رکھیں کہ ان
میں بھی میرے لئے خیر ہے اور اپنے ضعف اور قلت تحمل کو عرض کر کے
خدا سے عافیت مانگتے رہیں۔ دعاؤں کا اہتمام رکھیں بندہ بھی آپ
کے لئے دعا کرتا ہے۔ لہ

۱۸ • تمہارے اپنے معمولات کی پابندی کا علم ہوا آپ نے مزید کی خواہش کا
اظہار کیا ہے جو معمولات چل رہے ہیں انہیں کو پابندی سے پورا
کرتے رہیں اور دعوت کے اعمال کا اہتمام کرتے رہیں معمولات کو بڑھانے
کی ضرورت نہیں کہ مدرسہ کی خدمات بھی دین ہی کے کام ہیں۔ آپ
نے اپنے مدرسہ کے طلبہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بیعت ہونا چاہتے
ہیں اس کی کیا صورت ہوگی؟ جو طلبہ بیعت ہونا چاہتے ہیں ان کے
نام لکھ کر بھیج دیں، بشرطیکہ وہ اپنی خواہش و طلب سے بیعت ہونا
چاہیں۔ تمہارے کہنے یا نہ ور دینے سے نہ ہوں۔ لہ

اہل ارادت کیلئے معمولات اور وظائف | طالبین و مسترشدین کے لئے
آپ کے یہاں وہی سب کچھ
تھا جو اپنے جملہ مشائخ اہل حق اور اصحاب معرفت کے یہاں کا معمول و دستور رہا ہے
یعنی فرائض سے لے کر سنن و مستحبات تک اور تلاوت قرآن پاک سے لے کر اوراد
مسنونہ تک کا اہتمام اور رذائل نفس سے حفاظت کے لئے ذکر و شغل کی پابندی۔

(۶ مئی ۱۹۹۲ء)

لہ مکتوب بنام قاسم بھائی بمبئی محرمہ

لہ مکتوب بنام مولانا محمد کمال خاں انگلینڈ۔ محرمہ ۲۲، ۱۴۱۲ھ (۱۱ ستمبر ۱۹۹۳ء)

آپ نے اپنے مریدین و منتسبین کے نام جو مکاتیب لکھے ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اصلاح و تربیت کے سلسلہ میں ان چیزوں کا اپنی زندگی میں داخل کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

• بیعت میں جن چیزوں کے کرنے کا عہد کیا ہے ان کا اہتمام اور جن اعمال کے نہ کرنے کا عہد کیا ہے ان سے احتراز۔

• عبدیت، تقاضائے بشریت، خلافت الہیہ، اور نیابت انبیاء علیہم السلام کے تعلق سے عائد ہونے والے احکامات کی حتی الامکان پابندی۔ اور ان چاروں لائنوں سے آنے والے حقوق کی حتی الوسع ادائیگی۔

• ظاہر شریعت (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ) کا پورا پورا اہتمام کرتے ہوئے خالص اللہ جل شانہ کے لئے ان کی ادائیگی کا فکر۔

• صبح و شام کی تسبیحات (جن میں ذکر درود شریف اور استغفار بھی شامل ہے) کا التزام و اہتمام

• روزانہ قرآن پاک کی تلاوت اور گھروں میں دینی ماحول پیدا کرنے کے لئے فضائل کی کتابوں کا سننا و سنانا

• دعوتی ماحول قائم کرنے کے لئے گشت میں جانا اور مہینہ کے تین دن اور سال کے چلہ کا اہتمام ہونا۔

مشائخ کا ملین کے عام اصول اور ضابطہ کے مطابق حضرت مولانا "ذکر جہری" کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ! اشتغالِ صوفیاء میں باطن کی صفائی کے سلسلہ میں ذکر بالچہر سب سے زیادہ مؤثر شغل ہے۔ لہ

لیکن یہ تعلیم ہر شخص کے لئے نہیں بلکہ ان ہی کے لئے تھی جن کے دماغ اور اوقات میں اس کی گنجائش ہو اور وہ پابندی کے ساتھ روزانہ اس کے کرتے

لے روایت جناب الحاج نادر علی خان صاحب علیگ۔

والے ہوں۔

حافظ محمد یوسف صاحب (ٹانڈہ چھرولی) اپنا ایک واقعہ اور حضرت مولانا کے بتلائے ہوئے طریقہ ذکر کے متعلق لکھتے ہیں!

ایک مرتبہ میں نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سے عرض کیا حضرت مجھے کچھ پڑھنے کو بتادیں تو برجستہ فرمایا کہ جاؤ مولوی انعام سے پوچھ لو میں حاضر خدمت ہوا اور سلام کے بعد اپنا مدعا عرض کیا اور کہا کہ حضرت جی نے اس مقصد کے لئے بھیجا ہے اس پر آپ نے میری طرف ایک نظر بھر کر دیکھا اور فرمایا تم تو بیمار آدمی ہو۔ مجھے آپ کی زبان سے یہ سن کر بڑا تعجب ہوا کیونکہ میں یقیناً اس وقت بیمار تھا اور اس بیماری کا کسی کو علم بھی نہیں تھا پھر میں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ چار زانو بیٹھو میں بیٹھا تو حضرت نے میرے بائیں گھٹنے کی رگ کو ذرا باہر نکلوا کر اور اپنے دونوں ہاتھوں سے میرے دائیں پیر کے انگوٹھے اور اس کے برابر کی انگلی کو کھول کر اس میں وہ رگ پکڑوائی اور پھر نفی و اثبات تلقین کر کے اسم ذات چار سو مرتبہ اللہ اللہ بتلایا۔ ۱۰

آپ کے ایک مسٹر شد نے نظام الدین کے قیام میں زبانی طریقہ ذکر معلوم کیا اور پھر اپنے وطن پہنچ کر تحریری طور پر دریافت کیا تو مندرجہ ذیل الفاظ میں آپ نے اس کی تفصیل لکھ کر بھیجی۔

خط ملاحظہ معلوم ہو کر مسرت ہوئی۔ اللہ رب العزت استقامت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ بارہ تسبیح جو بتلانی تھیں ان کی ترتیب پھر بتلاتا ہوں۔ وہ یہ کہ سورہ فاتحہ تین دفعہ آیہ الکرسی ایک دفعہ سورہ اخلاص تین مرتبہ پڑھ کر اپنے چاروں سلسلہ کے حضرات کو بخشیں۔ پھر گیارہ

۱۰ مکتوب حافظ صاحب بنام راقم سطور۔

مرتبہ درود شریف گیارہ مرتبہ استغفار اور یا حی یا قیوم برحمتک
استغیت استغث استغثک یا اللہ یا اللہ یا اللہ ان تطہر
قلبی عن غیرک ان تنور قلبی بنور معرفتک ابداً ابداً الاحول
ولا قوۃ الا باللہ تین مرتبہ پڑھ کر لا الہ الا اللہ دس مرتبہ اسی
دھیان اور ترکیب سے جو کہ میں نے بتلائی تھی۔ اور ہر دس مرتبہ کے بعد
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ لیں۔ اس کے بعد الا اللہ چار سو مرتبہ
اس کے بعد الا اللہ چھ سو مرتبہ آخر میں اللہ اک ضربی ایک سو مرتبہ۔ آخر
میں مراقبہ میں بیٹھا جائیں اور دھیان کریں کہ اللہ کا نور دل میں داخل
ہو رہا ہے نیز نوافل تلاوت وغیرہ کا اہتمام فرماتے ہوئے نماز باجماعت کی
پابندی فرمائیں۔ اور مقامی کام میں — اہتمام سے شرکت فرماتے رہیں۔
جناب محمد صدیق صاحب (وانمبارکی) کو چند مزید ہدایات کے ساتھ ذکر جہزی کی
تعلیم اس طرح دیتے ہیں!

آپ نے جو مزید ذکر کو پوچھا ہے تو اگر آپ پابندی سے کر سکتے ہیں
اور ناغہ نہ ہو اس لئے کہ ناغہ ہونے کی صورت میں جسمانی اور روحانی
تکلیف بڑھنے کا اندیشہ ہے تو آپ با وضو چار زانو بیٹھ کر ان تسبیحات
کو پڑھیں۔ اول و آخر گیارہ گیارہ بار درود شریف اور گیارہ گیارہ
بار استغفار اور شروع میں تین مرتبہ چوتھا کلمہ پھر دس مرتبہ لا الہ الا اللہ
اس طرح کہ ہر دسویں بار پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں۔ پھر چار
تسبیح الا اللہ کی پڑھیں۔ پھر تسبیح اللہ اللہ اور پھر ایک تسبیح اللہ اللہ
کی اس طرح کل تیرہ تسبیح ہوں گی۔ اور اول و آخر جو پڑھنے کو بتایا ہے
اس کو پڑھیں۔ بہتر یہ ہے کہ اگر وہاں کوئی جاننے والا ہو تو اس سے

لے بنام احمد حسن صاحب نہپور، بجنور۔

پڑھنے کا طریقہ معلوم کر لیں۔ نیز مقامی اعمال میں اہتمام سے شرکت فرماتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں آسمان فرمائیں۔ آمین۔ لہ

اصلاح و تربیت کے چند واقعات | حضرت مولانا کے مزاج کو سمجھنے کے لئے چند تربیتی واقعات کا تذکرہ یہاں مفید ہوگا جو اہل تعلق نے لکھ کر بھیجے ہیں۔

(۱) ایک دن حضرت حجرے میں تشریف فرما تھے منشی بشیر صاحب کوئی بات پوچھ رہے تھے۔ میں بھی وہیں بیٹھا تھا ایک دیہاتی بوڑھا آیا۔ سلام مصافحہ کیا اور بیٹھ گیا۔ حضرت منشی جی کی طرف پھر متوجہ ہو گئے۔ بڑے میاں کو بیٹھے بیٹھے خیال ہوا کہ کچھ کرنا چاہیئے آگے بڑھ کر حضرت کا پاؤں دبانا شروع کر دیا حضرت نے روک دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر دبانے لگے۔ حضرت نے پھر منع فرمایا کہ نہیں بھائی یہ وقت نہیں ہے۔ بڑے میاں نے جب سہ بارہ پاؤں پکڑا تو حضرت نہایت پھرتی سے اٹھے اور ان کا پاؤں پکڑ کر دبانا شروع کر دیا وہ گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ اور فرمایا دوسروں کے لئے وہ کیوں پسند کرتے ہو جو اپنے لئے پسند نہیں کرتے۔ لہ

(۲) مستورات کی بیعت کے لئے حضرت جی نور اللہ مرقدہ بڑے سعید میاں بھوپالی کے گھر تشریف لے گئے سعید میاں نے کچھ چائے وغیرہ کا انتظام بھی کیا تھا۔ بیعت اور دعا سے فارغ ہو کر حضرت اٹھنے لگے تو سعید میاں نے عرض کیا حضرت چائے آرہی ہے۔ دو منٹ میں حضرت کھڑے ہو گئے گھڑی نکال کر ہاتھ دیکھ لے لی فرمایا بھائی آدھا منٹ ہو گیا اب ایک

منٹ ہو گیا۔ چائے دو منٹ میں نہ آ سکی۔ حضرتؒ نے فرمایا وہ کہتے کیوں ہو جو کرتے نہیں۔ پھر ساتھیوں کو تو منع نہیں فرمایا لیکن خود کچھ نوش نہیں فرمایا۔ لے

(۳) بنگلور میں ایک بڑا تبلیغی اجتماع تھا۔ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ اس موقع پر ایک جماعت ملاقات و مصافحہ کے لئے آپ کے پاس آئی ان میں زیادہ تر نوجوان تھے جنکے سروں پر لمبے لمبے انگریزی بال تھے۔ ان نوجوانوں نے دعا کی درخواست کی تو حضرت جی نے بہت بشاشت کے ساتھ ان کو دعائیں دیں۔ اسی موقع پر ایک صاحب نے حضرت جی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر پر رکھوا لیا۔ پھر اسی جماعت کے ایک اور ساتھی آگے بڑھے اور کہا کہ میرے سر پر بھی ہاتھ رکھ دیجئے میں تو آپ سے بیعت بھی ہوں۔ یہ سن کر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ہاتھ پہنچ لیا اور فرمایا کہ جب تم یہ کہتے ہو کہ میں تمہارا پیر ہوں تو کیا مجھے یہ حق نہیں کہ میں تمہاری اصلاح کے لئے کچھ عرض کروں۔ پھر فرمایا کہ بال تو آپ کے انگریزی اور میں سر پر ہاتھ رکھوں تو پھر کس چیز میں برکت ہوگی۔ برکت تو سنت میں ہے ان صاحب نے اسی وقت آب دیدہ ہو کر جواب دیا کہ میں اب انگریزی بالوں کے بجائے سنت کے مطابق بال رکھوں گا۔ حضرت جی ان کے اس کہنے پر مسرور ہوئے اور دعائیں دیں۔ لے

(۴) الشرجل شانہ نے آپ کو حسن تدبیر کے ساتھ اصلاح کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کی بھی اصلاح فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا

لے روایت بھائی اقبال حفیظ بھوپال۔

لے روایت مولانا شبیر احمد جنگاؤں۔

واقعہ ہے کہ ایک خادم سے کوئی دوا منگوائی اور دوا کے لئے پیسے بھی مرحمت فرمائے ان صاحب نے دوا لاکر حضرت جی کی خدمت میں پیش کر دی، لیکن بچے ہوئے پیسے جو غالباً آٹھ یا بارہ آنے تھے کے متعلق کچھ نہیں بتلایا کہ وہ کیا ہوئے۔ حضرت جی نے بھی ان سے اس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔ چند روز بعد یہی دوا ان خادم سے دوبارہ منگوائی تو اتنے پیسے کم دیئے جو ان کی طرف بقایا تھے۔ اس خادم کو اس وقت احساس ہوا کہ مجھے ایسی غلطی نہیں کرنی چاہیئے تھی اور پہلی ہی مرتبہ میں مجھے حساب صاف بتلانا چاہئے تھا۔ لہ

(۵) میرے ایک نو مسلم دوست عبدالقادر صاحب ہیں۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ ان سے بہت محبت فرماتے تھے۔ انہوں نے ہاتھ میں رکھنے کی وہ تسبیح جو گھڑی کی طرح پڑھتے وقت کٹ کٹ کرتی رہتی ہے خریدی اور مجھ سے کہنے لگے اس کو ہاتھ میں رکھ کر تسبیح پڑھنا کیسا ہے؟ میں نے کہا بھائی حضرت جی سے معلوم کر لینا۔ چنانچہ انہوں نے پوچھا تو حضرت نے فرمایا ہاں بھائی کھیلنے کے لئے تو ٹھیک ہے۔ پس وہ بیچارے ڈر گئے اور جب ہی فروخت کر کے تسبیح متعارف لے کر پڑھنے لگے۔ لہ

(۶) ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ حضرت دعوت کی مشغولی میں بعض مرتبہ معمولات آگے پیچھے ہو جاتے ہیں۔ کیا کروں؟ حضرت اس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ بیٹھ گئے اور ذرا ہجہ بدل کر فرمایا کیوں بھائی فجر سے پہلے کیا کرتے ہو؟ پس میں ڈر گیا اور اس روز سے پیشتر معمولات فجر سے

لہ ماہنامہ النبویہ کراچی حضرت جی نمبر ۱۰۰

لہ روایت حافظ محمد یوسف صاحب ٹانڈہ چھپرولی

قبل ہی پورے کرنے شروع کر دیئے۔ اب الحمد للہ حضرت کی توجہ کی برکت سے میرے معمولات عموماً فجر سے قبل ہی پورے ہو جاتے ہیں۔ اللہم

لک الحمد ولک الشکر

(۷) — ایک مرتبہ میں جماعت میں کشمیر گیا وہاں میرے کسی ساتھی نے میرے لئے ایک گرم کشمیری طرز کا پانچجامہ بنوا دیا جس کا میں نے استعمال شروع کر دیا۔ واپسی پر میں مرکز آیا تو حضرت پارک میں عصر کے بعد ٹہل رہے تھے۔ میں نے چلتے چلتے مصافحہ کیا تو مصافحہ فرمایا لیکن بار بار میرے پانچجامے کو دیکھتے رہے۔ مجھے یہ بات کھل گئی کہ یہ حضرت کی ناراضگی کا سبب ہے۔ میں نے پانچجامہ دوسرا بدل لیا تو حضرت پر بشارت آگئی اور کچھ نہیں فرمایا۔ حضرت خود بھی سادہ رہتے تھے اور ساتھیوں کی بھی سادگی پسند تھی۔

(۸) ہاتھ میں لٹکانے کا کالے رنگ کا لمبا سا جھولا بھائی قاسم بیگ والے (مبئی) نے ایک مجھے بھی دیدیا میں اس کو ہر وقت ہاتھ میں رکھنے لگا۔ ایک مرتبہ ہماری جماعت روانہ ہو رہی تھی۔ حضرت جی دعا کے لئے ممبر پر تشریف فرما تھے۔ دعا کے بعد پہلا نمبر مصلحے کا میرا ہی تھا حضرت نے مصافحہ کو ہاتھ بڑھایا تو وہ جھولہ میرے ہاتھ میں الجھ گیا میں اسے نکالنے لگا تو حضرت نے فرمایا ہاں بھی جھولہ رکھا کرو تاکہ لوگ سمجھیں کہ بہت بڑے مبلغ ہیں۔ بس اس دن سے میں نے جھولہ ہاتھ میں رکھنا چھوڑ دیا۔

(۹) حضرت جی کے یہاں اصلاح و تربیت کا انداز بہت نرالا تھا۔ خدام کی ہر لائن سے تربیت فرماتے تھے۔ بمخلہ ان کے وعدہ کا پاس و لحاظ بہت تھا۔ اور جتنا وعدہ فرماتے اس کو پورا کرتے اس سلسلہ کے دو واقعے لکھتا ہوں۔

سترھواں باب

حیات مستعار کا آخری سفر

اور

ساختہ وفات

غالب وہ شخص تھا ہمہ داں، جس کے فیض سے
ہم سب ہزار، پچھمداں، نامور ہوئے
زہد و رعب، صدق و صفا اور حسن و عشق
چھ لفظ اس کے مرتے ہی بے پاؤں ہوئے

(از نواب مصطفیٰ خان سیفی بر وفات مرزا غالب)

حیات مستعار کا آخری سفر اور ساختہ وفات

حضرت مولانا کی دینی و دعوتی جدوجہد سے بھرپور حیات طیبہ کا آخری دینی و دعوتی سفر ۶ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ ۶ جون ۱۹۹۷ء میں کسیروہ ضلع مظفر نگر یوپی کا ہوا۔ ضعف و کمزوری کے ساتھ ساتھ ان ایام میں دل کی تکلیف اور سینہ کی چھین بھی کھڑے وقفہ کے ساتھ ہو رہی تھی، لیکن اپنے مزاج اور عادت کے مطابق اجتماع کے تمام معمولات بیان بیعت دعا و مصافحہ سب اسی اہتمام اور ذمہ داری کے ساتھ پورے فرمائے۔ اس اجتماع میں دغا رسے قبل حضرت مولانا نے جو بیان فرمایا وہ آخری اجتماع کا آخری بیان ہونے کے اعتبار سے تاریخ کے صفحات پر ایک نہ مٹنے والا یادگار نقش

انکم کر گیا ہے، اس لیے یہاں اس کا پورا متن پیش کیا جاتا ہے۔
خطبہ منسوخہ کے بعد ارشاد فرمایا:!

میرے عزیز و دوستو بزرگو! اللہ جل جلالہ و عم نوالہ کا کسی سے رشتہ نہیں ہے کسی سے نسب نہیں وہاں نہ کسی کی پوچھ ہے انسان اپنے عملوں کے ساتھ ہے انسان عمل کرتا ہے تو خدا کے یہاں اس کی پوچھ ہے خدا کے یہاں اس کا رتبہ ہے لیکن آج کا مسلمان جتنا عملوں سے دور ہے اتنا ہی خدا سے دور ہے آج ہم عملوں سے بیگانہ ہیں عملوں سے بہت دور ہیں اس لئے ہمیں کوشش کرنی ہے اس بات کی کہ ہم عمل کرنے والے بنیں اللہ کے قرب والے بنیں اللہ جل شانہ ہم سے راضی ہو جائے جتنا عمل کیا جاوے گا اتنا ہی خدائے پاک راضی ہوں گے اور عمل نہیں کیا جاوے گا تو خدائے پاک کا کوئی رشتہ نہیں ہے اس لئے میرے عزیز و دوستو ہمیں اس کی کوشش کرنی ہے کہ ہم عمل کرنے والے بنیں، ہم خدا کے قریب ہونے والے بنیں اللہ جل شانہ عم نوالہ ہمیں دین کی سمجھ عطا فرماویں عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور عملوں کا ہمارے اندر شوق پیدا فرماویں یہ ہر ایک کی اپنی اپنی محنت ہے اپنی اپنی کوشش ہے جو جتنی محنت کرے گا جتنی کوشش کرے گا اتنا خدا تعالیٰ کا قرب اس کو حاصل ہوگا خدا کے نزدیک ہوگا خدائے پاک کا لاڈ لا ہوگا اس لئے میرے عزیز و دوستو ہمیں عمل کرنے کی کوشش کرنی ہے ہمیں عمل کی عادت ڈالنی ہے عملوں کو اپنی زندگی میں لانا ہے ہم جہاں رہیں عمل کرنے والے بنیں اپنے کھیت میں اپنے پکار میں اپنے مکان میں اپنی دکان میں جہاں ہوں عمل کرنے والے بنیں۔
اللہ جل شانہ عم نوالہ ہمیں عمل کرنے کا شوق نصیب فرمائے آمین
عمل کرنے کا جذبہ ہمارے اندر پیدا فرماوے، یہ ہر ایک کی اپنی

کوشش ہے جو جتنی کوشش کرے گا جو جتنی محنت کرے گا اللہ جل شانہ
عم نوالہ اس سے راضی ہونگے۔

اس تقریر کے بعد حضرت مولانا نے بیعت سے متعلق کچھ ہدایات اور نصائح اور
بیعت کا مقصد بتلا کر مجمع عام میں بیعت فرمائی اور دعا و مصافحہ فرما کر جماعتیں روانہ
کیں اور کاندھلہ روانہ ہو گئے۔ وہاں

حضرت مولانا افتخار احسن صاحب زاد مجدہ کے مکان پر پہنچ کر کھانا کھا کر نماز ظہر کی
تیار فرمائی و حضور کے وقت احقر (راقم سطور) کو (جو پاس ہی کھڑا ہوا تھا) مخاطب
کر کے فرمایا کہ کل صبح یہیں سے سہارنپور چلے جانا گرمی بہت ہو رہی ہے بندہ نے
عرض کیا کہ اس طرح میرا یہ سفر ناقص ہو جائے گا۔ اگر رائے ہو تو دہلی پہنچ کر پھر
سہارنپور واپس ہو جاؤں، اس پر فرمایا کہ "یہ تو صحیح ہے لیکن گرمی بہت ہے، بعد
میں مولانا زبیر صاحب سے مشورہ کے بعد احقر نے اس ارشاد گرامی پر عمل کرنا
مناسب سمجھا۔

۸ محرم کی صبح حضرت مولانا دونوں گھروں میں ملاقات کرتے ہوئے باہر تشریف
لائے اور مسجد کے قریب کھڑے ہو کر مجمع سے سلام و مصافحہ کے بعد گاڑی میں سوار
ہو گئے اسی وقت احقر نے بھی (آخری) حضتی مصافحہ کیا۔ مصافحہ کے وقت خوب یاد
ہے کہ پھر یہ جملہ ارشاد فرمایا۔ "جلدی چلے جانا، دیر مت کرنا، چنانچہ احقر اسی
وقت سہارنپور کے لئے روانہ ہو کر ایک بجے دوپہر مکان پہنچ گیا، دہلی پہنچ کر حضرت
مولانا نے اپنی حیات مستعار کا بقیہ ڈیڑھ دن پورا فرما کر داعی اجل کو لبیک کہا۔

اس حادثہ کے بعد ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ اگر حضرت مولانا کی منشاء کے خلاف
احقر کی کاندھلہ سے دہلی روانگی ہو جاتی تو پھر اگلے دن دہلی و سہارنپور کے درمیان

آمدورفت اور مستورات کو سہارنپور سے دہلی پہنچانے میں بڑی دشواری اور دقت پیش آتی۔

علامت کا آغاز | حضرت مولانا کی علامت کا سلسلہ آخری سالوں میں کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا تھا۔ اختلاج قلب ذیابیطس کی شدت میں رفتہ رفتہ اضافہ ہوتا چلا گیا۔ جس نے ضعف و کمزوری میں نمایاں اضافہ کیا۔ کئی بار علاج کی غرض سے اسپتال میں بھی داخلہ لیا۔ مشہور معالج قلب ڈاکٹر خلیل اللہ صاحب اور آپ کے آخری دور کے خصوصی معالج ڈاکٹر محسن ولی برابر بہتر سے بہتر علاج و تدبیر میں مصروف رہتے لیکن صحت کی رفتار میں اتار چڑھاؤ چلتا رہتا تھا۔ وہ علامت جس میں حادثہ و قات پیش آیا وفات سے چند گھنٹے قبل شروع ہوئی۔

حضرت مولانا نے ۹ محرم ۹۷۰ (جون ۱۹۷۰) میں اپنی حیات کا آخری جمعہ ہمیشہ کے معمول کے مطابق بڑے اہتمام کے ساتھ ادا کیا اور نماز عشاء تک روزمرہ کے معمولات اور مشاغل برابر پورے فرمائے یہاں تک کہ نماز مغرب بعد کی اوابین بھی روزانہ کی طرح ادا کی۔ کھانا کھایا اور اس سے فراغت پر نماز عشاء ادا کی اور پھر کچھ دیر اپنی مسند پر تشریف فرما رہنے کے بعد جب آرام کے لیے لیٹے تو قلب میں تکلیف کا احساس ہوا جس نے تھوڑی ہی دیر میں نازک اور خطرناک شکل اختیار کر لی۔ بے چینی اتنی تھی کہ آپ بستر پر کبھی اٹھتے اور کبھی بیٹھتے تھے۔ اسی موقع پر قضاء حاجت کے لیے بیت الخلا جانا ہوا، وہاں سے واپسی پر دیکھنے والوں کو آنے والے خطرات کا احساس ہوا، تو فوراً مشہور معالج قلب ڈاکٹر خلیل اللہ صاحب کو فون کے ذریعہ اطلاع دی گئی اور وہ چند ہی منٹ میں حضرت مولانا کے کمرہ میں پہنچ گئے۔

ہسپتال روانگی | ڈاکٹر صاحب نے فوری طور پر کچھ دوائیں اور انجکشن دیے اور فوراً ہسپتال لے جانا ضروری بتلایا چنانچہ جناب حافظ کرامت اللہ صاحب اور جناب

سلامت اللہ صاحب اسی گاڑیاں لے کر آئے اور حضرت مولانا اسی وقت ہسپتال کے لیے روانہ ہو گئے۔ کار میں پھلی سیٹ پر آکسیجن کے ساتھ آپ کو لٹا دیا گیا۔ مولوی عبد اللہ جہانگیر گجراتی عزیز مولوی محمد صالح سلمہ آپ کے پاس بیٹھے۔ اگلی سیٹ پر ڈاکٹر خلیل اللہ صاحب تھے۔

گڑی ابھی تھوڑی ہی دور چلی تھی کہ حضرت مولانا کے سانس
آخری لمحات و وفات کی کیفیت بدلنے لگی۔ اسی لمحہ عزیز مولوی محمد صالح سلمہ نے جنکی
 گود میں حضرت مولانا کا سر تھا دریافت کیا کہ ابا کیسی طبیعت ہے اس پر فرمایا "اللہ کا شکر ہے" یہ آخری
 جملہ تھا جو آپ کی زبان مبارک سے ادا ہوا۔

اسی امید و بیم کے عالم میں تیز رفتاری کے ساتھ ہسپتال پہنچے اور تمام تر جدید سہولتوں
 طبی آلات اور قیمتی سے قیمتی دواؤں کے باوجود امر الہی غالب اور نافذ ہو کر رہا۔ اور حضرت مولانا
 عالم آخرت پر روانہ ہو گئے۔ صاحبزادہ مولانا زبیر الحسن صاحب اس موقع پر تحمل و وقار کا بہاڑ بنے
 ہوئے ہسپتال میں موجود تھے۔ وہ وفات کے بعد مرکز نظام الدین واپس آئے اور گھر کی مستورات
 کو اطلاع دے کر اور صاف دھلے ہوئے کپڑے (چادریں وغیرہ) لے کر دوبارہ ہسپتال پہنچ گئے
 تاکہ میت کو ڈھانپ کر ہسپتال سے واپس لائیں۔

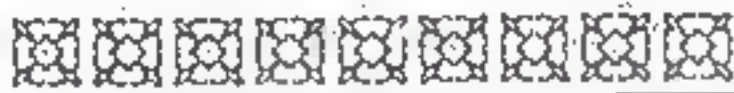
مرکز نظام الدین پہنچ کر تجیز و تکفین کی تیاری شروع کی گئی اور شب ہی میں غسل دیدیا گیا۔

— راقم الحروف جو اس موقع پر سہارنپور تھا شب میں گیارہ بجے ساتھ ارحمال کی اطلاع پر مع اہلیہ و اطفال
 و دیگر افراد خاندان دہلی کے لیے روانہ ہو گیا۔

اگلے روز بعد نماز فجر مرکز کے تمام ذمہ دار حضرات کا مشورہ ہوا جس
نماز جنازہ و تدفین میں نماز کے وقت کی تعیین اور مقام تدفین کی تعیین ہو کر اعلان
 ہوا کہ نماز جنازہ بعد نماز عصر ہالیوں کے مقبرہ سے متصل وسیع پارک میں ادا کی جائے گی اور
 حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے برابر میں تدفین ہوگی۔

نماز فجر کے بعد سے نماز عصر تک آخری دیدار کرنے والوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ
 چلتا رہا۔ ہندوستان و پاکستان کے ریڈیو ٹیلی ویژن وقفہ وقفہ سے انتقال کی خبر دے رہے تھے۔
 — جیسے جیسے شام ہو رہی تھی مجمع متواتر اور مسلسل بڑھ رہا تھا۔ دہلی، میوات، یوپی، راجستھان
 یہاں تک گجرات، بمبئی، ہزار اشتر، مدھیہ پردیش اور بہار وغیرہ تمام اطراف و جوارب سے
 مخلوق خدا ٹوٹ پڑی۔ عاشورہ محرم کی تعطیل کی وجہ سے غیر ممالک میں تمام سفارت خانے بند

تھے جو حکومت ہند کے حکم سے فوری طور پر کھولے گئے اور دہلی آنے کے لیے ویزے جاری ہوئے جس پر دو دراز مالک سعودی عرب، امارت عربیہ متحدہ، پاکستان، بنگلہ دیش، افریقہ برطانیہ وغیرہ سے مختلف ہوائی جہازوں اور چارٹر پلین کے ذریعہ خلق خدام مرکز نظام الدین پہنچ گئی۔ بعد نماز عصر جنازہ بڑی کوشش، جدوجہد اور دقتوں کے ساتھ پارک میں لے جایا گیا۔ مجمع کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ مرکز سے پارک تک پانچ منٹ کا راستہ ایک گھنٹہ میں طے ہوا۔ تمام انتظام فیل ہو چکا تھا اور انتظام کرنے والے بے بس ہو چکے تھے۔ فرط غم سے بے قابو ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہر آن اس میں ہزاروں افراد کے حساب سے اضافہ ہو رہا تھا۔ چنانچہ محتاط اندازہ کے مطابق نماز جنازہ میں شریک ہونے والوں کی تعداد چار لاکھ افراد کی تھی۔ نماز جنازہ آپ کے فرزند حضرت مولانا زبیر احسن صاحب نے پڑھائی۔ جنازہ جس پر لکڑی کی بڑی بڑی بلیاں باندھی گئیں تھیں۔ مرکز سے جاتے ہوئے تو ہزاروں ہزار افراد کے کاندھے پر لے جایا گیا لیکن واپسی میں پولیس کی بڑی گاڑی میں مرکز پہنچایا گیا اور مرکز کے اس گوشہ میں جہاں مولانا محمد اسماعیل صاحب، مولانا محمد الیاس، مولانا محمد یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ کی قبور ہیں۔ مغربی جانب مولانا یوسف صاحب کی قبر سے متصل اس مجسمہ دعوت و تبلیغ کو رحمت الہیہ کے آغوش میں رکے دیا گیا۔



حضرت مولانا کا قد دراز، رنگ گورا چٹا، جسم ہلکا پھلکا لیکن
 علیہ اور سراپا | مضبوط، چہرہ گول، ڈاڑھی بھر پور اور سفید، آنکھیں بڑی
 بڑی اور روشن تھیں پیشانی کشادہ اور ناک ادنیٰ تھی، دانت اور ہونٹ پان کے بکثرت
 استعمال سے قدرے سرخی مائل رہتے تھے۔

مولانا اکبر القاسمی آپ کے علیہ، حسن و جمال اور سراپا کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں:

حضرت جی مولانا انعام الحسن اپنے خد و خال اور شکل و صورت کے
 اعتبار سے دلکش تھے اور آپ کا انداز و ادائیں دل ربا تھیں۔ سپید
 و سرخ رنگت، متناسب اعضاء، گداز جسم، بڑی بڑی آنکھیں، کشادہ
 پیشانی، نرم و نازک ہونٹ، ستوان ناک، بڑے بڑے کان، قدرتی
 طور پر سر لگیں آنکھیں، گنجان اور ایک خاص سلیقہ کے ساتھ صاف ستھری
 ڈاڑھی، جوڑا چمکہ سینہ، ہاتھ لائے، رفتار سبک، آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کی رفتار کا نمونہ چلتے تو قدموں کی چاپ محسوس نہ ہوتی، اس
 حسین اور پرکشش قامت پر جب عمامہ باندھتے تو ایک فرشتہ الشاؤل
 کی دنیا میں چلتا پھرتا نظر آتا تھا۔ عام لباس سپید ہوتا اور سر پر
 دوپلی لٹپی ہوتی۔ مرض کے غلبہ کے باوجود خوبی اور رعنائی میں کوئی
 فرق نہیں آیا تھا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جب غسل دے کر کفن پہنایا
 گیا تو دونوں رخسار گلاب کے بھول نظر آ رہے تھے۔ لاکھوں الشاؤل
 نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور مغفور ہونے کی نشانی قرار دی
 حسن و جمال اور متوازن قامت پر نور علم اور نور ایمانی مستزاد تھا۔
 معصومیت دل نوازی اور دل ربانی ایک قدرتی اضافہ تھا۔ یہ حسن
 و کشش اس بلا کی موثر تھی کہ غیر مسلم دیکھ کر بے اختیار ہاتھ جوڑ لیتے
 اور کہتے کہ انسان تو بہت دیکھے مگر آج تک ایسا انسان نہیں دیکھا یہ

مولانا خالد ندوی (غازی پور) متعدد مرتبہ حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ آپ کے حلیہ اور سراپا کے متعلق اپنا تاثر اس طرح ظاہر کرتے ہیں!

حضرت جی مولانا محمد انعام احسن صاحب کی خدمت میں راقم سطور کو کئی بار حاضری کا موقع ملا چہرہ نوزانی اور آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔ کسی کے استفسار پر مختصر جملوں میں اس کا جواب دیتے چہرے پر ہمہ وقت مسکراہٹ کی قوس و قزح قائم رہتی۔ زیر لب حرکت سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہ ہوتا کہ ذکر کا اہتمام ہر وقت جاری ہے آخر میں بہت کمزور ہو گئے تھے لیکن بیدار مغزی اور تیقظ میں ذرا بھی فرق نہیں آیا تھا۔

عالم انسانیت کے حضرت جی | حضرت مولانا کے المناک سانحہ ارتحال پر فضا عالمی طور پر غم و حزن میں ڈوبی چلی گئی

جس نے بھی یہ خبر سنی دل تھام کر رہ گیا اور پھر دنیا بھر سے وفود، قافلے، افراد دیوانہ وار آخری دیدار اور نماز جنازہ میں شامل ہونے کی غرض سے مرکز نظام الدین کے لئے روانہ ہو گئے جو نہیں آ سکے انھوں نے خطوط، فیکس، تار اور تعزیتی پیغامات و تاثرات کے ذریعہ اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کرتے ہوئے حق تعزیت ادا کیا۔

جناب منصور آغا خلق خدا کی اس وارفتگی اور عشقِ ربی خودی کی اس حیرتناک کیفیت کو سچے دل کے ساتھ خدمتِ خلق کا نتیجہ و اثر بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں!

یہ واقعہ کسی معجزہ سے کم نہیں کہ جس شخص کا نام کبھی ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات کی سرچینوں میں نہ آتا ہو وہ جب اس دنیا سے رخصت ہوا تو لاکھوں افراد اس کے لئے اشکیا رہوں اور دنیا کے ہر خطے میں اس کی مغفرت کے لئے دعا رکھے ہوں۔ اور چند گھنٹوں

کے اندر اندر لاکھوں افراد اس کی میت میں شرکت کے لئے گھروں سے نکل پڑے ہوں کسی جبر اور لاپس میں نہیں بلکہ عقیدت اور احترام کے ساتھ سر جھکائے۔ اور غم میں ڈوبے ہوئے یہ خاصیت انسان میں اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ دنیاوی جاہ و حشم کے لاپس کو تیاگ کر سچے دل سے خدمتِ خلق کو اپنا شیوہ بنالے۔ لے

اس نسخہ آدمیت کے سانچہ ارتحال پر موصول ہونے والے تعزیتی پیغامات اور رسائل و جرائد کے تاثرات کا ایک منتخب حصہ (قدرے وسعت کے ساتھ) یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ ان پیغامات و تاثرات کے مطالعہ سے جہاں حضرت مولانا کی مقبولیت اور محبوبیت سے بھرپور ایک شبیہ اور تصویر ابھر کر سامنے آئے گی وہیں ان کے محامد و محاسن کے بہت سے پہلو بھی قارئین پر کھلیں گے۔ اس کے علاوہ ان کے زمانہ میں ہونے والے دعوتی کام پر ان کی تبریک و تہنیت اور عالمی سطح پر اسکے پھیلاؤ پر ممنونیت اور ان کی وفات سے پیدا ہونے والے غلا پر عمومی فکر و تشویش کا بھی بخوبی اندازہ ہوگا۔

سوانح کے قارئین یہ تمام تعزیت نامے تین عنوانات کے تحت ملاحظہ کریں۔

علماء و مشائخ اور اصحابِ سلم کے تعزیت نامے

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی ذاعی اول حضرت مولانا محمد محمد الیاس کے خاص معتمد علیہ اور تربیت یافتہ تھے وہ جب امیر منتخب ہوئے تو ان کے زمانہ امارت اور قیادت میں تحریک نے بڑی وسعت

لے روزنامہ قومی آواز دہلی۔ ۲۷۔ حضرت مرزا مظہر جان جانا نے اپنے دور کے ایک صاحبِ دل بزرگ کے بارے میں اپنے مکاتیب میں یہی جملہ استعمال فرمایا ہے اور پھر ان کی وفات پر لکھا ہے کہ مرزا دوزخ آدمیت بخاک بردند (دنیا سے چلے گئے اور آدمیت خاک میں مل گئی)

و کامیابی حاصل کی۔ اور وہ دور دراز ملکوں میں پھیلی اور اس نے اپنے اثرات دکھائے۔ اس میں مولانا انعام الحسن صاحب کی استقامت، روح محافظت اور اس جذبہ کو بہت دخل تھا کہ یہ دعوت اپنے اصل راستہ اور ابتداء کار کے معمول بہ نظام اور حدود سے تجاوز نہ کرنے پائے اس لئے انہوں نے انہیں حدود دائرہ کار میں رکھا جو ابتداء میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے مقرر کر رکھے تھے۔

مولانا کے جنازہ پر معتقدین اور مجاہدین کارکنان تبلیغ اہل شہر قرب و جوار بلکہ دور دراز کے شہروں (جن میں بمبئی، کلکتہ وغیرہ بھی شامل ہیں) کے مخلصین، معتقدین، کارکنان تبلیغ کا ایسا ازدحام ہوا جو برسوں سے نہ صرف دہلی بلکہ ہندوستان کی سرزمین پر بھی نہیں دیکھا گیا۔ معلوم ہوا کہ ممالک غیر سے بھی لوگ جہازوں پر بلکہ چارٹرڈ پلین کر کے آئے۔ لوگ ان کی لاکھوں کی تعداد بتاتے ہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی زاد مجدد

تعمیر حیات لکھنؤ جولائی ۱۹۹۵ء

دعوت و تبلیغ کی اس تیر رفتار گاڑی کو مولانا محمد یوسف صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نے سنبھالا۔ اور اپنی استقامت و قوت ارادی سے (جو انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت ہوئی تھی) اس رفتار کو مزید تیز کر دیا۔ اور اس جماعت کا میدان عمل پوری دنیا کو بنا دیا۔ فاضل اللہ حضرت مولانا انعام الحسن بہت محمل بردبار اور ذہین و فطین شخص تھے۔ پیشرو حضرات کی روایات سنا کرتے تھے بلکہ ان کو کام کرتے دیکھا تھا۔ لہذا کام کو تیز کر لیا لیکن اصولوں میں سب کو انحراف نہ آنے دیا۔ (مولانا عبدالرشید رشیدی اکیسان ماہنامہ البنوریہ ۱۱۶)

حضرت مولانا انعام الحسن دجمال کے پیکر زیبا شرافت کی تصویر علم و کمال کا مرقع اور دین و دانش کے تمثال تھے۔ آپ کو مختلف بزرگان امت کی توجہات اور نسبتیں میسر تھیں۔ آپ کی زندگی کا خاص جوہر یہ تھا کہ بھی اس نسبت کی شعائیں، کبھی اس انتساب کی گرمی، درس میں بیٹھتے تو تحقیقات کا انبار آپ کے جلو میں ہوتا، زبان کھولتے تو موتیوں کی بارش ہوتی تھی۔ مہمان نواز بذلہ سنج اور علمی انسان تھے۔ آپ جلوت میں ہوتے یا جلوت میں، درس میں ہوتے یا درس سے باہر، لیکن معرفت خداوندی کی طغیانی آپ کے اندر ہر وقت تموج پذیر رہتی تھی پختہ علم اور ثاقب فہم کے مالک تھے۔ دراصل اکابر نے آپ کی ایسی تربیت کی کہ افق علم کے سیارہ بن گئے۔

(مولانا محمد اکبر القاسمی میوات - مختصر تذکرہ و سوانح ص ۱)

مولانا محمد انعام الحسن صاحب کے دور میں کام کے استقبال میں اضافہ ہوا۔ فتوحات کا دروازہ کھلا۔ خود حضرت مولانا کے بقول کہ اب تبلیغ گولر سے گولر پر آگئی تھی۔ ایسے میں مولانا کو دو محاذوں پر کام کرنا پڑا۔ کام کی ضرورت فتن سے حفاظت کی اسکیمیں بنانا، کھرے کھوٹے کو کھنگالنا اور کام جس پہنچ پر ہے اسے لمحہ بہ لمحہ فروغ و ترقی دینا کہ ہر دن کا کام ۲۱ گھنٹے ۱۹ گھنٹے ہو اور یہ بات دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی کہ الحمد للہ مولانا دونوں محاذوں پر کامیاب رہے۔ عیاں راجہ بیاں، (مولانا احترام الحسن کاندھلوی - ماہنامہ حسن اخلاق دہلی ستمبر ۱۹۵۷ء)

موصوف کامزاج ابتداء ہی سے دینی و اصلاحی تھا جسے بانی جماعت حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے فیض صحبت و تربیت نے اور پھر

حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے حسن رفاقت نے مزید جلا بخشی اور یہ زر خالص مکمل کنڈن بن گیا۔ مولانا مرحوم کی کتاب زندگی میں چونکہ قول و عمل میں پوری یکسانیت تھی اور آپ کا قلب ایمان و اخلاص کی دلت سے سرشار تھا۔ اس لئے آپ کی باتوں نصیحتوں اور دعاؤں میں غضب کی تاثیر ہوا کرتی تھی۔ ”از دل خیزد بر دل ریزد“ والا معاملہ تھا جس نے بھی آپ کو قریب سے دیکھا آپ کی تقریریں سنیں یا آپ کی دعاؤں کی مجلس میں شریک رہا وہ اس کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ کی زبان فیض ترجمان کی بے پناہ تاثیر نے لاکھوں کو پگھلا کر ایمان و یقین اور خوف خدا و فکر آخرت سے معمور کر دیا۔

(مولانا حبیب الرحمن عمری۔ اعظمی۔ حسن اخلاق دہلی)

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہ کے بعد یہ سوز و گداز، یہ متاع درد دل، یہ دین کا فکر اور اس کے لئے تڑپ، اضطراب بے قراری حضرت مولانا انعام احسن صاحب کے حصہ میں آئی۔ جو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے رفیق خاص اور ان کے ہر کام، ہر سفر، ہر درد، ہر خوشی، ہر غم اور ہر راحت میں شریک و ہمیم تھے۔ حضرت مولانا انعام احسن صاحب نے اس کام کو خوب سنبھالا اور اپنے پیش روؤں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس کام کو خوب آگے بڑھایا اور تمام لوگوں کو جوڑتے ہوئے انھیں اپنے ساتھ ملاتے ہوئے انتہائی خوش اسلوبی سے کام کرتے رہے جس کی بدولت یہ کام دنیا کے ہر خطہ میں پہونچا۔

(مولانا مفتی محمد نعیم صاحب پاکستان۔ البنوریہ کراچی)

حضرت جی کے زمانہ امارت میں انھوں نے کمال میں حیرت انگیز ترقی ہوئی
دنیا کے چپہ چپہ میں جماعتیں روانہ ہوئیں جس میں آپ کی پُر خلوص محبت
و در عار کا بہت بڑا حصہ ہے۔ مولانا محمد یوسف صاحب کی وفات کے
بعد آپ نے کوئی الگ امتیازی رنگ پیدا کرنے کے بجائے اپنے اسلاف
کے قدیم طرز پر برقرار رہتے ہوئے اسی پنج پر محنت کو جاری رکھا۔
اپنے تیس سالہ دور امارت میں دنیا بھر کے مختلف الالوان، مختلف
اللسان کارکنوں میں یکجہتی و اتفاق رکھنا آپ کا عظیم کارنامہ ہے۔
(مولانا مرغوب احمد لاہوری گجرات - ریاض الجنہ جوہنور ط ۱)

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب ان اولوالعزم تاریخی شخصیات میں
تھے۔ جن پر امت کو ہمیشہ ناز رہے گا۔ اپنے مربی و مرشد حضرت مولانا محمد
الیاس کے تبلیغی مشن کو جس بہتر انداز میں انہوں نے چلایا اور جس طرح
اس کا حق ادا کیا پوری دنیا کا تبلیغی کام اس کا شاہد ہے تواضع و اخلاص
اور عزم و ہمت اور تبلیغ دین کی لگن وہ خصوصی صفات تھیں۔ جو حضرت
مولانا انعام الحسن کو چین لینے نہیں دیتی تھی۔ حضرت مولانا انعام الحسن
کا اس مشن سے تعلق کا اندازہ اس سے کیا جاتا ہے کہ دنیا کے کسی بھی گوشے
سے کوئی شخص بھی ملاقات کے لئے آتا تو آپ پہلا سوال اس سے یہی
کرتے کہ اس ملک یا شہر میں دین کی تبلیغ کرنے والوں کی محنت کے ثمرات
کہاں تک بار آور ہو رہے ہیں۔

(شیخ المشائخ مولانا خواجہ خان محمد صاحب مرکزی ایمجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان)

آج کروڑوں انسان ہر وقت حضرت مولانا انعام الحسن کی محنت کی
برکت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی تقلید پر فخر محسوس کرتے

ہیں۔ امریکہ یورپ اور بلاد ضلالت میں مسلمانوں کے نہ صرف ایمان محفوظ ہو گئے بلکہ وہ انسانی اعمال کا ایک مکمل نمونہ پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ (حضرت سید نفیس شاہ الحسینی پاکستان۔ البنوریہ ص ۲۶)

آپ نے بغرض تبلیغ دنیا کے بیشتر ممالک کا سفر کیا۔ تبلیغ کو پوری دنیا میں پھیلانے کے لئے آپ بہت زیادہ فکر مند رہتے تھے، پوری دنیا کی تبلیغی جماعتوں کے کام پر آپ کی نگاہ تھی، آپ کی صلاحیت کے سارے لوگ قائل تھے، اور دنیا بھر میں اتنے بڑے پیمانہ پر ہونے والے تبلیغی کام کو بحسن و خوبی انجام دینا اس کی زندہ مثال ہے۔ آپ کی نرم طبیعت، اخلاق حسنة اور معاملہ فہمی کی وجہ سے تبلیغ کو جو فروغ ملا وہ محتاج بیان نہیں۔ (مولانا سمیع احمد شمس۔ ماہنامہ شفا جون ۱۹۹۵ء)

مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ۳۳ سالہ امارت کا زمانہ کام کی وسعت یکسوئی اور وقار کا حامل ہے اس میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی بصیرت و تحمل، انہماک اور اصولوں کی پابندی پھر مولانا کا علمی وزن اور دینی مقام اور زمانہ کے حالات سے واقفیت کو بڑا دخل رہا ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے جو لوگ بھی ملنے آتے ان کے اعلیٰ صفات اور گہرے داعیانہ انداز سے متاثر ہوتے۔ جماعت کے کام سے انتہائی قرب، بانی جماعت کی تربیت اور امیر ثانی سے ہر وقت کی رفاقت کی وجہ سے کام کے نشیب و فراز سے بھرپور واقفیت آپ کو حاصل تھی۔ یہ دونوں خصوصیات ان کے امیر منتخب ہونے کے بعد ان کی شخصیت کی وقت اور صلاحیت عمل کی اہم بنیادیں بنیں۔

(مولانا سید محمد رابع حسینی لکھنوی۔ تعمیر حیات ستمبر ۱۹۹۵ء)

آپ کے اندر علم و عمل، اخلاص و لہیت، دنیا سے بے رغبتی، دین کی رغبت، قیام اللیل، صوم النہار تمام صفات دیکھ کر آپ کو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کا جانشین ٹھہرایا گیا۔ جیسے ہی یہ جلتی ہوئی مشعل مولانا انعام الحسن کے پاس آئی اس تیزئی سے اس نے روشنی دینا شروع کی کہ تمام عالم روشنی سے منور ہونے لگا۔ آج تک ایمان و یقین اخلاص و عمل کا یہ کارواں حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کی قیادت میں رواں دواں تھا کہ کسے معلوم تھا کہ یہ چمکتا ہوا ہیرا کسی دن ہمیں داغ مفارقت دیدے گا۔ مولانا انعام الحسن کو اللہ نے عشق و محبت سوز و گداز کے لطیف جذبات سے بہت نوازا تھا گویا آپ کا خمیر ہی عشق و محبت سے گوندھا گیا تھا۔ آپ کی تقریریں نہ تو خطیبانہ جاہ و جلال تھانہ واعظانہ کمال لیکن دلوں پر اثر انداز اس طرح ہوتی کہ پتھر دل کو موم بنا کر رکھ دیتی تھی۔

(جناب قرار احمد عباسی پاکستان۔ البیوریہ ص ۲۶)

یہ حضرت جی کی برکت اور آپ کی متفق علیہ شخصیت تھی کہ آپ سب کو جوڑ کر اور سب کو اپنے ساتھ ملا کر انتہائی حسن و خوبی سے سب کو لے کر چلتے رہے۔ اور کام کو آگے بڑھاتے رہے۔ آپ کی وفات کی جب ایک بڑے عالم دین نے خبر سنی تو فوراً ان کے منہ سے نکلا ۱۰ نا اللہ وانا الیہ راجعون اللہ حضرت جی کی مغفرت فرمائے۔ اور آئندہ خیر کا معاملہ فرمائے کیونکہ حضرت جی نے بہت سے فتنوں کو دبایا ہوا تھا۔

(مولانا مفتی خالد محمود پاکستان۔ البیوریہ ص ۲۷)

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب اگرچہ کم گو اور خود نمائی سے محترز تھے

لیکن وہ تبلیغ کی حکمت اور اس کی محنت کے طریق و آداب اور اس تمام تحریک کے تشیب و فراز کے عینی شاہد اور ماہر تھے۔

جوہری کا فنی کمال بھی ہیرہ کار بہین منت ہوتا ہے۔ اس کے تراشنے کے لئے بھی ہیرا ہونا ضروری ہے۔ سنگریزے پر ہنر و کمال کوئی رنگ نہیں دکھاسکتا۔

لہذا اس ہیرے کو ہشت پہلو نگینہ بنانے میں اپنے وقت کے عظیم جوہر لول نے اپنے فن کو تمام کر دیا کہ ان کا ہنر اور کمال اس ہیرے کے ایک ایک پہلو سے منعکس ہوتا نظر آتا تھا۔

(مولانا محمد فاروق قریشی۔ پاکستان۔ البنوریہ ص ۱۴۲)

حضرت مولانا محمد انعام الحسن کے دور امارت میں نہ صرف یہ کہ کام میں کوئی فرق نہیں آیا۔ بلکہ ہر اعتبار سے اس میں اضافہ ہوا۔ امریکہ اور برطانیہ میں اتنے بڑے بڑے اجتماعات ہوئے جن کا اس سے قبل پاک و ہند میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ایک ایسی جماعت جس کے کارکن مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھیلے ہوئے ہوں۔ اسے متحد اور فعال رکھنا بجائے خود بہت بڑی کرامت ہے۔ علاوہ انہیں دنیا بھر میں چلنے والی جماعتوں کی کارکردگی، ان کے مسائل اور مشکلات و ضروریات سے باخبر رہنا ایسا عظیم المثال کام ہے جس کی کوئی مثال کم از کم دور حاضر میں پیش نہیں کی جاسکتی۔

(مولانا محمد اسلم شیخ پوری۔ البنوریہ ص ۱۴۱)

مولانا انعام الحسن صاحب کے دور امارت میں تبلیغی کام میں زبردست پھیلاؤ ہوا۔ ہندو پاک کے علاوہ دنیا کے دور دراز ممالک میں بڑے بڑے

اجتماعات ہوئے جس سے لاکھوں انسانوں کے قلوب متاثر ہوئے اور کلمہ و نماز سے جڑ گئے۔ حضرت جی شعلہ بیاں خطیب تھے نہ خوش گلو و اعظان کی ایک الگ زبان تھی۔ وہ ایک منفرد طرز ادا کے موجد تھے۔ تقریری لہجہ بڑا انوکھا اور دل پذیر تھا۔ جس میں حد درجہ حلاوت اور جاذبیت تھی۔ مجمع عام میں بیان ہو یا خواص کے حلقہ میں دغا کر رہے ہوں یا روانگی کی ہدایات دے رہے ہوں ایک ایک لفظ واضح اور صاف ہوتا تھا جو سامعین کے دلوں میں اتر جاتا تھا۔

(مولانا عبدالعظیم ندوی۔ ریاض الجنۃ جوہر جولائی ۱۹۹۵ء)

حضرت مولانا انعام احسن نور اللہ مرقدہ امیر تبلیغ کا حادثہ وصال پوری ملت اسلامیہ کے لئے اندوہناک ہے۔ حضرت جی رواں صدی کی سب سے بڑی اصلاحی تحریک کے کامیاب اور موثر سربراہ تھے۔ جامعہ رحمانی اور خانقاہ رحمانی سے حضرت جی کا گہرا لگاؤ تھا۔ بھاگل پور کے تبلیغی اجتماع کے بعد حضرت امیر شریعت نور اللہ مرقدہ کی دعوت پر اپنے رفقاء کے ساتھ خانقاہ رحمانی تشریف لائے اور یہاں کے علمی و دینی ماحول سے بہت مسرور ہوئے اور دعائیں دیں۔ اور خلافت معمول اپنی گراں قدر رائے تحریر فرمائی۔

(مولانا محمد ولی رحمانی سجادہ نشین خانقاہ رحمانی مونگیر بہار)

دعوت کا کام شخصیات پر موقوف نہیں شخصیت کی رخصتی کا وقت تو اس کام کو تیز کرنے کے لئے زیادہ سودمند ہوتا ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو مولانا محمد یوسفؒ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کے مشورہ سے تعزیت میں آنے والوں کو یہ ہدایت کی کہ حضرت مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لئے جماعتوں میں جائیں ہزاروں افراد نے تعزیتی

سہ روزہ دین لازہ چلے اور چار ماہ بلکہ ایک سال کا وقت لگایا۔ حضرت مولانا محمد یوسف نور اللہ مرقدہ رخصت ہوئے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے حکم دیا کہ مولانا محمد یوسف نے ساری زندگی جس کام میں صرف کردی اس کے ایصالِ ثواب کے لئے اس کام میں وقت لگایا جائے چنانچہ ہزاروں جماعتوں نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ایصالِ ثواب کے لئے وقت لگایا۔ آج حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ رخصت ہو رہے ہیں ان کی زندگی بھی اسی دعوت کے کام میں صرف ہوئی اسلئے ذمہ دار حضرات نے مشورہ کیا عوام اور خواص کو ترغیب دی۔ بستی نظام الدین سے جماعتوں کی تشکیل شروع ہوئی رائے ونڈ میں ایصالِ ثواب کے لئے جماعتیں تشکیل پائیں دنیا بھر کے ذمہ دار حضرات نے ایصالِ ثواب کی جماعتیں روانہ کیں کہ جتنی رقم اور جتنا وقت بستی نظام الدین آکر تعزیت میں صرف ہوتا ہے اس رقم اور وقت کو دعوت کے کام میں لگا دو اور اس کا ثواب حضرت جی کو پہنچا دو اس طرح اب تک ہزاروں جماعتیں تشکیل پا چکی ہیں جو ایصالِ ثواب کی نیت سے دنیا کے مختلف حصوں میں گشت کر رہی ہیں۔

(مولانا مفتی محمد جمیل خان - پاکستان)

حضرت جی نور اللہ مرقدہ کی شخصیت کیا تھی وہ دنیا جانتی ہے آپ رشد و ہدایت کا مینارہ نور تھے خیر امت کا بجا طور پر مصداق تھے۔ خدا کے بندوں کو خدا سے جوڑنے میں صحابہ کا نمونہ تھے آپ امیر المومنین تھے اور اس ذمہ داری کو پوری مستعدی اور عزیمت کے ساتھ آخری سانس تک نبھاتے رہے آپ دعوت الی اللہ کے مزاج اور اس کی نزاکتوں سے خوب واقف تھے۔ آپ کا اقوامِ عالم کے بچے اٹھ جانا ایک ناقابلِ تلافی

نقصان ہے۔ پس الشریاک ہی کام کی اور کام کرنے والوں کی پوری
پوری حفاظت فرماتے۔

(مولانا محمد انوار عالم ناظم دارالعلوم بہادر گنج ضلع کشن گنج بہار)

دینی جزائر، ماہنامے اور اخبارات
کی طرف سے اظہار عقیدت اور تعزیت

حضرت جی مرحوم موجودہ دور میں
تبلیغ جماعت کے بانی حضرت
مولانا محمد الیاس دوسرے
حضرت مولانا محمد یوسف صاحب

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا اور اس سلسلہ کے تمام اکابر و مشائخ کی خصوصیات
دعوت و ارشاد کے امین تھے ان کی مساعی ان کی دعاؤں اور ان کے مجالس
میں اکابر سلف کی تاثیر گہرائی و درد دل و ولولہ تبلیغ حکمت و مصلحت دوزنی
فکرامت اور موعظت کا داعیانہ اور حکیمانہ رنگ غالب رہتا تھا اپنے اخلاص
تقویٰ للہیت پاکدامنی اور فکرامت اور حکمت دعوت و تبلیغ کی وجہ سے
وہ نہ صرف برصغیر میں بلکہ پورے عالم میں اہل علم
و دین کامرجع بن چکے تھے تبلیغی حضرات اور علماء و صلحاء ان کے مجالس
اصلاح و محبت سے مستفید ہوتے رہتے تبلیغی کام نے ان کے دور میں
خصوصی ترقی کی۔

(ماہنامہ الحق۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پاکستان)

تبلیغی جماعت کے امیر حضرت مولانا انعام الحسن کی وفات کی خبر آنا فانا
دنیا بھر کے تبلیغی مراکز میں پہنچ گئی اور دنیا کے کونے کونے میں دعوت و تبلیغ
کے عمل سے وابستہ لاکھوں مسلمان رنج و غم کی تصویر بن گئے آپکی امارت میں
دعوت تبلیغ کے عمل کو عالمی سطح پر جو وسعت اور ہمہ گیری حاصل ہوئی وہ
ان کے خلوص و محنت کی علامت ہے۔

ان کے خلوص و تقویٰ اور لہجہ کی سادگی اس قدر پرکشش تھی کہ عام
لوگ ان کی گفتگو سننے کے لیے کھینچے چلتے آتے تھے اور دین دار مسلمان
ان کی زیارت اور ان کے ساتھ دعا میں شرکت کو اپنے لئے باعث سعادت

سمجھتے تھے۔ عالمی تبلیغی اجتماع رائے ونڈ میں حضرت جی کی نصیحتیں سننے اور ان کے ساتھ دعار میں شریک ہونے کے لئے عام مسلمانوں کے ساتھ ساتھ بڑے علماء اور اہل اللہ بھی موجود ہوتے تھے اور دعار میں ان کے سادہ جملوں پر لاکھوں آنکھیں پر نم ہو جاتی تھیں۔ رائے ونڈ کے عالمی تبلیغی اجتماع کو یہ وسعت اور قبول عام بھی انہی کے دور میں حاصل ہوا کہ اسے حج بیت اللہ اور حرمین شریفین میں آخری عشرہ رمضان المبارک کی حاضری کے بعد عالم اسلام کا سب سے بڑا سالانہ اجتماع شمار کیا جاتا ہے اور اس میں دنیا کے ہر خطہ اور براعظم سے تعلق رکھنے والے مسلمان شریک ہوتے ہیں۔ اور اپنے ذاتی خرچہ پر دین پر عمل کی دعوت دینے کے جذبہ کے ساتھ قریہ قریہ، بستی بستی گھومتے ہیں۔

آج حضرت جی اپنے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے لاکھوں (بلکہ کروڑوں) بھی کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہو عقیدت مندوں کو داغ مفارقت دے کر اپنے خالق و مالک کے پاس جا چکے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازیں۔ آمین یا رب العالمین۔
(ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ پاکستان)۔

۱۰ محرم الحرام عاشورہ کا دن اسلامی تاریخ کے بڑے بڑے واقعات سمیٹے ہوئے ہے جنت کے نوجوانوں کے سردار حضرت حسینؑ کی شہادت کا یہ دن گردش کرتا ہوا ۱۲۱۶ھ میں آیا تو دلی کی بستی نظام الدین میں بنگلہ والی مسجد کا تبلیغی مرکز اشکبار آنکھوں کا مرکز بن گیا تبلیغی جماعت کے تیسرے امیر مولانا انعام الحسن صاحب جن کو عقیدت و محبت سے حضرت جی پکارا جاتا تھا رات تقریباً ڈیڑھ بجے عارضہ قلب میں وفات پا گئے۔
إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ مولانا مرحوم کم گو سنجیدہ مزاج اور متواضع طبیعت

کے تھے، ان کے انتقال سے ملت اسلامیہ ایک شخصیت سے محروم ہو گئی۔
(ماہنامہ دارالسلام بالیر کوٹلہ پنجاب)

مولانا کی امارت میں تبلیغی کام کو اللہ تعالیٰ نے بہت ہی ترقی عطا فرمائی اور ان کی امارت میں تبلیغ اور دعوت کے عمل کو پوری دنیا میں جو وسعت ہمہ گیری اور پذیرائی ملی وہ ان کے خلوص اور محنت کی عکاسی کرتی ہے ان کے لہجہ میں اس قدر چاشنی اور کشش تھی کہ دنیا کے دور دراز علاقوں سے لوگ ان کی گفتگو سننے آتے تھے اور ان کی دعائیں شامل ہونا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے۔ (ماہنامہ الاشرف پشاور پاکستان)

آپ نے تبلیغ دین کی ذمہ داری جس محنت و جذبہ اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دی وہ اہل دنیا پر عیاں ہے۔ آپ نے تبلیغی اجتماعات کے سلسلہ میں ہندوپاک کے ایک ایک خطے کا دورہ فرمایا دنیا کے تمام ممالک میں اہم مقامات پر دینی اجتماعات سے خطاب فرمایا وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کی آزادی کے بعد ان علاقوں میں تبلیغی مراکز قائم کئے۔ مولانا مرحوم کی زندگی تبلیغ دین سے عبارت تھی آپ کی بار آور کوششوں سے لاکھوں افراد نے اپنی زندگیوں کو اسلامی سانچے میں ڈھالا۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور ان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔
(ماہنامہ الجہاد۔ جامعہ حمادیہ۔ کراچی)

دعوت و تبلیغ کے پیش رو سربراہوں کی طرح حضرت مولانا انعام الحسن قدس سرہ کی زندگی میں بھی تین باتیں واضح طور پر نظر آتی ہیں۔ ایک دعوت

کی فکر و تڑپ دوسرے مالک حقیقی پر بھروسہ اور اس کی قدرت کاملہ پر یقین
تیسرے معارف و حقائق کا ادراک۔ مالک حقیقی کے وعدوں اور اس کی
غیر معمولی مدد پر ان کو ایسا بھروسہ تھا کہ جیسے وہ اپنی آنکھوں سے خود دیکھ
رہے ہوں۔ (جناب عارف عزیز۔ روزنامہ ندیم بھوپال)

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں کام وسیع سے وسیع تر ہوا ملک کے طول و عرض
میں اس کا پھیلاؤ ہوا، مشرق و مغرب میں اس کی شاخیں پھیلیں۔ کام کی نگرانی
کارکنان کی تربیت۔ حالات سے آگہی۔ مسائل کا اندازہ اور ان کا ازالہ،
اجتماعات کا انعقاد اور ان کی سرپرستی، اس کے لئے دور دراز علاقوں کے
پر مشقت اسفار وغیرہ وغیرہ ایسے امور ہیں کہ ان کا تصور بھی بارہ ہوتا ہے
لیکن اللہ پاک جس سے جو کام لینا چاہتے ہیں اس کو اس کی صلاحیت بھی
عطا فرمادیتے ہیں۔ مولانا ان تمام ذمہ داریوں کو اپنی ناسازی صحت اور
پیرانہ سالی کے باوجود اخیر دم تک انجام دیتے رہے۔ فجزا لا اللہ عنا
وعن سائر المسلمین احسن الجزاء۔

(اداریہ ماہنامہ اشرف العلوم حیدرآباد جولائی ۱۹۹۵ء)

مولانا انعام الحسن صاحب اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اور
ہر شخص کا اس کی استعداد اور صلاحیت کے مطابق استعمال کرتا بخوبی جانتے
تھے۔ مزاج میں انکساری اور تواضع۔ دوسرے کی بات کو توجہ سے سنتا
اور صلاحیت نرمی اور حکمت سے معاملہ کو سمجھتا، ان کی ایسی خصوصیات تھیں
جن کی وجہ سے ان کے دور امارت میں تبلیغی کام نے بے پناہ فروغ حاصل
کیا۔ یہ دور اس تحریک کی ستر سالہ زندگی میں نصف کے قریب ہے۔
تبلیغی کام کے سلسلہ میں مولانا انعام الحسن صاحب نے دور دراز

ممالک کے بے شمار سفر کئے۔ اور دنیا بھر کے لوگ مرکز جماعت میں آتے اور ان سے ملتے۔ پوری دنیا کے حال اور ماحول پر ان کی نظر تھتی۔ اور حکومتوں کی اعلیٰ ترین سطحوں تک ان کے لئے عقیدت و احترام کے جذبات موجود تھے۔ (جناب منصور آغا۔ روزنامہ قومی آواز دہلی)

حضرت مولانا الیاس صاحب نے ظلمتوں میں ایک دیا جلایا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے اس کی کو کو بڑھایا۔ اور حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے تیس سالہ عہد میں اس نے آفتاب عالم تاب کی طرح عالم کے عالم کو روشن کر دیا۔ (جناب امین الدین شجاع الدین۔ ماہنامہ بانگ درالکھنؤ)

اس عالمگیر تحریک کی قیادت کے لئے جو علمی و عملی اوصاف و کمالات ناگزیر تھے وہ مولانا انعام صاحب میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ اسی لئے وہ تیس سال تک اس ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے ایک زمانہ میں کہا جاتا تھا کہ ”جماعت کا دل اگر مولانا یوسفؒ ہیں تو دماغ مولانا انعام الحسن صاحب ہیں“ مگر بعد کے حالات نے ثابت کیا کہ ان کے دل میں بھی درد و سوز و تڑپ اور بے چینی کی وہی لہریں موجزن تھیں جو میرت یوسفی کا طغرائے امتیاز تھیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی امارت کے زمانہ میں جماعت کو اس کی خصوصیات و روایات پر قائم رکھتے ہوئے اسے اس عالمی مقام پر پہنچا دیا جو تحریک کے بانی اور ان کے خلف الصدق کے تصور و خیال میں رہا ہوگا۔ وہ مولانا یوسفؒ کے ہم زلف تو پہلے ہی سے تھے مگر تحریک کو وسعت و ترقی دیکر ان کے ہم سر بھی ہو گئے۔

(اداریہ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ جولائی ۱۹۵۷ء)

TUESDAY JUNE 13, 1995

پاکستان کے کٹر و ناسمجھ
ABC
CLIFIED
بلاک تصدیق شدہ شائع

ABC
CLARIFIED

THE NEW YORK PUBLIC LIBRARY

برای

 $\sqrt{2}$

2

1945-1946

1672

مولانا انعام الحسن کی اسلام کی خدمت پر اموش تمہیں کی جاسکتی ہے

مدری زندگی تلفیق میں کر لیں کہ سوالنامہ اس قدر ہی صحت مند ہو۔ صحت مند انسان آئندہ اور اگر کامیاب ہو تو

کون لیا (جس) سعادت ماری پاکستان کے بانیہ سربراہان
ہیں کہ اس نے پہلی جماعت کے مرکزی سربراہان خاتم الحکم
کی حکمت کو کف الیہ اور عالم اسلام کی غیر معمولی شہادت قرار
دیا۔ انھوں نے پہلے کو یہ کہہ کر اعلان کر کے کہ ایک قومی
جہاد ہے تاکہ وہ ختم ہو جائے۔ اسی ماری زندگی و حیات کی پہلی
جس کو اس نے اس وقت کی وہ مثالی شخصیات انجام دی ہیں جنہیں
اس کی راہوں میں کر کے کہ۔ وہ یہ فائدہ جماعت شانے اسلام کے
سیکرٹری صمد علی علیہ السلام اور اے ماری انھیں اس کے
انکار پر کہے انھیں اس انکار کو کہہ کر ماری اسلام اے اسی
پہلی زندگی و حیات کی پہلی ایک کر کے کہی جی۔ انھیں نے ان
کے بعد اس کو پہلی خیر ان کو لیا۔ ہندو جنہیں خیر اسلام
قومی انکار مشعل ہوا اس سے بہت شانے اسلام کی راہ لیا
کے کر لیا انھیں اس وقت کے ختم جہاد کو جنہیں اس کی
ہو گیا کہ ماری جہاد کے صورت پر اس راہ لیا۔ اس سے سعادت
انہیں اور ان کے خلاف کیا۔ قومی کو جنہیں نے تاکہ ماری
انھیں اس کے وقت پہلی ماری کو کہہ کر اس راہ لیا کہ اس کے
کو کہہ کر اس کو جنہیں لیا۔ ان کے انکار سے وہ خیر اسلام اے

[illegible]

پس جہاں کوئی کھڑی ہو کر کہے کہ

انتقالِ رات ایک بجکر ۲۰ منٹ پر بستی نظام الدین دہلی میں ہوا۔ نماز جنازہ ہالوں کے مقبرے میں پڑھائی گئی، ۵ لاکھ افراد شریک ہوئے

مولانا فضل الرحمن مولانا عبد الکريم خواجہ صاحب محمد مولانا يوسف لدہ شہيدانوی اور دہلیا بھر کے علمائے کرام کی جانب سے دعوت کا اظہار

مولانا انعام الحسن کا سارے ارتحالِ مستطیلہ کیلئے ناقابلِ مٹلا فی نقصان ہے

مرحوم نے پہلی جنگی تبلیغ دین اور مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کرنے میں صرف کر دی مختلف جمہانوں کی اجازت

۱۳ محرم ۱۲۲۰ جون
روزنامہ جنگ کراچی

(روزنامہ جنگ کراچی ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰ جون، ۱ جولائی، ۲ جولائی، ۳ جولائی، ۴ جولائی، ۵ جولائی، ۶ جولائی، ۷ جولائی، ۸ جولائی، ۹ جولائی، ۱۰ جولائی، ۱۱ جولائی، ۱۲ جولائی، ۱۳ جولائی، ۱۴ جولائی، ۱۵ جولائی، ۱۶ جولائی، ۱۷ جولائی، ۱۸ جولائی، ۱۹ جولائی، ۲۰ جولائی، ۲۱ جولائی، ۲۲ جولائی، ۲۳ جولائی، ۲۴ جولائی، ۲۵ جولائی، ۲۶ جولائی، ۲۷ جولائی، ۲۸ جولائی، ۲۹ جولائی، ۳۰ جولائی، ۳۱ جولائی، ۱ اگست، ۲ اگست، ۳ اگست، ۴ اگست، ۵ اگست، ۶ اگست، ۷ اگست، ۸ اگست، ۹ اگست، ۱۰ اگست، ۱۱ اگست، ۱۲ اگست، ۱۳ اگست، ۱۴ اگست، ۱۵ اگست، ۱۶ اگست، ۱۷ اگست، ۱۸ اگست، ۱۹ اگست، ۲۰ اگست، ۲۱ اگست، ۲۲ اگست، ۲۳ اگست، ۲۴ اگست، ۲۵ اگست، ۲۶ اگست، ۲۷ اگست، ۲۸ اگست، ۲۹ اگست، ۳۰ اگست، ۳۱ اگست، ۱ ستمبر، ۲ ستمبر، ۳ ستمبر، ۴ ستمبر، ۵ ستمبر، ۶ ستمبر، ۷ ستمبر، ۸ ستمبر، ۹ ستمبر، ۱۰ ستمبر، ۱۱ ستمبر، ۱۲ ستمبر، ۱۳ ستمبر، ۱۴ ستمبر، ۱۵ ستمبر، ۱۶ ستمبر، ۱۷ ستمبر، ۱۸ ستمبر، ۱۹ ستمبر، ۲۰ ستمبر، ۲۱ ستمبر، ۲۲ ستمبر، ۲۳ ستمبر، ۲۴ ستمبر، ۲۵ ستمبر، ۲۶ ستمبر، ۲۷ ستمبر، ۲۸ ستمبر، ۲۹ ستمبر، ۳۰ ستمبر، ۳۱ ستمبر، ۱ اکتوبر، ۲ اکتوبر، ۳ اکتوبر، ۴ اکتوبر، ۵ اکتوبر، ۶ اکتوبر، ۷ اکتوبر، ۸ اکتوبر، ۹ اکتوبر، ۱۰ اکتوبر، ۱۱ اکتوبر، ۱۲ اکتوبر، ۱۳ اکتوبر، ۱۴ اکتوبر، ۱۵ اکتوبر، ۱۶ اکتوبر، ۱۷ اکتوبر، ۱۸ اکتوبر، ۱۹ اکتوبر، ۲۰ اکتوبر، ۲۱ اکتوبر، ۲۲ اکتوبر، ۲۳ اکتوبر، ۲۴ اکتوبر، ۲۵ اکتوبر، ۲۶ اکتوبر، ۲۷ اکتوبر، ۲۸ اکتوبر، ۲۹ اکتوبر، ۳۰ اکتوبر، ۳۱ اکتوبر، ۱ نومبر، ۲ نومبر، ۳ نومبر، ۴ نومبر، ۵ نومبر، ۶ نومبر، ۷ نومبر، ۸ نومبر، ۹ نومبر، ۱۰ نومبر، ۱۱ نومبر، ۱۲ نومبر، ۱۳ نومبر، ۱۴ نومبر، ۱۵ نومبر، ۱۶ نومبر، ۱۷ نومبر، ۱۸ نومبر، ۱۹ نومبر، ۲۰ نومبر، ۲۱ نومبر، ۲۲ نومبر، ۲۳ نومبر، ۲۴ نومبر، ۲۵ نومبر، ۲۶ نومبر، ۲۷ نومبر، ۲۸ نومبر، ۲۹ نومبر، ۳۰ نومبر، ۳۱ نومبر، ۱ دسمبر، ۲ دسمبر، ۳ دسمبر، ۴ دسمبر، ۵ دسمبر، ۶ دسمبر، ۷ دسمبر، ۸ دسمبر، ۹ دسمبر، ۱۰ دسمبر، ۱۱ دسمبر، ۱۲ دسمبر، ۱۳ دسمبر، ۱۴ دسمبر، ۱۵ دسمبر، ۱۶ دسمبر، ۱۷ دسمبر، ۱۸ دسمبر، ۱۹ دسمبر، ۲۰ دسمبر، ۲۱ دسمبر، ۲۲ دسمبر، ۲۳ دسمبر، ۲۴ دسمبر، ۲۵ دسمبر، ۲۶ دسمبر، ۲۷ دسمبر، ۲۸ دسمبر، ۲۹ دسمبر، ۳۰ دسمبر، ۳۱ دسمبر)

روزنامہ جنگ لاہور
{ ۱۳ محرم ۱۴۲۰ء }

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب مرحوم کی حیثیت جماعت تبلیغ کی بنیادی اینٹ کی تھی وہ اس اصلاحی مشن کے لئے اس طرح اپنے کو وقف کر چکے تھے کہ انہوں نے پیچھے پلٹ کر کبھی نہیں دیکھا۔ وہ ایک متبحر عالم بہترین مدیر اور سلیقہ مند منتظم تھے اور جماعت تبلیغ کے تیسرے امیر عام کی حیثیت سے انہوں نے جماعت اور اس کے کام کو کافی وسعت عطا کی۔

وہ مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت کے سربراہ تھے جس کے بارے میں یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانان عالم کی سب سے بڑی جماعت یا سب سے بڑا اصلاحی مشن ہے۔ (اداریہ ماہنامہ البدر کاکوری۔ اگست ۱۹۹۵ء)

اتنی طویل مدت تک ایک ایسی عالمگیر دعوت و دینی جدوجہد کی قیادت کرنا۔ اور مسجد کے ایک حجرہ میں بیٹھ کر پوری دنیا کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی ایک ایسی تحریک کا نظام چلانا جو تنظیم کے تمام مروجہ طریقوں سے بالکل بے نیاز ہو۔ کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ اس کے لئے کتنی بصیرت کتنی یکسوئی کتنے عزم و استقلال اور فہم و فراست اور حلم و تدبیر کی کتنی وافر مقدار درکار رہی ہوگی۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو قریب سے دیکھنے والے بلا خوف تردید گواہی دے سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ اوصاف بڑی فیاضی سے عطا فرمائے تھے۔ ان کے دور میں تبلیغی کام دنیا کے چپے چپے تک پہنچ گیا۔ اجتماعات میں شریک ہونے والوں کی تعداد لاکھوں میں گنی جانے لگی۔ روزانہ جماعتوں میں نکلنے والوں کی تعداد کا اوسط ہزاروں تک پہنچ گیا۔ انہوں نے اپنے دور میں جتنی توجہ کام کو بڑھانے اور نئے لوگوں تک دعوت کو پہنچانے پر مرکوز کی، اتنی ہی کارکنوں کی تربیت کی طرف بھی دی۔ اس کے لئے

بار بار ملکوں اور صوبوں کے کارکنوں کو مرکز نظام الدین بلا بلا کر۔ اور ان صوبوں اور ملکوں میں کارکنوں کے خصوصی اجتماعات کر کے جتنی مسلسل اور زبردست کوشش انہوں نے کی۔ اس کا اندازہ آپ ان کی یا ان کے رفقاء کی ڈائری دیکھ کر کر سکتے ہیں۔

(مولانا خلیل الرحمن سجاد ندوی۔ الفرقان لکھنؤ۔ جون ۱۹۹۵ء)

اس عظیم تحریک کی سربراہی پر فائز ہو کر حضرت مولانا انعام الحسن صاحب تحریک کے لئے واقعی اللہ تعالیٰ کا عظیم انعام ثابت ہوئے۔ جنہوں نے اپنے ساتھی اور جگہری دوست حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کے مشن کی تکمیل اور درد دل کی تسکین کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا اور رفتہ رفتہ تبلیغی تحریک سے وابستہ لوگوں کے دلوں کی دھڑکن بن گئے۔ آپ جس جگہ جاتے ہزار ہا ہزار لوگ آپ کی زیارت کے لئے اٹھ پڑتے تبلیغی اجتماعات میں حضرت جی کی شرکت اجتماع کی زبردست کامیابی کی ضمانت ہوتی۔ مزید برآں پورے عالم میں تبلیغی نقل و حرکت پر آپ کی گہری نظر رہتی اور تبلیغ کا کوئی بھی اہم فیصلہ حضرت جی کے مشورہ کے بغیر انجام نہ پاتا تھا۔

(مولانا محمد سلمان منصور پوری۔ ندائے شاہی مراد آباد جولائی ۱۹۹۵ء)

۳۲ سالوں میں آپ نے جماعت کے دائرہ کار کو اتنا وسیع کر دیا کہ دنیا کا کوئی بڑا اور قابل ذکر ملک ایسا نہیں بچا جہاں جماعت کی سرگرمیاں نہ پائی جاتی ہوں۔ اب ہر جگہ دین کے کچھ ایسے دیوانے پیدا ہو گئے کہ آج ان کی زندگی کا واحد مشن دین کی خدمت اور اسلام کی سربلندی ہے۔ یہ مولانا انعام الحسن صاحب کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ (مولانا اسیر ادروی۔ ترجمان اسلام بنارس جولائی ۱۹۹۵ء)

دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے سوچنا۔ ان کے لئے دعائیں کرنا۔ ان کی فکر میں کڑھنا۔ ان کے غم کو اپنا غم سمجھنا آپ کی زندگی کا مقصد بن چکا تھا۔ ان کی وفات سے امت مسلمہ اور عالم اسلام ان کی دل سوز دعاؤں اور شفقتوں سے محروم ہو گئے۔

تبلیغی جماعت کی جو شخصیتیں اپنی تواضع و للہیت، علم و فضل، دعوت و تبلیغ، جہد و عمل و ورع و تقویٰ میں قرون اولیٰ کی یاد تازہ کرتی تھیں۔ آپ ان میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔

(اداریہ ماہنامہ النجر، پاکستان)

حضرت مولانا انعام الحسن ایک ایسے آفتاب عالم تاب تھے کہ انہوں نے ساری کائنات کو نور ہدایت سے روشن کر دیا۔ انہوں نے ۳۱ سال تک تبلیغی جماعت کے امیر کی حیثیت سے کام کیا اگرچہ تبلیغی جماعت کا پورا حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لگایا تھا اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنے خون جگر سے سینچا تھا لیکن اس پودے کو شجر سایہ دار اور ثمر آور بنانے کی سعادت اللہ نے حضرت مولانا انعام الحسن کی قسمت میں لکھی تھی۔

حضرت مولانا انعام الحسن نے تادم واپسین خود کو دین کے کام کیلئے وقف کئے رکھا۔ اس مدت میں انہوں نے نہ صرف تبلیغی جماعت کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں معروف کرایا بلکہ اس کے ذریعہ کفر و الحاد، لادینی اور جہالت کے گھٹا لوپ اندھیروں میں ہدایت و دین داری کی روشنی کے مینارے قائم کر دیئے۔ بھارت، سب سے باہر امریکہ، برطانیہ، سعودی عرب، جنوبی افریقہ، سنگاپور، آسٹریلیا، انڈونیشیا، فلپینا، تھائی لینڈ

بنگلہ دیش اور پاکستان وغیرہ دنیا کے ہر ملک میں انہوں نے تبلیغ کی شمعیں روشن کیں۔ مذہب سے بیزار لوگوں کو مسجدوں میں لا کر کھڑا ہی نہیں کیا بلکہ انھیں دوسروں کو مسجدوں میں لانے والا بنا دیا۔ جہاں جہاں بھی پہنچے خاموش انقلاب برپا کر دیا۔

(ہفت روزہ نئی دنیا دہلی۔ ۳ جولائی ۱۹۹۵ء)

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی عمر نے زیادہ وفا نہیں کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے انھیں جلدی ہی دنیا سے اٹھا لیا۔ مگر یہ کام رکا نہیں۔ ان کے بعد مولانا انعام الحسن ان کے جانشین ہوئے۔ یہ ابتدا سے مولانا محمد یوسف صاحب کے علمی و دعوتی کاموں میں ان کے شریک کار رہے۔ انھوں نے اس کام کو مزید وسعت دی اور اپنی پیرائے سال کے باوجود اس کے لئے لمبے لمبے سفر کرتے رہے مولانا ایک ذی استعداد اور صاحب تقویٰ عالم تھے۔ ان حضرات نے دعوت و تبلیغ کے کام کے علاوہ دنیا کے کسی اعزاز کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا اور نہ جدید تہذیب کی چکاچوند سے وہ کبھی متاثر ہوئے اور نہ قلب یورپ و امریکہ میں اس نبوی شاہراہ سے ذرہ بھر ہٹے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ لاکھوں آدمی پوری یکسوئی اور سمجھ و طاعت کے ساتھ اس شاہراہ نبوت پر چل رہے ہیں۔ مولانا انعام الحسن صاحب کا حادثہ وفات پوری ملت کا حادثہ وفات ہے۔

(ماہنامہ الرشاد اعظم گڑھ جولائی ۱۹۹۵ء)

ساری دنیا میں اسلام کا پیغام پہنچانے والے اور اس راہ میں اپنی پوری زندگی لگا دینے والے جلیل القدر عالم شیخ وقت امیر جماعت تبلیغ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب اپنے رب سے جاملے۔ یہ اندوہناک واقعہ پوری امت

کے لئے شدید صدمہ کا باعث ہوا ہے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب قدس سرہ کے بعد امارت کا منصب نبھالا اور تبلیغی کام کو دنیا کے ہر ملک میں پہونچا دیا ان کی امارت کے دور میں تبلیغی کام میں جو وسعت ہوئی اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ انہوں نے دنیا کے بیشتر ممالک کے سفر کئے اور اس راہ میں اپنی بیماریوں کی بھی پرواہ نہیں کی ان میں دین کا پیغام گھر گھر پہونچانے کی ایک لگن تھی ان کو ہر تکلیف برداشت تھی مگر اس کام میں سستی اور آرام پسند نہیں تھا ان کی شخصیت تبلیغی حلقہ اور غیر تبلیغی حلقہ دونوں جگہ محبت اور احترام کے جذبات کی حامل تھی۔ علماء و مشائخ سب ان کی خدمت میں حاضری دیتے اور دینی اور ملی امور میں ان سے مشورہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔

ماہنامہ رضوان لکھنؤ۔ جولائی ۱۹۹۵ء

بین الاقوامی شہرت یافتہ عالم دین حضرت مولانا انعام الحسن صاحب تبلیغی جماعت کے ۱۹۶۴ء سے امیر تھے۔ یہ تبلیغی جماعت ایک دیرینہ تنظیم ہے اور آپ اس تنظیم سے اپنے عہد شباب میں وابستہ ہو گئے تھے۔ آپ کی تدفین میں ہزار ہا ملکی و غیر ملکی فرزند ان توحید نے شرکت۔ ادارہ وقف گزٹ عالم اسلام کی اس عظیم شخصیت کے انتقال پر اظہار افسوس کرتا ہے۔
(وقف گزٹ پنجاب مئی جون ۱۹۹۵ء)

مشہور عالم دین تبلیغی تحریک کے روح رواں انسانیت اور بھائی چارہ اور صرف اللہ کے راستے پر چلنے کی ہدایت دینے والے حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی کی وفات حسرت آیات کی خبر جیسے ہی موصول ہوئی، بھوپال میں

صف ماتم۔ بھگتی تمام کاروبار اور شہری سرگرمیاں حد درجہ متاثر ہوئیں
حضرت مولانا کے اچانک انتقال پر کل عبید اللہ خان گولڈر کپ ہاکی ٹورنامنٹ
کے میچ بھی ملتوی کر دیئے گئے۔

آپ کے سفر آخرت میں شرکت کے لئے بھوپال سے سینکڑوں حضرات دہلی
کے لئے روانہ ہو گئے شہر کی مساجد اور گھروں میں آپ کے لئے ختم قرآن اور
فاتحہ خوانی کی گئی پرانے شہر کے بازار بند کر دیئے گئے تھے خاص طور پر مسلم
اکثریتی علاقوں میں تو چائے پان اور ہوٹل وغیرہ پوری طرح بند تھے۔

آج درج ذیل اداروں تحریکوں اور تنظیموں نے تعزیتی اجلاس
کیے اور حضرت مرحوم کے لئے دعا و مغفرت کرتے ہوئے ایصال ثواب کیا۔

- دارالتصنیف والترجمہ بھوپال۔
- جامعہ اسلامیہ عربیہ مسجد ترجمہ والی بھوپال۔
- دارالعلوم جامعہ حسینیہ خیر العلوم نور محل روڈ بھوپال۔
- مسلم ایجوکیشن اینڈ کیریئر پروموشن سوسائٹی بھوپال۔
- بھارتیہ جنتا پارٹی اقلیتی سیل بھوپال۔
- انجمن صوفیہ بھوپال۔
- مدھیہ پردیش کانگریس آئی اقلیتی سیل بھوپال۔

(روزنامہ ندیم بھوپال ۱۲ جون ۱۹۹۵ء)



درمیان میں سمیت متحدہ دق میں اور دین، رشتہ دار کا اظہار رنج و غم

(روزنامہ قومی آواز دہلی)

مولانا محمد انعام الحسن کا انتقال
مولانا محمد انعام الحسن کا انتقال
مولانا محمد انعام الحسن کا انتقال
مولانا محمد انعام الحسن کا انتقال
مولانا محمد انعام الحسن کا انتقال
مولانا محمد انعام الحسن کا انتقال
مولانا محمد انعام الحسن کا انتقال
مولانا محمد انعام الحسن کا انتقال
مولانا محمد انعام الحسن کا انتقال
مولانا محمد انعام الحسن کا انتقال

بیرونی ممالک کے اصحاب دعوت اور
اہل شوریٰ کے تعزیتی خطوط اور فیکس

حضرت جی نور اللہ مرقدہ
قدس سرہ اللہ کی ایک
نعمت تھے امت کے جوڑ
کا سبب تھے سلف صالحین

کا نمونہ تھے۔ اور تقویٰ و زہد میں اپنی مثال آپ تھے۔ حضرت جی نور اللہ
مرقدہ نے دنیا سے کوئی مال و اسباب نہیں سمیٹا اگر چاہتے تو دنیا کے ہر ملک
میں ان کے چاہنے والے کئی کئی محل کھڑے کر دیتے۔ اگر ایک حکم دیتے تو لاکھوں
فرزندان توحید اپنی جانیں بچھا کر دیتے۔ اپنے بلند مراتب کبھی کسی پر ظاہر
نہیں ہوتے دیئے اور خاموش رہ کر اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ جس
طرح عرب و عجم، افریقہ و امریکہ، ایشیا و یورپ حضرت جی نور اللہ مرقدہ کے
مداح و مرید تھے ایسی مثال اس صدی میں تو کیا پچھلی صدیوں میں بھی شاذ
ہے۔ (جناب احفاظ احمد۔ امریکہ)

مکرمی و محترمی حضرت مولانا زبیر صاحب مدظلکم العالی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل رات تقریباً بارہ بجے سانحہ عظیم کی خبر پہنچی اور رنج و غم کی لہر
دوڑ گئی جو بھی سنتا اس پر سکتہ کی سی کیفیت طاری ہو جاتی اور آبدیدہ
ہو جاتا ہمارے پاس تعزیت کے لئے الفاظ نہیں ہیں اللہ پاک جناب
والا کو اور جمیع لواحقین کو اور پوری امت کو صبر اور اجر عطا فرمائے اور
حضرت جیؒ نے پوری زندگی جس مقصد کے لئے لگادی اس مقصد پر ہر
امتی کو لگا دے۔ آمین۔ جو بھی سنتا ہے افسوس کر رہا ہے اور تعزیت کا
پیغام دے رہا ہے۔

(فیکس منجانب محمد یونس دہلوی عبدالسلام دہلوی محمد عبدالصمد اور دیگر اصحاب جدہ)

رات جنوبی افریقہ کے احباب نے ایک دل سوز خبر دی کہ حضرت جی اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ آپ صرف جماعت کے لئے نہیں بلکہ سارے عالم کے لئے رحمت تھے گویا کہ سارے عالم سے روح نکل گئی۔ موت العالم موت العالم کا مصداق حضرت جی نور اللہ مرقدہ بدرجہ اتم تھے ساری دنیا کی فکر ان کے دل میں موج زن تھی آپ کی رحلت سے جو خلا پیدا ہوا ہے ہماری دعا رہے کہ اللہ جل شانہ اپنی رحمت اور کرم سے اس خلا کو پُر کر دے اور ہم سب کو حضرت جی نور اللہ مرقدہ کی دین کے لئے تڑپ اور قربانی کا کچھ حصہ نصیب فرمائے اور ہم سب کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین۔

(فیکس اہل شوری موریشس ۹۵-۶-۱۰)

مسلمانانِ فیجی کو حضرت مولانا انعام الحسن امیر تبلیغی جماعت کی پر ملال خبر سے دلی رنج اور صدمہ ہوا۔ حضرت جی کی ہدایت اور قیادت کے زیر سایہ تبلیغی جماعت کی مساعی سے ہم فیجی والوں کو بے پناہ منافع ہوئے ہیں۔ اللہ پاک مرحوم کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور اس نقصانِ عظیم کے صدمے کو برداشت کرنے کی ہمت اور قوت عطا فرمائے اور اس کارِ خیر کو جاری رکھے جسے حضرت مولانا نے انتہائی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

(فیکس مسٹر عبدالرؤف قومی صدر رابطہ مسلمی فیجی)

آج صبح حضرت جی کی وصال کی خبر سے بہت صدمہ ہوا اللہ تعالیٰ حضرت والا کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے مدینہ منورہ کے احباب تعزیت کے لئے ڈاکٹر خواجہ صاحب کے مکان پر جمع ہوئے اور بات ہوئی

تشکیلیں نقد اور ادھار ہوئیں سنا بھتیوں نے رورو کر دعائیں کیں۔ مولوی
اقبال احمد اور خواص بلگامی بھی اس مجلس میں شریک تھے انہوں نے نیت کی
کہ حضرت جی کے وصال پر نقد چلہ لگا کر گھر جائیں گے۔
(فیکس مولانا عثمان بھاگل و دیگر اصحاب شوریٰ مدینہ منورہ)

آج بروز شنبہ بعد العصر متعدد مساجد کے احباب اور اہل شوریٰ اکٹھے ہوئے
بھائی عبد الحمید بھوپالی نے پرورد لہجے میں بات فرمائی اور جس راستہ میں
حضرت جی قدس سرہ العزیز نے جان جان آفریں کے سپرد کی تادم آخر اس
میں لگے رہنے کا اور جان لگانے کا عزم و ارادہ کیا سو فیصد تشکیل وجود
میں آئی اور مغرب سے کچھ دیر پہلے بھائی محمد ذکی صاحب کی دعا کے
ساتھ اس تعزیتی مجلس کا اختتام ہوا۔

(فیکس مولانا عبد المنان و دیگر اہل شوریٰ مدینہ منورہ علی صاحبہا الوفی الصلوٰۃ والسلام)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الکویت ۱۳ محرم ۱۴۱۶ھ

۱۱ جون ۱۹۹۵ء

الی المشائخ الکرام فی مسجد بنگلہ نظام الدین اولیاء دہلی، الہند
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خبر عن علینا مستمعہ
خبر تستاء له المسامح
خبر یهد الرواسی
واثر فی فتوبنا موقعہ
وترتج منه الاضالع
ویقلق الحجب القاسی

کاوت له القلوب تطیر والعقول تطیش والنفوس
تطیح قد کاد من الحزن ان تنقیظ اللسان عن هذا

النعي الفادح وتخرس وتقصير الايدي عن التعزية
 بهذا الرزء الفادح وتليس وانا لله وانا اليه راجعون .
 اللهم اجرننا في مصيبتنا واخلف علينا خيرا منها .
 والسلام

نكس — الاعياب في مسجد صبحان في الكويت عنهم راشد الحقان

عكس مكتوب فضيلة الشيخ عبد القادر البوغدة

في عيشة الفناء البوغدة

الشيخ عبد القادر البوغدة

الزمان في ١٤ / ١ / ١٤١٦

الى الاخوة الافاضل والدعاة الشامائل خلفاء العالمين والسادة المتقين
 عظمهم الله تعالى اجمعين وبارك لنا في اعمارهم في القائلين :
 مولانا الشيخ زبير الحسن مولانا اخيار الحسن مولانا طهمة علي شيخنا الفضيل
 محمدي كرام الله تعالى وسائر مشايخنا واهلنا من حماة التبليغ رفح الله قدسهم
 واعظم لهم اجرهم . بالمصائب الجليل والحق المنون دعواستقال شيخنا المملوكة
 الجليل والدائمة الايس القليل مولانا انعام الحسن ايسر جماعته التبليغ والى جوار الله
 فانا ودينه واحبائه اكرمه الله برضوانه العظيم وجبر مصائب المسلمين
 بفقدته ، وجعل من اخوانه وحبيبه خير خلف لخير سلف ، والهم
 اخوانه ومحبيه وعارفه فضله الصبر والاحتساب عند الله تعالى .
 وانا يا شيخنا لمراقك المحزونين ، اكرمك الله بمفقد الصمد عند
 مع المنة والرسيد وعبادة المتقين ، وانا لله وانا اليه راجعون .
 رفته

المدي الشيخ عبد القادر البوغدة
 رسمه ابنه سلمان البوغدة

تونس في ١٤ . ١٤١٦

الى مشايخنا الكرام

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته .

أصابه لقد بلغنا نبأ وفاة مولانا عبد انعام الحسن رحمة الله تعالى
 عليه
 نتقدم اليكم بتعازينا ببالح الأسى والحسرة . راجين
 من الله أن يتخذه برحمته الواسعة
 عظم الله اجركم نانا لله وانا اليه راجعون

بقلم
 البشيرين الابيض

حلقة القصر
 بتونس

(نكس) اجاب تونس

بسم الله الرحمن الرحيم

سعادة الأخ الفاضل ميرزا الشيخ زبير أنصاري الهند

سلام عليكم ورحمة الله وبركاته - وبعد :-

تلقيت ببالغ الأسى والحزن بآ وفاة والد

الشيخ / أنصاري إلى أن تقدم الله بواسط

رحمته واستكنه فجع جناحه ومعل منزله

مع الأبرار الصالحين إنه سميع خبير المآثرات

أعز الله المعالي القدير أسر بكم وكافة

العائلة الكريمة العصر والسيلوان

وإنا لله وإنا إليه راجعون

صبركم تجاه
عبد العزيز بوغري
أهول نسوي بوغري
ماجد عالم

آل البوقص

بسم الله الرحمن الرحيم

مولانا الشيخ الذبير صفاح الله

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

" إنا لله وإنا إليه راجعون "

لقد حولت وفاة الإ بالله لعل

العليين . عظم الله أجزاكم و

جزا الله عنا فقير الأمة الشيخ محمد

أنصاري المسم غير النبذ ونشداً آذي

الذمانه ورضع الأمة وبلغ عن رسول

عليه السلام عليه وعلى آله وصحبه وسلم

وجاهد في الله حمد جهلنة ورسالة الله

آية يديكم بركاته ورضه إبه شاء الله على

(فكس) عبد القادر حسن كابل أفغانستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم
رسالہ تعزیتی

ای شایعنا الشفاضل و عاتلہ المرحوم الشیخ الفاضل
لإنعام الحسن

السید علیکم رحمۃ اللہ وبن کاہتا :-

(لقد لم یغتر بالشیء والخزن قلوبنا لما بلغنا
بناً و حاة الشیخ الفاضل لإنعام الحسن . وانا لا ذ نعزی
انفسنا ونبذلکم من نفس الوقت تعازینا بأن اللہ عزوجل
أن یلهمنا جمیعاً ویلهم ذوی المرحوم الصبر والسلوان وأن یتخذ
القیل برحمۃ و یسکنه منیح مقامه . وانا لله وانا الیہ راجعون .
کما أن اللہ عزوجل أن یمارث فیکم ویلهمکم الراعی السید
رأه علی ذریع قریب . وحسبنا اللہ ونفعنا لولیل)

محمد زکیہ
محمد زکیہ
محمد زکیہ

۱۲/۱۰/۱۴۱۶ھ
۱۱/۱۰/۱۹۹۵ھ

جنوبی افریقہ کے مسلمان اس سانحہ پر انتہائی ہلول غمگین اور کبیدہ خاطر ہیں اور حضرت مرحوم کیلئے
دست بدعا ہیں خداوند قدوس حضرت مرحوم کو امت مسلمہ اور اسلام کی خاطر انھوں نے تکلیف مشقت
اٹھا کر ناموافق اور انتہائی خطرناک اور مایوس کن حالات اور پریشان کن حالات میں جو خدمت کی
اس کو شرف قبولیت عطا فرما کر ان کے رفیع درجات کا ذریعہ بنائے آئین یارب العالمین حضرت
مرحوم لے جس عظیم مقصد کی خاطر قربانی کی . اللہ رب العزت امت مسلمہ کو حضرت مرحوم کے مشن کی قدر و
قیمت کو سمجھنے کی اور کام میں زیادہ سے زیادہ جڑنے کی توفیق نصیب فرماوے آئین ۔

(فیکس آمدہ جنوبی افریقہ : از مولانا عبدالحق عمر جی)

بسم الله الرحمن الرحيم

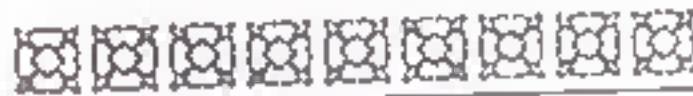
والصلوة والسلام على سيدنا محمد وآله وصحبه إلى يوم الدين أما بعد
إلى مشائخنا وعلمائنا الأجلاد.

تلقينا ببالغ الحزن والأسى نبأ وفاة فضيلة الشيخ انعام الحسن رحمه الله
واسكنه فسيح جنانه.

وعلى أثر هذا المصائب الجل فنتلقاه اليكم يتعازينا الخالصة لكم
والذوي الفقيد راجين من الله سبحانه وتعالى أن يتغمده برحمته الواسعة
ويسكنه فسيح جنانه ويلهم ذوي الصبر والسكون.

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

(فيكس احباب الجزائر)



اٹھارواں باب

کمالات و خصوصیات اخلاق و صفات معمولات و عادات

من اگر والہ و مدہوش شوم مغدوم
کہ در آئینہ عجب حسن و جمالے دیدم

کمالات ————— خصوصیات

اخلاق ————— صفات

معمولات ————— عادات

جن ہستیوں کو اللہ جل شانہ مدارج عالیہ سے نواز کر اپنا قرب خاص عطا فرماتے ہیں ان کے روحانی کمالات اور ارتقائی کیفیات کا صحیح و یقینی علم بھی صرف اسی ذات پاک کو ہوتا ہے جس نے ان کو یہ مدارج و مقامات عطا فرمائے۔ کیونکہ ظاہر کو دیکھنے والے نگاہیں نہ وہاں تک پہنچ پاتی ہیں اور نہ ہی ان حقائق کا ادراک کر سکتی ہیں بلکہ اس میں مزید اضافہ کر کے اگر یہ کہا جائے کہ مالک و مملوک اور عہد و معبود کے درمیان قائم ہونے والا یہ خصوصی قرب اور یہ حقیقی تعلق اتنا لطیف اور پاکیزہ ہوتا ہے کہ کرانا کا تبین کو بھی اس کی خبر نہیں ہوتی تو کچھ غلط نہیں ہوگا۔

میان عاشق و معشوق رمزیت
کرانا کا تبین را ہم خبر نیست

یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدارج عالیہ اور کمالات روحانیہ پر کچھ لکھنا بہت مشکل اور دشوار تر عمل ہے۔ لیکن خدا داد کمالات و خصوصیات کے وہ ظاہری اور نمایاں پہلو اور اخلاق محمدیہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے وہ اعلیٰ اور قیمتی نمونے جو آپ کی نادیرہ روزگار شخصیت ہیں ہر شخص کو محسوس ہوتے تھے۔ اور بن کی وجہ سے لاکھوں لاکھ بندگان خدا کی زندگیوں میں ایک صالح دینی انقلاب برپا ہوا، ان کو سلیقہ اور ترتیب کے ساتھ جمع کر دینا کچھ زیادہ مشکل و دشوار کام نہیں ہے اس لئے اللہ جل شانہ کی ذات عالی پر بھروسہ کرتے ہوئے آپ کی کتاب زندگی کے

کمالات و خصوصیات، اخلاق و صفات اور عادات و معمولات کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

الشہل شانہ کی ذات پر اعتماد و یقین

یقین کے معاملہ میں حضرت مولانا کا مرتبہ اور درجہ بلند سے بلند تر تھا۔ آپ کی تمام زندگی اسی اعتماد و یقین کے گرد گھومتی رہی اور یہی اعتماد و یقین آپ کی ہر تقریر و تحریر کا محور رہا۔ الشہل شانہ کے وعدوں پر آپ کے بھرپور ایقان و اذعان کی اس بلند پایہ کیفیت نے درحقیقت اس دعوت والے مبارک عمل میں ایک عجیب طاقت و روح پھونک رکھی تھی جس کا ہر ہر موقع پر خوب مشاہدہ ہوتا تھا۔ جب بھی کوئی بات خلاف طبع پیش آتی یا دعوت و تبلیغ کے اعتبار سے کسی خطرہ کا احساس ہوتا یا مسلمانان عالم بالخصوص اسلامیان ہند پر کلمہ والی زندگی کے خلاف کوئی سازش سامنے آتی تو فوراً اسی یقین و اعتماد کے ساتھ نماز اور دعائیں مشغول ہو جاتے۔ تہجد کی ساری دعائیں اس قدر گریہ طاری ہوتا کہ بدن مبارک ہلنے لگتا اور آنسو چہرے پر بہنے لگتے۔ جہری دعائیں یہ کیفیت ہوتی کہ روتے روتے آواز بند ہو جاتی اور مجمع بے اختیار ہو جاتا۔ خود بھی روتے اور مجمع کو بھی خوب رلاتے۔

فضل خداوندی سے دل کی گہرائی میں یہ یقین جم گیا تھا کہ جو کچھ ہوتا ہے صرف اور صرف الشہل شانہ کے حکم سے ہوتا ہے اور وہی ایک ذات پاک ایسی ہے جو ہر چیز پر تنہا قادر ہے۔ اس کے علاوہ کوئی کسی کا نہ کچھ بگاڑ سکتا ہے اور نہ سنوار سکتا ہے نہ بے سکتا ہے اور نہ دے سکتا ہے۔

حضرت مولانا بڑے مضبوط اور طاقت ور لب و لہجہ میں دعوت و تبلیغ کے تمام کارکنان کو مختلف انداز اور جہات سے اس اعتماد و یقین کو اپنے اندر سمونے اور سمیٹنے کی ترغیب دیتے تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر اجتماع و صولیہ کی تاریخ لینے کیلئے علاقہ کے خواص اور ذمہ دار آپ کی خدمت میں دہلی مرکز آئے تو آپ نے ان کو اس طرح نصیحت فرمائی۔

”تمام الشہل کے بندوں کے کانوں تک الشہل کی بات پہنچ جائے۔ کوئی

بھی اللہ کا بندہ ہو اس کے کانوں تک قوت سے یہ بات پہنچا دو کہ
 کرنے والی ذات صرف اللہ کی ہے اور عزت کا راستہ حضرت محمد صلی اللہ
 علیہ وسلم کا راستہ ہے۔"

اسی طرح ایک مجلس میں دعوتی کام کرنے والے کے لئے تین صفات ہونے
 کو اس طرح بیان فرمایا:

"کام کرنے والے کا یقین اللہ پر مضبوط ہو۔ دوسرے یہ کہ اپنے علم اپنے
 مال اپنے تجربہ اپنی صلاحیتوں پر نگاہ نہ ہو۔ بلکہ اللہ کی ذات پر نگاہ
 ہو۔ تیسری بات یہ ہے کہ نیت بھی صحیح ہو۔"

ایک مرتبہ دوران تقریر الشہل شانہ کی ذات پر اعتماد اور اس کی قدرت سے
 ہونے کے یقین کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

"ساری چیزیں اور ساری باتیں خدا کی قدرت سے ہوتی ہیں۔ خدا کی
 قدرت اگر اپنے ساتھ لینی ہے تو اس کے لئے دین کا کام کرنے کی ضرورت
 ہے۔ اور اللہ جل شانہ دین کا کام کرنے سے ساتھ ہو جاتا ہے، اس کی
 قدرت ساتھ ہو جاتی ہے۔ اور پھر وہ سب اپنی قدرت سے کرتا ہے
 آج ہم دین کے کام کو اپنا کام ہی نہیں سمجھتے۔ یہ ہماری بھول ہے۔ دین
 کا کام کرنے پر خدائے پاک کی قدرت ہمارے ساتھ ہو جائے گی۔
 اور خدا کی قدرت ہمارے ساتھ ہوگی تو گاڑی چلے گی اور کام چلے گا۔
 بس اللہ جل شانہ کی قدرت سے فائدہ اٹھانے کے لئے دین کا کام کرنا
 چاہئے۔ اللہ کی مدد اور قدرت کے بغیر مسلمان کی زندگی نہیں گذر سکتی۔
 اور یہ خدائی مدد کے بغیر پیپ نہیں سکتا۔"

حضرت مولانا جس طرح دعوتی کارکنوں کو اعتماد و یقین کا درس دیتے تھے اسی طرح
 ان کو حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں حمد و شکر کرتے رہنے کی تاکید بھی فرماتے رہتے تھے
 فرماتے تھے کہ ہمارے بس میں ہے ہی کیا؟ جو کچھ ہو رہا ہے ان کے فضل و کرم سے
 ہو رہا ہے۔ اس لئے اس پر بے حد شکر کی ضرورت ہے۔ عالمی بگاڑ کو دیکھ کر مایوس

ہو کر بیٹھ جانا حضرت مولانا کو گوارہ نہیں تھا۔ بلکہ محنت کی مقدار کو بڑھانا ہی اس کا اصل علاج سمجھتے تھے۔

ایک مرتبہ دعوت و تبلیغ کی ایک مقتدر شخصیت نے حضرت مولانا کو مکتوب کے ذریعہ اپنے دلی جذبات و احساسات سے مطلع کرتے ہوئے کچھ یاس اور کچھ شکستگی کی کیفیت تحریر کی، اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ کام کی جیسی محنت و شکر ہونی چاہئے تھی وہ بالکل اپنے اندر نہیں ہے۔

حضرت مولانا نے اپنے جواب میں اس سوتح اور تخیل سے ان کو ہٹا کر ایک دوسری راہ ان کو بتلائی، وہ یہ کہ جتنا بھی کام ہو رہا ہے اس پر شکر کیا جائے اور دوسروں کی فکر سے ہٹ کر خود اپنی ذات کے بارے میں شکر رکھی جائے۔ حضرت مولانا کا یہ چشم کشا اور بصیرت افروز مکتوب یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

”بنگلہ والی مسجد دہلی — ۴ شوال المکرم ۱۳۱۰ھ، ۳۰ اپریل ۱۹۹۰ء

مکرم بندہ

وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
آپ کا خط مورخہ ۳۰ شوال المکرم موصول ہوا۔ آپ کی ذہنی و قلبی کیفیتوں کا حال معلوم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نظر بد سے بچائے، مکارہ نفس شیطان سے محفوظ فرمائے۔ بندہ کے نزدیک تو بس ہر جگہ کے احباب کی مساعی کی قدر کرتے ہوئے جتنا کام ہو رہا ہے اس پر تو شکر کی کیفیت ہو اور خود اپنی ذات کے بارے میں شکر کی کیفیت ہو۔ مری حقیقی اللہ کی ذات ہے۔ بھروسہ ہو تو بس اسی پر، اسی سے مانگا جائے کہ ہماری ٹوٹی پھوٹی محنتوں کو قبول فرما کر ہمیں اور اس محنت میں لگنے والے ہر فرد بشر کی بہترین تربیت فرمائے۔ اور دین کو اپنی قدرت کاملہ سے زندہ فرمائے۔ فقط والسلام۔

بندہ محمد انعام الحسن

اسی انداز کا ایک مکتوب جناب قاسم بھائی (بھتی) کو ارسال فرما کر ان الفاظ میں

ان کو شکر کی ترغیب دیتے ہیں :

”آپ کا خط پڑھا۔ حق تعالیٰ آپ کے جملہ امور میں آسانی پیدا فرما کر قبولیت عافیت مقدر فرمائے۔ خدا کی طرف متوجہ رہیں اور اپنے اعمال کو پورا کرنے کی سعی اور ان کی نصرت اور دعوت میں بھی شک و محنت فرماتے رہیں، صنف اور کمزوری تو ہم سب میں ہے۔ عمر کا بھی تقاضہ ہے، جتنا بھی ہو جائے اس پر شکر گزار رہنا چاہئے۔ مزید کے لئے دعا اور قصوروں پر استغفار کرتے رہنا ہے۔ بندہ کہے بھی دعا فرمائیں!“

جناب بھائی خالد سیف اللہ صاحب (دہلی) مکتوب بالا میں لکھی جانے والی نصیحت سے ملتی جلتی بات (بلکہ اپنا ایک واقعہ) اس طرح بیان کرتے ہیں:

”ایک مرتبہ بندہ نے روتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت! جماعت میں جاتا ہوں تو بہت سے نئے لوگ جماعت میں نکل جاتے ہیں۔ ان کی زندگی میں تبدیلی آجاتی ہے اور ان کو ہدایت مل جاتی ہے۔ لیکن میری عمر اتنی ہو گئی، مجھے کب کو ہدایت ملے گی؟ اس پر فرمایا کہ یہ سب باتیں مت سوچو، ہمارا کام تو یہ ہے کہ کرتے رہیں، ڈرتے رہیں۔ روتے رہیں اور اللہ سے مانگتے رہیں۔ اس جملے کو کئی بار فرمایا۔ اور پھر فرمایا موت تک لگے رہو۔ انشاء اللہ آخرت کی کامیابی کی پوری امید ہے۔“

شدائد پر صبر و تحمل | حضرت مولانا کی ایک اہم طبعی خصوصیت ناگوار امور پر صبر کی تھی جس کو آپ ”جھیلنے“ سے تعبیر کرتے تھے۔ خواہ یہ امور انفرادی اور شخصی طور پر آدمی کی اپنی ذات پر طاری ہوں، یا دعوت والے مبارک عمل اور دین کی کسی بھی محنت و جد جہد کے موقع پر اجتماعی شکل میں سامنے آئیں خود آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ سخت سے سخت حالات میں بھی کبھی آپ نے خزع و فزع نہیں فرمائی۔ اور نہ ہی حرف شکایت زبان پر لائے۔ بس مجسمہ صبر و تقویٰ بن کر معاملہ اللہ جل شانہ کے حوالہ فرما کر کیسو ہو جاتے تھے۔

آپ کی امارت کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے کہ ایک مہر قدیم کارکن آپ کے سر پر کار

عنوان آپ کی علالت ہے جس کی تفصیلات قارئین اس کتاب کی جلد اول میں پڑھ چکے ہیں۔

علالت کا یہ طویل دور آپ پر ایسا سخت گذرا کہ جس کی تشنیں اچھے اچھے حکماء اور عقلاء نہیں کر سکے لیکن ایسی پامردی اور صبر و استقلال کے ساتھ اس کو جھیلا کہ پاس بیٹھنے والوں کو بھی اس کا احساس نہ ہونے دیا۔ اپنی بیماری کا اظہار بالکل نہ ہونے دیتے تھے۔ بس صبر و شکر کے ساتھ اس کو دبائے رکھتے۔ جب مسئلہ بہت ہی ناقابل برداشت ہو جاتا تب اس کو زبان پر لاتے۔

اجتماع چاند پور ضلع بجنور (منقذہ ۱۵ شعبان ۱۳۹۵ھ، ۲۴ اگست ۱۹۷۵ء) کے موقع پر اندرونی کرب و بے چینی کی جو کیفیت تھی، اس کا اظہار آپ نے ایک مکتوب میں جن الفاظ کے ساتھ کیا ہے اس سے آپ کے شدائد پر صبر و تحمل اور جھیلنے والے مزاج کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں:

”بندہ کی تکلیف تو تینتیس سالہ ہے جب اس میں جدید بات ہوتی ہے تو دماغی تکلیف بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ ہڈیاں ٹوٹنے لگتی ہیں۔ وحشت عن الخلق اور فرار عن الناس کی کیفیت ہو جاتی ہے۔ حالانکہ پوبیس گھنٹہ خلقت کا ہجوم اور اختلاط مع الناس ہی اپنا کام ہے اور برداشت بھی نہیں ہوتی لیکن کرنا پڑتا ہے، دماغ کی تکلیف کا اندازہ کسی کو ہو نہیں سکتا

یہ مکتوب ۱۵ شعبان ۱۳۹۵ھ (۲۴ اگست ۱۹۷۵ء) میں چاند پور اجتماع گاہ سے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو تحریر فرمایا گیا تھا۔

ایسے ہی اجتماع بھوپال کے موقع پر ایک مرتبہ کمر میں تکلیف تھی۔ لیکن پورے ضبط کے ساتھ تین دن پورے فرمائے اور کسی سے تذکرہ بھی نہیں کیا۔ یہ واقعہ حافظ محمد یوسف صاحب اپنی یادداشت میں اس طرح لکھتے ہیں۔

”ایک مرتبہ بھوپال کے اجتماع سے تشریف لائے اور بعد نماز عشاء کتاب پڑھ کر بستر پر تشریف لے گئے۔ میں دبائے لگا۔

دباتے دباتے کمر پر میرا ہاتھ گیا تو ایک دم حضرت نے ورد کے ساتھ آہ کی۔ اور فرمایا کہ بھائی بھوپال میں بھی ایسا ہی درد ہوتا رہا۔ وہاں تو میں نے اپنے آپ کو سمجھایا تھا کہ چلو بھائی اپنے کام پر لگو۔ یہ تو سب جیلے حوالے ہیں۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ یہاں تکلیف ہے۔“

اسی طرح کے صبر و تحمل کا واقعہ شعبان ۱۳۹۹ھ (جولائی ۱۹۷۹ء) میں میرٹھ کے قرب و جوار میں ہونے والے ایک اجتماع کا ہے کہ اجتماع گاہ میں شدید بارش ہوئی جس کی وجہ سے کچھڑا اور گارا پھیل گیا۔ حضرت مولانا اجتماع گاہ سے قیام گاہ تشریف لارہے تھے کہ مجمع مصافحہ کے لئے چاروں طرف سے ٹوٹ پڑا۔ اسی اخراج تفری میں آپ کا پاؤں پھسل گیا اور زمین پر آ رہے۔ ہاتھ کی ہڈی پر ضرب آگئی جس کا کئی ہفتہ تک علاج ہوتا رہا۔ روزانہ مالش ہوتی، پٹی بدلی جاتی لیکن آپ نے کسی دشمن کی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا اور نہ ہی کوئی سخت جملہ زبان پر آنے دیا۔

صبر و تحمل کی یہ صفت حضرت مولانا کے مزاج و طبیعت میں ایسی سما گئی تھی کہ چاہتے تھے کہ دوسرے لوگ بھی صبر و تقویٰ اور جھیلنے والا مزاج بنا کر اللہ جل شانہ کو راضی رکھنے میں مشغول رہیں۔ چنانچہ ایک صاحب کو (جنہوں نے اپنی پریشانیوں کا ذکر کیا تھا) ان الفاظ کے ساتھ نصیحت تے ہیں :

”بھائی یہ دنیا تو پریشانیوں اور مصیبتوں ہی کی جگہ ہے اس فانی دنیا میں انسان اچھے عمل کر کے دین پر چل کر آخرت بنائے انسان اللہ رب العزت کو راضی کرنے کے لئے آیا ہے۔ ہر بلا و پریشانی و مصیبت کا علاج دین کے کام میں ایمان و اخلاص کے ساتھ لگنا ہے وہاں کے مقامی کام میں شریک ہوں، یعنی مسجد میں تعلیم ہو تو اس میں اور اس پاس کے مقامات پر گشت ہو تو اس میں اور اگر کوئی جہت اوھر پہنچ جائے تو اس کے ساتھ جہڑ کر گشت وغیرہ میں شرکت

کریں۔ اور کوئی وقت فرصت کا ایسا نکالیں کہ اللہ کے راستے میں
تین چلہ کے لئے نکل سکیں۔ انشاء اللہ یہ اور دوسری مصیبتیں سب
دور ہو جائیں گی۔ لہ

ایک مرتبہ تقریر فرماتے ہوئے اپنی گندگیوں کے استحضار اور مصائب کے جھیلنے
پر زور دیتے ہوئے یہ فرمایا :

”ہمیں اپنے آپ کو محتاج جاننا ہے اور جھیلنا ہے۔ اگر اپنے کو محفوظ کر کے کام
کرے تو اللہ کی ذات سے بڑی امیدیں ہیں۔ خدا ہی اس کام کو چلا رہا ہے
ہیں۔ ہمارے بل بوتے پر نہیں چل رہا ہے۔ ہماری سعادت مندی ہے
کہ اس نے ہمیں اس کام کے ظاہر میں لگا دیا۔ اب ہم اپنے باطن کی بھی
دستگیری کی کوشش کریں۔ جس کے جتنے درجے بلند ہوتے ہیں اس کی ذمہ داری
بھی اتنی اونچی ہوتی ہے اور اس کو اتنا ہی جھیلنا پڑتا ہے۔ جو اللہ کے لئے
جتنا جھیلے گا، اللہ اس کو اتنا ہی چمکائیں گے۔ اللہ کے سامنے مانگنا رونا اور
اپنی گندگی کو پیش کرنا بہت ضروری ہے، اگر اندر میں اپنی گندگی ذہن میں
آئی تو یہ پاکی کا پیش خیمہ ہے۔ اور اگر اندر میں اپنا پاک ہونا ذہن میں
آیا تو یہ گندگی کا پیش خیمہ ہے۔ ہم جتنی کام کی منکر کو اوڑھیں گے اور مصائب
پر صبر کریں گے اتنا ہی اللہ نوازے گا۔“

جناب الحاج بھائی یوسف صاحب (ٹانڈہ چھرولی) اپنے اوپر آنے والے
سخت حالات میں حضرت مولانا کا مشورہ اس طرح نقل کرتے ہیں :

”ایک مرتبہ دینی کام کی وجہ سے میرے اوپر سخت حالات آئے۔
چنانچہ دہلی خدمت میں حاضر ہو کر تمام حالات عرض کئے اور کہا کہ اگر
حکم ہو تو یہ دینی کام چھوڑ دوں اور اگر فرمائیں تو صبر کر کے جھیلتا رہوں
اس پر فرمایا بس بھائی جھیلو اور صبر کرو۔“

گجرات کے ایک مشہور عالم دین کو اپنے مقام پر علمی خدمت کرنے میں کچھ مشکلات اور رکاوٹیں پیش آئیں تو وہ اپنے مزاج کی نزاکت و نفاست کی وجہ سے اس کا تحمل نہ کر سکے اور جگہ بدل کر دوسری جگہ چلے گئے۔ تقدیر الہی سے وہاں بھی کچھ ایسے ہی حالات پیدا ہوئے تو وہاں سے بھی منتقل ہونے کی تدبیر کرنے لگے۔ حضرت مولانا کو جب ان حالات کا علم ہوا اور اس نقل مکانی کی وجوہات معلوم ہوئیں تو ان الفاظ کے ساتھ ان کو مشورہ تحریر فرمایا:

”اپنے بارے میں کوئی ترتیب قائم کر کے اس پر جمو، اور تکلیفوں کے برداشت کرنے کی عادت ڈالو۔ پھر ہر تکلیف آسان ہو جائیگی اور اگر (ہر معاملہ میں) آسانی ہی چاہتے رہے تو پھر یہی چیز تکلیف کی بن جائے گی۔“

نقل روایات میں احتیاط

حضرت مولانا کی خدمت میں ہلا مبالغہ دنیا بھر کے لوگوں کے احوال اور واقعات

بھیجتے تھے۔۔۔ اور اپنے ہی ارشاد کے مطابق ”عجیب عجیب طرح سے لوگوں کے احوال کا علم ہوتا تھا۔ لیکن طبیعت اس قدر محتاط تھی کہ نہ تو کبھی ایک طرف بات سن کر کوئی فیصلہ کیا اور نہ ہی شخصی روایات پر کسی کو مستہم فرمایا۔ کسی بھی شخص سے متعلق نازیبا اور نامناسب بات سن کر فوراً ہی اپنا رد عمل ظاہر نہیں کرتے تھے بلکہ خاموش ہو جاتے یا یہ جملہ ”اللہ اپنا فضل فرمائے“ کہہ کر بات ختم کر دیتے۔ تاہم دعوت سے وابستہ افراد یا کارکنان کی اگر کوئی بات ایسی سامنے آتی جس سے کسی بھی دینی کام یا اس مبارک دعوتی عمل پر کوئی زبردی پڑنے کا اندیشہ ہوتا تو خاموشی کے ساتھ صاحب معاملہ کو بلا کر تنبیہ فرما دیتے یا مجمع میں خطاب عام کے ذریعہ اصلاح فرما دیتے۔ نقل روایات کے بارے میں حضرت مولانا کا جو مزاج تھا اس کا اندازہ ایک خاص موقع پر حضرت شیخ نور الدین مرقدہ کو تحریر فرمائی گئی، ان سطور سے ہو سکتا ہے۔

”بندہ تو روایات کے بارے میں بہت بدظن ہے۔ اچھے اچھے حضرات

بھی روایات کے بارے میں بہت غیر محتاط ہیں۔ اپنے استزاعات استنباطات

وتخیلات کو دوسرے کی طرف سے نقل کرنے میں اور اس کی شہادتیں بھی قائم کرنے میں بہت جرات اور دیری سے کام لیتے ہیں۔ الشرحل شانہ

ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

اسی طرح ایک موقع پر نقل روایت میں بے احتیاطی کے تعلق سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی زاد مجددہ کو ذیل کی سطور تحریر فرمائیں۔

”نقل روایات کے بارے میں جو جناب نے تحریر فرمایا وہ بالکل درست ہے۔ بندہ کو بھی اس کا تجربہ ہے، بغیر کسی بنیاد کے بھی روایات نقل کر دی جاتی ہیں۔ لیکن اس وقت جناب کے تحریر فرمانے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ بندہ کے پاس نہ کوئی روایت جناب کی طرف سے پہونچی ہے اور نہ الحمد للہ کوئی خیال اور واہمہ کسی قسم کا اپنے اندر محسوس ہوتا ہے۔ الحمد للہ دل میں اہل بیت کی محبت کو ذخیرہ آخرت اور نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ الشرحل شانہ آئندہ بھی ہر ردیلہ سے محفوظ فرمائے۔ ویسے بندہ ہر اعتبار سے انتہائی ضعیف اور نحیف ہے الشرحل شانہ کے ہی فضل سے کشتی پار ہوگی۔۔۔ جناب والا سے بھی لجاجت کے ساتھ دعا کی، اپنے لئے اور اپنے متعلقین کے لئے نیز عزیز نہیر کے لئے استدعا ہے۔“

ایک قدیم مبلغ و کارکن جناب قاسم بھائی (بھٹی) کے علم میں یہ بات آئی کہ حضرت مولانا کی خدمت میں ان کی کچھ شکایات پہونچائی گئیں ہیں۔ اس پر انھوں نے حضرت مولانا کو عریضہ لکھ کر صورت حال کی وضاحت کی تو آپ نے ان کی تسلی و تشفی فرماتے ہوئے ان پر یہ واضح کیا کہ آپ سے تحقیق کیے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کیا جائیگا۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

”تمہارے بارے میں بندہ کے سامنے کوئی بات نہیں آئی۔ اگر آئے گی، تو انشاء اللہ بغیر تحقیق اور آپ سے دریافت کئے بغیر اس پر عمل نہیں ہوگا۔ الشرحل شانہ و عم نوالہ خیر کی صورتیں پیدا فرمائے اور مشرور و آفات اور فتنے سے

حفاظت فرمائے۔ (اقتباس مکتوب محررہ ۶ شعبان ۱۳۵۷ھ)

ذہانت و کاوت اور حاضر جوابی | الشرحل شانہ نے آپ کو ذہانت

ذکاوت اور بیدار مغزی اعلیٰ درجہ کی عطا فرمائی تھی۔ مسائل و معاملات خواہ کیسے ہی الجھے ہوئے آپ کے سامنے آتے اس کی تہہ تک پہنچنے۔۔ اور دو لوگ فیصلہ فرمانے میں کوئی دقت و دشواری محسوس نہ فرماتے تھے اور مردم شناسی کا جوہر تو آپ کو ایسا عطا ہوا تھا کہ لوگوں کے چہرے دیکھ کر ان کے دلی رجحانات و انوکار و نظریات کا بخوبی اندازہ لگا لیتے۔

ایک نامور اہل قلم ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں بغرض ملاقات آئے آپ نے ان کا استقبال کیا اور چند منٹ کی گفتگو کے بعد ہی فرمایا کہ آپ کا مطالعہ قرآن پاک پر تو کافی ہے لیکن ضرورت ہے کہ سیرت نبوی کا بھی مطالعہ کیا جائے۔ ان صاحب نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے اس کمی کو تسلیم کیا۔ اسی طرح موقعہ و مقام کے مطابق بروقت جواب دینے کا صاف اور سہرا سلیقہ بھی آپ کو ودیعت فرمایا گیا تھا۔

آپ کے مخاطب جہاں آپ کے جواب سے مطمئن اور شاد ماں ہو جاتے وہیں مسکت و لا جواب بھی بن جاتے۔ مذکورہ فضائل و اوصاف کے تعلق سے یہاں کچھ واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) ایک مرتبہ پاکستان کا سفر تھا۔ دہلی سے ایک خاص قسم کے ”مصاحب“ بھی ساتھ لگ گئے۔ حضرت مولانا نے ان کو پہچان لیا۔ اثنائے سفر میں ان سے جو گفتگو ہوئی اس کو یہاں حضرت مولانا کے الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے۔ فرمایا: ”ایک دفعہ ہمارا پاکستان کا سفر ہوا۔ وہاں سے پھر ہم مشرقی پاکستان چلے گئے ایک آدمی کو میں ہندوستان سے ہی اپنے ساتھ دیکھ رہا تھا وہ وہاں بھی ساتھ تھا۔ وہ مولانا محمد یوسف کے پاس گیا اور ان سے کچھ سوال کیا۔ مولانا تو ایسی ویسی باتوں میں پڑتے نہیں تھے۔ اور جو

ایسی بلا ہوتی تھی تو میری طرف منتقل کر دیتے تھے۔ اس لئے انھوں نے اسے میرے پاس بھیج دیا کہ اس سے معلوم کرو وہ میرے پاس آیا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ کون ہے۔ اس نے میرے سے کہا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ میں نے کہا بھائی تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا میں تو تم سے پوچھ رہا ہوں۔ میں نے کہا بھائی میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔ اس نے کہا کہ تعجب ہے، میں نے کہا واقعی تعجب ہے۔ غرضیکہ بہت دیر تک وہ جو کہتا رہا، میں بھی وہی کہتا رہا۔ پھر وہ یہ کہہ کر اٹھ کر چلا گیا کہ تم سے توبہ ہے میں نے کہا کہ بھائی تم سے بھی توبہ ہے۔

یہ واقعہ سنا کر حضرت خوب ہنسنے اور ہم بھی خوب ہنسنے لگے۔

(۲) دو آدمیوں نے یہ شرط لگائی کہ حضرت مولانا اگر ہمیں ولی بنادیں تو ہم جماعت میں جانے کو تیار ہیں۔ حضرت مولانا کے سامنے جب وہ پیش ہوئے تو آپ نے ان کو ولی بننے کا ایک آسان نسخہ بتلایا مگر وہ اس پر عمل نہ کر سکے۔ حافظ محمد یوسف صاحب یہ دلچسپ واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں:-

”میں نے اپنے حلقے کے ایک گاؤں میں تشکیل کی۔ اس پر میرے ایک عزیز (جو ذرا مالدار قسم کے ہیں) کھڑے ہو کر بولے ایک شرط پر تو میں جماعت میں جانے کے لئے تیار ہوں۔ میں نے کہا کیا شرط ہے؟ بولے کہ اگر حضرت جی مجھے ولی بنادیں۔ میں نے کہا آگے آؤ۔ وہ آگئے۔ پھر گاؤں کے پر دھان کھڑے ہوئے اور بولے اسی شرط پر میں بھی تیار ہوں۔ میں نے ان کو بھی آگے بلایا۔ پھر کسی نے شرط نہیں لگائی اور چلنے کی جماعت بن گئی۔ صبح کو میں نے ان دونوں سے کہا کہ بستر لے آؤ وہ لے آئے۔ میں نے حضرت جی کے پاس پرچہ لکھا کہ اس جماعت میں دو آدمی ولی بننے کو آرہے ہیں۔ حضرت نے ان سب کو کمرے میں بلایا۔ اور فرمایا بھائی جو آدمی ولی بننا چاہتے ہیں وہ آگے آجائیں یہ دونوں کو روک دے۔“

۱۰ روایت، حافظ محمد یوسف صاحب پھر ولی

آگے آگئے۔ حضرت نے فرمایا کہ بھائی ایک شرط تو تمہاری ہے کہ تم ولی بننا چاہتے ہو، اور ایک شرط ہماری ہے، بولو کیا کہتے ہو؟ وہ کہنے لگے، حضرت ہیں آپ کی شرط منظور ہے۔ حضرت نے فرمایا منظور ہے؟ انھوں نے عرض کیا، جی منظور ہے۔ اس پر فرمایا۔ جاؤ، اب اس مسجد میں جا کر بیٹھ جاؤ اور جب تک ولی نہ بنو اس میں سے مت نکلنا بس میاں وہ تو شام کو ہی گھر واپس آگئے۔ ہم اس وقت تک اسی گاؤں میں تھے میں نے دیکھتے ہی کہا۔ ارے بھائی کیا ہوا، تم تو بڑی جلدی آگئے۔ وہ بولے، ارے میاں وہاں تو ایسی سخت شرط لگی جو ہمارے بس کی نہیں تھی، ہم تو چپکے ہی سے نکل آئے۔ — واقعی الشراک نے حضرت جی کو زبردست ذہانت اور فراست بخشی تھی۔

(۳)۔ ایک علاقہ میں بڑا تبلیغی اجتماع تھا۔ حضرت مولانا اس میں تشریف فرما تھے ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضرت آپ کا ذریعہ معاش کیا ہے؟ اس پر برہنہ فرمایا کہ ”تبلیغ“ وہ صاحب بولے کہ حضرت بات سمجھ میں نہیں آئی۔ ذرا وضاحت کر دیں، اس پر فرمایا کہ تم دن بھر کسی کا کام کرو گے تو وہ تمہیں مزدوری دے گا یا نہیں؟ کہنے لگے جی ضرور دیگا۔ اس پر فرمایا کہ واہ مجبور انسان تو اپنے مزدور کی مزدوری دے سکتا ہے اور وہ اللہ جو مالک ہے، رازق ہے، اور خود مختار ہے وہ اپنے مزدور کی مزدوری نہیں دے سکتا؟

(۴) ایک صاحب نے اسم ذات کے ذکر کے متعلق سوال کیا کہ اس کی دلیل کہاں ہے؟ حضرت جی نے فوراً فرمایا کہ قرآن شریف میں ہے۔ وہ یہ سن کر حیران ہو گئے کہ قرآن میں اس کی دلیل ہے۔ پھر حضرت جی نے یہ آیت پڑھی واذا ذکرنا وحده اشمارات قلوب الذین لا یؤمنون بالآخرة۔ یعنی جب نام لیا جائے خالص الشراک، رک جائے دل ان کے جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے۔ ان صاحب پر یہ سن کر سکتہ طاری ہو گیا۔ اور خاموش ہو گئے۔

(۵) ایک مرتبہ دنیاوی اعتبار سے ایک باحیثیت شخص نے اپنے تجارتی معاملات میں کچھ مشورے کر کے دریافت کیا کہ میں کون سی تجارت کروں۔ اس پر برہنہ فرمایا:

”اللہ کا حکم نہ ٹوٹے، اور نبی کا طریقہ نہ چھوٹے، پھر جو دل چاہے
تجارت کر لو۔“

(۶) ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء میں کویت کے سفر میں ایک ممتاز عالم دین عرب آپ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ متعدد شیوخ ان کے ساتھ تھے۔ حضرت مولانا نے ایک علمی و دینی شخصیت ہونے کی بنا پر ان کا پر تپاک استقبال و اعزاز فرمایا۔ کافی دیر تک یہ مجلس قائم رہی۔ اس موقع پر کویتی شیخ نے مختلف النوع معاملات و مسائل پر حضرت مولانا سے سوالات کئے۔ اور آپ صاف و شستہ عربی زبان میں ان کے جوابات دیتے گئے۔ یہاں شیخ کے سوالات اور حضرت مولانا کے برجستہ جوابات پیش کئے جاتے ہیں۔

سوال :- آپ کی دعوت کیا ہے ؟

جواب :- ہماری دعوت یہ چھ نمبر ہیں۔ کلمہ طیبہ، نماز، علم و ذکر، اکرام مسلم، اخلاص نیت، تفریع وقت۔ پھر آپ نے ان نمبرات کی مختصر تشریح فرما کر ذکر میں تین تسبیح بتلائیں۔ اور فرمایا کہ یہ حدیث میں وارد ہیں۔ اور اکرام مسلم کے ضمن میں فرمایا کہ گنہگار کی ذات سے تو محبت کی جائے۔۔۔ لیکن اس کے گناہ سے نفرت کی جائے۔

سوال :- حضور کی دعوت میں ایک ترتیب ہے وہ یہ کہ پہلے دعوت پھر ہجرت۔۔۔ پھر قیام دولت پھر سلطنت۔ آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں ؟

جواب :- آپ کی دعوت قیام دولت و سلطنت کے لئے نہیں، بلکہ خالص اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے تھی۔ اور اسی کے لئے آپ نے ہجرت بھی فرمائی۔ اور رضا بطور یہ ہے کہ جب دین کا کام چلتا رہتا ہے تو خدا نے پاک تدریجاً بلندی عطا دیتے ہیں۔ جس میں قیام سلطنت و دولت بھی آجاتی ہے۔

سوال :- کفار اور مشرکین کے بارے میں آپ کا کیا موقف ہے کیا انکو دعوت دینی چاہئے ؟

جواب :۔ جب مسلمان عمل پر آجائیں گے تو پھر اس وقت مسلمان ہی کفار کو دعوت دیں گے، اس وقت تو مسلمانوں کی بے عملی ہی رکاوٹ بنی ہوئی ہے ایک غیر مسلم مسلمان ہوا، پھر مرتد ہو گیا۔ کہ بس مسلمانوں سے تو ہماری ہی زندگی بہتر ہے۔

سوال :۔ کیا آپ ان کی حکومت لے لیں گے ؟

جواب :۔ نہیں بلکہ ہم ان کو دعوت دیں گے کہ وہ اپنے مالک اور خالق کو پہچاننے والے بن جائیں۔

سوال :۔ کیا آپ نے کبھی زعماء کفار کو دعوت دی ہے ؟

جواب :۔ نہیں۔

سوال :۔ کیوں نہیں دی جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملوک کو دعوت کے خطوط لکھ کر ان کو دعوت دی ہے۔

جواب :۔ حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دعوت اس وقت دی تھی جب کہ پندرہ سال بعد مسلمان مسلمان بن چکے تھے۔

سوال :۔ مسلمانوں کے اندر جو جماعتیں ہیں کیا ان کے زعماء کو ایک امر یہ جمع کرنے کی آپ نے کبھی کوشش کی ہے ؟

جواب :۔ ہندوستان کے ایک عالم دین کا نام لے کر فرمایا کہ انھوں نے اس کی بہت کوشش کی لیکن مایوس ہو گئے۔ اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسلمانوں کیلئے ذکرِ زاد یہ بہتر ہے۔

سوال :۔ کیا مسلمان بادشاہوں کو آپ نے دعوت دی ہے ؟

جیسے ابراہیم ادہم وغیرہ بادشاہوں کو نصیحت کیا کرتے تھے۔ ؟

جواب :۔ نہیں، ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا

ساتھ دینے والے کون لوگ ہیں، اس نے کہا نیچے کے درجے کے لوگ ہیں اس پر اس نے کہا کہ پھر تو وہ اللہ کے پیچھے ہیں، کیونکہ نبیوں کے متبعین شروع میں غریب لوگ ہی ہوتے ہیں، بڑے لوگ نہیں ہوتے۔

سوال :۔ جب حضرت مصعب بن عمیرؓ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

تو قبیلہ اشہل کے لوگوں کو دعوت دی تھی اور وہ مسلمان ہو گئے تھے۔
جواب :- دعوت کا اصل میدان تو ضعفاء ہی بنیں گے، پھر تدریجاً دعوت
ان زعماء تک بھی پہنچ جائے گی۔

سوال :- آپ کے پاس صرف دعوت ہے یا اور بھی کچھ ہے؟
جواب :- دعوت بھی ہے اور دعاء بھی ہے۔ دن کو دعوت والا اعلیٰ
کیا جائے اور رات کو اللہ جل شانہ سے دعاء مانگی جائے۔

سوال :- اگر آپ کے پاس کوئی مظلوم آئے اور کہے کہ فلاں شخص
نے مجھ پر ظلم کیا ہے تو آپ کیا فرمائیں گے؟

جواب :- حسب استطاعت اس کی نصرت کریں گے ورنہ کہیں گے کہ
صبر کرے اور دعا کرے کیونکہ مظلوم کی دعا مستجاب ہوتی ہے۔

جواب :- کیا جہاد ہونا چاہیے؟

سوال :- کیا استطاعت شرط ہے؟

جواب :- ہاں استطاعت مادیہ اور استطاعت تائیدیہ دونوں ہونا ضروری ہیں۔

سوال :- اگر استطاعت تائیدیہ نہ ہو تو کیا جہاد کو روک دیا جائیگا؟

جواب :- نہیں اگر صرف اسباب مادیہ ہوں گے تو جس کے پاس یہ زیادہ
ہوں گے وہی جیت جائے گا۔ لیکن اگر مسلمان کے پاس مادی اسباب تو چاہے کم ہوں
لیکن اسباب تائیدیہ موجود ہوں تو بڑی سے بڑی مادی طاقت بھی ان پر غالب
نہیں آسکتی۔

سوال :- کیا حال ہی میں بننے والے ایک ملک سے مسلمانوں کو نقصان
پہنچا ہے؟

جواب :- کسی ایک مملکت کی خصوصیت نہیں، تمام امت مسلمہ میں ایک
قسم کا اضطراب ہے اور یہ اضطراب ضعف ایمان کی وجہ سے ہے اور انہی کی وجہ
سے نقصان ہو رہا ہے۔

سوال :- یہودیت کے بارے میں احادیث شریفہ میں جو کچھ ان کے

حکومت اور غلبہ کے بارے میں آتا ہے۔ کیا وہ احادیث صحیح ہیں؟
 جواب: ہاں صحیح ہیں بلکہ یہاں تک احادیث میں آتا ہے کہ خیر تک وہ
 پہنچ جائیں گے۔ اس کے بعد پھر یہودی قتل کئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ پھر
 بھی بولے گا کہ میرے پیچھے ایک یہودی چھپا ہوا ہے۔ ان سب احادیث کا تعلق
 علامات قیامت سے ہے۔

سوال: مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کے بارے میں آپ کا کیا
 موقف ہے؟

جواب: لا ینجاد لہم ولا ینعارضہم ولا ینباحثہم لانہم
 ان سے مجادلہ و معارضہ کرتے ہیں اور نہ بحث و مباحثہ کرتے ہیں۔
 سوال: کیا آپ ان کے لئے دعا کرتے ہیں؟

جواب: جی ہاں، دعا خیر کرتے ہیں۔

سوال: ان کے لیڈروں اور اکابرین کو آپ دعوت کیوں
 نہیں دیتے؟

جواب: اس سے بحثیں بڑھیں گی۔ جب علمی فضا قائم ہو جائے گی تو
 خود بخود اس چیز کو سمجھ جاویں گے۔ علمی فضا کے بغیر بات سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔
 سوال: کیا احادیث میں آتا ہے کہ ہر صدی میں ایک مجدد ہوگا۔
 اس کی کیا غرض ہے؟

جواب: جی ہاں! یہ حدیث میں ہے اور اس کی غرض امت محمدیہ پر خود
 کو تسلی دینا ہے۔

سوال: کیا یہ غرض آپ نے کسی کتاب میں دیکھی ہے؟

جواب: نہیں، بلکہ ابھی سمجھ میں آئی ہے۔

(۷) ————— ۱۳۹۲ھ ۱۹۷۲ء میں ————— حضرت مولانا نے (انگلینڈ

کا ایک طویل دعوتی دور فرمایا۔ اس موقع پر شیفلڈ میں ایک بڑا اہم تبلیغی اجتماع
 تھا جس کی بیڑی شہرت ہوئی۔ حضرت مولانا اپنے اس سفر میں جب ڈیوڈزبری پہنچے

تو ایک پادری (عیسائی عالم) آپ سے ملاقات کے لئے آئے۔ دوران ملاقات عیسائیت اور اسلام کے درمیان باہمی موازنہ پر انھوں نے گفتگو شروع کر دی جو ڈیڑھ گھنٹہ تک چلی۔ حضرت مولانا کی یہ طویل گفتگو اردو میں تھی اور جناب الحاج کرنل امیر الدین صاحب انگریزی میں اس کے ترجمان تھے۔ حضرت مولانا فرماتے تھے کہ ایک عجیب بات اس شخص میں یہ تھی کہ جب بھی وہ لا جواب ہوتا۔ اس کی پیشانی پر کوئی ناگواری یا غصہ نہیں آتا تھا بلکہ فوراً ہنس کر دوسرا سوال کر دیتا۔ حضرت مولانا نے یہ پوری گفتگو بہت دلچسپ انداز میں حضرت شیخ نور الثمر قدہ کو تحریر فرمائی تھی، یہاں آپ کے مکتوب کا وہ حصہ پیش کیا جاتا ہے۔

ڈیوڑھی میں ایک پادری آیا۔ ڈیڑھ گھنٹہ تک اس سے گفتگو ہوتی رہی۔ اس نے اپنے سب ہی عقائد ایک ایک کر کے کہے اور محض اللہ کے فضل سے ہر ایک میں وہ خاموش اور حیران رہ گیا۔ وہ یہ کہتا تھا کہ ہم تم بلکہ یہ سوچیں کہ سب ایک ہو جائیں۔ بندہ نے کہا یہ انسان کے دماغ سے باہر ہے کہ انسانی دماغ ایک ایسا جامع نظام بنا دے جس کو سب قبول کر لیں بلکہ ایک خاندان کے افراد اور ایک باپ کی اولاد بھی سب ایک نظریہ اور فکر کے نہیں ہوتے۔

پھر بندہ نے اس کے سامنے تقریر کی کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام تک یہ دنیا تدریجی طور پر ترقی کرتی گئی ہے

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد جس وقت ہوئی ہے وہ دنیا کی نپٹگی اور رشد کا زمانہ تھا۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جس وقت جس ترتیب سے تشریف لائے اور جو انھوں نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس وقت اسی کی ضرورت تھی۔ اور اس وقت کے وہی مناسب تھا جو وہ لے کر آئے۔ جیسے لباس، کہ بچہ کی پیدائش کے وقت جو لباس ہوتا ہے اس کے وہی مناسب ہوتا ہے۔ اسی وقت اسی کی ضرورت ہے، بچہ بڑا ہوتا جاتا ہے لباس میں بھی فرق آتا جاتا ہے۔ اور جب عمر بچتہ ہو جاتی ہے تو وہی لباس مدتوں چلتا ہے۔ اور آخر عمر تک کام دیتا ہے۔ اب اگر پیدائش کے وقت جو

لباس بنایا گیا تھا، پختگی کے زمانہ میں بھی اس کو پہنانا چاہیے، تو وہ ہرگز (جسم پر) نہیں آئے گا۔ (یہی حال حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا بھی ہے کہ وہ زمانہ اور حالات کے مطابق دی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات میں زہد کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ ان کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کوئی... تمہارے ایک رخسارہ پر طمانچہ مارے تو دوسرا رخسارہ بھی اس کے سامنے کر دو۔ اس زمانہ میں اگر اس تعلیم پر عمل کیا جائے تو سارا جہان طمانچہ مارنے والا ہی ہے۔ طمانچہ کھانے والا کوئی نہیں ہے۔ اور ہمارے حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کوئی طمانچہ مارے تو اس کو روکو۔ اور سمجھاؤ کہ طمانچہ نہیں مارنا چاہئے۔

پھر بندہ نے جب (مذہب عیسوی کے متعلق) کہا کہ تمام عیسائی بھی اس پر متفق نہیں ہیں۔ ان میں بھی متعدد فرقے ہیں، جس پر اس پادری نے کہا کہ تمام کرسچین اس پر متفق ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ جس پر بندے نے کہا کہ پھر تو اس پر بھی متفق ہو گئے کہ ایک وقت میں صرف خدا تھا (اور وہ) تنہا تھا کیونکہ باپ پہلے ہوتا ہے (پھر بیٹا ہوتا ہے) ایسا نہیں ہوتا کہ باپ بیٹے ایک ساتھ ہوتے ہوں۔ جس پر اس پادری نے کہا کہ باپ کا مفہوم وہ نہیں ہے جسے ہم (دنیاوی رشتہ سے) باپ سمجھتے ہیں۔ بلکہ باپ کا مفہوم محافظ قادر رازق ہے۔ بندہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ پھر تو سارے بندے بیٹے ہو گئے کیونکہ وہ سب کا محافظ، رازق اور قادر ہے۔ اس پر وہ خاموش ہو گیا۔

پھر بندہ نے کہا کہ کرسچین بھی عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نہیں مان رہے ہیں کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کو وہ بھی بتا گئے ہیں۔ جس پر آپ سب کو یقین کرنا چاہئے اور ماننا چاہئے۔ اس پر اس پادری نے کہا کہ مجھے تحقیق نہیں اس پر بندہ نے کہا کہ آپ کو عیسیٰ علیہ السلام کے حقیقی اقوال کی تحقیق کرنی چاہئے۔ اب وہ بھاگنا چاہتا تھا۔ پھر اس پادری نے کہا کہ میں نے... یہ قول (کسی کتاب میں) نہیں دیکھا۔ جس پر بندہ نے ایک دیہاتی کی وہ حکایت سنائی جو

اپنے اطراف میں مشہور ہے کہ (اس سے کسی شخص نے کہا کہ) رمضان کا چاند دیکھنے سے روزہ فرض ہو جاتا ہے۔ اس دیہاتی نے کہا کہ پھر تو میں چاند دیکھنے کا ہی نہیں رتا کہ مجھ پر روزہ فرض نہ ہو، اس قصے کو سنکر وہ بہت دیر تک ہنستا رہا۔

ہندہ کو ایک مقام پر ستورات کے اجتماع میں جانا تھا۔ اس میں تاخیر ہو گیا تھی اس بنا پر ختم کر کے اٹھ گیا۔ اور بھی بہت سی باتیں اس سے ہوئیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کفارہ ہونے کو بھی اس نے بیان کیا۔ اس پر بندہ نے کہا۔ اس تصور اور یقین کے ساتھ کہ وہ ہمارے تمام گناہوں کا کفارہ بن چکے ہیں، کبھی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ بلکہ بگاڑ پر (مزید) جرات اور بے باکی ہو گی۔

آخر میں اس نے کہا کہ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ آپ جیسے لوگ اور بھی دنیا میں بھیجے۔ اس پر میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت عطا فرمائے۔

(مکتوب محررہ ۱۳ جولائی ۱۹۷۲ء)

(۸) ایک علاقہ کے دو ذمہ دار ساتھی مغرب بعد جبکہ حضرت اپنے حجرہ کے سامنے کھڑے تھے، آئے۔ میں بھی کھڑا تھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت ہمارے یہاں دعوت کا کام بیٹھ گیا دعا فرمائیں۔ حضرت نے ہرستہ فرمایا۔ بھائی کام کیوں بیٹھتا، تم بیٹھ گئے ہو گے۔ تم کھڑے ہو جاؤ تو کام بھی کھڑا ہو جاوے گا۔ یہ سن کر وہ خاموش ہو گئے اور ان سے کوئی جواب نہیں آیا۔

(۹) ایک مرتبہ عصر بعد نیچے پارک میں تشریف فرما تھے۔ ایک سیدھا سادہ دیہاتی آیا۔ اور سلام مصافحہ کے بعد کہنے لگا کہ حضرت جب سے جماعت میں چلے لگا کر آیا ہوں گھر والے مجھ سے ناراض ہیں اور کہتے ہیں کہ تو بے وقوف ہے۔ اب میں ان کو کیا جواب دوں؟ اس پر بے ساختہ فرمایا کہ صحیح تو کہتے ہیں کہ بے "وقوف" سے بھلا تبلیغ والوں کے لئے یہاں "وقوف" (ٹھہرنا) کہاں ہے۔ ان کو تو ہر وقت چلتے رہنا ہے۔

لے اس مکتوب میں تشریح کی غرض سے جو اضافے قوسین (بریکٹ) میں ہیں وہ حقیر کی جانب سے پڑھے جائیں۔ لے روایت حافظ محمد یوسف صاحب ٹانڈہ چھپرولی۔

لے روایت جناب نعیم اللہ خان صاحب حیدر آباد

• ماہِ رجب ۱۴۱۴ھ (جنوری ۱۹۹۴ء) میں ہونے والے اجتماع ٹونگی (بنگلہ دیش) کے موقع پر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف مجالس میں متعدد واقعات سنائے تھے جو احقر نے اسی وقت قلمبند کر لئے تھے۔ یہاں ان میں سے چند واقعات (جو اس جگہ کے مناسب ہیں) پیش کئے جاتے ہیں

(۱۰) شیفلڈ میں ایک بہت بڑے پادری کا خط میرے نام آیا جس میں تحریر تھا کہ کیا اچھا ہو کہ ہم سب ملکر رہیں اور اجتماعیت پیدا کر کے کام کریں۔ میں نے جواب دینے کا ارادہ کیا مگر اہل شوریٰ نے منع کر دیا۔ میرے ذہن میں یہ جواب تھا کہ ہم تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مانو، خود بخود اجتماعیت پیدا ہو جائے گی۔

(۱۱) ایک مرتبہ ہم راجستھان سفر میں جا رہے تھے۔ آریوں کا بھی اس زمانے میں وہاں کوئی جلسہ تھا۔ ڈبے میں ہمارا اور ان کا ساتھ ہو گیا۔ تو انھوں نے سب سے پہلے وحدت الوجود کے متعلق سوال کیا۔ ان کے ذہن میں نہ معلوم وحدۃ الوجود کے متعلق کیا کیا تھا۔ میں نے اس کی وضاحت کی۔ اس کے بعد کہنے لگے کہ مسلمان گوشت کھاتے ہیں جس سے فساد پھیلتا ہے۔ اگر گوشت خوری ختم ہو جائے تو فساد بھی ختم ہو جائے۔ میں نے کہا کہ یہ ضروری نہیں کہ جو گوشت کھائے اس میں فساد بھی ہو۔ بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو گوشت کھاتے ہیں لیکن برائیاں نہیں کرتے۔ شیر گوشت کھاتا ہے خون پیتا ہے لیکن اپنی مادہ پر سال میں ایک مرتبہ جاتا ہے۔ بخلاف بیل کے کہ کبھی گوشت نہیں کھاتا، گھاس پھوس کھاتا ہے لیکن ہر وقت گاؤں ماتا کے پیچھے پیچھے بھاگتا رہتا ہے۔ ان لوگوں میں ایک نوجوان بہت متاثر ہو رہا تھا، تو اس کی ماں نے اس کے تاثر سے ڈر کر اس کو واپس بلا لیا۔ پھر انھوں نے کہا کہ ہمارا جلسہ ہے آپ اس میں آئیے۔ میں نے کہا مجھے فرصت نہیں ہے۔

(۱۲) ایک مرتبہ سری لنکا میں پاکستانی سفیر آیا اور کہا کہ مولوی بس ہر وقت دوزخ سے ہی ڈراتے رہتے ہیں۔ اور کوئی کام ہی نہیں۔ میں نے کہا کہ تم اپنے ملک کے سفیر ہو۔ اگر تم اپنے ملک کی تعریف اور حمایت کرو گے تو حکومت تمہیں کچھ

نہیں کہے گی اور اگر مخالفت اور برائی کرو گے۔ تو وہ تمہیں ڈرائے گی، دھکائے گی۔ بس یہ دوزخ کا تذکرہ بھی ڈرانے دھکائے کے لئے ہے۔"

(۱۳) ہریانہ میں میں اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک ذمہ دار سیاسی لیڈر آئے اور بات چیت کے دوران کہنے لگے کہ ہمارے یہاں تعلیم کی کمی ہے، اگر تعلیم عام ہو جائے تو جھگڑے بھی ختم ہو جائیں۔ میں نے یورپ کے ملکوں میں جو کچھ قتل و غارت گری ہو رہی ہے اس کو بتلا کر ان سے کہا کہ اصل کمی تعلیم کی نہیں، اصل کمی انسانیت کی ہے۔ تعلیم یافتہ ملکوں میں ہم سے زیادہ فساد ہے۔ اس پر کہنے لگے کہ واقعی پھر تو ہم ہی اچھے ہیں۔"

تواضع و خود انکاری اور عبدیت و فنایت

حضرت مولانا کے یہ چار وصف ایسے نمایاں اور ممتاز تھے کہ ہر دیکھنے والے کو کھلی آنکھوں محسوس ہوتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ کا طویل دور امارت ان ہی اوصاف و شمائل کے گرد گھومتا رہا۔ تو کچھ مبالغہ نہیں ہو گا۔ آپ کی شدید خواہش تھی کہ کارکنان دعوت و تبلیغ میں خصوصی طور پر یہ عادات و صفات پیدا ہوں یہی وجہ ہے کہ آپ کی تحریروں اور تقریروں میں ان اوصاف و شمائل کو اپنے اندر پیدا کرنے پر بہت زور اور اہتمام ملتا ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ عبدیت اور تواضع کے عنوان پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا: "آدمیت اس کا نام ہے کہ اللہ کے حکموں کو بے چون و چرا مان کر اس کو پورا کر رہا ہو، اپنی طرف سے عزت کا خواہاں نہ ہو۔ بلکہ تواضع ہو۔ من تواضع للہ دفع اللہ۔ علماء نے لکھا ہے کہ عبدیت سب سے اونچا مقام ہے۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے واقعہ میں عبد سے ہی تعبیر فرمایا ہے سبحن الذی اسری بعبدہ۔ عبدیت انسانیت کا نام ہے جتنی عبدیت ہوگی۔ اتنی ہی اللہ کے یہاں پوچھ ہوگی اور مقام ہو گا۔ بڑے

حضرت جی فرمایا کرتے تھے کہ ”عبدالاس کو کہتے ہیں جو راہ خدا میں چلتے چلتے مر رہا ہو گیا ہو۔ انسان اور جنات کی پیدائش ہی عبدیت کے واسطے ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون۔“

ایک موقع پر اپنی شخصیت کو مٹانے پر زور دیتے ہوئے ارشاد فرمایا :
”کام کرنے والا اپنی شخصیت کو کام کے لئے مٹا دے تو کام چلے گا۔ لیکن اس کام کو ذریعہ بنا کر اپنی شخصیت بنانا یہ اس کام کے ساتھ خیانت ہے ! یہ کام شخصیت سازی کا نہیں ہے، شخصیت سوزی کا ہے۔ اس کام کے ذریعہ عوام کو خواص نہیں بنانا ہے بلکہ خواص کو بھی عوام بنانا ہے۔ ہم کام کرنے والوں میں کوئی امتیازی شان نہ رہنی چاہئے۔“

حضرت مولانا کے نزدیک اس دعوتی کام کی حقیقت اور اس کی تہہ تک پہنچنے کے لئے (ان صفات کے ساتھ ساتھ) اپنے اندر جہل کا اعتراف بھی ضروری ہے۔ چنانچہ اعتراف جہل پر کام کی حقیقت واضح ہونے کو آپ اس طرح بیان فرماتے ہیں :
”آدمی میں جتنا جتنا اپنی جہالت کا اعتراف اندر سے ہوتا رہے گا۔ اللہ پاک اتنا ہی اس پر کام کھولتے چلے جائیں گے اور اس سے کام لیں گے۔ اس لئے اندرونی جہل کے اعتراف کے ساتھ اس کام کو دعائیں مانگ مانگ کر کرتے چلیں گے تو کام بنے گا۔ ورنہ بہت مشکل ہے۔“

خود اپنی نااہلیت بلکہ اپنی ذات کی بے حیثیتی اور بے توقیری حضرت مولانا کو کس درجہ مستحضر تھی اور وہ ساری عمر اپنی شخصیت کو کس طرح توڑتے رہے۔ اس کا ہلکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی حیات میں ایک گوشہ سے یہ شوشہ چھوڑا گیا کہ آنحضروم کے قیام حجاز سے (خاکم بدہن) دعوت و تبلیغ کو نقصان کا اندیشہ ہے۔ اس پر آنحضروم نے ایک طویل گرامی نامہ ”کاتب معلوم مکتوب الیہ نامعلوم“ کے عنوان سے تحریر فرمایا کہ اس کے اصل مخاطبین کے پاس اس کو روانہ فرمایا اور اس کی ایک نقل حضرت مولانا کو بھی بھیج دی۔ حضرت مولانا نے جب یہ مکتوب ملاحظہ کیا تو تڑپ اٹھے اور بڑے قلق و دکھ کا اظہار

فرما کر اپنی برات کا اظہار کرتے ہوئے ذیل کی سطور آنکھوں کو تحریر فرمائیں۔ ان سطور کا ایک ایک حرف حضرت مولانا کی تواضع و خود انکاری کا اعلان کر رہا ہے لکھتے ہیں :

”جو بھی کچھ پیش آتا ہے اس کا ظاہری سبب (بندہ) اپنی نااہلیت

عدم صلاحیت اور نالائقی سمجھتا ہے اور یہی دعا کرتا ہے کہ یا اللہ اپنی

گذرگئی اور ناکارگی سے اس کام کو ضائع نہ فرما۔“

عالیجناب الحاج قاضی عبدالقادر صاحب (جھاوڑیاں) کے نام آپ کے مکتوب کی یہ چند سطور بھی اسی تواضع و خود انکاری کی منظر ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں :

”بندہ کے لئے بزرگوں کی دعائیں ہی تسلی کا باعث اور سہارا ہیں ادعیمہ سے حسب سابق یاد فرماتے رہیں اور مدد فرماتے رہیں۔ اپنے پاس کوئی پونجی نہیں ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کی ستاری ہے کہ پردہ ڈال رکھا ہے۔ بندہ اکثر سوچا کرتا ہے کہ ہمیں مقتدا تصور کیا جا رہا ہے جب ہمارا یہ حال ہے تو اللہ ہی مالک ہے۔ اللہ جل شانہ اپنی قدرت کا مظاہرہ فرما رہے ہیں۔“

جناب الحاج بھائی عبدالوہاب صاحب رائے وندھم حضرت مولانا کی اس تواضع اور خود انکاری نیز اپنی بات رجوغ، اور سائنقیوں کے صلاح و مشورہ کو قبول کر لینے کے متعلق حضرت شیخ کو اس طرح تحریر کرتے ہیں۔

”الحمد للہ حضرت جی مدظلہ العالی کے رجوغ فرمانے میں دیر نہیں

لگتی۔ سارے یورپ اور جنوبی افریقہ کے سفر میں، لنکا اور حجاز

کے سفر میں، بھرے مجمع میں حضرت جی مدظلہ العالی بیان فرماتے رہے

اور بیان فرمانے کے بعد مفتی صاحب، قاضی صاحب، بھائی بشیر صاحب

مولوی سعید خان صاحب وغیرہ کی موجودگی میں دریافت فرماتے

رہے کہ کیوں بھائی عبدالوہاب ہم نے ٹھیک کہا، یا کچھ اور کہنا ہے

بندہ بھی بلا جھجک جو سمجھ میں آتا رہا، پیش کرتا رہا۔ الحمد للہ حضرت جی کے سامنے بات رکھنے میں ہمیں کوئی خوف نہیں ہوتا۔ الحمد للہ رکھتے ہیں اور حضرت جی مدظلہ العالی الحمد للہ فوراً مان لیتے ہیں بلکہ

مولانا مفتی عبدالشکور صاحب (میوات) آپ کی تواضع اور انکساری کے متعلق لکھتے ہیں :

”حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کی پوری زندگی یوں تو تواضع اور فنایت میں گزری ہے۔ لیکن جس دن حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کا وصال ہوا۔ اس دن کی عاجزی اور درماندگی کو میں بھول نہیں سکتا۔ شام کو بہت رنجیدہ بیٹھے رو رہے تھے۔ آنکھوں سے ۔۔۔ آنسوؤں کی لڑی جاری تھی۔ اسی موقع پر مولوی معین الدین کو بلا یا اور نصیحتیں فرمائیں اور اس وقت بار بار یہ جملہ دہرا رہے تھے۔ ذہب الناس وبقى الناس (جو اصل لوگ تھے وہ چلے گئے اور میل کچیل باقی رہ گیا) اس کے بعد پھر یہ شعر آپ کی زبان پر جاری ہو گیا :

ذہب الذین یعاش فی الکناہم : وبقیت فرداً کالبعیر الاجرب
تواضع اور خود انکاری پر مشتمل صدہا واقعات میں سے چند واقعات بطور مشتمل نمونہ از خزوارے یہاں پیش کئے جاتے ہیں :

(۱) ایک مرتبہ میں حاضر ہوا تنہا بیٹھے ہوئے تھے اور چہرے پر رنج کے آثار تھے۔ بندہ نے خیریت پوچھی تو فرمایا میرے لئے ایک دعا کر دو۔ میں نے پوچھا کون سی دعا؟ فرمایا کہ یہ دعا کر دو کہ دعوت میری سمجھ میں آجائے۔ اس پر بندہ نے اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کی، اور حضرت جی نے اس پر آمین کہی۔ پھر بندہ نے کہا کہ حضرت میرے لئے بھی ایک دعا کر دیجئے، فرمایا کہ کیا دعا؟ میں نے

کہا کہ میرے لئے یہ دعا کر دیں کہ مجھے بھی دعوت آجائے۔ اس پر حضرت جی نے دعا فرمائی اور میں نے آئین کہی۔ اور پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت دعوت تو ایسا بحرِ ذخار ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخر تک رب زدنی علماً کی دعا فرماتے رہے۔ اس پر حضرت جی مسکرا دیئے۔

(۲) مدرسہ کاشف العلوم دہلی میں داخل ایک طالب علم نے جلی ہوئی روٹی لینے سے انکار کر کے وہ روٹی پھینک دی۔ منتظم مطبخ نے حضرت سے شکایت کر دی۔ حضرت جی نے اس لڑکے کو طلب کر کے ایک چپیت رسید فرمایا۔ لڑکا واپس ہوا تو دوبارہ اسکو بلایا اور بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا۔ لڑکے! معاف کر دے۔ یہ منظر دیکھ کر حضار مجلس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

(۳) جمعرات کو طلبہ کی نشست میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب خطاب فرما رہے تھے۔ اچانک حضرت تشریف لے آئے (جو کبھی آیا کرتے تھے) حضرت مولانا... محمد یوسف صاحب نے بیان روک کر مولانا محمد عبید اللہ صاحب کو فرمایا مولوی انعام آئے ہیں ان کو سامنے بلا لاؤ۔ مولانا محمد عبید اللہ صاحب نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ آپ سامنے تشریف لے آئیں۔ اس پر تواضعاً فرمایا کہ کیا ضرورت ہے مولانا عبید اللہ نے پھر فرمایا کہ مولانا محمد یوسف صاحب فرما رہے ہیں۔ تو فرمایا ادھر میں کہہ رہا ہوں کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ آخر تک وہیں بیٹھے رہے جو طلبہ کا آخری حصہ تھا۔

(۴) مولانا محمد عمر صاحب کی آنکھ میں ایک مرتبہ موتیا اتر آیا۔ صاف نظر نہیں آتا تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر انھوں نے حضرت جی کے جوتے اپنے سمجھ کر پہن لئے تو حضرت جی نے نیچے جھک کر مولانا کے جوتے سیدھے کرتے ہوئے فرمایا کہ مولوی عمر تمہارے جوتے یہ ہیں۔

(۵) ایک مرتبہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کچھ خواص آپ سے ملاقات کے لئے

لے روایت بھائی خالد سیف اللہ دہلی۔

لے و لے از مولانا شبیر احمد جٹ گاؤں وزنگل۔ لے روایت مولانا محمد یوسف صاحب پانپوری۔

آئے ہوئے تھے۔ بندہ بھی اس موقع پر اس مجلس میں موجود تھا۔ حضرت جی نے ان خواص سے کچھ دیر گفتگو فرمائی۔ مجلس ختم ہونے پر جب میں اٹھنے لگا تو فرمایا بھائی نادر بیٹھ جاؤ بندہ بیٹھ گیا تو بہت ٹھنڈا سا نس بھر کر فرمایا۔ بھائی نادر میرا کیا ہو گا؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت گنگوہیؒ نے اپنے بعض خواص کو لکھا تھا کہ اصل تو دردِ نایافت ہے۔ پس منکر رونے لگے۔ یہاں تک کہ آنسو رخسارہ پر آگئے۔ پھر فرمایا کہ پیارے یہاں تو اپنا سرمایہ ہی لٹ گیا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ نے اپنے شیخ سے بھی رجوع کیا ہے؟ اسپر فرمایا کہ دس گیارہ بجے تک مولانا محمد عمر صاحب کے کمرے میں بیٹھتا ہوں۔ اس سے سکون ملتا ہے۔ سلہ

(۶) ایک اجتماع کے موقع پر ہر سات کا موسم تھا۔ ہوا کا ایک زوردار جھونکا آیا جس سے سارے شامیائے اکھڑ گئے۔ حضرت مولانا یوسف صاحب کی تقریر ہونے والی تھی اور مجمع سننے کیلئے بیتاب تھا۔ حضرت مولانا تشریف لائے اور خطبہ شروع کیا۔ یکایک ایک طرف سے بادل اٹھا اور زور زور سے بارش شروع ہو گئی۔ بارش طوفان کی طرح آئی اور طوفان کی طرح برسی۔ لوگوں کا ٹھہرنا مشکل ہو گیا۔ مگر مولانا پہاڑ کی طرح اپنی جگہ جمے رہے۔ اور لوگوں کو پکار پکار کر بلاتے اور اپنے مخصوص انداز میں فرماتے کہ کاغذ کے نہیں ہو کہ گل جاؤ گے اور مٹی کے نہیں ہو کہ گچھل جاؤ گے۔ یکایک حضرت مولانا انعام الحسن صاحب چھتری لے کر آئے تو حضرت مولانا نے روک دیا اور فرمایا کہ کیا ہم اپنے کاموں کے لئے روزانہ لائن میں کھڑے ہو کر یا کھیتوں میں ہل چلاتے ہوئے نہیں بھیگتے، میں اپنے لئے نہیں بھیگ رہا ہوں بلکہ خدا کیلئے بھیگ رہا ہوں۔ آج کا یہ بھیگنا کل قیامت میں کام آئے گا۔ سلہ

(۷) ایک مرتبہ مرکز میں نکاح پڑھایا۔ دوہا سے اس کی عمر دریافت کی تو بتلایا گیا کہ چودہ سال عمر ہے۔ اس پر حضرت جی نے بغیر کسی جھجک کے مولانا عبید اللہ صاحب سے جو مجمع کے کنارے پر تشریف فرما تھے، شرعی مسئلہ دریافت کرتے ہوئے بلند آواز سے فرمایا کہ مولوی صاحب ان کے قبول کرنے سے نکاح ہو جائے گا؟ ان کے

بتلائے پر حضرت جی نے دو لہا کے جو رشتہ دار تھے۔ ان کے ذریعہ سے نکاح
پڑھایا۔

(۸) ایک مرتبہ حضرت مولانا علی میاں مرکز تشریف لائے جب واپس جانے
لگے تو حضرت جی باہر سڑک تک چھوڑنے کے لئے تشریف لائے اور معافقہ کرتے ہوئے
ان سے فرمایا کہ دیکھنا ہم کمزوروں اور ضعیفوں کو بھول مت جانا۔

(۹) افغانستان کے ایک ممتاز عالم دین حضرت مولانا سے ملاقات کے لئے مرکز
نظام الدین آئے۔ آپ اس وقت جماعتیں روانہ فرما رہے تھے۔ اس سے فراغت پر
مولانا عبید اللہ صاحب نے ان عالم دین کی ملاقات آپ سے کرائی۔ معزز مہمان فارسی
میں بات کر رہے تھے۔ حضرت مولانا بھی فارسی بولنا چاہتے تھے۔ لیکن بے سائنہ
طور پر عربی الفاظ زبان پر جاری ہو جاتے تھے۔ میں قریب ہی میں کھڑا ہوا یہ منظر دیکھ
رہا تھا۔ حضرت جی نے مولانا عبید اللہ صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھائی فارسی بولنا
چاہتا ہوں مگر زبان سے عربی ہی نکلتی ہے۔ بہر حال اس ابتدائی گفتگو اور مزاج پر سی
وغیرہ کے بعد مولانا عبید اللہ صاحب نے عرض کیا کہ یہ فلاں حدیث تشریف کی اجازت
لینے کے لئے افغانستان سے آپ کے پاس آئے ہیں۔ آپ ان کو اجازت دیدیں۔
یہ سن کر حضرت جی کے اوپر سکتہ کا سا عالم طاری ہو گیا۔ اور انتہائی بھڑائی ہوئی آواز میں
عاجزانہ صورت بنا کر فرمایا ارے بھائی میں کیا جانوں۔ یہ جملہ ایسے انداز سے فرمایا کہ
میں اور مولانا عبید اللہ صاحب دونوں روپڑے کے کتنی عاجزی سے اپنی نفی فرما رہے
ہیں۔ مولانا عبید اللہ صاحب کھڑے ہی کھڑے کافی دیر تک سفارش کرتے رہے۔
جس پر حضرت نے ان کو کچھ کلمات فرما کر اجازت مرحمت فرمائی۔

(۱۰) پانی پت میں ایک مرتبہ اجتماع تھا۔ مسلمان اور غیر مسلم سب حضرت والا کی
زیارت کے مشاق تھے۔ افسران اعلیٰ بھی غائبانہ طور پر معتقد تھے اور بار بار پوچھتے تھے
کہ حضرت کب تشریف لارہے ہیں۔ ہم ان کا استقبال کریں گے۔ مگر حضرت بغیر کسی حیدر

لے دیکھ دیکھ از حافظ محمد یوسف صاحب ٹانڈہ چھرولی۔

بازار میں ہیں کون دیکھ رہا ہے اور کون نہیں دیکھ رہا ہے۔ لہ
(۱۲) رمضان ۱۳۹۷ھ حضرت شیخ دامت برکاتہم نے مدینہ پاک میں
گزارا۔ حضرت اپنی شدتِ علالت کی وجہ سے تراویح اپنی جائے قیام مدرسہ علوم شرعیہ میں
ادا فرماتے تھے۔ چار پانچ خادم ساتھ تھے۔ مدرسہ کی جگہ فی الجملہ عمومی ہونے کی وجہ سے
رمضان میں وضو استنجاء کرنے والوں کا رش ہو جاتا جس سے مدرسہ کے اصل مقیمین کو
تکلیف ہوتی تھی اسلئے اس میں کچھ کمی کرنے کے لئے استنجاء خانوں کے باہر یہ اعلان لکھ کر
آویزاں کر دیا گیا۔ کہ مقیمین کے علاوہ دیگر لوگ بلا اجازت یہ غسل خانے و بیت الخلا
استعمال نہ کریں۔ حضرت جی مدظلہ ان ایام میں مدینہ منورہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ قیام
مسجد نور میں تھا۔ لیکن ان کا حضرت شیخ کا خصوصی مہمان ہونا اور ان کی ذاتی اہمیت
نظاہر ہے کہ مدرسہ کے دیگر تمام مقیمین ان کے لئے بمنزلہ خدام تھے۔ تراویح کے وقت مدرسہ
کا دروازہ بند رہتا تھا۔ لیکن اس کی ایک تالی حضرت جی کو پیش کر دی گئی تھی تاکہ جب
بھی تشریف لائیں دروازہ کھلوانا نہ پڑے۔

ایک روز تراویح کے دوران حضرت جی کو پیشاب کی حاجت ہوئی تو فراغت
کے لئے حرم نبوی شریف سے مدرسہ آئے تو بیت الخلا میں داخل ہوتے وقت اس
اعلان پر نظر پڑ گئی تو وہیں کھڑے ہو گئے۔ اندر نہیں گئے۔ ادھر حضرت شیخ کے یہاں
تراویح شروع ہو چکی تھی۔ سلام پھیرنے پر جب ایک خادم کمرے سے نکلا تو حضرت جی نے
اس سے کہا کہ پیشاب کی حاجت ہے۔ روکے کھڑا ہوں۔ کیونکہ یہ اعلان لگا ہوا ہے۔
خادم نے مشرمدہ ہو کر عرض کیا کہ حضرت یہ آپ کے لئے نہیں ہے۔ اجنبی لوگوں کا رش
ہو جاتا ہے۔۔۔ یہ ان کے لئے ہے۔ یہ سن کر حضرت جی بیت الخلا سے تشریف لے
گئے۔

(۱۳) تامل ناڈو میں اجتماع تھا۔ جنوبی ہند کے تمام کارکن و رفقاء مشورہ کی
مجلس میں موجود تھے جن میں اہل علم بھی بڑی تعداد میں تھے۔ ایک ذی مرتبت قدیمی

لہ روایت مولانا بشیر احمد صاحب جنگاؤں سے روایت جناب الحاج صوفی محمد اقبال صاحب مدنی

کارکن نے کام کا جائزہ پیش کرتے ہوئے یہ جملہ بھی کہہ دیا کہ "حضرت یہ سب آپکی برکت سے" اس پر بھرائی آوازیں فرمایا

"اجی میری کیا برکت ہے یہ کام مجھ پر موقوف نہیں ہے۔ تم لوگ کوشش کرتے ہو، قربانیاں دیتے ہو اس پر اللہ جل شانہ یہ ثمرہ عطا فرما دیتے ہیں۔"

تمام کارکنان کے بیچ میں اپنی ذات کی یہ نفی ایسے درد بھرے لہجہ میں فرمائی کہ سننے والوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

(۱۳) مدرسہ کاشف العلوم نظام الدین کے طلبہ کا معمول یہ ہے کہ ہفتہ میں بدھ کے دن عصر کی نماز کے بعد کسی ایک جگہ جمع ہو کر اصولوں کا مذاکرہ کرتے اور مہینہ میں ایک مرتبہ حضرت جی کو اپنے ہاں آمد کی دعوت دیتے تھے۔ حضرت جی یا تو خود تشریف لے آتے یا اپنی طرف سے کسی کو تجویز فرما دیتے۔ ایک مرتبہ ۱۳۹۱ھ (۲۸ جولائی ۱۹۷۱ء) بدھ کے دن طلبہ کا اجتماع چل رہا تھا۔ حضرت جی نے طویل بیان فرمایا۔ بیان سے فراغت پر مولانا محمد الیاس صاحب بارہ بنکوی نے عرض کیا کہ حضرت دعا فرما دیجئے۔ اس پر جواباً فرمایا کہ آپ حضرات یہ سمجھ رہے ہیں کہ حضرت تشریف لے آئے اور طلبہ میں شور ہو گیا کہ حضرت تشریف لائے ہیں اور حضرت نے بیان فرما دیا۔ لیکن ان سب باتوں سے حضرت کا نفس پھول کر ایسا ہو جائے گا جیسے مرے ہوئے گدھے کا پیٹ ہوتا ہے۔ پھر مجمع میں موجود مولوی چراغ الدین صاحب راہبستھالی سے فرمایا، "مولوی چراغ الدین دعا کراؤ، ہم آمین کہیں گے" یہ الفاظ سن کر مجمع پر عجیب طرح کی خاموشی چھا گئی۔ حضرت جی بھی خاموش بیٹھ رہے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد مولانا الیاس صاحب حافظ ثور الدین صاحب مولوی چراغ الدین صاحب کے درخواست کرنے پر آپ نے مختصر دعا کرائی۔

اسی طرح ۸ صفر ۱۳۹۳ھ ۲۴ مارچ ۱۹۷۳ء بدھ میں طلبہ کے اجتماع میں

گجرات کے ایک اجتماع کے اختتام پر بذریعہ کار واپس ہو رہے تھے کہ ریلوے کراسنگ کا گیٹ عین وقت پر بند ہو گیا اور گاڑی رک گئی۔ ایک دو مقامی حضرات بھی اس گاڑی میں موجود تھے۔ کچھ دیر بعد یکے بعد دیگرے لوگ گاڑی کی طرف آنے لگے۔ اور حضرت جی سے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ جو صاحب گاڑی چلا رہے تھے انھوں نے کھڑکی کا شیشہ اوپر کرنا چاہا تو حضرت جی نے ان کو روک دیا ہوئے فرمایا کہ بھائی رہنے دو۔ شاید انہی کے نیک گمان کی وجہ سے اللہ جل شانہ ہمارا بخشش کر دے۔ اور پھر پرجوش و پُر خلوص انداز میں آپ نے سبھوں سے مصافحہ کیا۔

حضرت مولانا کی متواضعانہ طبیعت

نمائش اور خود نمائی سے احتراز

ہر ایسے مقام یا مجلس میں جانے سے آپ کو روک دیتی تھی، جہاں نام و نمود ہو یا اپنی نمائش اور خود نمائی ہو۔ اسی بنا پر حکومتی اور سرکاری سطح پر منعقد ہونے والی مجالس و محافل میں بھی آپ نے کبھی شرکت نہیں فرمائی۔ بلکہ ایسے مواقع پر کبھی تو آپ صاف صاف انکار فرما کر اس کی وجہ بیان کر دیتے اور کبھی خوش اسلوبی اور خاموشی کے ساتھ اپنا دامن پچا لیتے۔ ایک مرتبہ عید گاہ دہلی میں نماز عید الاضحیٰ کے موقع پر خلفشار و انتشار تھا۔ دلی وقف بورڈ نے اتفاق رائے سے آپ کی امامت طے کر دی اور ایک وفد اس کی اطلاع لے کر مرکز نظام الدین آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے مضبوط انداز میں معذرت فرما کر فوراً حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو ایک مکتوب تحریر فرمایا جس میں اس وفد سے ہونیوالی گفتگو کی تفصیلات لکھ کر آپ سے دعا کی درخواست کی۔ وہ مکتوب یہ ہے:

”حضرت نظام الدین مخدوم مکرم معظم محترم مدظلہم العالی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج صبح۔۔ چائے کے بعد دہلی وقف

مہر روایت مولانا عبدالسلام پونوی۔ سہ حسن اخلاق دہلی ستمبر ۱۹۹۵ء

بورڈ کا ایک وفد جس میں چیرمین اور دیگر صاحبان تھے آیا۔ جس کو چائے وغیرہ پلائی گئی۔ بہت دیر تک تو بس تواضع کی ہی بات ہوتی رہی۔ آخر میں عید الاضحیٰ کی امامت کے بارے میں فیصلہ سنایا کہ وقف بورڈ نے بندہ کی امامت کا فیصلہ کیا ہے جس پر بندہ نے معذرت کر دی کہ بندہ تو اپنی معذوری کی بنا پر اپنی مسجد میں بھی نماز نہیں پڑھاتا ہے بہت دیر تک بات ہوتی رہی۔ بندہ بات کرتا رہا۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ اس سے فتنہ دیتا ہے اور سب متفق ہیں۔ بندہ نے کہا کہ یہ اتفاق اسی وجہ سے ہے کہ ہم کسی اختلافی چیز میں دخل نہیں دیتے اور آپ ہمیں کیوں... اختلافی چیز میں کھینچتے ہیں۔ ہم نے ان کی نہیں مانی اور ان کے کوٹھے اور صورت سمجھ میں آئی نہیں۔ یہ کہہ کر وہ چلے گئے کہ اس مسئلہ پر ہم اور غور کریں، ہم پھر آویں گے۔ اب شام کو وقف بورڈ کے دفتر کی یہ خبر ملی ہیکہ ایک خط تیار کیا جا رہا ہے بندہ کے پاس بھیجنے کے لئے اور یہ بھی خبر ملی ہے کہ وہ ہمارا اعلان کر دیں گے۔ بندہ نے یہ پیام بھیجا ہے کہ اگر ہمارا اعلان کریں گے تو پھر ہم تقریر کے لئے بھی کسی کو نہیں بھیجیں گے، دس سال سے عیدین میں تقریر کرنے کے لئے ہمارے یہاں سے آدمی جاتا ہے۔ اپنی رائے تو یہ ہے کہ ہم تینوں انعام، عبید اللہ، انظہار میں سے تو کوئی نہیں۔ اگر زیادہ فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس تصریح کے ساتھ کہ صرف یہی ایک عید پڑھانے کے لئے مولوی یعقوب کو بھیج دیا جائے اور اگلی عید تک انتظام کر لیں آئندہ نہیں بھیجیں گے۔ دعا کے لئے یہ تمام۔ کہانی لکھی ہے۔ اللہ جل شانہ اپنا فضل فرماویں۔ محمد انعام الحسن غفرلہ

● صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ڈاکٹر حسین مرحوم کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے ایک وفد آپ کی خدمت میں سرکاری دعوت نامہ لیکر پہنچا تو آپ نے یہ کہہ کر کہ اس میں رسمیت نامیشن اور شہرت ہے، شرکت سے معذرت فرمادی اس وفد کی آمد کا حال آپ حضرت شیخ کو اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

”بندہ کے پاس جامعہ ملیہ کا ایک وفد ۲۵، ۳۰ آدمیوں کا آیا تھا، جس نے دریافت کیا کہ بندہ جنازہ میں شرکت کرے گا یا نہیں، بندہ نے انکار کر دیا کہ اس میں رسمیت اور نمائش اور شہرت ہے اور ہنگامہ ہے۔ اس پر انھوں نے کہا کہ الگ کمرہ میں تیرا انتظام کر دیں گے۔ لیکن بندہ نے عذر کر دیا۔ شنبہ کے روز جس دن ان کا انتقال ہوا، دو آدمی راشٹرپتی بھون میں قرآن خوانی کے لئے طلبہ کو لینے آئے تھے، اس پر بھی عذر کر دیا تھا کہ یہاں پر ہی ایصال ثواب کر دیا جائے گا۔ وہاں یا کہیں بھیجنا ہمارے دستور میں نہیں ہے۔ چنانچہ دو قرآن پاک ختم کرا دیئے گئے۔“

● ایک مرتبہ امام حرم نبوی دہلی تشریف لائے تو ان کے اعزاز میں رنجیت ہوٹل میں ایک تقریب منعقد کی گئی۔ حضرت مولانا کے پاس جب ایک صاحب دعوت نامہ لائے تو آپ نے۔۔ اس نسبت جلیلہ کا تو پورا پورا احترام فرمایا لیکن شرکت سے معذوری ظاہر کر دی۔ حضرت مولانا اس موقع پر ہونے والی گفتگو حضرت شیخ کو اس طرح لکھتے ہیں :-

”امام حرم نبوی آج کل دہلی آئے ہوئے ہیں۔ یکم فروری کو لکھنؤ جاؤں گے جماعت اسلامی کی جانب سے کل ۲۹ جنوری کو ایک صاحب قائم مقام امیر کی جانب سے ایک دعوت نامہ لے کر آئے تھے جس میں کل ۱۱ جنوری کو شام کے ساڑھے چار بجے رنجیت ہوٹل میں انکی تقریب میں مدعو کیا تھا۔ بندہ نے عذر کر دیا کہ ہم مسجد میں چٹائی پر بیٹھنے والے ہوٹلوں کی دعوت کے مناسب نہیں ہیں۔ دعوت نامہ لانے والے (یہ سنکر) جھینپ گئے۔ امیر صاحب مولوی یوسف تو ابھی اپنے سفر سے واپس نہیں لوٹے۔“

● ایک اسلامی مملکت کا اعلیٰ سطحی وفد آسٹریلیا، فلپائن، سنگاپور، بلیشیا وغیرہ کا دورہ کرتے ہوئے جب ہندوستان پہنچا تو یہاں سفارت خانہ میں ان کے اعزاز میں عشاءِ دیدار کیا گیا۔ حضرت مولانا کو جب اس میں مدعو کیا گیا تو آپ نے اپنے اطفال و اعدا بیان فرما کر شرکت سے انکار فرما دیا۔ مولانا حضرت شیخ کو لکھتے ہیں :-

”ایک وفد جو آسٹریلیا، فلپائن، سنگاپور، ملیشیا، وغیرہ ہو کر یہاں کام دورہ کر رہا ہے، جمعہ کی شام کو مغرب کے بعد ہمارے یہاں آیا تھا دو گھنٹہ اس سے بات ہوئی، خوب متاثر ہوا۔ لیکن تیسرے روز شاید وہ غفا بھی ہو گیا کیونکہ سفیر کی جانب سے عشاۃ کا دعوت نامہ آیا تھا جس سے بندے نے معذرت کر دی اور اپنے اعذار و اشغال سامنے رکھے جس کو دعوت لے کر آنے والے نے تو بہت خوشی سے معذرت تسلیم کر لیا۔ مگر معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو یہ بات خوش نہیں لگی کہ ان کے اکرام میں تمام اعذار پس پشت ڈال دینے چاہئیں تھے، شکایات تو کچھ زیادہ طاقتور نہیں ہیں لیکن ورغلانے والوں سے اللہ جل شانہ حفاظت فرمائے۔ اور خیر کی غیب سے صورتیں پیدا فرماویں۔“

مکتوب ۲۵ جولائی ۱۹۷۸ء، ۸۱ ارشبان ۱۳۹۸ھ

کمال تقویٰ اور کمال احتیاط | زندگی کے روزمرہ کے معاملات و مسائل میں حضرت مولانا کا ہر قدم کس

قدر احتیاط کے ساتھ اٹھتا اور باریک سے باریک معاملات میں آپ خود کو کس قدر شرعی حدود و قیود اور فقہ و فتاویٰ کے دائرے میں رکھتے تھے۔ اس کا اندازہ ذیل کے کچھ ایسے واقعات سے ہوتا ہے جو آپ کی زندگی کے مختلف پہلو اور شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ جناب بھائی خالد سیف اللہ (دہلی) لکھتے ہیں:

”تھائی لینڈ کے سفر سے واپسی پر جب میں ملاقات کے لئے آیا تو حضرت جی نے اپنے حجرہ میں تنہا تھے۔ اور بڑی بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔ میں نے سلام کیا اور غیریت معلوم کی تو فرمایا کہ اس سفر میں میرے سے ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا۔

میں نے پوچھا کہ حضرت کیا ہوا تو ٹہلنا چھوڑ کر بیٹھ گئے۔ بندہ بھی بیٹھ گیا۔ پھر یوں فرمایا کہ اس سفر میں میں نے ایک جگہ جھوٹ بول دیا اور یوں لگتا تھا کہ اب روئے تب روئے میں نے پوچھا کہ حضرت کیا ہوا اور کیسے ہوا؟ تو فرمایا کہ کسٹم پر مجھ سے پوچھا گیا کہ آپ کے پاس ہندوستانی روپے

کتنے ہیں؟ تو میں نے جواب میں کہہ دیا کہ میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔
اس نے کہ مجھے سفر میں پیسہ رکھنے کی عادت نہیں۔ لیکن اب سفر سے واپسی پر
جب کپڑے دھو بی کو دیتے وقت میں نے اپنی جیب جھاڑی تو اس میں سے
دس پیسے نکلے تو یہ میرا جھوٹ ہوا۔

میں نے عرض کیا کہ آپ کو معلوم تو تھا نہیں کہ دس پیسے کا سکہ جیب میں
ہے۔ اس پر فرمایا کہ جیب میری اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ اس میں کیا ہے۔ کیا یہ ہاتھ
اللہ کے یہاں چل جائے گی۔ حضرت جی کی بات سن کر مجھے یاد آیا کہ حکومت کا
قانون یہ ہے کہ بیرون ملک جانے والے سے ہندوستانی روپیہ پوچھنے کا
مطلب ہے سو روپیہ کا نوٹ یا اس سے زیادہ کا نوٹ۔ کیونکہ یہ نوٹ دوسرے
ملکوں میں بھی کرنسی تبدیل کرنے والوں کے پاس ہوتا ہے۔ اس سے کم کے
نوٹ یا سکہ رکھنا منع نہیں ہے۔ جب یہ بات میں نے حضرت والا کو بتلائی
تو حضرت نے فرمایا کیا تم یہ سچ کہہ رہے ہو۔ جب میں نے تائید کی تو فرمایا
کہ اب مجھے اطمینان ہوا اور واقعی میں کبھی حضرت کے چہرے پر بڑا سکون
محسوس کیا۔

کمال تقویٰ اور کمال احتیاط کے تعلق سے بھائی سیف اللہ صاحب موصوف
اپنا دوسرا واقعہ اس طرح لکھتے ہیں :

”میں نے اپنے کواٹر میں کچھ سبزیاں لگا رکھی تھیں۔ کبھی کبھی تازی
سبزیاں حضرت کو پیش کر دیتا۔ اور آپ ان کو قبول فرما کر کسی کے ذریعہ
گھر میں بھیج دیتے۔ ایک دفعہ میں سبزی لایا تو میں نے کہہ دیا کہ حضرت سبزی
لایا ہوں گھر میں بھجوا دیں، تو حضرت کا چہرہ جلال سے سرخ ہو گیا، اور
سبزی کی تھیلی کو ہاتھ سے پرے ہٹا کر۔۔۔ فرمایا کہ میں کیوں بھجوں،
تم خود بھجو۔ مولانا عبید اللہ صاحب اس وقت تشریف فرما تھے۔ انھوں
نے میری سفارش کی کہ حضرت یہ بچے ہیں، غلطی ہو گئی ہے، ان کو معاف
کر دیں۔ لیکن اس سفارش پر بھی جلال کچھ کم نہ ہوا۔ اور فرمایا ان کی داڑھی

میں سفید بال آگئے ہیں۔ یہ ابھی تک بچے ہی ہیں۔ پھر سب نے عرض کیا کہ حضرت واقعی غلطی ہو گئی۔ آپ مجھے معاف کر دیں۔ تو جلال میں فرمایا، کیا غلطی ہو گئی؟ میں نے عرض کیا کہ ہدیہ کا مطلب ہے مالک بنانا۔ میں نے آپ کو مالک بنانے کے بجائے خود ہی اس کا استعمال طے کر دیا۔ پھر یہ ہدیہ کہاں ہوا۔ یہ سنکر سارا جلال ختم ہو گیا اور سکراتے ہوئے ہدیہ قبول کر کے گھر میں بھیج دیا۔

حضرت مولانا کا تقویٰ اور احتیاط سے بھرپور یہ مزاج آپ کو قبول ہدیہ میں بھی پس و پیش کرنے اور بسا اوقات صاف صاف انکار کر دینے پر مجبور کر دیا کرتا تھا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی شخص نے آپ کو ہدیہ پیش کیا ہو اور آپ نے انکار نہ فرمایا ہو۔ ہمیشہ اس قسم کے جملے ضرور فرماتے تھے کہ بھائی مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ کہیں اور خرچ کر دو یا خود ہی کسی اچھی جگہ خرچ کر دینا۔ وغیرہ وغیرہ۔ حافظ محمد یوسف صاحب اس سلسلہ کے دو بہت عجیب واقعے اس طرح بیان کرتے ہیں:

”میں یہاں حضرت والا کے قبول ہدیہ کے دو واقعے سنانا چاہتا ہوں پہلا واقعہ وہ ہے جس میں حضرت نے ہدیہ قبول نہ کرتے ہوئے انکار فرما دیا اور دوسرا واقعہ وہ ہے کہ اس میں حضرت نے ہدیہ کا بڑا اعزاز و استقبال کیا۔ پہلا واقعہ یوں ہے کہ۔

ایک صاحب نے میرے ہاتھ۔۔۔ ہدیہ کی ایک بڑی قسم حضرت کی خدمت میں بھیجی۔ میں نے تنہائی میں وہ پیش کی، تو حضرت نے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا ”نہیں بھائی نہ جانے کیسی ہو گی۔“ میں نے عرض کیا کہ حضرت ان صاحب کا تو محنت و مزدوری اور لکڑی کا کام ہے۔ مگر حضرت پھر بھی متوجہ نہیں ہوئے اور نہ میری طرف دیکھا۔ رستم کی طرف تو کیا دیکھتے۔ اور اپنے دوسرے کام میں مشغول ہو گئے۔ تو مجھے تشویش ہوئی کہ یا اللہ وہ تو بیمار ہے مزدور رستم کے آدمی ہیں۔ آخر حضرت ان کا ہدیہ کیوں قبول نہیں فرماتے پھر حال میں وہ رستم لے کر لوٹ آیا۔ اور ان صاحب کو وہ اپنی کردی، مگر

میں جستجو میں لگا رہا کہ یہ قصہ کیا ہے۔ ایک روز ان صاحب کے پڑوس میں رہنے والے ایک ساتھی نے مجھ سے کہا کہ آپ ان صاحب کو کچھ نصیحت کریں کیونکہ ان کا کاروبار بہت غلط ہے۔ میں نے کہا کہ یہ کیا کاروبار کرتے ہیں۔ تو اس ساتھی نے جو ان کے کاروبار کی تفصیلی بتلائی اس کو سنا تو میں دھک سے رہ گیا۔ مجھے تعجب اس کاروبار پر نہیں ہوا بلکہ حضرت کی روحانی فراست اور بصیرت پر تعجب ہوا کہ کس طرح صاف صاف فرما دیا کہ ”نہیں بھائی نہ جانے کیسی ہوگی“

اس کے برخلاف دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ہم جماعت لیکر ایک علاقے میں۔۔۔ (جس کا میں نام نہیں لیتا) گئے۔ وہاں ایک آدمی جو بڑی بڑی مونچھیں رکھے ہوئے ہاتھ میں سکھوں کی طرح کڑا پہنے اور چہرے پر داڑھی بھی نہیں تھی۔ ہمیشہ ہمارے بیانات میں بڑی دُھپی سے آتے اور توجہ سے بات سنتے اور اکثر میرے قریب ہی بیٹھتے۔ اور بے تکلف باتیں کرتے تھے وہاں کے مقامی احباب اس کو پسند نہیں کرتے تھے کہ وہ میرے قریب ایسا بے تکلف بن کر کیوں بیٹھتے ہیں۔ اور مجھے بھی کہتے کہ آپ ان کو اتنا قریب نہ رکھا کیجئے۔ یہ کوئی مشکوک آدمی ہیں۔ مگر میں کہہ دیتا کہ بھائی ہمیں کون سا یہاں بسنا ہے۔ بیچارہ عقیدت و محبت سے آتا ہے۔ کیا خبر اللہ کا کون بندہ ہے۔ جس روز ہماری وہاں سے روانگی تھی۔ اس دن رات کو وہ میرے پاس آئے۔ اور دو روٹیاں چھوٹی چھوٹی اور موٹی موٹی پکا کر لائے اور کہا کہ یہ حضرت کو ہی دینا اور میرا نام بتا دینا میں وہ نام یہاں نہیں لکھتا۔ اور کہہ دینا کہ آپ کو سلام کہا ہے اور یہ دو روٹیاں دی ہیں۔ میں نے وہ احتیاط سے رکھ لیں۔ نظام الدین پہنچ کر میں بھول گیا اور جب کھانے کے بعد بستر پر تشریف لائے تو مجھے یاد آئی میں نے وہیں کھڑے کھڑے عرض کر دیا کہ حضرت ایک صاحب نے جن کا نام یہ ہے آپ کے لئے دو روٹیاں دی ہیں۔ حضرت نے فرمایا ارے بھائی جلدی لاؤ وہ روٹیاں کہاں ہیں؟

میں جلدی سے لایا۔ اتنے حضرت انتظار میں ہی بیٹھے رہے۔ میں نے وہ سوکھی روکھی روٹی پیش کی، تو حضرت نے لے کر فوراً بڑے مزے سے کھانی شروع کر دی۔ کھاتے رہے اور یہ فرماتے رہے کہ بھالی آج ہم میوات سے آئے ہیں۔ ایک بڑھیا نے بھی مجھے آج صبح روٹی کھلائی تھی۔ میں اس کا ٹوڑا تک اپنے سپنے میں محسوس کر رہا ہوں اور یہ فرما کر دونوں روٹیاں کھالیں۔ تب مجھے اندازہ ہوا کہ وہ خاص قسم کے آدمی تھے اور حضرت بھی ان سے واقف تھے۔

جناب الحاج عبدالحفیظ نیار صاحب (سورت) قبول ہدیہ کے تعلق سے آپ کا ایک واقعہ اس طرح سناتے ہیں۔

”ایک مرتبہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کسی صاحب نے بڑی قسم بطور ہدیہ پیش کی۔ آپ نے انکار فرما دیا۔ انھوں نے اصرار بھی کیا مگر حضرت نے قبول نہیں کی۔ وہ صاحب مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک دیہاتی قسم کے بڑے میاں آئے۔ اور حضرت جی کے پاس بلا تکلف بیٹھ کر اپنی جیب میں سے دس روپے نکال کر یہ کہتے ہوئے پیش کئے کہ ان میں سے پانچ روپے آپ رکھ لیں اور۔۔۔ پانچ روپے مجھے واپس کر دیں۔ حضرت نے فوراً ان سے دس روپے لے کر رکھ لئے اور اپنی جیب میں سے پانچ روپے نکال کر ان کو واپس کر دیئے۔“

• ایک قدیم کارکن اسی سلسلہ کا اپنا ایک واقعہ اس طرح لکھتے ہیں :

”یہ واقعہ آج سے ۳۵ برس پہلے کا ہے کہ حضرت والا ایک مرتبہ ہمارے گاؤں ایسے وقت میں تشریف لائے کہ نہ میرے گھر میں کچھ تھا اور نہ میری جیب میں کچھ تھا۔ بعد عشر حضرت جی کی قیام گاہ سے میں اپنے گھر آرام کے لئے جا جا رہا تھا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یا اللہ اگر میرے پاس کہیں سے کچھ آجاوے تو جتنا بھی آئے گا میں وہ سب حضرت کی ہی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ بس اندھیری رات تھی۔ پرسات کا موسم تھا۔ حضرت جی کی کرامت کا ظہور ہوا کہ معاً اندھیرے میں ایک انتہائی مخلص دوست ملے۔ اور سلام مصافحہ کرتے

ہی مجھے اچھی خاصی رستم یہ کہہ کر دی کہ اپنی ضرورت میں کام میں لے آنا خوشی
بھی ہوئی اور تعجب بھی کہ مجھے دعا کئے ہوئے ابھی چند لمے بھی نہیں گزرے کہ
فوراً اس کی قبولیت سامنے آگئی۔

خیر صبح جب حضرت جی اور مولانا محمد عمر صاحب ایک گاڑی میں بیٹھے تو
میں نے آدھی آدھی رستم دونوں کی خدمت میں پیش کر دی۔ حضرت جی نے
ناراضگی کا اظہار تو فرمایا لیکن گاڑی چل چکی تھی ایسے ہی مولانا محمد عمر صاحب نے بھی
اظہار ناخوشی کیا۔ دو چار روز کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حجرہ کے
سامنے ہی کھڑے تھے۔ مجھے دیکھ کر خوش ہوئے۔ اور میرا ہاتھ پکڑ کر
اندر حجرہ میں لے گئے۔ اور محبت کے انداز میں فرمایا کہ یہ رستم سچ بتاؤ تم
نے مجھے کیوں دی تھی میں نے صاف صاف عرض کر دیا تو بہت خوش ہوئے۔
پھر میں مولانا محمد عمر صاحب سے ملا۔ انہوں بھی دریافت کیا کہ وہ رستم جو
تم نے حضرت کو دی تھی حضرت نے اس کے بارے میں کیا کیا۔ میں نے عرض
کیا کہ قبول فرمائی۔ تو وہ بھی خوش ہو گئے۔

○ مولانا محمد ذاکر صاحب بے پوری کے بیان کردہ اس واقعہ سے بھی آپ کے
ورع و تقویٰ اور قبول ہدیہ میں احتیاطی پہلو کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔
"حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب ایک مقام پر بسلسلہ تبلیغی اجتماع
تشریف لے گئے۔ وہاں ایک خاتون نے سب حضرات کی خدمت میں مٹھائی
کا ایک ایک ڈبہ تحفہ میں بھجوا دیا اور کہلوا یا کہ ایک بیوہ عورت کی طرف سے
تحفہ ہے جس کے شوہر کا ابھی انتقال ہوا ہے۔ جب حضرت جی کی خدمت میں ڈبہ
پیش ہوا تو فوراً دریافت فرمایا کہ ان مرحوم کی میراث تقسیم ہو گئی یا نہیں؟ جب
معلوم ہوا کہ ابھی تقسیم نہیں ہوئی تو مٹھائی واپس کر دی اور فرمایا کہ قبل تقسیم
اس ترکہ میت سے کسی کو کچھ بھیجنا درست نہیں ہے۔" ۱۱

مولانا محمد احترام الحسن کاندھلوی حضرت مولانا کی دینی امور میں احتیاط کا ذکر کرتے ہوئے

۱۱ تذکرہ مولانا محمد انعام الحسن مرتبہ مولانا اکبر قاسمی میوات۔

ایک واقعہ اس طرح سناتے ہیں :

” دینی امور میں مولانا پوری احتیاط فرماتے تھے اور چھوٹی سے چھوٹی باتوں میں جن پر عموماً دھیان بھی نہیں جاتا، ہمیشہ احتیاط کا پہلو اختیار کرتے تھے۔ ایک بار مولانا اپنے چند اعزہ کو رخصت کرنے کے لئے نظام الدین اسٹیشن تشریف لے گئے۔ نماز کا وقت ہو گیا۔ مولانا نے مولوی محمد بن سلیمان کو خطاب کر کے فرمایا کہ وضو کا کیا ہو گا؟ پلیٹ فارم پر ایک خالی گھاڑی کھڑی ہوئی تھی جس کے چلنے میں تاخیر تھی۔ مولوی محمد بن سلیمان نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا کہ سامنے ٹرین کے ڈبہ میں استنجاء اور وضو سے فارغ ہولیں۔ مولانا نے فرمایا ایسا کرنا جائز بھی ہے یا نہیں؟ اس پر مولوی محمد بن سلیمان نے کچھ جواب دیا تو مولانا کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ مولوی محمد بن سلیمان منشار سمجھ گئے۔ اور دوڑ کر ایک ساتھی کے لوٹے میں تل میں سے پانی لائے اس سے مولانا نے استنجاء اور وضو فرمایا۔ اور ٹرین کی ٹنکی میں بھرا ہوا پانی جو مسافروں کے لئے ہوتا ہے، مولانا نے استعمال نہیں فرمایا کیونکہ آپ اس وقت مسافر نہیں تھے۔“

سنت کا اہتمام اور حب نبی علیہ السلام

حضرت مولانا کی پوری زندگی حضور پاک ﷺ کی

کے طریقہ کے مطابق زندگی گزارنے، سنت پر عمل کرنے اور دوسروں کو اس کی دعوت دینے میں بسر ہوئی۔ چوبیس گھنٹہ کے معمولات و مشاغل میں کھانے پینے، سونے جاگنے، اٹھنے بیٹھنے اور سفر پر جانے اور آنے کی جس قدر سنتیں ہیں امکان کی حد تک ان پر عمل فرماتے اور ایسے مواقع پر جتنی ماثور اور سنون دعائیں حدیث شریف میں مذکور ہیں ان کو پڑھنے کا پورا پورا اہتمام فرماتے تھے۔ آپ کے جذبہ اتباع سنت اور اسوہ حسنہ کے مطابق زندگی گزارنے کی بھرپور کوشش اور جدوجہد کے متعلق آپ کے تلمیذ رشید اور ہر وقت کے حاضر باش خادم مولانا محمد الیاس پتھراوی (میت) اپنے سالہا سال کے مشاہدات و تجربات کے حوالہ سے اپنی شہادت اس طرح

قلبند کرتے ہیں :

”تحدیثِ نعت کے طور پر عرض کر رہا ہوں کہ الحمد للہ زندہ کو حضرت کی زندگی کے دیکھنے کا موقع دورِ امارت سے بھی ۔ ۔ پہلے سے حاصل تھا۔ اس لئے کہ حضرت والا ہند اور بیرون ہند کے اکثر سفروں میں مجھے ساتھ رکھتے تھے۔ اور حضر میں بھلا اللہ شب و روز کی جلوت و خلوت کی حاضری کا شرف حاصل تھا۔ بھلا اللہ حضرت مولانا کی زندگی پہلے ہی سے بہت پاکیزہ اور تقویٰ و طہارت و اتباعِ سنت میں عین اسوہ حسنہ کے مطابق تھی۔ چھوٹی سے چھوٹی سنت کا بھی اہتمام تھا۔ حتیٰ کہ کپڑوں کے پہننے و نکالنے، سونے و جاگنے تک کی سنتوں کا اہتمام فرماتے تھے۔ لیکن جب اللہ رب العزت نے ۔ ۔ تبلیغ و دعوت کا یہ بار آپ کے کاندھوں پر ڈالا تو آپ کی زندگی میں ہر لائن سے نمایاں تبدیلی ہوئی۔ اور غور سے دیکھنے کے بعد آپ کے اندر مختلف اکابر کی نسبتوں کا اجتماع نظر آیا کسی کی عبادت کی نسبت، کسی کی قربانی کی نسبت، کسی کے زہد، کسی کی تواضع و انکساری کی نسبتیں صاف اور کھلے طور پر آپ کے اندر محسوس ہوتی تھیں اور استغناء کی نسبت تو نہ معلوم کتنے اکابر کی منتقل ہوئی تھی۔ سنتوں پر عمل کا اتنا اہتمام تھا کہ ایک ایک سنت تلاش کر کے اس پر عمل کی کوشش فرمایا کرتے تھے۔ یہاں مجھے ایک واقعہ بے اختیار یاد آ گیا۔ حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے وصال کے بعد آپ کا جنوبی ہند کا پہلا سفر ہوا۔ بندہ بھی اس سفر میں ہمراہ تھا۔ آخری پروگرام حیدرآباد کا تھا۔ وہاں سے واپسی نظام الدین دہلی تھی، جتنا ایکسپریس سے سفر ہو رہا تھا۔ مغرب کی اذان حضرت نے خود ہی شروع فرمادی۔ اذان فارغ ہونے پر حضرت منشی بشیر احمد صاحب مرحوم نے عرض کیا۔ حضرت آپ فرمادیتے ہم خدام میں سے کوئی بھی ساتھ ہی اذان کہہ دیتا تو آپ نے جبرجستہ فرمایا کہ منشی جی مجھے ایک حدیث یاد آگئی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انسان زمین کے جس خطہ پر جو عمل کرتا ہے وہ

حطہ ارض انسان کے اس عمل کی قیامت کے روز گواہی دے گا، تو میں نے یہ خیال کیا کہ جتنی دیر میں اذان پوری ہوگی، اتنی دیر ریل کافی سفر طے کرے گی تو یہ ساری زمین آخرت میں میری اذان کی گواہ ہو جائے گی۔

حضرت مولانا کو ارشادات و فرمودات نبوی اور معمولات و عادات محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر عمل کرنے کا یہ جذبہ اور اہتمام۔۔۔ اس بنا پر بھی بہت زیادہ تھا کہ حضرت مولانا کی نگاہ میں اس تمام تر دعوتی و تبلیغی جدوجہد کا مقصد ہی صرف اور صرف احیائے سنت اور اتباع سنت تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر کارکنان اور اصحاب تبلیغ کو سنت والی زندگی اختیار کرنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

”دوستو! یہ ہماری محنت اس لئے ہے کہ ہمارے اندر سنت والی زندگی آجائے اس لئے کہ خواہشات پر زندگی گزارنے والا اپنے پیروں پر کلہاڑی مارتا ہے۔ ہم اپنی زندگی میں سنت والے طریقے پر چلنے والے بن جائیں، اس کی کوشش کرنا ہے۔ جتنا سنت والے طریقے پر عمل کرنے والے بن جائیں گے۔ اتنی ہی زندگی بنتی چلی جائے گی۔ جیسی آدمی کی فکری ہوتی ہے ویسی ہی وہ زندگی گزارتا ہے۔ سنت کی فکری ہوگی تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوں گے۔ جی چاہی زندگی گزارنا یہ جانوروں والی زندگی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر زندگی گزارنا یہ اصلی انسانی زندگی ہے۔ آج انسان حیوانی زندگی گزار رہا ہے۔ دعوت کی یہ ساری ترتیب اس لئے ہے کہ اللہ کے حکموں اور نبی کے طریقے پر چلنے والے بن جائیں۔“

اسی طرح ایک دیگر موقعہ کا ملفوظ یہ ہے:

”اپنی ذات کو سنتوں پر لانے کی پوری پوری کوشش کرنی ہے، جب آدمی سنت پر چلنے کی کوشش کرے گا اور ارادہ کرے گا تو بہت آسانی سے اس پر چل پڑے گا۔ اور جو سنت پر چلے گا، وہ قیامت

سوانح
میں نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اتنا ہی قریب ہو گا۔
سنت کیا ہے؟ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کرنے کو بتلایا اسکے مطابق
کرنا بس یہی سنت ہے۔

مرکز نظام الدین میں قائم مدرسہ کاشف العلوم کے طلبہ کو ایک مرتبہ سنتوں پر
عمل کی تاکید کرتے ہوئے اس طرح نصیحت فرماتے ہیں:

”تم ابھی سے اگر سنتوں پر چلو گے اور پھر وہ سنت کسی کتاب میں ملے گی
تو ایسی فرحت ہو گی جیسے کوئی گم شدہ چیز مل گئی ہو، تمہارے پاس چاہے
بھی لمبی تقریریں نہ ہوں۔ لیکن عمل پر اور سنتوں پر زندگی پڑ جائے
تو بہت مبارک ہے۔ بہت عرصہ ہوا مجھے ایک رسالہ ملا تھا اس کا
اوپر کا ورق نہیں تھا۔ دس بارہ ورق کی کتاب تھی۔ اس میں روزانہ
کی سنتیں لکھی ہوئی تھیں۔ مجھ کو اس کے مطالعہ سے بہت مزہ آیا۔
بظاہر وہ حضرت مولانا تھانوی کی لکھی ہوئی تھی۔ اب اگر وہ مل جائے
تو تبلیغ والوں کے لئے چھاپ دیا جائے۔ لیکن تلاش پر بھی اب نہیں مل رہا
ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی سنتیں ہر چیز میں ہیں۔
بیٹھنے میں، نہانے میں بیت الخلاء وغیرہ جانے اور آنے میں۔ لیکن آج تو
انکا پتہ بھی نہیں چلتا۔

بھائیو! عزیزو! اللہ کو تو حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام والا طریقہ

ہی پسند ہے۔ اللہ مجھے بھی نصیب فرمائے اور تمہیں بھی۔“

اسی حب نبوی اور اتباع سنت کا یہ ثمرہ و نتیجہ تھا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کی محبت و عشق کا ایک دریا آپ کے دل میں موجزن رہنے لگا۔ اور جو آپ کو
کشاں کشاں قرب خاص اور مقام حضورِ ی تک لے گیا۔ اس نعمت جلیلہ کا اظہار
اپنے ایک مکتوب میں اس طرح فرماتے ہیں۔

”روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر اس نابکار کا سلام پیش فرمادیں

(اپنے کو) دور افتادہ اور مہجور کہنے کی تو بہت نہیں کہ بسا اوقات قرب

اور حضور حاصل ہے۔

ایک موقع پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے حضرت مولانا سے قیام مدینہ منورہ کے زمانہ میں اپنے جسمانی تعب و تھکان کے شدید احساس اور اشتیاق و انجذاب کے عدم احساس کا تذکرہ فرمایا کہ اس کا روحانی اور اندرونی سبب دریافت کیا تو آپ نے جواب میں یگانگت اور اپنائیت کو ہی اس کا اصلی سبب بتلایا کہ خود اپنی کیفیت اور اپنے اوپر گزرا ہوا ایک واقعہ اس طرح تحریر فرمایا :

”حضرت والا کے تعب اور تھکان کا شدید احساس بھی بظاہر اس کا سبب سکون ہی ہے۔ تعب تو سہارنپور، دہلی اور بمبئی میں خوب ہوا۔ لیکن سکون نہ ہونے کی وجہ سے اور سفر کا درمیان ہونے کی وجہ سے اس کا احساس نہ ہوا۔ جب کچھ سکون ہوا تو اس کا احساس ہوا۔ اور ضعف تو ہے ہی۔ سفر کا ہمیشہ کا تجربہ ہے، طوفانی دورہ بھی ہوتا ہے تو جو اٹھ رہے رہتے ہیں اور ٹھکانے پہنچ جاتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے نس نس دکھ رہی ہو۔ اور ہڈی ہڈی دکھ رہی ہو اور درد کر رہی ہو۔ اشتیاق و انجذاب کا محسوس نہ ہونا اس کی وجہ بھی بندہ کے سمجھ میں تو خوب آتی ہے کہ یہ شدت یگانگت اور اپنائیت ہے۔ جذب و شوق... ابتدائی چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت کے خوب ذوق و شوق اور رقت کو دیکھ کر فرمایا تھا ھکذا کنا شمر قست قلوبنا ای اطمأنت، خود بندے کا اپنا سفر یورپ کا واقعہ ہے کہ مدینہ منورہ کی حاضری کا انتظار اور دنوں اور تاریخوں کا گنا (ہو رہا تھا) لیکن وہاں پہنچ کر خود دروہنتے من دیاض الجنة میں بیٹھ کر کوئی خاص ذوق و شوق اور کوئی نئی بات کا احساس نہیں ہوا تو خوب فکر ہوا لیکن جلدی ہی اطمینان ہو گیا کہ انشاء اللہ یگانگت اور اپنائیت ہے۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے قیام مدینہ منورہ میں حضرت مولانا صاحب بھی آنحضرت کو خط تحریر کرتے تو روضہ شریفہ پر صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کی درخواست ضرور کرتے تھے۔ یہاں بطور نمونہ آپ کے دو مکاتیب سے وہ جملے نقل کئے جاتے ہیں جو اس عرض سے تحریر کئے جاتے تھے۔

”بارگاہ نبوی میں اس دور افتادہ پسماندہ اور در ماندہ کی جانب سے صلوٰۃ و سلام کے بعد اپنے لئے اور امت مسلمہ خصوصاً ہندوستان کے لئے دعا کی درخواست پیش کرنے کی گزارش ہے۔“

”ہم دور افتادوں کی جانب سے بارگاہ رسالت میں بعد صلوٰۃ و سلام کچھ عرض و معروض پیش کر دیں اور یہ کہ ع

”آوارہ و مجنوں، رسوا سر بازار سے“

حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے بڑا احساس اور

اسلامیان ہند کے مصائب پر فکر و کڑھن

درد مند دل و دماغ عطا فرمایا تھا۔ کسی بھی شخص کی بے چینی اور تکلیف سے آپ اس درجہ متاثر اور منہموم ہو جاتے۔ کہ چہرے پر اس کے آثار و اثرات صاف معلوم ہونے لگتے تھے۔ آپ کی حیات میں جب جب دین و ایمان کے تعلق سے اسلامیان ہند پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے تو آپ درد غم اور کد و کڑھن کی ایک تصویر مجسم بن کر رہ جاتے اور آپ کی حالت و کیفیت اس وقت ایسی ہو جاتی کہ دیکھنے والوں کو ترس آ جاتا تھا۔

۱۹۴۷ء تا ۱۹۴۸ء میں جب ایمر جنسی نافذ کی گئی اور اس کی آڑ میں مسلمانوں پر ظلم و ستم کیا گیا تو دہلی اور یوپی کی فضا بہت زیادہ منہموم اور خطرناک ہو گئی، جگہ جگہ فسادات شروع ہو گئے۔ اس زمانہ میں آپ حضرت کو دعاؤں کی طرف بہت زیادہ متوجہ فرمانے کی عرض سے ہر ہفتہ ایک خط ان ہی احوال و مصائب کے متعلق مدینہ منورہ تحریر فرماتے تھے۔ ان مکاتیب سے چند اقتباسات دیئے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا کے رنج و ملال اور دل و دماغ پر پڑنے والے اثرات کا ان اقتباسات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے اور صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولانا اس ظلم و تعدی کے پس منظر سے

خوب واقف تھے۔ چنانچہ ۱۰ مارچ ۱۹۴۶ء (۸ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ) کے مکتوب میں حضرت شیخ رحمہ کو لکھتے ہیں:

”آج کل فتن مدہمہ سراٹھار رہے ہیں، پردے کے خلاف اور باہمی بلا تفریق مذہب و ملت شادیوں پر زور دیا جا رہا ہے اور یہ واقعات ہو رہے ہیں، منع تولید پر سختی سے عمل کرایا جا رہا ہے۔ اللہ جل شانہ ہی تمام ظلمات و فتن سے حفاظت فرماویں۔“

آج دوپہر معلوم ہوا کہ لمبی تجویز ہے جو علماء اور اشخاص حکومت نوانہ نہیں ہیں، وہ سب زیر غور ہیں، سب ہی کے ساتھ خدا نخواستہ وہ معاملہ نہ کیا جائے جو بعض ممالک میں قریب ہی زمانہ میں ہو چکا۔ اللہم لا تقتلنا بغضبک ولا تهلکنا بعد ابلک وعافنا قبل ذلک۔“

• ۱۸ اپریل ۱۹۴۶ء (۲ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ) کے تحریر کردہ مکتوب میں اپنی بے چینی اور بے قراری کو زیادہ واضح لفظوں میں اس طرح ظاہر فرماتے ہیں:

”یہاں پر سب اہل دہلی خصوصاً اور اہل ہند عموماً الحمد للہ علی کل حال کے مقام پر پہنچے ہوئے ہیں۔ جبر و استبداد کے ائمہ مناہی و مناکر کو خدا کا نام لینے والوں پر اپنے شیطانی حربوں سے سر تقویٰ رہے ہیں۔ سوائے رحم الراحمین کی بارگاہ میں استغاثہ کے لب کشائی کی مجال نہیں۔ وہی کریم ذات اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت رکھنے والوں کی دستگیری فرماتے تو بیڑہ پار ہو سکتا ہے، احوال ناگفتنی ہیں، اقوال ناشنیدنی ہیں۔ بس اپنے اور امت کے لئے دعا کی، اور روضہ اقدس پر صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کی درخواست ہے۔“

۱۵ جنوری ۱۹۴۷ء (۲۳ محرم ۱۳۹۷ھ) میں حالات ظاہری طور پر کچھ پرسکون تھے لیکن انفرادی طور پر اندرونی مظالم کی کثرت تھی۔ حضرت مولانا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”حالات بدستور ہیں، لیکن اب شور و شغب کے بغیر انفرادی طور سے دہلی کے مکانات خالی کرائے جارہے ہیں۔ پورے محلہ کو آرڈر کے بجائے ایک ایک مکان والے

کو منتقل کر رہے ہیں۔ اور میوات میں تعقیم کے لئے بھی یہی صورت اب کی جارہی ہے اور پریشان کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا جا رہا ہے اور محار دین گویا لٹے شدہ ہے اور امت کاللسان بین الاسنان ہے۔

● ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء (یکم ربیع الاول ۱۳۶۷ء) کے تحریر کردہ ... مکتوب میں ظلم و عدوان، اخلاقی پستی و گراؤٹ اور ایک سانحہ کا تذکرہ کرتے ہوئے الشہل شانہ کے کچھ مانگنے اور منوانے کے جذبات کا اظہار ان الفاظ کے ساتھ فرماتے ہیں:

”بطانت بہت ہولناک ہے، اس وقت ہنگامی ہماہمی سے تعدی پر حجاب پڑا ہوا ہے۔ اور اس میں بھی خدشات ہی کی صورت میں پنہاں ہیں۔ بے ایمانی سے غلبہ کو یقینی بنایا جا رہا ہے۔ اور غلبہ کی صورت میں تعدی کی حدود کو مسمار کر کے من مانی کرنے کے اور حق گو کے فنا کرنے کے نقشے ہیں۔ جو سب سے دنیاوی لحاظ سے بڑا کہا جاتا ہے اسکے جانے کی وجہ دکاترہ کے قول کے مطابق صدر ہے جس کے بارے میں کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ سب ختم کر کے عسکری نظام کا امر کیا جائے جس کے لئے وہ راضی نہ ہوا جس پر تلخی کی نوبت آکر یہ سانحہ پیش آیا۔ اب تو خدا کرے کہ کوئی عافیت کی صورت پر وہ غیب سے ہو پیدا ہو۔ اب تو اعدو ذبا من شرھا و شر جنودھا و اتباعھا و اشیاعھا من الجن والانس، اللہم کن لنا جارا من شرھما جمعین کا ورد ہے۔“

● فروری ۱۹۴۸ء (ربیع الاول ۱۳۶۸ء) کے اوائل میں ہندوستان میں کچھ نئے حالات پیدا ہوئے۔ ادھر ماہ محرم میں سانحہ حرین شریفین بھی پیش آچکا تھا لیکن ایسے نازک اور خطرے سے بھرپور ماحول میں بھی حضرت مولانا مایوس بالکل نہیں ہوئے، بلکہ اسکے منتظر رہے کہ کب غیب سے خیر کا دروازہ کھلتا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو تحریر فرماتے ہیں: ”پورے عالم میں امت مسلمہ کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے اور ہند میں جو کچھ ہوا سب خدا کی شان ہے، بندہ تو کوئی غیبی دروازہ کھلنے کی امید باندھنے ہوئے ہے، مگر دھڑ سے اور کب کھلتا ہے، یہ خدا ہی کو علم ہے۔ رجال الغیب میں جو صاحب

شریف لایا کرتے ہیں، انکا پیام بھی ملا کہ بہت دعائیں کریں، آئندہ اس سے زیادہ سخت ہوئے والا ہے جو اس سال ہوا اور تو نے (یعنی انعام نے) بہت اچھا کیا کہ وقت سے پہلے اپنا سفر حج پورا کر کے واپس آ گیا۔ بجز دعا کے اور خدا کے سے امید باندھنے کے چارہ کیا ہے؟

مسلم کش فسادات کے دوران حضرت مولانا خصوصیت کے ساتھ مظلومین کے لئے دعائے خیر کا اہتمام فرماتے ہوئے تمام ملنے چلنے والے احباب کو توبہ و استغفار اور یسین شریف اور آیت کریمہ کے ختمات کی طرف پورے طور پر متوجہ کرتے تھے اور پریشان حال لوگ جب آپ کے پاس دعا کی غرض سے آتے تو ان کی دلداری فرما کر دعا کرتے اور کچھ پڑھنے کے لئے وظیفہ بتلاتے۔ ایسے وقت میں حضرت مولانا کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے تسلی و تشفی کے دو کلمے بھی ان لوگوں کی ڈھارس اور بہت بندھا پیتے تھے،

حافظ محمد ہارون صاحب میرٹھی ایک ایسے ہی موقع کی اپنی سرگزشت اس طرح سناتے ہیں: ”میرٹھ کے فساد میں قتل کے مقدمہ میں میرا نام غلط طور سے لکھوا دیا گیا۔ بڑا بھیانک منظر تھا۔ شہر میں کرفیو جیسے آثار تھے۔ بہت پریشانی کا سامنا ہوا، شہر بھی چھوڑنا پڑا پولیس نے گھر کے سامان کی قرقی کر لی، گھر سے بے گھر ہو گئے۔ پولیس چاروں طرف ہماری تلاش میں دہشیں ڈال رہی تھیں، میں نے دہلی جا کر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو پورا قصہ سنایا اور درخواست کی کہ حضرت تین دعائیں فرمادیں، ایک تو یہ کہ ہم کو پولیس کی پکڑ سے بچ جائیں۔ دوسرے ہاتھوں میں ہتھکڑی نہ لگے، تیسرے ایک دور واز میں ضمانت ہو جائے۔ حضرت والا نے فرمایا انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔ اور ہر نماز کے بعد سات مرتبہ یہ آیت کریمہ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلِيٍّ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ پڑھنے کی تاکید کی اور کہا کہ فراموش نہ کرو، اللہ سے مانگتے رہو، اللہ آسان فرمائے گا۔ اللہ پاک نے حضرت کی دعا سنی، اور قبول کی۔ قتل کا کیس تھا، پولیس نے تو ہمیں پکڑ پائی

نہ ہٹکڑی لگی اور ایک دن میں ضمانت ہو گئی، ضمانت سے آنے کے بعد میں نے دہلی پہنچ کر سارا واقعہ حضرت والا کو بتایا۔ حضرت نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آگے بھی خیر کا معاملہ فرماوے اور شر سے حفاظت فرماوے چنانچہ اللہ جل جلالہ نے اپنے اس برگزیدہ بندے کی اس دعا کو بھی سنا اور قبول فرمایا کہ چند ہی روز میں یہ حقربا عزت طور پر برسی ہو گیا۔

اسی طرح حضرت مولانا جب اسلامیان ہند کے دینی مراکز و مدارس میں انتشار و خلفشار کی خبریں سنتے تو مضطرب اور بے چین ہو جاتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ انتشار و خلفشار زیادہ تر اعداء دین (یہود و نصاریٰ) کی سازش سے ہوتا ہے۔ آپ ایسے مواقع پر دعوتی کاموں کی نزاکتوں کے پیش نظر کوئی ایسا رویہ تو ہرگز اختیار نہ فرماتے جس سے کسی کی جانبداری یا طرف داری کا احساس ہوتا۔ لیکن شکرو و کڑھن کے ساتھ کلمۃ الخیر کہنے میں دریغ نہ فرماتے تھے۔ چنانچہ جس زمانہ میں دارالعلوم کا قضیہ شباب پر تھا۔ حضرت مہتمم صاحب کی مرکز نظام الدین آمد۔۔۔ پر آپ نے بڑے ادب و احترام کے ساتھ ان سے بھی اپنی شکرو و کڑھن کا اظہار فرما دیا تھا۔ اس مجلس میں ہونے والی گفتگو آپ اپنے مکتوب میں حضرت شیخ کو اس طرح لکھتے ہیں:

"آج صبح حضرت قاری طیب صاحب مع چند رفقاء تشریف لائے۔ معلوم ہوا کہ کچھ بات فرمانے کے لئے تشریف لائے تھے مگر کچھ نہیں فرمایا اتنا فرمایا کہ دیوبند کے جنس پر دنیا تو خوش ہو رہی ہے۔ مگر میرے لئے مصیبت بن گیا۔ چلتے ہوئے فرمایا کہ دیوبند کے لئے دعا کرنا، بندہ نے عرصن کیا کہ دعا تو کی جاتی ہے اور قلق اس کا ہے کہ جو مرکز رشد و ہدایت تھا۔ وہ شہادت اعداء کا ذریعہ بنا ہوا ہے۔ فرمایا صحیح ہے۔"

اسی طرح ہندوستان کے مشہور و معروف "شاہ بانو کیس" میں حضرت مولانا کو بے حد متفکر و مضطرب دیکھا گیا۔ وہ اس کی قانونی حیثیت اور خلاف شریعت فیصلہ ہونے کی صورت میں اس کے دور رس نقصانات سے بخوبی واقف تھے۔ اسی بنا پر اس کی

۱۵ اکتوبر مکتوب محررہ ۵ ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ

محنت و جدوجہد کرنے والوں کے لئے بڑے اہتمام سے دعا فرماتے رہے، بالخصوص حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی زاد مجددہ کے لئے تو ان کی حفاظت اور مقصد میں کامیابی کے لئے بہت ہی الحاج و زاری کے ساتھ متوجہ الی اللہ رہتے تھے۔ مولانا عبدالکریم پارکھ اس کے اعتراف میں لکھتے ہیں :

”شاہ بانو کیس جب چل رہا تھا اس وقت رات رات بھر جاگ کر حضرت مولانا انعام الحسن صاحب ہم لوگوں کے لئے دعا کرتے، اور ہر حالات دریافت فرماتے رہتے تھے۔ آخر تہجد کے وقت پارلیمنٹ میں بل پاس ہوا اور تہجد میں آپ کو اس کی خبر دی گئی تو بہت خوش ہوئے۔ اللہ کا شکر بجالائے اور ہم لوگوں کو دعائیں دیں۔“

ارشاد نبوی فیو صنف

لنا القبول فی الارض

محبوبیت و مقبولیت اور رعیت سلطنت

کے مطابق حضرت مولانا کو جب محبوبیت و مقبولیت کی خلعت فاخرہ پہنائی گئی، اور چہار دانگ عالم میں آپ کے نام اور آپ کے کام کا شہرہ ہوا تو پھر یہ منظر بھی دیکھنے میں آیا کہ خلق خدا پروانہ وار آپ پر جمع ہو گئی۔ اور ایک ایک مجلس میں ہزاروں افراد آپ کی زیارت کرنے اور اپنے دامن کو آپ کے دامن سے وابستہ کرنے کے لئے آنے جانے لگے۔ بقول محترم کلیم عاجز صاحب :

”حضرت جی کی مختصر سے مختصر بات، سیدھی سادھی بات، خطابت کی صنائی اور آراستگی سے محفوظ بات، دل سے نکلی ہوئی بات، تاثیر سے بھرپور بات کو سننے کے وقت بس مجمع زیادہ تر آپ کے چہرہ کو ہی دیکھتا رہتا تھا، اجتماع افراد کی مجلسوں میں، چھوٹے اور بڑے مجمعوں میں میں نے کسی ایک شخص کو بھی نہیں دیکھا کہ آپ کی گفتگو کے دوران اس کا سر جھکا ہوا ہو، بلکہ پورا کاپورا مجمع ٹٹکی باندھے حضرت کو دیکھتا رہتا تھا، جیسے کہ اس کے جسم اور روح کا ایک ایک حصہ اس کو شش میں ہو کہ کوئی جلوہ اپنی نگاہوں سے اوجھل نہ

احسن اخلاق دہلی ستمبر ۱۹۹۵ء صفحہ ۳۲

ہو جائے اور کوئی لفظ گوشہ سماعت میں داخل ہونے سے رہ نہ جائے۔ اس توجہ اور انہماک کا تعلق لذت سے نہیں بلکہ کیفیت سے ہے۔ لذت جلد آئوہ ہو جاتی ہے۔ لذیذ سے لذیذ چیز کا وزن آہستہ آہستہ کم ہوتا رہتا ہے، لیکن کیفیت ایک ایسی چیز ہے جس کی کوئی حد نہیں کوئی انتہاء نہیں۔ اور کیفیت ہی انسان کو کسی کی طرف متوجہ کر سکتی ہے۔ لذت بہر حال مادی چیز ہے جبکہ کیفیت کا تعلق روح سے ہے اور یہی کیفیت آخر میں محبت اور مقبولیت کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ جس قدر محبت مخلوق خدا کو حضرت جی سے تھی وہ بطور مثال اور نظیر ہی پیش کی جاسکتی ہے بلکہ جن حضرات نے اس محبوبیت و مقبولیت کے مناظر دیکھے ہیں وہ اس کے بعض اچھوتے واقعات اس طرح بیان کرتے ہیں :

اکیرانہ کے اجتماع سے فراغ پر اس قدر بھیڑ جمع ہو گئی کہ مجمع کا سنبھالنا اور حضرت جی کو اس میں گنا کا لنادشوار ہو گیا۔ میں اور مولوی محمد سلیمان عاجز آ گئے۔ ہمارے کپڑے پھٹ گئے مگر واہ رے حضرت کا ضبط و تحمل کسی کو ڈانٹا پھٹکارا، نہ کسی کے مصافحہ کو انکار کیا اور تخت سے نیچے اتر کر گاڑی جہاں کھڑی تھی تیزی سے اس کی طرف روانہ ہو گئے، مجمع چاروں طرف ہو گیا۔ جب حضرت نے دیکھا کہ مجمع ادھر زیادہ ہے تو فوراً دوسری طرف رخ بدل کر تیزی سے چل دیئے اور کس بس قدم چلے پھر مجمع ادھر زیادہ ہو گیا تو فوراً حضرت تیزی سے دوسری طرف مڑ گئے۔ یہ عریضہ مجمع ادھر ہو تو حضرت ادھر چلے جائیں اور مجمع ادھر ہو تو حضرت ادھر چلے آویں اتنے مجمع اپنا رخ پلٹا اتنے حضرت پانچ سات قدم گاڑی کے قریب ہو جاتے جوں توں کر کے حضرت گاڑی کے قریب آ کر جلدی سے اس میں بیٹھ گئے اور گاڑی روانہ ہو گئی۔

• ایک مرتبہ ٹانڈہ چھرولی میں اجتماع کے موقع پر یہی صورت حال پیدا ہوئی۔ مجمع

لے اقتباس مکتوب کلیم صاحب بنام راقم سطور۔ لے از مآخذ محمد یوسف صاحب چھرولی ٹانڈہ۔

چاروں طرف سے دوڑا آ رہا تھا اور سب کی خواہش یہ تھی کہ ہم ایک نظر حضرت جی کو دیکھ لیں۔ بعد وقت و دشواری قیام گاہ پہنچے تو بہت دکھ بھرے ہجہ ملیے فرمایا کہ !

”بھائی ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ لوگ نہ خود تکلیف میں پڑیں اور نہ ہمیں
تکلیف میں ڈالیں، لیکن لوگ مانتے نہیں، خود بھی تکلیف اٹھاتے ہیں
اور ہمیں بھی تکلیف میں ڈالتے ہیں۔“

جناب کلیم عاجز صاحب اجتماع ارریہ کے موقعہ پر ہرادرانِ وطن کی عقیدت و محبت کے بارے میں اپنا مشاہدہ اس طرح لکھتے ہیں :

”ارریہ کے اجتماع کے موقعہ پر حضرت جی کو برونی پہنچتے پہنچتے گھنٹوں کی تاخیر ہو گئی۔ گاڑیوں کے نظام میں انتشار کی وجہ سے حضرت جی نڈھال ہو گئے۔ ٹرینوں کے لیٹ ہونے کی وجہ سے ہر اسٹیشن پر مسافر پڑے ہوئے تھے اور اتنا ہجوم تھا کہ پلیٹ فارم پر اترنا اور چلنا بھی دشوار تھا۔ مگر حضرت جی جیسے ہی ٹرین کے دوازہ سے اترے پلیٹ فارک پر ٹھہرے غیر مسلم مسافروں کا مجمع جیسے کسی قدرتی ہاتھ کے ذریعہ ایک قطار میں کھڑا ہو گیا۔ اور بہت سے ہندوؤں کو میں نے دیکھا کہ وہ قطار میں بہت پیچھے تھے مگر دونوں ہاتھ پیشانی تک جوڑے ہوئے عقید و محبت سے پر نام کر رہے تھے، سچ ہے۔

”بازار آئے ٹوٹ کے بازار بے گئے“

جناب الحاج عبدالحفیظ مینار (سورت) پاکستان میں پیش آنے والا ایک ایسا واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے آپ کی مقبولیت و محبوبیت کے ساتھ ساتھ عاجزی اور تواضع بھی آشکارا ہوتی ہے، موضوع بتلاتے ہیں کہ !

”ایک مرتبہ پاکستان کا سفر تھا۔ کراچی مرکز میں بہت بڑا مجمع ملاقات و زیارت کے لئے بے چین و منتظر تھا۔ اور اس کمرہ کے چاروں طرف کھڑا تھا جس میں حضرت جی قیام فرماتے۔ موقع ملنے پر جب مجمع زیورانہ وار کمرہ میں آیا، تو

ایک مقامی خادم نے چند لوگوں کو قوت سے دھکیلا۔ اسپر حضرت مولانا نے بہت عاجزانہ اور متواضعانہ لہجے میں فرمایا کہ: "نہیں بھائی ایسا نہیں کرتے نہیں معلوم، خدائے پاک کے یہاں کس بندہ کا کیا مقام ہو!"

اس مقبولیت و محبوبیت کے ساتھ خداداد رعب و ہیبت کے ملے جلے امتزاج کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی شخص آپ کو آنکھ بھر کر دیکھنے کی ہمت نہ کر پاتا تھا۔ ملنے جانے والے مجلسوں میں شریک ہوتے لیکن خاموشی کے ساتھ مودب بیٹھے رہتے، اور جب آپ نظر میں اٹھا کر دیکھتے تو دیکھنے والوں کی نگاہیں خود بخود جھک جاتیں، اور کسی کی مجال نہ ہوتی کہ وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال آپ کو دیکھ لے۔ رعب و ہیبت کی یہ خداداد کیفیت جو "ہیبت حق است و ایں از خلق نیست" کی صحیح اور سچی مصداق تھی، کس قدر طاقت ور تھی اس کا اندازہ ذیل کے بعض واقعات سے ہو گا۔

مولانا محمد الیاس پتھراوی (میات) لکھتے ہیں کہ:

"ایک مرتبہ امیر جنبی کے بعض حالات سناتے ہوئے فرمایا کہ میرے پاس ان ایام میں _____ کا آدمی آیا اور کہا کہ _____ صاحب آپ کو اپنے یہاں بلانا چاہتے ہیں۔ جس وقت آپ فرمائیں لینے کے لئے حاضر ہو جائیں۔ حضرت جی نے اس کے جواب میں فرما دیا کہ میں ایسی جگہوں میں آیا جایا نہیں کرتا دوبارہ پھر وہی آدمی آیا اور کہا کہ صاحب یہ کہہ رہے ہیں کہ میں خود ہی حاضر ہو جاؤں۔ حضرت جی نے فرمایا کہ اس کو یہ کہہ دینا کہ میرے پاس بیکار باتوں کے لئے وقت نہیں ہے۔ تیسری مرتبہ پھر وہی آدمی آیا اور کہا کہ صاحب یہ کہتے ہیں کہ حضرت میرے لئے دعا فرمائیں، میں بہت پریشان ہوں۔ حضرت جی نے فرمایا کہ میں اس پر خاموش رہا۔ کچھ جواب نہیں دیا اور تھوڑی دیر بعد وہ چلا گیا۔

اس سے بھی بڑھ کر ایک دوسرا واقعہ جس سے حضرت مولانا کی ثبات قدمی استقلال اور یکتگی اور اسی کے ساتھ دینی غیرت و حمیت اور سلطان جائز کے سامنے ڈٹ جانے

کی واضح اور کھلی تصویر سامنے آ جاتی ہے پیش کیا جاتا ہے۔ اس واقعہ کے راوی بھی مولانا محمد الیاس (پتھر الوی، میوات) ہیں، وہ لکھتے ہیں :

”موضع ہینگوٹا ضلع بھرپور میں ایک جلسہ ہوا۔ بعد نماز مغرب حضرت بیٹھے ہوئے تھے۔ اور حضرت کے پاس منشی بشیر احمد صاحب، مولانا محمد عمر صاحب وغیرہ تھے، خادم بھی شریک مجلس تھا حضرت دوران گفتگو فرمانے لگے کہ ایک دفعہ حیدر آباد وکن میں جلسہ طے ہو گیا اور جو ہمارے جلسے کی تاریخیں تھیں ان ہی تاریخوں میں سرکاری منصب پر فائز ایک بلند تر شخصیت نے اپنا دورہ۔

حیدر آباد طے کر دیا۔ اور وہاں کی انتظامیہ کو اطلاع بھیج دی۔ وہاں کے ذمہ داران حکومت نے جواب دیا کہ ہم ان تاریخوں میں آپ کے دورے کا انتظام نہیں کر سکیں گے، چونکہ ان ہی تاریخوں میں یہاں مسلمانوں کا عالمی جلسہ ہو رہا ہے۔ ہمارا سارا عملہ اس میں مشغول ہو گا۔ اس جواب کے۔۔ پہونچنے کے بعد دہلی حکومت نے وہاں خبر بھیجی کہ وہاں کے مسلمانوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے جلسے کی تاریخ تبدیل کر دیں۔ اس کے بعد ذمہ داران حکومت نے حیدر آباد کے ذمہ داران جلسہ سے تاریخیں تبدیل کرنے کو کہا تو ان حضرات نے جواب دیا کہ ہمیں اب تاریخ تبدیل کرنے کا حق نہیں ہے اسلئے کہ ہم اپنے بزرگ کوزبان دے چکے ہیں۔ پھر وہاں کے کچھ حکام اپنے ساتھ مفتی عتیق الرحمن صاحب کو لے کر حضرت کی خدمت میں پہونچے۔ انھوں نے حضرت جی سے گفتگو کی کہ آپ اپنا دورہ حیدر آباد ان تاریخوں سے مؤخر کر دیں حضرت جی نے جواب میں فرمایا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم وہاں کے لوگوں کے دعوت (بلانے) پر جا رہے ہیں اس لئے ضرور جائیں گے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا کام تو مسجدوں والا کام ہے۔ ان کے دورہ سے ہمارے کام کا کیا حکم آوے۔ مفتی عتیق الرحمن صاحب فوراً بولے کہ حضرت بالکل صحیح فرما رہے ہیں ان کے کام سے اس دورہ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس مجلس کے بعد یہ لوگ ناکام واپس آ گئے۔ آخر میں حکومت کی جانب سے

ایک شخص آیا۔ وہ حضرت کے پاس ایسے وقت پہونچا کہ حضرت اپنے کمرہ میں تکیہ لگا کر ڈاک پڑھ رہے تھے۔ اس نے آکر کہا کہ آپ اپنا دورہ حیدر آباد پھر موخر کر لیں۔ آپ نے فرمایا، نہیں بھائی، ہماری تو پہلے سے تاریخیں متعین ہیں وہ اپنے عہدہ کے غزور میں آکر یہ کہہ بیٹھا کہ پھر آپ کا دورہ طاقت کے ذریعہ ملتوی کرایا جائے گا۔ یہ سن کر حضرت جی کو جلال آگیا اور فرمایا، کیا کہہ رہے ہو طاقت کے ذریعہ ملتوی کراؤ گے؟ اب سن لو ہم اس کام کو کھیل سمجھ کر نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ اس کو ایک کام سمجھ کر کر رہے ہیں اور مصلیٰ پر جان رکھ کر رہے ہیں۔ پھر تین دفعہ سینے پر ہاتھ مار کر یوں فرمایا کہ انشاء اللہ ہمارا جلسہ ہوگا ہوگا ہوگا۔ جاؤ اور اپنی پوری طاقت استعمال کر لو۔ اس واقعہ کو سنانے کے بعد فرمایا کہ بعد میں مجھے اطلاع ملی کہ اس نے واپس جا کر کہا کہ وہ لوگ تو اپنے ارادہ میں بہت مضبوط ہیں۔ آپ ہی اپنا دورہ ملتوی کر دیں۔“

ایک شب زندہ دار عابد اور قدیم کارکن آپ کے خداداد رعب کے بارے میں اپنے دو واقعے اس طرح لکھتے ہیں :

”حضرت جی کا رعب بڑا زبردست تھا۔ ایک مرتبہ چار پانچ آدمی جو سب پرانے تھے، حضرت جی کے کمرے کے سامنے بیٹھے ہوئے کوئی مشورہ کر رہے تھے۔ پیچھے سے اچانک تشریف لے آئے۔ بس ایک ایسا رعب ہم سب پر طاری ہوا کہ ہم میں سے ایک کی بھی گردن نہیں اٹھ سکی۔ اور حضرت سیدھے حجرے میں تشریف لے گئے، کسی کو کچھ نہیں فرمایا مگر ہم سب کے ہاتھ پاؤں کانپ گئے۔“ اسی طرح ایک مرتبہ میں تہجد کے بعد کمرے کے دروازے پر کمرے کی طرف منہ کئے کھڑا تھا۔ ایک اور ساتھی بھائی نصیب الدین مرحوم، وہ بھی کھڑے تھے۔ پیچھے سے حضرت جی تشریف لے آئے اور فرمایا السلام علیکم بس ہم دونوں کی جان نکل گئی اور ہم وہاں سے اس حالت میں بیٹے کہ ہمارے ہوش و حواس

ہافتہ ہو گئے تھے حضرت نے ہمیں جب اس حال میں دیکھا تو مانوس کرنے کیلئے ہم سے بات شروع فرمادی، مگر ہم سے وہاں ٹھیرا نہیں گیا۔

حسن معاشرت اور ادائیگی حقوق

ایک موقع پر آپ نے معاشرت اور حسن اخلاق کی تعریف کرتے

ہوئے فرمایا تھا کہ حسن معاشرت یہ ہے کہ انسان کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے اور حسن اخلاق یہ ہے کہ اس کی ذات سے سب کو فائدہ اور نفع پہنچے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا کی پوری زندگی اسی حسن معاشرت، حسن اخلاق اور ادائیگی حقوق کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ چنانچہ امارت کے اتنے عظیم الشان منصب پر فائز ہونے اور اس میں حدودِ مصروفیت و مشغولیت کے باوجود معاشرت اور اخلاق کے تمام پہلوؤں پر نگاہ رکھ کر ان کا برابر حق ادا فرماتے تھے اور اس میں

نئے پاپرانے احباب خدام یا غیر خدام، اہل و عیال اور گھر کی مستورات سب یکساں تھے۔ دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے لوگ جو باہر کی دنیا میں بڑے مہذب اور خوش مزاج و خوش اخلاق نظر آتے ہیں۔۔۔ اپنی اندرونی اور گھریلو دنیا میں اتنے ہی غیر مہذب اور کڑوے کیلے ہوتے ہیں لیکن آپ کا طرز معاشرت ہر جگہ یکساں اور برابر تھا۔ جو منصفانہ مشفقانہ طور طریقہ باہر تھا وہی اندر تھا۔ اور حسن اخلاق کا مظاہرہ آپ کی ذات شریفہ سے بیرون

ہیں ہوتا تھا اسی طرح اندرون میں ہوتا تھا۔ اس حسن معاشرت اور ادائیگی حقوق کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ کی اہلیہ محترمہ (والدہ مولانا زبیر الحسن صاحب) آخر عمر میں بہت سخت علیل رہیں مرض نے بھی طول پکڑا۔ لیکن حضرت مولانا علاج و معالجہ اور دوا پر پیڑ وغیرہ کے معاملہ میں خود فکر مند رہ کر اس حسن معاشرت کا بھرپور حق ادا فرماتے رہے۔ اس موقع پر حضرت مولانا کا ایک خط پیش کیا جاتا ہے۔ جو آپ نے اہلیہ محترمہ کے علاج کے سلسلہ میں ان کے معالج کو لکھا تھا اس خط میں علالت کی تفصیلات ہی نہیں بلکہ اس کی معمولی جزئیات، حرکت و سکن کے اعداد و شمار، دو مختلف مقامات سے دوا کی خریداری اور اس میں فرق تلاش کر لینا وغیرہ وغیرہ۔۔۔ ایسی چیزیں ہیں جس سے امور خانہ داری میں آپ کے بھرپور فکر و احساس اور بھرپور حسن معاشرت کا پتہ چلتا ہے۔ معالج کے نام تحریر کیا جانے والا وہ

مکتوب یہ ہے۔

”محترم و مکرم زیدت عنایتکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔“

مولانا عبید اللہ کے بدست دوا موصول ہو گئی اس کا استعمال بھی شروع ہو گیا ہے، پہلے روز تو طبیعت بہت ہلکی اور نشیط رہی، ورم میں بھی تخفیف معلوم ہوئی۔ اگلے روز، تیسرے روز بھی بہت اچھی رہی۔ چوتھے روز ورم میں زیادتی تو نہ ہوئی البتہ طبیعت میں نشاط نہیں رہا اور گزری ہوئی محسوس ہوئی، نبض پہلے روز ۸۰ تھی، دوسرے روز ۹۰ تھی تیسرے روز ۹۲ اور، چوتھے روز ۸۸ رہی، پیشاب میں پہلے کے مقابلہ میں کمی ہے، بیدار ہو کر ٹھیک ہے۔ بھوک صبح کو ایک وقت تو اچھی لگتی ہے۔ شام کو نہیں لگتی۔ اجاب بھی ٹھیک ہے، سانس کا پھولنا بدستور ہے، اس میں کوئی کمی نہیں۔ سیٹھتے ہی جو پیرسن ہو جاتے ہیں وہ بدستور ہے۔ آج پانچ روز دوا کو ہو گئے۔ پانچویں روز الحمد للہ طبیعت میں گراوٹ نہیں۔ نبض کا شمار ایک روز بعد ڈاک سے خط آنے کے بعد شروع کیا گیا۔ اس لئے صرف چار روز کا شمار ہے۔ پینے کی قطرہ کی دوا جو آپ نے اس کے ملنے کی جگہ بتائی ہے اس جگہ پر تو نہیں ملی، اس نے جہاں کا پتہ بتایا وہاں سے خریدی گئی تو آپ کی دی ہوئی اور خریدی ہوئی دوا میں فرق تھا۔ دوسری جگہ سے اور خریدی گئی تو وہ بھی خرید کردہ جیسی ہی تھی فرق یہ تھا کہ آپ نے جو مہمت فرمائی تھی وہ گاڑھی تھی، بازار سے جو خریدی گئی وہ زیادہ گاڑھی نہیں تھی۔ خرید کردہ ہر دو جگہ کی بہت تلخ تھی۔ اطلاع عرض ہے۔ یہ پانچ روز کے حالات ہیں۔ طبیعت نسبتاً بہتر ہے۔ ورم میں مجموعی طور سے کمی ہے۔ پیٹ کے ورم میں تو کمی نہیں البتہ نرمی ضرور ہے۔ اگر حالات کے آمد و رفت میں تاخیر ہو جائے تو ہفتہ سے زیادہ یہ دوا استعمال کی جاسکتی ہے؟ اس کے بارے میں بھی ہدایت فرمائیں۔ اسی بنا پر یہ پانچ ہی روز کے احوال ارسال ہیں۔ ہر دو نسخے ارسال ہیں۔

محمد انعام الحسن غفرلہ

عام انسانی حقوق کی شناخت اور ان کی ادائیگی کے معاملہ میں حضرت مولانا کی نگاہ بہت دور ہیں اور دور رس تھی، کتنی ہی مرتبہ علالت اور نا طاقتی کے باوجود اجتماعات میں پہنچ کر یہ کہہ کر تقریر فرمائی، کہ بڑا مجمع آیا ہوا ہے ان کا ہم پر حق ہے۔ مرکز نظام الدین میں ہونے والے اجتماعات (جوڑم) کی آخری تقریر میں حضرت مولانا کا لہر زقی ہوئی آواز میں یہ جملہ فرمایا کہ ”آپ حضرات معاف فرمائیں، ہم آپ کے شایان شان انتظام نہیں کر سکے، جو تکلیف پہنچی ہو اس کی معافی چاہتے ہیں“ آج بھی ہزاروں لاکھوں لوگوں کے کان میں گونج رہا ہو گا۔ یہ یا اسی قسم کے دیگر جملے حضرت مولانا ادائیگی حقوق کے احساس کے تحت ہی فرماتے تھے۔

جو حضرات ملکی و غیر ملکی اسفار میں حضرت مولانا کے شریک سفر رہے وہ جانتے ہیں کہ دوران سفر حقوق عامہ کی طرف آپ کی کس قدر توجہ مرکوز رہتی اور اس میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں آپ کی نگاہ میں برابر تھے۔

اور یہ رعایت حقوق ہی کا جذبہ تھا کہ آپ مرکز آنے والے عام مجمع کے بارے میں بھی ہمہ وقت فکر مند اور بے چین رہتے، کبھی کبھی فینکرمندی و بے چینی آپ کو مجبور کر دیتی اور آپ حضرت شیخؒ کو اپنی دینی کیفیت لکھ کر دعا کی درخواست کرتے۔ چنانچہ ایک موقع پر مرکز میں ہجوم کی اطلاع اور اس کے ساتھ ادائیگی حقوق کو جوڑتے ہوئے لکھتے ہیں:

”آج کل یہاں پر ہجوم کی بہت زیادتی ہے۔ اللہ جل شانہ ان آئیوالوں کی قدر دانی اور حقوق کی ادائیگی کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اور کوتاہیوں کو معاف فرماویں۔“

ایک اور مکتوب کے یہ چند جملے بھی اسی اندر و نی کیفیت کا اظہار کرتے ہیں:

حضرت مولانا نے یہ جملے (کراچی) پاکستان پہنچ کر وہاں والوں کی محبت و وارفتگی کو دیکھ کر اور اس سے متاثر ہو کر حضرت شیخؒ کو تحریر فرمائے تھے:

”اللہ جل شانہ اس آبد کو ہمارے لئے اور یہاں محبت کرنے والوں کے لئے دینی ترقی اور اپنے قرب کا ذریعہ فرما دے۔ اس شوق و محبت کو دیکھ کر

ڈر لگتا ہے کہ کہیں ہماری وجہ سے ضائع نہ ہو جائیں۔

ایک موقع پر مرکز میں بڑا مجمع موجود تھا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے متعدد لیکچرار اور ۳۵ طلباء کی جماعت بھی آئی ہوئی تھی۔ ان ہی ایام میں سہارنپور کا بھی سفر تھا لیکن یہ حضرت مولانا کے الفاظ میں اس لئے نہ ہو سکا کہ :

”ان آنے والوں کو چھوڑ کر چلا جانا کبھی تاخیر نصرت کے اسباب میں سے نہ ہو اس لئے فوری حاضری میں شامل ہو رہا ہے۔“

معرفت حقوق اور ادائیگی حقوق کے بارے میں حضرت مولانا کی طبیعت کا یہ رنگ اور مزاج کچھ آخری دور کی پیداوار نہیں تھا بلکہ یہ چیز شروع سے ہی آپ کی فطرت اور سرشت میں داخل تھی۔ چنانچہ آپ کی نوجوانی اور نوجوانی میں پیش آنے والے ایک واقعہ کا تذکرہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اس طرح کرتے ہیں :

”کاندھلہ کے سفر میں ایک مرتبہ کثرت ہجوم کی وجہ سے آپ سیکنڈ کلاس میں بیٹھے اور خیال کیا کہ ٹکٹ چک کرنے والا آئے گا تو ٹکٹ بنوا لیا جائیگا وہ آیا تو اس نے ایسی ۔۔۔ بے ڈھنگی گفتگو کی کہ مولانا (محمد الیاس صاحب) کو غصہ آگیا اور اس کو ڈانٹ دیا۔ ٹکٹ بنانے کے بعد وہ چلا گیا تو مولانا انعام الحسن صاحب نے جو ساتھ تھے کہا کہ حضرت اس کو تو کہنے کا حق تھا ان صاحب الحق مقالہ (جس کا حق آتا ہے وہ کہنے سننے کا مجاز ہے) مولانا نے فوراً ہی اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا اور واپسی میں اسٹیشن سے اتر کر اس ٹی ٹی آئی سے معذرت کی اور معافی مانگ لی۔“

زایدانہ مزاج اور سادہ زندگی

ایک مرتبہ مجلس میں فرمایا کہ ضروریات زندگی میں کم سے کم پر گزر کرنا یہ

زہد ہے اور ضروریات کو بالکل چھوڑ دینا یہ رہبانیت ہے۔ اور اس میں شہمک ہو جانا یہ حبت دنیا ہے۔ نیز یہ کہ ضروریات کے علاوہ سب فضولیات ہیں۔“

۱۔ اقتباس مکتوب بنام حضرت شیخ محرم ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ سے دینی دعوت ص ۲۲۸۔

۲۔ تقریباً ۶ محرم ۱۳۸۶ھ (۱۵ اکتوبر ۱۹۶۶ء) بزمانہ قیام مسجد نور مدینہ منورہ۔

حضرت مولانا اپنے اسی ارشاد کے مطابق ہمیشہ اس رہبانیت کی طرف ہلاتے تھے جس میں سادگی اور زہد تو ہے لیکن زیبائش اور رہبانیت نہیں ہے۔ ادائیگی حقوق تو ہے لیکن فرار اور اعراض نہیں ہے۔ چنانچہ ساری عمر کبھی کسی شخص کو یہ ترغیب نہیں دی کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر (معاش اور اہل و عیال سے بے پرواہ ہو کر) نکل جاؤ بلکہ ہمیشہ ایک ایسی ترتیب بنانے پر زور دیتے جس میں معاش اور معاشرت کے ساتھ آخرت اور معاد بھی پورے طور پر پیش نظر ہو۔

ذیل میں پیش کئے جانے والے بعض خطوط کے اقتباسات آپ کی اسی عادت و طبیعت کی وضاحت تائید کرتے ہیں :

ایک صاحب کو جنہوں نے اپنی خانگی پریشانیوں کی وجہ سے جماعت میں نہ نکلنے کا شکوہ کیا تھا، تحریر فرماتے ہیں :

”معمولات کی پابندی اور مقامی دینی محنت کے احوال معلوم ہو کر مسرت ہوئی حق تعالیٰ شانہ دارین کی ترقیات سے نوازے اور اخلاص و استقامت کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ باہر نکلنے کی ترتیب بھی بنانا ہے۔ وقت مقرر کر کے اس کے مطابق کاروبار اور دیگر گھریلو مشاغل وغیرہ کے ترتیب دے کر وقت مقررہ پر بہت کر کے نکل جانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ آسان فرمائے۔ رزق حلال اور بچوں کی شفا کے لئے بھی دعا کرتا ہوں علاج و معالجہ بھی کرتے رہنا چاہئے۔ مایوسی اور ناامیدی تو دین میں نہیں ہے۔ اللہ جل شانہ سے صحت کی دعا پورے یقین کے ساتھ کرتے رہنا اور علاج کرتے رہنا ہے۔ اللہ صحت کاملہ مستمرہ عطا فرمائے۔“

لازمت اور حصول معاش کے اسباب ترک کر کے دعوت کے اندر اشتغال مولانا کے یہاں پسندیدہ نہیں تھا بلکہ معاش اور معاد دونوں کو ساتھ لیکر چلنے کے قائل تھے چنانچہ ایک صاحب کو اس بارے میں مشورہ دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

”ہم اس پر زور دے رہے ہیں کہ اپنا اپنا مشغلہ کرتے ہوئے اپنے

جان و مال لگائیں۔ کیونکہ اس میں بہت حفاظت ہے۔ آج کل نیت کا صحیح رہنا بڑا مشکل مسئلہ ہے۔ بہت جلد ڈانوا ڈول ہو جاتی ہے۔ اس لئے (ترک ملازمت) میں عجلت نہ کی جائے۔

ایک علاقہ کے ذمہ دار کارکن اور قدیم مبلغ لکھتے ہیں کہ :
 ”میرے ذمہ مدرسہ کی تولیت و اہتمام، مسجد کی امامت، ہال بچوں کے ذمہ داری و کفالت اور دعوت کی مشغولیت وغیرہ امور تھے۔ میں نے یہ تمام مشاغل حضرت جی کو لکھ کر بھیج دیئے۔ اور یہ خواہش ظاہر کی کہ سب کچھ چھوڑ کر دعوت میں لگ جاؤں۔ اس پر حضرت جی کا جواب آیا کہ :
 ”نا بھائی! کام تو سارے ہی ضروری ہیں۔ اور سب ہی کرنے ہیں۔“

ذیل کے دو واقعے حضرت مولانا کے طرز فکر اور ذہنی وسعت کو سمجھنے میں مزید معین مددگار ہوں گے۔ اور ان سے معلوم ہو گا کہ آپ کی نگاہ میں دنیاوی حیثیت سے باعزت زندگی گزارنا بھی کتنا ضروری تھا۔

ایک قدیم کارکن اور مبلغ بیان کرتے ہیں کہ :
 ”ایک ملیشین نوجوان جو انگلستان سے بڑی ڈگری حاصل کرنے کے بعد تین چلے لگا رہا تھا۔ اس نے حضرت سے اپنے مستقبل کے بارے میں مشورہ چاہا، میں ترجمان تھا۔ اس نے عرض کیا کہ میرے لئے دو راستے ہیں۔ ایک یہ کہ میرے لئے ملیشیا میں ملازمت محفوظ ہے۔ اگر میں چاہوں تو واپس جا کر ملازمت کر سکتا ہوں۔ اور ساتھ میں تبلیغ کا کام کروں اور اگر چاہوں تو دوسرا اسپانسر تلاش کر کے (جو آسانی سے مل جائے گا) دوبارہ انگلینڈ جاسکتا ہوں۔ تاکہ وہاں اس سے بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کروں، جس میں دو سال لگیں گے اور اس کے بعد جو ملازمت ملے گی وہ اب حاصل ہونیوالی ملازمت سے اونچے درجہ کی ہوگی۔ اس کی تنخواہ بھی زیادہ ہوگی۔ لیکن دو سال میں اس پہلی ملازمت کی تنخواہ بھی بڑھ کر اتنی ہی ہو چکے گی۔ لہذا کوئی خاص نفع نہیں ہوگا۔ اب جیسا ارشاد فرمائیں؟ (ہم لوگوں کو گمان

تھا کہ حضرت پہلی شکل کو پسند فرمائیں گے، کہ کیوں بلا وجہ مشقت اختیار کیجئے
 لیکن حضرت نے اس نوجوان سے اس کی تعلیمی استعداد کے بارے میں
 دریافت کر کے فرمایا کہ بھائی ہماری راتے ہے کہ جب کر سکتے ہو تو دوبارہ
 جا کر اعلیٰ ڈگری حاصل کرو چاہے اس سے تمہیں خاص مالی منفعت حاصل
 نہ ہو، کیوں کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ دین کا کام کرنے والے دنیا میں بھی
 امتیازی مقام پر ہوں۔“

اسی طرح ایک انڈونیشیائی طالب علم نے ٹیکنیکل انجینئرنگ کے متعلق مشورہ کیا
 کہ میں اس کو چھوڑنا چاہتا ہوں۔ اسپر فرمایا ”نہیں بلکہ اس کی تکمیل کرو۔“ اس نے کہا کہ
 تکمیل کے لئے انگلینڈ جانا ہوگا۔ فرمایا کوئی خرچ نہیں چلے جاؤ۔ مگر دعوت کے کام میں
 لگے رہنا۔“

حافظ محمد یوسف صاحب (ٹانڈہ چھپرولی) لکھتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ حضرت جیؒ نے مجھ سے فرمایا کہ تم معاش کے لئے اسباب بھی اختیار کرو
 میں نے عرض کیا کہ تیس برس ہو گئے لا الہ الا اللہ سنتے سنتے، اور یہ کہ اللہ سے ہوتا ہے
 اس کے غیر سے نہیں ہوتا۔ یہ جواب دینے کے بعد مجھے خیال ہوا کہ امیر کی بات ماننا
 چاہئے۔ چنانچہ میں نے ایک مختصر سی رقم کپڑے کی تجارت میں لگا دی اور اپنے شریک کار
 سے کہہ دیا کہ ہر ماہ حساب کر دیا کرو جو نفع ہو وہ آدھا میرا اور آدھا تمہارا۔ ایک موقع
 پر حضرت جیؒ شاملی کے اجتماع میں آئے تو مر شاہ کی مسجد میں قیام تھا۔ میں نے حاضر ہو کر عرض
 کیا کہ حضرت تعمیل ارشاد میں کپڑے کا کام شروع کر دیا ہے۔ ایک ماہ میں حساب ہوا اگر بگا۔
 یہ سن کر جہستہ فرمایا کہ بھائی ایک ماہ میں حساب کو کیوں کہا۔ اب ایسے آدمی کہاں ملتے ہیں
 ایک ماہ کے بجائے ہر ہفتہ حساب لینا چاہئے۔

حضرت مولانا کا نظریہ یہ تھا کہ جو زندگی زہد اور سادگی لئے ہوئے ہوتی ہے
 اس میں دینی استعداد و صلاحیت زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر کاشف العلوم
 دہلی میں زیر تعلیم طلبہ کو سیدھی سادی زاہدانہ زندگی اختیار کرنے کی ترغیب دیتے
 ہوئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

”بھائی بچو، ہمارے یہاں مرکز میں رہنا اور یہاں پڑھنا دوسرے مدارس سے الگ نوعیت رکھتا ہے اور مدارس میں تو طلبہ کی راحت رسانی کی اور رہنے سہنے کی بہت رعایت کی جاتی ہے۔ لیکن ہمارے یہاں رہنے سہنے کی بھی سہولت نہیں اور کھانے پینے کی بھی رعایت نہیں۔ موٹا جھوٹا ہے۔ اللہ کا شکر ہے، ہے تو سہی، اور یہ وجہ نہیں کہ ہم کر نہیں سکتے بلکہ وجہ یہ ہے کہ آدمی جتنی سادگی اختیار کرے گا۔ اور زاہد بنے گا۔ اتنی ہی دینی استعداد پیدا ہوگی۔ تن پروری سے اعمال نہیں بنتے۔ جو اپنے کو اچھا بنانے کی فکر میں رہتا ہے وہ علم میں نہیں لگتا اور تھوڑی تھوڑی بات پر لڑتا ہے، کہ روٹی جلی ہوئی مل گئی، کالی مل گئی، کچی مل گئی۔ یہ علم میں برابر نہ لگنے کی علامت ہے۔ ہماری نیت دین کے حیات کی ہو۔ جب یہ نیت ہوگی تو اس کے مطابق بننے کی فکر ہوگی۔ یہ زمانہ تمہارے کرنے کا ہے جیسا اپنے کو اٹھاؤ گے۔ ویسا ہی اٹھ کر رہو گے“

حضرت مولانا نے ہمیشہ خود بھی سیدھی سادی زندگی بسر کی اور دوسروں کو بھی اپنی معاشرت آسان اور سادہ بنائے رکھنے کی تلقین کی۔ کیونکہ آپ کی نگاہ میں اقتصادیات اور اس کی وجہ سے پیدا شدہ عالمی بے چینی و اضطراب کا کوئی اور حل اس کے علاوہ نہیں تھا۔ متعدد موقعوں پر ملک کے مختلف علاقوں گجرات، بمبئی، دہلی اور بہار میں جب جب ماہرین معاشیات و اقتصادیات یا سرکردہ احباب نے آپ سے اس مسئلہ کا حل دریافت کیا تو آپ نے ان کو دینی و مذہبی اور اخلاقی قدروں پر مشتمل بہت سیدھا اور آسان حل اس مشکل کا یہی بتلایا کہ زندگی کو سادگی پر لایا جائے اور اخراجات کو آمدنی کے تابع کر کے رکھا جائے۔

کاوی (گجرات) میں اس موضوع پر ہونے والی گفتگو خود حضرت مولانا اس طرح سناتے ہیں :

لے بموقعہ آغاز اسباق ۱۹، شوال ۱۳۹۱ھ دسمبر ۱۹۷۱ء بدھ

”ایک مرتبہ کاوی کا اجتماع تھا، وہاں پولیس کا بہت بڑا افسر یا کمشنر آیا اور کہا کہ مولانا صاحب ایک سوال کرتا ہوں کہ اقتصادیات کا بھی کچھ حل ہے یا نہیں؟ میں نے کہا کہ بس ایک حل ہے اور اس کے علاوہ اور کوئی حل نہیں ہے۔ وہ یہ کہ زندگی کو سادہ بنا کر چلیں، اخراجات کو آمدنی کے تابع کر کے چلیں۔ ہماری وقت یہ ہے کہ آمدنی تو ہماری ایک ہزار ہے اور اخراجات دو ہزار ہیں تو کیسے سادگی ہوگی۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ آمدنی اگر ایک ہزار روپے ہے تو اخراجات آٹھ سو روپے ہوں۔ اس نے کہا یہ آئے کیسے؟ میں نے کہا کہ چلو ہمارے ساتھ چلو میں، وہیں سیکھ لو گے۔“

اس کے بعد پینے کے لئے پانی آیا جو بہت قیمتی گلاس میں تھا میں نے کہا کیا ضرورت ہے اس قیمتی گلاس کی، مٹی کے آب خورہ میں بھی تو پانی پیاجا سکتا ہے جو دو پیسے کے چار آتے ہیں۔“ اسی سے ملتا جلتا بمبئی کا دوسرا واقعہ حافظ محمد یوسف صاحب (ٹانڈہ چھرولی) اس طرح بیان فرماتے ہیں:

”۱۹۶۷ء میں گلاؤں کی بلندہ شہر میں ایک اجتماع تھا۔ پورے ملک میں اس وقت بہت شورش تھی۔ اس وقت مولانا محمد عمر اور حضرت جی دو نوں ہی بڑے تندرست تھے۔ خفیہ پولیس اس جلسہ میں بہت تھی۔ چپے چپے پر فورس تھی۔ مولانا محمد عمر صاحب نے بڑے جوش و خروش سے اس جلسے میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ ”کہ ہم تمہارے کسی معاملے میں دخل نہیں دیتے تو تم بھی ہمارے کسی معاملے میں دخل نہ دو اور اگر ایسا کرو گے تو تم جانو اور تمہارا کام جانے۔“

لے یہ اجتماع ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۸۷ھ (۲۳ دسمبر ۱۹۶۷ء) میں ہوا تھا۔ اور چونکہ ہندو پاکستان کی جنگ قریب ہی میں ہو چکی تھی اسلئے پورا ملک ہنگامی حالات سے دوچار تھا۔

بہر حال وہاں حضرت جیؒ نے بمبئی کے ایک گورنر کی دعوت کا اپنا قصہ سنایا۔ کہ بھائی ہمارا بمبئی میں بیان ہوا۔ وہاں بمبئی کا گورنر بھی ہوگا اس نے بیان کے بعد میرے سے کہا کہ میرے یہاں آپ ناشتہ فرمائیں ساتھیوں نے قبول کر لیا۔ ہم جب وہاں پہنچے تو بھائی ایسا مکان کہ میں تو دیکھ کر حیرت میں رہ گیا۔ خیر مجھے پیاس لگی۔ میں نے پانی کو کہا تو ایسے کٹورے میں پانی لایا گیا کہ میں نے کبھی ایسا کٹورہ نہیں دیکھا تھا۔ میں نے کہا بھائی ایسے پیالے میں پانی لانے کی کیا ضرورت تھی۔ ایسے میں بھی تو لایا جاسکتا تھا جو دو پیسے کے تین آتے ہیں۔ اس پر گورنر نے کہا کہ حضرت اگر کسی کے پاس دو پیسے بھی نہ ہوں جس کے وہ تین پیالے لائے تو پھر کیا کرے۔ میں نے فوراً اپنے دونوں ہاتھوں کی اوکھ بنائی اور کہا کہ بھائی یہ رہا قدرتی پیالہ اس سے پی لیا جائے۔ تو وہ چپ ہو گئے پھر انھوں نے کہا کہ حضرت رات آپ کی ہاتھوں سے بڑا سکون ہوا مگر آپ کے پاس کوئی معیشت کا حل بھی ہے۔ ہم لوگ اس میں بڑے پریشان ہیں، حضرت جیؒ نے فرمایا، ہاں بھائی ہے۔ تو وہ سنبھل کر بیٹھ گئے اور کہا کہ بتلائیے۔ فرمایا حل یہ ہے کہ ضروریات پوری کرو اور فضولیات بند کرو یہ سنکر وہ خاموش ہو گئے۔ کوئی جواب نہ دے سکے۔

● دہلی میں اس موضوع پر ہونے والی گفتگو ذرا کچھ زیادہ ہی واضح اور واضح انداز میں ہوئی تھی۔ جناب خالد سیف اللہ صاحب دہلی (جو اس مجلس میں موجود تھے) اپنے لطف و صلاحات سے بھرپور لب و لہجہ میں یہ گفتگو اس طرح سناتے ہیں:

”جنوبی ہند کے ایک ماہر معاشیات کسی کانفرنس کے سلسلہ میں دہلی آئے۔ تو حضرت جیؒ سے ملاقات کے لئے مرکز بھی آئے۔ اور دوران ملاقات یہ عرض کیا کہ حضرت یہ کام بہت اچھا ہے۔ مجھے تو اس میں ابھی تک شرکت کی توفیق نہیں ہو سکی۔ لیکن اس کام سے ہر جگہ امت میں دین آرہا ہے۔ البتہ ایک بات میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ اس وقت کا سب سے بڑا مسئلہ

انسانوں کے لئے معاش کا مسئلہ ہے۔ اور اس میں سب پریشان ہیں، خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ چھوٹی حکومتیں ہوں یا بڑی حکومتیں، یہاں تک کہ جس کو سپر پاور کہا جاتا ہے، اس کی بھی سمجھ میں کوئی حل نہیں آرہا ہے۔ اگر آپ کے یہاں اس کا کوئی حل ہو تو ارشاد فرمائیں؛

حضرت جی نے ان کی بات سن کر بڑے سکون کے ساتھ فرمایا، کہ اس کا حل صرف ہمارے ہی پاس ہے اور کسی کے پاس ہے ہی نہیں، اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک ہم ہی ایسے ہیں جو معاش کے مسئلے پر نہیں رو رہے ہیں باقی ساری دنیا رو رہی ہے۔

یہ ماہر معاشیات تھوڑی دیر سر جھکائے بیٹھے رہے اور پھر بڑے جوش سے بولے کہ حضرت یہ آپ نے بالکل سچ کہا کہ آپ نہیں رو رہے ہیں کیونکہ یہ تبلیغ اتنی بڑی عالمی تحریک ہے لیکن کبھی اس کے لئے کوئی چندہ نہیں مانگا گیا۔ لیکن وہ حل ہے کیا، وہ سمجھ میں نہیں آیا؟

اس پر فرمایا ہمارے پاس وہی حل ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تھا۔ وہ یہ کہ اپنے نفس پر محنت کر کے اس کو تین چیزوں کے لئے راضی کر لو۔ ایک رہنے کے لئے جھونپڑا، دوسرے پہننے کے لئے چھتھڑا، اور تیسرے کھانے کے لئے شکرار۔ پھر اس سے زائد جو کچھ اللہ دیں گے تو اس زائد کو لئے پھرو گے۔ کہ اس کو کہاں خرچ کریں۔ لیکن اگر خواہشات کا وہی حال رہا جو آج دنیا والوں کا ہے کہ خواہشات کی ہر بلند سے بلند سطح پر پہنچ کر "ہل من مزید" کی آواز لگتی ہے تو خواہشات کا حل اللہ نے جنت میں تو رکھا ہے، اس زمین پر نہیں رکھا۔ یہاں اس لائن کا کوئی حل نہیں ملے گا، خواہ کتنی ہی ٹکریں کھاتے پھرو۔

● بہار میں پیش آنے والا یہ واقعہ اور سوال و جواب پر وفیسر کلیم عاجز صاحب (پٹنہ بہار) نے اس طرح لکھ کر بھیجا ہے =

”مجھے ابتداء ہی سے یہ اندازہ ہونے لگا تھا کہ حضرت جی تقریر نہیں کرتے،
 لمبی گفتگو بھی نہیں فرماتے، بس وہ ایک جملہ فرمادیتے ہیں، ایک لفظ...
 کہہ دیتے ہیں۔ اور اس جملے یا اس لفظ کی معنویت لوگوں کے دل و دماغ
 میں اثر کر جاتی ہے۔ اور بس سننے والے اس لفظ کی بصیرت سے چونک
 جاتے ہیں اور حیران رہ جاتے ہیں۔

میں یہاں اس کی مثال ایک واقعہ سے دوں گا۔

حضرت جی کا ایک سفر شائد ۱۹۶۸ء میں بتیار چپارن بہارم کا ہوا۔
 تین دن کا اجتماع تھا۔ اس اجتماع کے بعد میں نے فریدی صاحب سے کہا کہ
 اگر حضرت جی کی واپسی نظام الدین کے لئے پٹنہ ہو کر ہو جائے تو وہاں سے
 گاڑیوں کا انتظام سہولت سے ہو جائے گا۔ ہم دونوں حضرت جی کی خدمت
 میں حاضر ہوئے۔ حضرت جی کی توجہ مجھ پر ہونے لگی تھی، وہ مجھے شفقت کی
 نگاہ سے دیکھنے لگے تھے۔ عرض پیش کی تھی۔ تو منظوری ہو گئی۔ اور ایک
 شب کا قیام بھی پٹنہ میں طے پا گیا۔ جب قیام طے پا گیا تو اس کے بہتر سے بہتر
 استعمال کی فکر ہوئی، یہاں ایک دن قبل چلا آیا اور مدرسہ کے وسیع میدان میں
 ایک شامیانہ کھڑا کر دیا گیا۔ شہر کے تمام کالجوں اور یونیورسٹی کے طلبہ کو
 جوڑنے کی فکر ہوئی وہ ہو گئی۔ اور حضرت کے تشریف لاتے لاتے ہزار
 ڈیڑھ ہزار طلبہ، پروفیسر اور کچھ شہر کے خواص چوبیس گھنٹہ کے لئے...
 شامیانہ میں جمع ہو گئے۔ موسم خوش گوار تھا۔ حضرت جی عصر کی نماز شامیانہ
 ہی میں پڑھ کر اسٹیج کے مغرب میں نرم گھاس پر سجاوہ پچھا کر وظیفہ میں مشغول
 ہو گئے اور عشاء کی نماز کے بعد ہی آرام گاہ میں تشریف لے گئے۔ عصر اور عشاء
 کے درمیان بیانات ہوتے رہے، مغرب سے کچھ پہلے پٹنہ یونیورسٹی کے مسلمان
 صدر اور دیگر شعبہ جات کے ذمہ داران کا ایک گروہ حضرت جی کے قریب آکر
 اجازت لے کر بیٹھ گیا۔ مجھے اس قدر یاد ہے کہ ان میں وہی اونچے استاذ تھے
 جو مسلمانوں کے تعلیمی معاشرتی اقتصادی مسائل کے متعلق کانفرنسیں اور

سیمینار اور تقریریں کرتے تھے۔ اخباروں اور رسالوں میں مقالے اور مضامین شائع کرتے تھے، حضرت جی کے قریب بیٹھ کر انھوں نے مسلمانوں کے اقتصادی زوال اور معاشرتی پسماندگی کی بات بہت قوت سے اور جہار تک میرا اندازہ ہے، بڑے اخلاص سے چھیڑی، اور کہا کہ دین اہم تو ضرور ہے اور اس کی تحریک اور محنت بھی ضروری ہے لیکن مسلمانوں کے غربت اور پسماندگی کا مسئلہ پیچیدہ اور ناقابل حل ہوتا جا رہا ہے۔ آپ کے ذہن میں اس کا کیا علاج ہے؟ حضرت جی پانچ چھ منٹ تک تسبیح پڑھتے ہوئے خاموشی سے ان کی بات سنتے رہے جب انھوں نے آخری سوال کیا کہ آپ کی نگاہ یا ذہن میں اس کا کیا علاج ہے تو حضرت جی نے تسبیح روکی۔ اور نگاہ براہرہ کر کے صرف ایک جملہ فرمایا کہ ”زندگی میں سادگی اختیار کر لو“ یہ فرما کر پھر تسبیح میں مشغول ہو گئے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ حضرات لا جواب ہو گئے قائل ہو گئے، حیرت زدہ ہو گئے۔ اس جملے کی سچائی نے انھیں خاموش کر دیا اور سب سلام کر کے واپس شامیانے میں آ کر بیٹھ گئے۔ اے

مرکز نظام الدین کی چہار دیواری میں پیش آنے والا ذیل کا یہ واقعہ وہاں کے مالی انتظامی معاملات میں آپ کی حد درجہ سادگی و احتیاط کی ایک واضح تصویر پیش کرتا ہے۔ نیز اس واقعہ کا دوسرا اہم اور روشن پہلو یہ ہے کہ جب دلائل کی روشنی میں آپ کو اپنی رائے کا صحیح نہ ہونا معلوم ہو گیا تو اس پر اصرار نہیں کیا بلکہ فوراً اس سے رجوع فرمایا۔ جناب بھائی خالد سیف اللہ صاحب (دہلی) اپنے ساتھ کاگنرا ہوا یہ واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

”ایک زمانہ میں مرکز نظام الدین میں ہر جگہ بلب لگے ہوئے تھے، ٹیوب لائٹ نہیں تھی۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کسی سفر میں تشریف لے گئے تو مرکز کے ذمہ داروں نے بلب اتاروا کر ٹیوب لگوا دی۔ حضرت جی جب سفر سے واپس آئے۔ اور

ہندہ ملاقات کے لئے مرکز پہونچا تو دیکھا کہ تمام ٹیوب لائٹ اتری ہوئی ہیں۔ میں نے منشی بشیر احمد صاحب مرحوم سے اس کی وجہ دریافت کی تو کہا بالکل خاموش رہو، حضرت جی جلال میں ہیں اور مجھے کچھ نہیں بتلایا۔ پھر میں مولانا عبید اللہ صاحب کے پاس پہونچا۔ وہاں بھی وہی سوال و جواب ہوا اس پر میں نے عرض کیا کہ اگر آپ حضرات نہیں بتلاتے تو میں براہ راست حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے جا کر پوچھتا ہوں۔ مولانا عبید اللہ صاحب نے فرمایا کہ اس وقت حضرت کے پاس سگڑ نہ جانا بہت جلال میں ہیں۔ لیکن اللہ مجھے معاف فرمائے کہ میں حضرت جی کے پاس پہونچ گیا اور سلام و دعا کے بعد یہی سوال کر بیٹھا، بس سنتے ہی چہرہ جلال سے سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ پہلے یہ بتلاؤ کہ تمہیں میرے پاس کس نے بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ خود ہی آیا ہوں۔ فرمایا میرے سامنے جھوٹ مت بولنا، سچ بتلاؤ کس نے بھیجا ہے۔ میں نے پوری بات صاف صاف بتلا دی۔ اس پر فرمایا کہ اب آپ کیا کہنے آئے ہیں۔ یہی کہ میں دوبارہ یہ ٹیوب لائٹ لگوا دوں؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں بلکہ یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اگر ٹیوب لگانا جائز نہیں ہے یا جائز تو ہے لیکن دعوت کی مصلحت کے خلاف ہے تو میں نے بھی اپنے گھر میں لگا رکھی ہے میں بھی وہاں سے اتر وادوں۔ اس پر حضرت جی کا جلال ٹھنڈا ہو گیا اور فرمایا کہ نہ تو ناجائز ہے اور نہ تبلیغی۔ مصلحت کے خلاف ہے بلکہ دنیا کا یہ وہ ملعون شوق ہے کہ جو نئی چیز بنے وہ میرے گھر میں آئے، میری مسجد میں اور میرے مرکز میں آئے۔ اور میری عادت یہ ہے کہ جب میرے سامنے کوئی بات رکھی جاتی ہے تو میں ضرورت کو دیکھتا ہوں۔ واقعی ضرورت ہوتی ہے تو انکار نہیں کرتا، لیکن صرف شوق کی وجہ سے کوئی کام کرنا کسی بھی طرح مناسب نہیں سمجھتا۔ اب بہت دنوں سے یہ لوگ اصرار کر رہے تھے کہ ٹیوب لگے اور ضرورت یہ بتلاتے ہیں کہ کمزور نگاہ والوں کو بعد مغرب یسین شریف پڑھنے میں دقت ہوتی ہے اور نظر نہیں آتا۔ پھر فرمایا کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بڑے حضرت جی سے یہی کہہ کر

اس میں اس کی قیمت بھی جمع کر لی جائے تو پھر بھی ٹیوب کا استعمال بلب کے مقابلے میں سستا ہو گا۔

میری یہ بات سن کر فرمایا کہ دوبارہ پھر سمجھاؤ۔ چنانچہ بندہ نے قلم کاغذ لے کر چھ ماہ کا خرچ بلب اور ٹیوب کا الگ الگ نکال کر خدمت میں پیش کیا تو اس کو بہت غور سے پڑھا۔ اور جب بات سمجھ میں آ گئی تو بہت عکسین ہو کر فرمایا کہ تم نے ٹھیک کہا تھا مجھے کسی انجینئر سے رائے لینی چاہئے تھی۔ اور پھر خوف زدہ ہو کر فرمایا کہ اگر اللہ جل شانہ مجھ سے سوال کر لیا کہ جب مرکز کا کام کم پیسوں میں چل سکتا تھا تو زائد کیوں خرچ کئے تو میں کیا جواب دوں گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ جاؤ اور جہاں جہاں مناسب سمجھو بلب اتار کر ٹیوب لائٹ لگا دو۔

شفقت و محبت اور ولاری و خوش مزاجی

حضرت مولانا اپنے اصلاحی و تربیتی مزاج کے باوصف خلق خدا کے ساتھ شفقت و محبت کا بے حد معاملہ فرماتے تھے جس میں پریشان حال لوگوں سے ہمدردی و غمخواری اور نہایت مخفی طریقہ پر ان کی مالی امداد و اعانت اور ان کی ضروریات کا تکفل وغیرہ سب کچھ شامل تھا اور اللہ خلق عیالی اللہ کے پیش نظر اس میں کسی کی تخصیص نہ تھی۔ اپنی اسی طبیعت و شفقت و محبت کی وجہ سے کام کرنے والوں کی کوتاہیوں اور غلطیوں پر چشم پوشی کا معمول تھا۔ فرماتے تھے کہ لوگوں کو شفقت سے جوڑا جائے اپنے سے جدا نہ کیا جائے اور یہ دعا کی جائے کہ اللہ جل شانہ کسی کو بھی اس عالی کام سے محروم نہ فرمائے۔ جناب الحاج بھائی عبدالوہاب صاحب (رائیونڈ) آپ کے اس مشفقانہ مزاج و طبیعت کی کچھ تفصیل حضرت شیخؒ کو اس طرح لکھتے ہیں:

”حضرت جی بذللہ العالی کا فرمان یہ ہے اور عمل بھی یہی ہے کہ کسی کو بھی اپنے سے جدا نہیں کرنا ہے اور ہر شخص کی اپنی جان پر ہی لینی ہے اور اس کے لئے دعا مانگنا ہے۔ چنانچہ اس دفعہ حج پر یہی دعا مانگتے رہے کہ اے اللہ کسی بھی مسلمان کو اس کام سے محروم نہ فرما۔“

جو ہماری مخالفت کرے اسے بھی محروم نہ فرما۔ اگر کسی کے رویہ سے ہماری ذاتوں کو نقصان پہونچتا ہے، جب بھی ہر داشت کر لیتے ہیں۔ لیکن جب کسی کے رویہ سے اجتماعے طور پر نقصان پہونچتا ہے تو حضرت جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ جب بھی اسے جوڑنے کی کوشش کرتے رہو، توڑومت، اللہ پاک کو منظور ہوگا تو وہ خود بخود ہٹ جائے گا اس لئے کہ اللہ پاک ہی کام کی حفاظت فرمانے والا ہے۔

(اقتباس مکتوب محررہ ۹ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ)

ذیل میں اسی۔۔۔ شفقت و محبت اور دلداری و خوش مزاجی کے چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں:

ایک مدرسہ کے مہتمم اپنا واقعہ لکھتے ہیں کہ:

"ایک دفعہ میں حاضر خدمت ہوا۔ بعد مغرب منشی بشیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حجرہ کے سامنے تشریف فرما تھے۔ میں نے کان میں عرصن کیا کہ حضرت میرا مدرسہ مقروض ہے۔ بس اتنا سنتے ہی جیب میں ہاتھ ڈالا اور نئے نوٹوں کی دو گڈیاں نکال کر مجھے دیں۔ میں نے جب دیکھا تو پورے پندرہ ہزار روپے تھے۔ میں نے عرصن کیا کہ حضرت۔۔۔ اس کی رسید کیسے کٹے گی۔ فرمایا میرا نام مت لکھنا، جیسے کرتے ہو کر لینا۔ چنانچہ میں نے حضرت جی کا نام نہیں لکھا اور اس کی تین رسیدیں الگ الگ ناموں کی کاٹ کر حضرت کو پہونچا دیں۔"

● جناب حافظ محمد یوسف صاحب (ٹانڈہ چھرولی) اپنا اسی طرح کا ایک واقعہ اس طرح سناتے ہیں:

"ایک دفعہ رمضان میں فرمایا کہ بھائی آج کل پتہ نہیں حافظ یوسف کہاں ہیں۔ منشی بشیر صاحب نے عرصن کیا کہ حضرت کیا اس سے کچھ کام ہے؟ فرمایا ہاں بھائی، مجھے اس سے کچھ کام ہے۔ حافظ یعقوب صاحب نے عرصن کیا کہ حضرت! میرے بلا لاؤں گا۔ چنانچہ وہ ٹانڈہ آئے۔ مجھے پیغام سنایا میں فوراً چل دیا۔ اور بعد مغرب مرکز پہونچ کر پہلے منشی بشیر احمد صاحب سے ملا۔ انھوں نے دیکھتے ہی فرمایا کہ بس حافظ جی ابھی ملاقات کا وقت ہے ابھی بل لینا، تو میں فوراً حجرہ میں

چلا گیا۔ اندر مولوی محمد سلیمان صاحب، مولوی احمد مرطھی، مولوی احمد لاٹ
 اور ہمارے حضرت منشی اللہ دتہ صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ
 بھائی تم سب لوگ باہر چلے جاؤ، وہ چلے گئے۔ منشی جی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض
 کیا کہ کیا حضرت میں بھی جاؤں؟ فرمایا ہاں منشی جی تم بھی چلے جاؤ تو وہ بھی
 باہر چلے گئے۔ حضرت نے مجھے فرمایا۔ بھائی دروازہ بند کر دو۔ میں نے بند
 کر دیا۔ فرمایا زنجیر بھی لگا دو، میں نے زنجیر بھی لگا دی۔ اس وقت حضرت
 نے انتہائی شفقت سے کچھ باتیں ایسی فرمائیں، جن سے مجھے بھی تعجب ہوا
 کہ حضرت کو یہ سب بھی معلوم ہیں۔ پھر فرمایا کہ بھائی تیرے مدرسے کا کیا حال ہے؟
 میں نے عرض کیا کہ حضرت مدرسہ تو اس وقت پچاسی ہزار کا مقروض ہے۔ اس
 پر فرمایا، مجھے تیرے مدرسے کی بڑی مسکراہٹ ہے۔ پھر کچھ اور باتیں فرمائیں۔
 پھر میں نے عرض کیا کہ اب جو میں باہر نکلوں گا تو لوگ مجھے سے پوچھیں گے کہ
 کیا بات تھی جو اتنی اہمیت کے ساتھ بلوا کر اور ایسی تنہائی میں کی تو میں انکو
 کیا جواب دوں؟ تھوڑی دیر خاموش رہ کر فرمایا کہ یہ کہہ دینا کہ کان کی بات
 تھی۔

پس حضرت کی توجہ کا اثر یہ ہوا کہ اس وقت کسی نے پوچھا ہی نہیں۔ الحمد للہ حضرت
 کی توجہ اور دعاؤں کی برکت سے یہ قرضہ ایک ماہ میں اسی ہزار سے صرف
 سات ہزار رہ گیا۔ دوبارہ جب حاضر ہوا اور عرض کیا تو بہت خوش ہو کر
 فرمایا کہ بھائی بس اللہ پاک نے اپنا فضل فرما دیا۔
 • مفتی عبدالشکور صاحب (میواتی) آپ کی شفقت اور خدام کی لغزشوں پر حشیم پوشی
 کا ایک واقعہ اس طرح نقل کرتے ہیں۔

”نصیب خاں میواتی جس زمانے میں کاشف العلوم دہلی کے طالب علم تھے
 حضرت کے پاس آئے اور عرض کیا کہ حضرت جی! نہ میرے ماں، نہ باپ، نہ کنبہ، نہ
 قبیلہ اور نہ کوئی بھائی۔ اب میری شادی ہو رہی ہے، میں کس کو شادی میں
 سسرال لے کر جاؤں؟ آپ اس کی یہ بات سن کر بہت متاثر ہوئے۔ اور

چہرے پر ملال کا اثر صاف محسوس ہونے لگا۔ اور اس سے فرمایا کہ جس کو تو کہے گا اسی کو بھیج دوں گا۔ چنانچہ پھر مولانا محمد ہارون صاحب، مولوی مسوٹو ٹونگی، مولوی سعید باجھوٹی، منشی سلیم اور احقر کو آپ نے اس کے ساتھ بھیجا اور ہم اس کی شادی میں شریک ہو کر شام کو واپس آئے۔

یہ ہی نصیب خاں اپنی طالب علمی کے زمانہ میں حضرت مولانا کی خدمت کیلئے آتا تھا ایک مرتبہ آپ کے سر میں تیل لگانے کے لئے آیا اور اندھیرے میں بجائے تیل کے سر پر شہد ڈال دیا۔ بار بار سر پر ہاتھ چلاتا۔ لیکن وہ چلتا ہی نہیں تھا۔ حضرت نے فرمایا۔ نصیب خاں کیا ہوا۔ یہ شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ اور گھبرا کر عرض کیا کہ حضرت غلطی سے شہد سر پر ڈال دیا یہ سن کر حضرت کھڑے ہو گئے پانی منگایا۔ اور سرد ہو کر پھر لیٹ گئے۔ اور نصیب خاں سے کچھ نہیں فرمایا۔

● ایک صاحب لکھتے ہیں کہ ایک شخص حضرت جی کے پاس آیا اور اپنی پریشانیاں بیان کر کے رونے لگا اور بتایا کہ بہت قرضدار ہو گیا ہوں، آپ نے تسلی کے چند جملے فرما کر اسکے لئے دعا کی، اور پوچھا کہ قرضہ کس طرح لیا ہے۔ کہنے لگا، سود پر لیا ہے۔ تب حضرت جی نے فرمایا کہ بھائی جب تم سودی قرضہ لے کر کانٹوں پر چلو گے تو تکلیف ہی سامنے آئے گی چمن جیسی خوشبو اور سرسبز فضا کانٹے بو کر نہیں مل سکتی۔ تمھاری پریشانی کی اصل وجہ بس سود پر قرضہ لینا ہے، یہی اصل پریشانی کا باعث ہے۔ آپ نے یہ جملے ایسے درد کے ساتھ فرمائے کہ اس کی آنکھیں کھل گئیں اور آئندہ کے لئے سودی قرض نہ لینے کا عہد کیا۔

● ایک عالم دین جو اس وقت ایک بڑے مدرسہ کے ذمہ دار بھی ہیں، بیان کرتے ہیں کہ جب میں طالب علم تھا تو چھٹیوں میں اکثر نظام الدین چلا جاتا اور حضرت جی کی خدمت کیا کرتا تھا جس سے مجھے سکون ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ دہلی سے واپسی میں اسٹیشن پہونچا تو معلوم ہوا کہ گاڑی میں چھپا آٹھ گھنٹے تاخیر ہے۔ میں واپس مرکز آ گیا۔ حضرت جی نے دیکھتے ہی دریافت فرمایا تم تو چلے گئے تھے۔ پھر یہاں کیسے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت گاڑی میں کافی تاخیر ہے، سوچا یہ وقت یہی آپ کی خدمت میں گزار لوں، فرمایا بہت اچھا کیا، ہمیں بھی تمھارے جانے سے قلق ہو رہا تھا۔ میں یہ جملہ سن کر بہت ہی متاثر ہوا کہ میں ایک نوعمر عالم

اور حضرت کو مجھ سے اتنی محبت و شفقت کہ میرے جائے قلق ہو رہا ہے ظاہر ہے کہ حضرت نے یہ جملہ تصنع سے نہیں کہا ہو گا کہ ان کے یہاں تصنع و تکلف نام کی کوئی چیز ہی نہیں تھی یہ

● مولانا شبیر احمد ناظم مدرسہ کاشف العلوم (جنگاؤں حیدر آباد) اپنی طلب علمی کے زمانہ کا ایک واقعہ اس طرح لکھتے ہیں :

”حضرت جی اپنے حجرہ میں تنہائی میں ضخیم ضخیم کتب کے درمیان بیٹھے مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے حکم سے آپ کو روزمرہ کے خطوط دینے جایا کرتا تو چہرہ دیکھتے ہی مرعوب ہو جاتا تھا۔ بے تکلف تو کبھی ہوا ہی نہیں۔ ایک مرتبہ آپ کے پاس حجرہ میں گیا تو وہاں خبر پوزے کہیں سے آئے ہوئے رکھے تھے حضرت جی کے فرمانے پر میں نے ان کو چھیلا اور قاشیں تیار کر کے واپس ہو رہا تھا تو ہمارے استاد مولانا معین صاحب مدظلہ سے فرمایا کہ اس لڑکے کو بلاؤ۔ میں حاضر ہوا تو محبت بھرے لہجے میں فرمایا، کیا سب ہم کو ہی کھلاؤ گے یا تم بھی کچھ کھاؤ گے؟ میں نے سر نیچا کر لیا، تو مولانا معین صاحب سے فرمایا اس میں سے اس لڑکے کو بھی کچھ کھلا دو۔

● حافظ محمد یوسف صاحب اپنے بڑے بھائی کے انتقال اور ایک معصوم بچہ کی وفات پر آپ کی مشفقانہ کیفیت کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں :

”میں جماعت سے واپس دہلی آیا تو منشی جی بشیر صاحب نے فرمایا کہ بھائی حافظ جی تمہارے بڑے بھائی کا انتقال ہو گیا۔ یہاں اطلاع آئی تھی۔ تم گھر پہنچ جاؤ۔ چنانچہ اسی دن دوپہر کو میں حضرت جی سے واپسی کے مصافحہ کے لئے پہنچا تو حضرت میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر روئے لگے اور فرمایا کہ سنا ہے کہ تمہارے بھائی کا انتقال ہو گیا۔ میں بھی رونے لگا۔ پھر حضرت نے دعائیہ کلمات فرما کر تسلی دی اور روانہ کر دیا۔

ایسے ہی بڑوت کی پھونس والی مسجد میں حضرت تشریف لائے۔ وہاں ہم لوگ ایک بچے کی نماز جنازہ پڑھنے کو تیار کھڑے تھے۔ صفیں لگ چکی تھیں نماز شروع ہوئی۔ حضرت میرے برابر میں کھڑے تھے۔ سلام کے بعد میں نے دیکھا تو حضرت کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

حضرت نے مجھ سے بڑی بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا کہ ارے بھائی اس بچے کے والد کہاں ہیں۔ مجھے اس سے ملاؤ تاکہ میں اس کی تعزیت کروں۔ میں نے ملا دیا۔ حضرت نے بھرائی ہوئی آواز سے اس کو بڑی تسلی دی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر صبر کی تلقین فرماتے رہے اور دعائیں دیتے رہے۔

● حافظ صاحب موصوف حضرت مولانا کی شفقت و خوش مزاجی اور مزاح کا ذکر کرتے ہوئے مزید یہ واقعات بھی سناتے ہیں :

حضرت جی بڑے نرم دل اور رحم دل تھے۔ ایک مرتبہ جب کہ حضرت روانگی اور دعاء کے لئے مسجد تشریف لائے تھے۔ ابھی کرسی پر تشریف فرما ہوئے تھے کہ قاری ظہیر مساجد میں تشریف لاتے ہوئے کسی چیز سے الجھ کر گر پڑے۔ بس حضرت جی نے دیکھ لیا۔ ایک دم سفید ہو گئے۔ اوز ٹرپ گئے۔ یہ منظر دیکھ کر قاری صاحب مرحوم فوراً ایسے اٹھ کر چل دیئے جیسے ان کو کچھ نہیں ہوا۔ تب حضرت کو قدرے سکون ہوا۔ مگر طبیعت پر بہت دیر تک اثر ظاہر ہوتا رہا۔

● منی جون کا سخت مہینہ تھا۔ میں کشمیر کی ایک پانچ نفر کی جماعت لے کر حاضر ہوا۔ حضرت نے دیکھتے ہی فرمایا۔ ارے بھائی ان کو ٹھنڈی جگہ میں رکھو۔ اور فوراً اپنی جیب سے ایک قسم نکال کر مجھے دیتے ہوئے فرمایا کہ جلد سے ان کے لئے ٹھنڈے پانی اور ٹھنڈی بوتلوں کا انتظام کرو۔ شفقت کا یہ معاملہ دیکھ کر تمام ساتھی بہت متاثر ہوئے۔ میں نے جلدی جلدی ٹھنڈی بوتلوں کا انتظام کیا۔ تب ان کو سکون ہوا۔

● ایک بار میں نے حضرت کو اپنی طرف متوجہ نہ دیکھا تو خط لکھا کہ حضرت کیا میری طرف سے جناب عالی کے دل میں کچھ تکدر ہے کہ اپنی طرف متوجہ نہیں پارہا ہوں۔؟ جواب آیا کہ بھائی تکدر کا تو کبھی دل میں شائبہ بھی نہ آنے دینا۔

پھر میں حاضر ہوا تو حضرت مولانا اظہار احسن صاحب مرحوم سے ملاقات ہو گئی۔ انھوں نے مجھ سے سہنس کر فرمایا کہ حافظ جی جو تم نے لکھا ہے ایسی بات نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ بعض مرتبہ حضرت کسی دوسری ہی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس لئے ہمارى طرف توجہ نہیں فرماتے، تو میں مطمئن ہو گیا۔ پھر تو اللہ پاک ان کو ہمارى طرف سے ہی جزائے خیر

عطا فرمائے کہ زندگی بھر جب بھی حاضری ہوئی، انتہائی شفقت و محبت سے ملتے اور اشارے سے پاس بلا لیتے۔

● ایک مرتبہ کیرانہ کے اجتماع میں تشریف لائے۔ میں اور میاں جی عبدالرحمن صاحب وہاں پہلے سے کام کر رہے تھے۔ ہم جب ملنے گئے تو مجھے دیکھتے ہی فرمایا۔ بھائی جماعت بھی لائے ہو؟ میں نے کہا، حضرت گاؤں کی تو کوئی جماعت نہیں بنی تو حضرت نے ہر بستہ فرمایا، بھائی گاؤں کی نہیں بنی تھی تو جنگل کی بنالائے۔ اور پھر حضرت ہنس پڑے۔

● کلیمینہ ضلع میرٹھ میں دعا کے روز بچے بڑی خوشیاں منا رہے تھے۔ قاری ظہیر صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بچوں کی تو آج عید ہو رہی ہے۔ اس پر ہر بستہ فرمایا اور بھائی بڑوں کی بقر عید ہو رہی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ اب وہ اللہ کے راستے میں نکلیں گے اور قربانی دیں گے۔

● بڑوت کے احباب نے کہا کہ حضرت ہمیں دعاؤں میں یاد رکھنا۔ اس پر مسکراتے ہوئے فرمایا بھائی تم بھی یاد دلانے کے لئے ہمارے پاس آتے رہنا۔

● حضرت جی کی بڑوت تشریف آوری ہوئی، جمع پہلے سے منتظر تھا۔ سب لوگ پھونس والی مسجد میں جمع تھے۔ جماعتیں سب تیار تھیں۔ دعا فرما کر رخصت کر دیا۔ پھر تشریف فرما ہوئے اور کہنے لگے۔ جب میں بڑوت سے گذرتا ہوں اور میرے ساتھ عرب حضرات ہوتے ہیں اور وہ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ کون سا شہر ہے؟ تو میں ان سے بڑوت اور بیروت میں لفظی مناسبت کی وجہ سے یہ کہا کرتا ہوں کہ یہ ہمارے ہندوستان کا بیروت ہے۔ حاضرین یہ سن کر مسکرا دیئے اور حضرت جی بھی خوب مسکرائے۔

● محترم کلیم عاجز صاحب (پٹنہ بہار) لکھتے ہیں:

"شعروادب سے حضرت جی کو کس قدر ذوق تھا یہ تو میں عرض نہیں کر سکتا۔ لیکن ان کی شفقت و محبت کا ایک واقعہ لکھتا ہوں جس سے ان کے ذوق ادب اور ذوق شعر کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ میری جتنی کتابیں بھی شائع ہوئیں ان کی سب سے پہلی جلد حضرت جی کی خدمت میں پیش کی گئی۔ اور حضرت جی نے ان کا مطالعہ بھی کیا۔"

ایک مرتبہ آپ کا سفر حج درپیش تھا۔ میں رخصتی ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو بہت شفقت و محبت سے ملاقات فرمائی۔ پھر میں حضرت کے ساتھ ہی دسترخوان پر چلا گیا کھانے پر مجھ سے فرمایا، کلیم تم نے کوئی تازہ نعت بھی لکھی ہے؟ میں نے کہا جی حضرت لکھی ہے۔ اور ایک کاغذ پر اس کو نقل کر کے حضرت کے حضور میں پیش کر دی حضرت جی نے اسی وقت اس کا مطالعہ فرمایا۔ اور اس کے چوتھے شعر:

دن کو مدینے کی گلیوں میں دکھڑا اپنا گائیں گے
رات کو ان کی چوکھٹ پر سر رکھ کر ہم سو جائیں گے

کو پڑھ کر فرمایا، میاں وہاں اپنا دکھڑا کیا، اس کے بدلے "گیت انھیں گائیں گے" ہونا چاہئے۔ قریب تھا کہ میں اس اصلاح و ترمیم کو پڑھ کر اچھل پڑتا۔ مگر ضبط کیا اور اتنا عرض کیا۔ حضرت آپ امیر تو ہیں ہی میرے پیر بھی ہیں اور اب میرے استاذ بھی ہو گئے چنانچہ حضرت سفر حج میں تشریف لے گئے۔ جب واپسی ہوئی تو اسی مقام پر اسی دسترخوان پر اسی طرح بیٹھے ہوئے فرمایا: کلیم! ہم تمہارا شعر:

دن کو مدینے کی گلیوں میں گیت انھیں گائیں گے
رات کو ان کی چوکھٹ پر سر رکھ کر ہم سو جائیں گے

برابر پڑھتے رہے۔ میری شاعری کے متعلق حضرت کا یہ آخری توصیفی جملہ تھا جو یقیناً ان کی شفقت و محبت کا آئینہ دار ہے یہ

بہتی ہیں دانتوں کے مشہور ڈاکٹر جناب داؤد بھائی کے ذریعہ حضرت مولانا نے مصنوعی دانت لگوائے۔ اس موقع پر حضرت مولانا کی جس شفقت و دلداری کا مشاہدہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے کیا وہ اس کو احقر کے نام ایک مکتوب میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

"کئی سال پہلے حضرت جی کا افریقہ کا سفر تھا۔ اس موقع پر آپ کا بھی صرف ایک رات کا قیام طے تھا۔ پہلے سے اطلاع آگئی تھی کہ حضرت جی کے دانت بنانا ہے اور الحمد للہ اس ایک رات میں ہی کام مکمل ہو گیا میں نے صبح کی مناساز کے بعد کھوکھا بازار

لے مکتوب پر ڈاکٹر صاحب موصوف بنام مصنف کتاب

کی سجد میں جا کر دانت (مصنوعی) بٹھا دیئے اور ایک گھنٹہ میں حضرت روانہ ہو گئے۔ نئے دانت اکثر لگتے ہیں اور تکلیف دیتے ہیں۔ لیکن ان کے ٹھیک کرنے کا موقع ہی نہیں تھا۔

افریقہ سے واپسی پر حضرت دہلی چلے گئے۔ ایک سال بعد حضرت کی بہن پھر تشریف آوری ہوئی۔ میں ملا، خیریت پوچھی اور دانتوں کا حال معلوم کیا تو حضرت نے فرمایا، لگتے ہیں، تکلیف ہوتی ہے۔ میں نے پوچھا۔

یہ تکلیف کب سے ہے؟ فرمایا پچھلے ایک سال سے اچھے بڑا تعجب ہوا کہ حضرت ایک سال سے تکلیف برداشت کر رہے ہیں، وہاں دہلی میں کسی ڈاکٹر سے گھسوا لیتے تو یہ تکلیف ختم ہو جاتی۔ میں نے عرض کیا کہ وہاں کہیں گھسوا لیتے۔ حضرت اس وقت بڑی تیزی سے چلتے چلتے بات کر رہے تھے۔ میرے اس کہنے پر ایک دم کھڑے ہو گئے، اور جواب دیا کہ کیسے گھسواتے؟ دوسرا ڈاکٹر جب تک آپ کے کام میں نقص نکال کر اپنی بڑائی ظاہر نہ کرتا، اس وقت تک یہ کام نہ کرتا، اور ہم نہیں چاہتے تھے کہ آپ کے کام میں کوئی نقص نکالے۔ اس لئے درد برداشت کر لیا۔ اب آپ آتے ہیں تو اس کو ٹھیک کر دیں۔ جہاں جہاں حضرت جی کو مطب لے گیا۔ مشکل سے اس کام میں تیس سکند لگے، گھسنے کے بعد ٹھیک ہو گئے۔ اور تکلیف ختم ہو گئی۔ یہ ان کی شفقت و محبت کی انتہا تھی۔“

مولانا احمد نولات صاحب گجرات (مجاز بیعت حضرت شیخ رحمہ) نے اجتماع آئندہ کے موقع پر حضرت مولانا سے بخاری شریف ختم کرانے کی درخواست کی، جس کو حضرت مولانا نے ازراہ شفقت و محبت قبول فرمایا اور بڑودہ اسٹیشن پر بخاری شریف کا ختم عمل میں آیا موصوف اس واقعہ کی تفصیلات اس طرح بیان کرتے ہیں:

”آئندہ گجرات میں ایک مرتبہ تبلیغی اجتماع تھا، جمادی الثانی کی آخری

تاریخیں چل رہی تھیں۔ اور اس سال ہندو کے پاس دارالعلوم بڑودہ

میں پہلی مرتبہ بخاری شریف تھی۔ مجھے جب اس اجتماع میں حضرت جی کا آنا معلوم ہوا تو کوشش کر کے اجتماع سے قبل بخاری شریف کو اختتام تک پہنچایا اور آخری حدیث اس نیت سے باقی رہنے دی کہ حضرت جی رحمہ سے پڑھوائیں گے۔ بندہ نے اس موقع پر ایک خط آپ کو نظام الدین بھیج کر درخواست کی کہ جب آپ آئندہ تشریف لائیں گے تو آپ کا آنا بڑودہ سے ہو گا اسلئے تھوڑی دیر کرم فرما کر میری بخاری ختم کرا دیں۔ چونکہ حضرت جی حضرت شیخ کے خدام کے ساتھ بڑی فیاضی اور مروت اور شفقت سے پیش آتے تھے، اس لئے مجھے یقین تھا کہ میری دعوت ضرور منظور ہوگی۔ میرا یہ خط ایسے وقت دہلی پہنچا کہ گو دھرا کے احباب حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کر رہے تھے کہ آپ آئندہ کے لئے گو دھرا سے ہو کر جائیں۔ تاکہ اہل گو دھرا بھی مستفید ہو سکیں۔ مشورہ ابھی چل ہی رہا تھا کہ میرا خط پہنچ گیا اور حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑودہ کا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور مجھے اس کی اطلاع مل گئی، پورے مدرسہ میں خوشی اور مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی لیکن بندہ کو خوشی کے ساتھ فکر بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ خیرت کے ساتھ اس مرحلہ کو پورا فرما دے۔ اس سال دورہ میں سات طلبہ تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ دیکھو ہمارا کام کوشش کرنا ہے اور دعا کرنا ہے۔ لہذا سب طلبہ ایک ایک نسخہ بخاری شریف کا لے کر اسٹیشن پر چلیں۔ اور میں نے دو تین گاڑیوں کا بھی انتظام کر رکھا تھا کہ اگر حضرت جی مع رفقاء مدرسہ تک تشریف لائیں تو وقت نہ ہو، اس وقت مدرسہ جامع مسجد میں چلتا تھا۔ دوسرا انتظام میں نے اسٹیشن کے پاس کڑک بازار کی مسجد میں کیا تھا کہ اگر گاڑی کسی وجہ سے لیٹ ہو جائے اور وقت کی تنگی کی بنا پر مدرسہ نہ جاسکیں تو یہاں مسجد میں تشریف لائیں۔ تیسرا انتظام میں نے اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں

کر رکھا تھا۔ گاڑی اپنے وقت پر ٹھیک گیارہ بجے آئی۔ ڈبہ سے اتر کر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے مصافحہ کر کے فرمایا۔ مولوی صاحب کیا خبر ہے؟ بندہ نے عرض کیا کہ حضرت بخاری شریف ختم کرانا ہے۔ فرمایا کہاں پر؟ میں نے جواب دیا کہ اگر دارالعلوم جامع مسجد تشریف لے چلیں تو گاڑی حاضر ہے۔ پانچ منٹ کا راستہ ہے۔ اور اگر وہاں منظور نہیں تو اسٹیشن سے باہر ایک مسجد ہے۔ وہاں تشریف لے چلیں۔ اور اگر وہاں کی بھی رائے نہیں تو یہ اسٹیشن کا ویٹنگ روم خالی کرار رکھا ہے اور اس میں بیٹھنے کا انتظام بھی ہے۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ حضرت نے اچانک فرمایا کہ اگر یہیں ڈبہ کے پاس پلیٹ فارم پر ختم ہو جائے تو کیسا رہے گا۔ میں نے عرض کیا کہ اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اور یہ کہتے ہی میں نے طلبہ کو آواز دی وہ سب آگے پلیٹ فارم پر کھڑا بچھا دیا گیا۔ حضرت جی نے مولانا ... محمد عمر صاحب سے فرمایا کہ مولوی صاحب مولوی احمد کی تو یہ بات بانی پڑے گی کہ یہ فرما کر ڈبہ سے نیچے تشریف لے آئے اور بیٹھتے ہی فرمایا۔ مولوی احمد میری ایک شرط بھی ہے۔ بندہ یہ سمجھا کہ فارغ طلبہ کے لئے سال بھر کی تشکیل کی طرف اشارہ ہے۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ مجھے آپ کی شرط منظور ہے۔ فرمایا کہ میری شرط یہ ہے کہ بخاری شریف کی عبارت میں پڑھوں گا۔ بندہ نے عرض کیا کہ یہ تو بہت ہی مبارک اور عمدہ شرط ہے چنانچہ حضرت جی بخاری شریف ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے۔ اور آخری حدیث پڑھ کر تقریباً پون گھنٹہ بیان فرمایا۔ پھر دعاء فرمائی۔ وہ منظر قابل دید تھا۔ ذوق و شوق اور جذبات کی کیفیت ہم خدام تو محسوس کر رہے تھے۔ لیکن حضرت جی پر بھی وجد کی کیفیت طاری تھی۔ اگلے دن بندہ آئندہ کے اجتماع میں حاضر ہوا۔ تو فرمایا مولوی صاحب کل بخاری شریف کے ختم سے مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ حضرت اس ختم

کے موقع پر عام لوگوں کی زبان پر یہ تھا کہ اب تک اسٹیشن پر نمازیں
تعلیم کے حلقے اور فضائل کی کتابیں پڑھی جاتی تھیں۔ اب اللہ کی شان کہ
بخاری شریف بھی ختم ہونے لگی۔

جناب اکمل یزدانی جامعی (بہار) حضرت مولانا کی شفقت و محبت کا ایک آنکھوں
دیکھا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

”مارچ ۱۹۸۴ء میں ارریہ کے اجتماع کے موقع پر مولانا منور حسین صاحب
نے حضرت جی کو بہادر گنج تشریف آوری کی دعوت دی، تاکہ دارالعلوم
بہادر گنج کے احاطہ میں ایک سو ایک ہاتھ لمبی اور سو سو ہاتھ چوڑی تیار
ہونے والی جامع مسجد زکریا میں حضرت مولانا تشریف لا کر خیر و برکت
کی دعا فرمائیں اور اپنے دست مبارک سے چند اینٹیں رکھ دیں۔
چنانچہ وقت مقررہ پر حضرت جی اور دیگر ذمہ داران مرکز مولانا
عبید اللہ صاحب، مولانا محمد عمر صاحب جیپ کار سے تشریف لائے اور
کار سے اترتے ہی بڑی مسکراہٹ اور ہشاشت کے ساتھ مجھ سے
فرمایا، کیا کرنا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ۔۔۔ مسجد میں اپنے دست مبارک
سے اینٹ لگا دیں اور تکمیل کی دعا فرما دیں۔ چنانچہ دونوں کام چند
منٹوں میں فرما کر آپ جامع مسجد زکریا کی کرسی پر چڑھ گئے اور پچھم
اور اتر کوٹنے سے لمبے لمبے قدم اٹھاتے ہوئے اتنی تیزی سے
دکھن اور پورب کوٹنے پر پہنچ گئے کہ ہم لوگوں کو پیچھا کرنا دشوار
ہو گیا۔ پھر مہمان خانہ میں پہنچ کر کچھ دیر کے اور چائے ناشتہ سے
فارغ ہو کر رشید پور تشریف لے گئے۔

شادی اور غمی پر معمول

عادت شریفہ یہ تھی کہ شادی کی تقریب پر مبارکباد یا کسی کے انتقال پر تعزیت مسنونہ کرتے ہوئے

ہمیشہ دینی و دعوتی پہلو سامنے رکھتے تھے۔ اور ان دونوں مواقع پر احباب و اہل تعلق کو اہتمام کے ساتھ اس طرف متوجہ فرماتے کہ وہ صرف خوشی یا غم میں ہی نہ الجھ کر نہ رہ جائیں بلکہ دین اور آخرت کو سامنے رکھ کر چلیں اور ان مواقع پر شریعت کے ہوتا قضاے ہیں۔ ان کے مطابق عمل کریں۔ نکاح اور شادی کے موقع پر حضرت مولانا کے بیانات اور تقریروں کے بہت سے اقتباسات قارئین پہلے پڑھ چکے ہیں۔ اس لئے یہاں آپ کی ایک تعزیتی تقریر جو مولانا موسیٰ کا نجار کے بھائی کے انتقال پر کاظم کولم میں کی گئی تھی پیش کی جاتی ہے۔

خطبہ مسنونہ اور آیت شریفہ کل نفس ذائق الموت تلاوت کرنے کے

بعد فرمایا :

”میرے دوستو عزیزو! اللہ نے انسان کو بنایا ہے۔ اور یہ دنیا میں ہمیشہ کے لئے نہیں ہے بلکہ بہت تھوڑے وقت کے لئے آیا ہے اس کا جسم تو ختم ہونے والا ہے لیکن روح ہمیشہ کے لئے ہے اگر اس نے اپنی روح کو سنوارنے کی محنت کی تو یہ کامیاب ہو گا ورنہ ناکام ہو جائے گا۔ کامیابی اور ناکامی خدا کے بتلائے ہوئے طریقے میں ہے۔ دنیا کی چیزوں کے ملنے نہ ملنے میں کامیابی اور ناکامی نہیں ہے۔ ہر انسان کو اللہ نے دو زندگیاں دی ہیں۔ ایک دنیا کی جو موت پر ختم ہو جائے گی۔ اور دوسری وہ زندگی جو موت سے شروع ہوگی۔ آدمی اپنے بچاؤ کے لئے جتنی چاہے تدبیریں اختیار کرے لیکن مرنا ضرور ہے۔ اگر ساری عمر چیزوں پر محنت کرتا رہا تو یہ چیزیں موت پر چھوٹ جائیں گی۔ اور سب چیزوں کو چھوڑ کر تنہا قبر میں چلا جائے گا۔ قبر میں جانے والی چیزیں ایمان ہے، یقین ہے، اور عمل ہے۔ آدمی کی طبیعت یہ ہے کہ جس پر وہ محنت کرتا ہے۔ اس میں اس کا دل اشکار ہوتا ہے اب اگر اعمال پر محنت کرے گا تو اس میں اس کا دل اشکا

رہے گا اور ہر وقت موت کا انتظار کرے گا۔ کہ کب موت آئے۔ اور کب اللہ کے یہاں سے اپنے عملوں کا بدلہ اور ثواب حاصل کرے۔“

● مسرت اور غم کے متضاد موقعہ پر حضرت مولانا کی مکاتبت اور تحریر کا طرز و اسلوب سمجھنے کے لئے ذیل کے چند مکاتیب کا مطالعہ بہت کافی ہے۔ ان میں پہلے دو مکتوب مسرت و خوشی کے موقعہ پر تحریر کئے گئے ہیں اور آخر کے تین مکتوب رنج و غم کے وقت اظہارِ تعزیت کے لئے ہیں۔

مولوی ہدایت اللہ صاحب (مدرا س) کی شادی پر مبارکباد دیتے ہوئے الحاج یحییٰ غنی صاحب کو تحریر فرماتے ہیں :

”مکرم بندہ، حاجی یحییٰ غنی صاحب، وفقنا اللہ وایاکم کما تحب وترضی،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ مولوی ہدایت اللہ کی شادی کی خبر سے

مسرت ہوئی۔ حق تعالیٰ شانہ بہت برکت فرمائے اور آنکھوں کی ٹھنڈک

بنائیں۔ اور حسن معاشرت اور خدائے پاک اور اس کے رسول کی اطاعت

کے زندہ ہونے کا ذریعہ بنائے۔ اس خط کے پہونچنے تک فراغت ہوگئی

ہوگی۔ مولوی ہدایت کی والدہ کو بھی مبارکباد فرمادیں۔ محمد انعام الحسن۔“

دوسرے مکتوب میں خوشی کے موقعہ پر دعوت کے تقاضے پورا کرنے پر اس طرح متوجہ فرماتے ہیں :

”مکرم بندہ وفقنا اللہ وایاکم کما یحب ویرضی وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خط موصول ہوا خوشی ہوئی۔ حق تعالیٰ بہت مبارک کرے اور دونوں میں

افت و محبت قائم فرمائیں اور اس عقد نکاح کو ذریت صالحہ کے

دنیا میں وجود میں آنے کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔ باقی اب آپ کی ذمہ داری

اور بڑھ گئی ہے وہ یہ کہ اپنے گھر میں اور ان نئے رشتہ داروں میں

دعوت کے تقاضے رکھ کر ان کو دین کے کام پر آمادہ کرنا، یہ آپ کا کام

ہوگا۔ خدائے پاک آسان کرے۔ فقط والسلام۔ بندہ محمد انعام الحسن

۱۳ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ

• جناب الحاج بھائی بشیر احمد (والد ماجد مولانا احسان الحق رائے ونڈ لاہور) کے انتقال پر لکھے جانے والے تعزیتی مکتوب کا ایک اقتباس :

» حاجی بشیر احمد مرحوم « الشرب العزت ان کی مغفرت فرما کر اعلیٰ درجات عطا فرمائے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ بہت عجیب انسان تھے اس زمانہ میں ایسے لوگ نایاب ہی ہوتے جا رہے ہیں ۔ اپنے عمل سے زندہ رہنے والوں کو پکار کر فرما گئے کہ اے زندہ رہنے والو! آدمی اس طرح سے جاتا ہے جس طرح میں جا رہا ہوں ۔ تم بھی ایسی موت کے طلب میں ، ملک در ملک ایمان عمل لے کر پھرتے رہو ، یہاں تک کہ موت آجائے ، موت کا وقت اللہ کے علم میں مقرر ہے اور خود انسان اس سے جاہل ہے ۔ ایسے حال میں غفلت یہ سوچا کرتا ہے کہ ہر وقت تیاری میں لگا رہوں پتہ نہیں کب چلنا پڑے ۔

لیکن آہ ! آج کا انسان اس کو سوچنے کے لئے بھی تیار نہیں ، ٹلنے والی دھوکے باز دنیا کے پھندے لگے ہیں اور اس کی محبت کے کانٹے اپنے قلوب میں ڈال کر اپنی قیمتی جان اور عقل جیسی مایہ کو ضائع کر رہا ہے ۔

جناب الحاج بھائی محمد خالد صدیقی علی گڑھ کی اہلیہ محترمہ مرحومہ کے وصال پر حضرت مولانا کا تعزیتی مکتوب :

» مکرم و محترم ڈاکٹر محمد خالد صدیقی قواکم اللہ واعانکم ورزقکم جزیل الصبر الابرار السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ «

کل یکم اپریل کو حیدر آباد میں سانحہ کا علم ہوا ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ اللہ جل شانہ وعم نوالہ مرحومہ کی مغفرت فرمائے ۔ اور بلند درجات نصیب فرمائے ۔ بہت تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کی ہیں ۔ لیکن یہ تکالیف اور مصائب اب کام آ رہے ہوں گے ۔ مصائب والوں کو جب مصائب پر خدا کے انعامات ہوں گے تو عافیت والے یہ تمنا کریں گے کہ کاش انکی

۱۰ مکتوبات مرتبہ مفتی محمد روشن صاحب ۔

کھالیں قینچیوں سے کاٹی جاتیں۔ لیکن ہم ضعیف ہیں اس لئے مصائب کو مانگنا تو نہیں چاہئے۔ اللہ سے عفو و عافیت ہی مانگتے رہنا چاہئے۔ لیکن اگر مصائب آجائیں تو ان پر پامردی سے صبر کرنا چاہئے۔ مرحومہ کے جانے سے گھر کی جو ذمہ داریاں تھیں، ان کی وجہ سے یقیناً تمہیں منکر ہو گا کیونکہ گھر کی عورت کو غربی میں "رب البیت" کہا جاتا ہے۔ گھریلو اور خانگی تمام ذمہ داریاں اس کے اوپر ہوتی ہیں۔ اللہ جل شانہ و عم نوالہ تمہاری مدد فرمائے۔ اور بہترین صورتیں پیدا فرمائے۔

خدا کی تقدیر پر راضی رہنا ہی بندہ کا کام ہے۔ یہی رضا بالقضار ہے۔ آدمی خدا کی تقدیر پر راضی رہتا ہے تو اجر ملتا ہے اور اگر راضی نہیں ہوتا ہے تو تقدیر تو جاری ہو کر رہتی ہے لیکن ثواب سے محروم ہی ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے المصائب من حرم الثواب۔ مصیبت زد وہ ہے جو ثواب سے محروم رہے، اور جس کو مصیبت پر خدا کی طرف سے ثواب کی امید ہو وہ مصیبت زدہ نہیں ہے۔ اور حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ مسلمانوں کو اپنی مصیبتوں پر میری مصیبتوں سے تسلی حاصل کرنا چاہئے۔ کیونکہ مسلمان کے لئے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مصیبت ہی سب سے بڑی مصیبت ہے۔

احد کے واقعہ میں جب ایک عورت کے خاوند و بھائی کے شہید ہونے کی خبر ملی تو وہ یہی دریافت کرتی رہی کہ حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کیسے ہیں۔؟ جب بتایا گیا اور اس نے حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کر لی، تو بے اختیار یہ کہا۔ کل مصیبتا بعدک جلل، آپ کے بعد ہر مصیبت بہت تھوڑی ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی جب پہلی اہلیہ کا انتقال ہوا تو تین لڑکیاں غیر شادی شدہ تھیں اور ایک چھوٹی تھیں۔ اس کے بارے میں شیخ ہی نے فرمایا کہ جب میں اپنے تصنیف کے کمرے میں اپنی تصنیف میں مشغول ہوتا ہوں

اور اس کے رونے کی آواز آتی ہے تو چلتے چلتے قلم رک جاتا ہے۔ لیکن
الشہل شانہ وعم نوالہ ہی کار ساز ہیں۔ وہی تمھاری ذمہ داریوں کو پورا
فرما دیں گے۔

صاحبزادیوں اور صاحبزادوں کو بھی یہ مضمون سنا دیں بلکہ سمجھا دیں
اور صبر کے لئے اللہ کی طرف متوجہ ہونا اور اللہ کے دین کے عمل میں مشغول
ہونا یہی معین ہوتا ہے۔ الشہل شانہ وعم نوالہ نے اپنے نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام
کو ارشاد فرمایا واصبر وما صبرك الا بائسا، اور قرآن پاک میں۔۔
دوسری جگہ ارشاد فرمایا استعينوا بالصبر والصلوة،

آج صبح ۹ بجے ناگیور پہنچے۔ وہاں پر ہی یہ خط لکھا گیا ہے کہ معلوم
نہیں پھر موقع ملے نہ ملے۔ حیدر آباد میں بندہ کی طبیعت ناساز ہو گئی
تھی۔ ڈاکٹروں نے بولنے کو منع کر دیا تھا۔ دعا کے لئے صرف
۵ منٹ کی ہی اجازت دی تھی۔ جس میں سات منٹ بات ہوئی اور
گیارہ منٹ دعا ہوئی۔ یہاں ناگیور میں بھی کوئی ذمہ داری آج میرے
اوپر نہیں ہے۔ اس لئے موقع غنیمت جان کر یہ تحریر کرا دیا گیا۔

بس بچوں کو دعوات۔ اور ان سے کہہ دیں کہ دنیا کے اندر
ماں باپ سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے۔ اس کا بدل اگر ہے تو صرف
خدا کے پاک کا تعلق ہی ہے۔ یہی ان کا نعم البدل ہو سکتا ہے۔ جہاں
تک ہو سکے اپنی امی کو پڑھ پڑھ کر ایصال ثواب کرتے رہیں جس سے
تمھیں تسلی ہوگی اور جانے والے کو اجر ملے گا۔ فقط والسلام

محمد انعام الحسن

بقلم محمد غزالی، وارد حال ناگیور، ۱۲ اپریل ۱۹۴۲ء۔

● ایک نوجوان نو مسلم جنھوں نے عیسائیت ترک کر کے اسلام قبول کیا تھا۔ اور
دعوت و تبلیغ کے کاموں میں بڑی فکر مندی، دل سوزی کے ساتھ لگے ہوئے تھے
وردناک طور پر شہید کر دیئے گئے۔ ان کی والدہ (غیر مسلمہ) نے حضرت مولانا کو اس

حادثہ کے بعد خط لکھ کر اپنے اضطراب اور بے چینی کا اظہار کیا، جس پر آپ نے ذیل کا مکتوب انکو ارسال فرمایا۔ اس مکتوب میں تعزیت بھی ہے، تسلی و تسفی بھی ہے اور سپہاندگان کے لئے ایمانی دعوت اور اس کا پیغام بھی ہے۔

”منجانب محمد انعام الحسن، یوسف صاحب مرحوم کی والدہ کی طرف۔
الشریدھے راستے پر چلائے۔ اور سلامتی ہو اس پر جو سیدھے راستے پر چلے۔

آپ کا خط موصول ہوا جس میں یوسف مرحوم کے دردناک قتل کئے جانے پر آپ کی بے چینی اور اضطراب معلوم ہوا۔ الشرجل شانہ اس مرحوم کی نہایت مغفرت فرمائے اور جنت کے اعلیٰ درجات نصیب فرمائے۔ اس نے جو راستہ اختیار کیا تھا نہایت پاکیزہ اور صاف ستھرا تھا اور اس کی زندگی بہت پرسکون اور قابل رشک تھی اور جہاں وہ جا چکا ہے وہاں بھی الشرجل شانہ کی ذات سے بھلائی کی امید ہے۔ الشرجل شانہ ہم سب کو سیدھے راستے پر چلنے والا اور اپنے احکامات پر چمنے والا بنا دے۔

یوسف مرحوم یہاں آتا تھا اور قیام کرتا تھا لیکن سانحہ کے بارے میں ہمارے سامنے کوئی اس کی تفصیلی گفتگو نہیں اور نہ خطوط سے ہمیں کچھ لکھا۔ اس لئے اس کی تفصیل بتانے سے ہم معذور ہیں۔ الشرجل شانہ و عم نوالہ اس کے بچوں کی بہترین پرورش اور تربیت فرمائے اور اس کی اہلیہ کو بھی صبر و تسلی نصیب فرمائے۔

پریشیاں ہونے اور گھبرانے سے جانے والا واپس نہیں آسکتا۔ اس سے سوائے اپنے آپ کو پریشان کرنے کے اور کوئی نتیجہ نہیں۔

اس مرحوم کی بیوہ کو بھی الشرجل شانہ و عم نوالہ تسلی نصیب فرمائے اور اس کے ساتھ بہترین معاملہ فرمائے۔ یہ وقت سب کے لئے آنا مقدر ہے کوئی اس سے بچنے والا نہیں۔ اور جس شخص کا جو وقت مقدر ہے۔

اس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔

وہ شخص نہایت ہوشیار و سمجھدار ہے جو اپنے اس وقت کی آمد کی تیاری کرے اور یہ غور کرے کہ اس وقت ہمیں کیا چیز کام دے گی فقط

جن لاکھوں لوگوں نے حضرت مولانا کو دیکھا یا وہ اصحاب جنہوں نے آپ کی

استغناء اور شان بے نیازی

خدمت میں کچھ وقت گزارا وہ اس بات کی تصدیق کریں گے کہ دیگر اوصاف کی طرح یہ دو وصف بھی حضرت مولانا کی زندگی میں بہت نمایاں اور ممتاز تھے۔ استغناء ایسا زبردست کہ اگر اس دعوتی عمل کی مصلحتیں مجبور نہ کریں تو اچھے اچھے ملک اور مال والوں عہدہ اور منصب داروں کے سامنے یہ کہہ کر پاؤں پھیلا دیں کہ جب سے میں نے ہاتھ کھینچا ہے، پاؤں پھیلا دیئے ہیں اور شان بے نیازی ایسے غضب کی کہ علم میں اور عمل میں، دعوت میں اور تبلیغ میں، تزکیہ میں اور تطہیر میں اسکے ذریعہ چار چاند لگ جاتیں۔ اس طرح کے واقعات کا ایک نمونہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے اور سب سے پہلے وہ واقعہ نقل کیا جاتا ہے جس کی اطلاع بذریعہ مکتوب آپ نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو دی تھی۔ اس واقعہ کی اہمیت یوں بھی زیادہ ہے کہ یہ استغناء اور شان بے نیازی کا مظاہرہ آپ نے ایک ایسی باوقار شخصیت کے ساتھ کیا تھا جو ایک اسلامی مملکت کی جانب سے ہندوستان میں ایک عظیم المرتبت عہدہ پر فائز تھی اور آپ سے بے حد نیاز مند تھے و مجاہدہ مراسم و تعلق رکھتی تھی۔

حضرت شیخ کو تحریر کردہ اس مکتوب کا اقتباس یہ ہے۔

”کل جمعہ کی نماز میں تشریف لائے تھے۔ نماز جمعہ کے بعد بندہ نے ملاقات کی۔ ایک جنازہ کی نماز پڑھنی تھی۔ انھوں نے کہا کہ میں بھی شریک ہوں گا۔ جنازہ سے واپس آتے ہوئے بندہ نے چائے کی تواسنع کی، تو قبول فرمایا۔ اور تشریف لے آئے۔ گھنٹہ سوا گھنٹہ تشریف فرما رہے۔“

لے یہاں نام کا اظہار قصداً نہیں کیا گیا۔

اشکائے گفتگو میں دو مرتبہ روئے آنسو جاری ہوئے چار بجے کے قریب واپس گئے۔ ۵ بجے ان کا آدمی آیا کہ سلام کہلوایا ہے اور یہ کہ وہ ایک چمک کاٹ رہے تھے۔ اس آدمی نے عرض کیا کہ پہلے میں پوچھ آؤں کہ قبول کریں گے یا نہیں۔ بندہ نے یہ جواب دے دیا کہ الحمد للہ بالکل ضرورت نہیں ہے برکت کے لئے ایک روپیہ قبول کر لیں گے۔ یہ جواب لے کر وہ چلا گیا۔ پھر معلوم نہیں کہ کیا اثر ہوا۔ اللہ جل شانہ بہتر صورت پیدا فرما دے !

حافظ محمد یوسف صاحب (ٹانڈہ چھرولی) بنگلہ دیش کے ایک سفر میں حضرت مولانا کے ہمراہ تھے، وہ اپنا ایک چشم دید واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں :

”بنگلہ دیش سے ہندوستان واپسی ہو رہی تھی، ٹونگی میں حضرت کی قیامگاہ پر بعد مغرب مصافحہ والوں کی بھیڑ تھی اور کمرہ کے اندر خواص کا جمع تھا۔ حضرت جی اپنے کپڑے وغیرہ درست کر رہے تھے۔ بہت سے اس ملک کے تحفے تحائف اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے یہ کہہ رہے تھے۔ حضرت یہ قبول فرمایا لیجئے، حضرت یہ قبول فرمایا لیجئے۔ مگر مجال نہیں کہ حضرت نے اپنی توجہ اس طرف کی ہو اور نگاہ بھر کر بھی کسی چیز کو دیکھا ہو۔ بس اپنے کام میں مشغول رہے اور جب ایک صاحب نے زیادہ اصرار کیا تو ان کی طرف اور ان کے تحفہ کی طرف دیکھے بغیر یہ فرما کر روانہ ہو گئے کہ نہیں بھائی کیا ضرورت ہے، ہندوستان میں یہ سب چیزیں ملتی ہیں۔“

مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری اسی استغفار اور شان بے نیازی کے حوالہ سے اپنے دو واقعے اس طرح بیان فرماتے ہیں :

”حضرت جی کے توکل و استغفار کے دو واقعے اس ناچیز کے ساتھ بھی پیش آئے ہیں۔ پہلا واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۷۷ء میں حضرت جی امارات کے دورہ پر مع اپنے قافلے کے تشریف لائے۔ اس وقت یہاں تبلیغی کام ابتدائی مرحلہ میں تھا۔ اب تو ماشاء اللہ ہزاروں کی تعداد میں عرب و عجم اس کام سے وابستہ ہیں۔ اس ناچیز نے حضرت کو کھانے پر دعوت دی اور یہاں کی بعض اہم شخصیات کو

بھی مدعو کرنے کا خیال تھا کہ تعارف ہو جائے گا حضرت جی نے منظور تو فرمایا مگر مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری مدظلہم نے بعد میں مجھ سے فرمایا کہ حضرت نے آپ کے تعلق میں قبول فرمایا ہے لیکن طبیعت پر بوجھ ہے۔ کیونکہ بڑے لوگوں کے ساتھ اس طرح کا اجتماع حضرت پسند نہیں فرماتے۔ اس ناچیز نے عرض کیا کہ مجھے تو حضرت کی رضا منظور ہے۔ چنانچہ اس ناچیز نے حضرت کی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ حضرت دعوت کا پروگرام ملتوی کر رہا ہوں۔ اس پر مسرت کا اظہار فرمایا۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ اب سے دو سال پہلے ابو ظہبی کی ایک اہم شخصیت کے ہمراہ جو اس ناچیز سے بہت محبت کرتے ہیں، ہندوستان جانا ہوا، تو نظام الدین حضرت سے ملاقات کے لئے بھی حاضری ہوئی۔ ان صاحب نے ملاقات کے بعد ایک بڑی رستم حضرت کی خدمت میں ہدیہ پیش کی۔ تو حضرت نے قبول کرنے سے معذرت فرمادی۔ ان صاحب کو مطمئن کرنے کے لئے مجھے بعد میں لمبی تقریر کرنی پڑی۔ لیکن اس کا اثر ان پر یہ پڑا کہ ان کو حضرت سے اور تبلیغی تحریک سے غیر معمولی عقیدت اور حسن ظن پیدا ہو گیا۔

مشورہ کا اہتمام اور اس کی پابندی | حضرت مولانا نے اپنے آپ کو ہمیشہ شوری کے ساتھ مربوط بنائے رکھا۔

کبھی اس سے بالاتر ہو کر فیصلہ نہیں فرمایا۔ کوئی بھی مسئلہ سامنے آتا تو برعکس فرماتے، کہ مشورہ میں رکھو جیسی ساتھیوں کی رائے ہو۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے ابتدائی دور سے لے کر آج تک دعوت و تبلیغ سے وابستہ ایک قدیم اور معزز بزرگ حضرت مولانا کی مجلس مشاورت کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں:

مشوروں میں حضرت مولانا انعام الحسن صاحب ہر ایک کی طرف عجیب عاجزانہ انداز سے دیکھتے تھے۔ ہر ایک سے رائے لیتے اور ہر ایک کی رائے کا بڑی عظمت اور محبت سے انتظار فرماتے تھے۔ اگر رائے ضائع ہوتی تو کبھی یہ نہ دیکھتے کہ رائے دینے والا کون ہے۔ بیٹا ہے یا پڑا۔ بلکہ بڑی قدر فرماتے۔

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کو اپنی ایمانی بصیرت اور مومنانہ فراست کی وجہ سے لوگوں کے احوال، ان کی قلبی کیفیات، ان کے وساوس، صدور، خطرات قلب، نیز معاصی کی ظلمات و نحوست اور طاعات و عبادات کے آثار و انوارات کا ادراک اس قدر قوت و شدت کے ساتھ ہوتا تھا کہ اس زمانہ میں اس کی نظیر نامی مشکل ہے۔ لیکن آپ کے نزدیک ان کی نہ کوئی اہمیت و حیثیت تھی اور نہ ہی اس میں آپ کے کسی قصد و ارادہ کو کوئی دخل تھا۔

ایک مرتبہ سفر سے واپس تشریف لائے۔ مرکز کی سڑک پر پہلا قدم رکھتے ہی فرمایا:

”اے بھائی غیبت کی ظلمت محسوس ہو رہی ہے۔“

اسی طرح ایک اسلامی مملکت کی سرحد میں داخل ہوتے ہی ارشاد فرمایا:

”اوہو ظلم کی نحوست چھائی ہوئی ہے۔ پھر فرمایا کہ اندرونی مظالم کی کثرت ہو رہی ہے اور مخلوق کو ستایا جا رہا ہے۔“

ایک صاحب نے عرض کیا کہ کبھی تو جی چاہتا ہے کہ آپ کے پاس خوب رہوں، اور کبھی آنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ اس پر فرمایا کہ:

”میرا اس میں کوئی عمل دخل نہیں، بلکہ یہ تمہارے معاصی کا اثر ہے۔“

حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ کی زندگی میں ایمانی فراست سے معمور اور دینی بصیرت سے بھرپور ایسے واقعات کس قدر پیش آئے، یہ تو خدا ہی کو معلوم ہے۔ تاہم چند واقعات کے ذریعہ اس کا ایک نمونہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ قارئین چاہیں تو ان واقعات کو کشف و کرامات سے تعبیر کر لیں یا تو جہ و تصرف ان کا نام رکھ دیں۔ لیکن ان میں سے کوئی واقعہ بھی ایمانی بصیرت اور مومنانہ فراست سے خالی نہیں ہے۔

واقعہ نمبر (۱) | ایک دعوتی کارکن اور مبلغ اپنے ایک عالم فرزند کو حضرت مولانا سے بیعت ہونے کی متعدد مرتبہ ترغیب دے چکے تھے۔ لیکن یہ فرزند انکار

کر دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے خواب دیکھا کہ کوئی صاحب ان سے کہہ رہے ہیں کہ دہلی جا کر حضرت جی سے بیعت ہو جاؤ۔ اس خواب کے بعد یہ عالم دین، اسی دن اپنے والد کی معیت میں نظام الدین بیعت کے قصد سے آئے اور حضرت مولانا سے بیعت کیلئے

عرض کیا تو آپ ان صاحبزادے کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ مولوی صاحب خواب پر اتنا بھروسہ نہیں کیا کرتے۔ اور یہ فرما کر بیعت کر لیا۔ ان صاحب کو ہمیشہ اس پر حیرت رہی کہ میں نے تو اپنا خواب کسی کو سنایا نہیں تھا پھر حضرت مولانا کو کیسے معلوم ہوا۔

واقعہ نمبر (۲) مغرب کی نماز کے بعد حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ اپنے نیچے والے حجرے کے سامنے اوڑھنیں ادا فرما کر تسبیحات میں مشغول تھے کہ ایک صاحب حضرت مولانا یوسف صاحب کے بارے میں کسی عربی قصیدہ کی تحقیق کے لئے حاضر ہوئے۔ انکا جیسے ہی حضرت سے سامنا ہوا تو بغیر ان کے سوال کئے ہوئے فوراً ارشاد فرمایا کہ اس عربی قصیدہ کی اصل فلاں جگہ ہے۔ یہاں پر اس کی نقل موجود ہے۔ یہ فرما کر پھر اسی طرح اپنی تسبیحات میں مشغول ہو گئے۔

واقعہ نمبر (۳) میوات کے ایک قدیم معمر کارکن بتلاتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اپنے گھر پر ایک بھینس خرید کر مرکز آیا جو بارہ سو روپے کی خریدی تھی۔ اور جماعت میں جانے کیلئے صرف دو سو روپے لایا۔ میں حضرت جی کی روانگی کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ میری طرف دیکھ کر فرمانے لگے کہ لوگ بھینس تو بارہ بارہ سو میں خریدتے ہیں اور اللہ کی راہ میں جانے کے لئے مشکل سے دو سو روپے لاتے ہیں حالانکہ میں نے یہ بارہ سو والی اور دو سو والی اپنی بات ابھی تک کسی سے نہیں کہی تھی۔ پس میں سمجھ گیا کہ اس کا نشانہ میں ہی ہوں۔

واقعہ نمبر (۴) ایک مرتبہ حضرت جی ایک اجتماع میں تشریف لے گئے۔ اجتماع کے بعد قیامگاہ پر تشریف فرما تھے کہ ایک غیر مسلم عورت اور مرد ایک بچہ لے کر آئے۔ اور دروازہ پر ہم لوگوں کی خوشامد کرنے لگے کہ ہمارا یہ بچہ شدید بیمار ہے۔ تمہارے گرو جی اسے دیکھ لیں یا دم کر دیں تو ہمیں امید ہے کہ یہ اچھا ہو جائے گا۔ میں نے ان کی بے کسی بے بسی کو دیکھ کر ڈرتے ڈرتے حضرت سے نوعیت عرض کر دی۔ حضرت نے فرمایا کہ بھائی ہلا لو۔

میں نے مرد کے ساتھ اس بچے کو جو انتہائی لاغر اور کمزور تھا بلالیا۔ پس حضرت جی نے بہت سرسری طور پر اس کی طرف دیکھا۔ یہ یاد نہیں کہ چھو ابھی یا نہیں، وہ فوراً ٹھیک و

ہو گیا۔ اب ان کی خوشی کی انتہاء نہ رہی۔ جب تو چلے گئے۔ صبح کو جانے کیا کیا گاڑی میں تحفے تحائف لائے۔ مگر حضرت نے اس طرف توجہ تک نہیں فرمائی اور نہ کوئی بات سنی اور فوراً روانہ ہو گئے۔

واقعہ نمبر (۵) ایک عرب نوجوان مرکز آئے ہوئے تھے۔ ان پر ایسی کیفیات طاری ہوئیں کہ وہ برداشت نہ کر سکے۔ تمام مرکز ان کی وجہ سے پریشان ہو گیا۔ اکیلے ان کو عرب روانہ کرنا بھی مشکل تھا۔ ایک دفعہ نیچے حجرے میں مشورہ ہو رہا تھا۔ وہ بھی داخل ہو گیا اور نہ جانے کیا کیا کہنے لگا۔ بس حضرت جی نے ان کی طرف ایک سخت نگاہ سے دیکھا تو وہ ذرا سا پیچھے کو ہٹے۔ پھر اور دیکھا تو اوڑھ پیچھے ہٹے، پھر اور دیکھا تو حجرے سے تیزی سے نکل کر باہر آ گئے اور کچھ دیر بعد ٹھیک ہو گئے۔

واقعہ نمبر (۶) حضرت کے یہاں معمول یہ تھا کہ بعد عصر چائے ہوتی تھی۔ اقر نے ایک مرتبہ سوچا کہ بازار میں کیوں پیسے خرچ کروں۔ حضرت کے یہاں چائے پی لوں گا۔ جب بندہ حاضر ہوا تو اور لوگ چائے پی رہے تھے۔ حضرت والا نے بندہ کی طرف بالکل توجہ نہیں فرمائی۔ جب میں نے محاسبہ نفس کیا تو دل کا چور معلوم ہوا کہ جو اشراف پیدا ہوا تھا۔ یہ سب اسی کی خواست ہے اور دل ہی دل میں استغفار کرنے لگا۔ جیسے ہی استغفار کیا، فوراً حضرت نے ارشاد فرمایا کہ بھائی مولوی صاحب کو جلدی چائے دو۔ مجھے طلبہ میں بیان کرنے کے لئے جانا ہے۔

آپ کی فراست کا دوسرا واقعہ میرے ساتھ یہ پیش آیا کہ حضرت والا نے میرے کمرہ کے سامنے دروازہ کے پاس بیان فرمانا شروع کیا اور شروع یہاں سے کیا کہ علم مقصود نہیں ہے بلکہ عمل مقصود ہے۔ تو فوراً میرے جی میں اشکال آیا کہ بخاری میں العلم قبل العمل سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں ہی مقصود ہیں۔ یہ خیال دل میں آیا ہی تھا کہ فوراً حضرت والا نے طلبہ کے مجمع کے سامنے میرے طرف منہ کر کے ارشاد فرمایا کہ تم بخاری برکت سے ابھی اس اشکال کا یہ جواب سمجھ میں آ گیا۔ دیکھو، وہ علم

مقصود ہے جو برائے عمل ہو اور جو علم برائے عمل نہ ہو وہ علم — مقصود نہیں ہے۔

واقعہ نمبر (۸)

۱۹۶۶ء میں اپنی امارت کے ابتدائی دور میں میری تشکیل حضرت جی نے کشمیر کے لئے فرمائی۔ چنانچہ روانگی کے وقت جب میں حجرہ میں پہونچا تو بس ایک جملہ ارشاد فرمایا کہ دیکھو بھائی ایسی جگہ جارہے ہو جہاں پھسلنے کے مقامات بہت ہیں۔ یہ سنکر میرے اوپر رقت طاری ہو گئی۔ مگر میں اس جملہ کا مطلب نہیں سمجھا۔ راستہ بھر غور کرتا رہا۔ وہاں پہونچ کر جو وہاں کے حالات دیکھے، تب اس ارشاد کا مطلب سمجھ میں آیا۔ پھر تو ایسی نفرت اس ماحول سے ہوئی کہ کیا بتاؤں۔ ہر طرف سے گویا ایک طرح کی بدبو آتی تھی۔ اور میرا بازار میں نکلنے ہوئے دم گھٹتا تھا۔ مجبوراً اساتھیوں کو کہنا پڑا کہ بھائی مجھے گشت میں نہ لے جایا کرو، بلکہ مسجد میں ہی پڑا رہنے دو۔ یہ پورا چلہ اس طرح گزرا کہ گویا حضرت کے فرمانے سے گناہوں سے اور ماحول سے بری نفرت دل میں پیدا ہو گئی۔ پتہ نہیں حضرت کے اس جملہ میں کیا تاثیر بھری ہوئی تھی۔

واقعہ نمبر (۹)

ہمارے علاقہ کے ایک اہم شخص زین العابدین خاں (مرحوم) تھے۔ ہم نے ان کو بڑی مشکل سے چلہ کے لئے تیار کیا۔ جب نظام الدین پہونچے۔ تو فیصلہ ہوا کہ جماعت کلکتہ جائے گی۔ چنانچہ تیار ہوئی۔ جب صبح کو روانگی ہونے لگی تو حضرت جی نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ خان صاحب! کلکتہ کے بازار بہت بڑے بڑے ہیں۔ بس اتنا کہنا تھا کہ خاں صاحب پر کیپنی آگئی اور پورے چلہ کلکتہ کی مسجد سے نہیں نکلے اور فرماتے تھے کہ حضرت جی نے یہ کہا تھا کہ کلکتہ کے بازار بہت بڑے بڑے ہیں۔ مجھے بازار سے نفرت ہو گئی۔ میں بازار نہیں جاؤں گا۔

واقعہ نمبر (۱۰)

جب تک میری ہمت و تندرستی رہی، حضرت جی کے پاس بعد نماز عشاء بدن دبانے کے لئے جاتا تھا۔ ایک مرتبہ میں لمبے سفر سے آیا۔ کافی تھکان تھا۔ میں نے سوچا کہ آج حضرت کو بعد مغرب ہی دباؤں۔ کتاب کے بعد فوراً آرام کر لوں گا میں کھانے کے بعد کمرہ میں آیا تو حضرت پیر پھیلائے

بیٹھے تھے۔ اور کئی آدمی حضرت کے پاؤں دبا رہے تھے۔ میں نے سلام کر کے جو دبانے شروع کیا۔ تو حضرت نے چہرہ بدل کر فرمایا، یوں سوچا ہو گا کہ آج تو تھکا ہوا ہوں، ابھی دبانوں، تاکہ بعد میں دبانے پڑے، کس نے بلایا تھا۔ میں شرم کی وجہ سے پانی پانی ہو گیا۔ اور خجالت سے چپکے چپکے نیچی گردن کر کے دبا تا رہا اور پھر بعد عشاء بھی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

واقعہ نمبر (۱۱) ایک مرتبہ نانوتہ میں اجتماع تھا۔ میں بھی حاضر تھا، تو مجھ سے فرمایا کہ اگر سردی کے موسم میں کشمیر کے لئے جماعت بنا کر لاؤ گے تو گرمی میں بھی دوں گا۔ ورنہ گرمی میں کشمیر روانہ نہیں کروں گا۔ میں نے واپس پہونچ محنت کی۔ اللہ پاک نے جماعت بنوادی، میں نے خدمت میں حاضر ہوا۔ جب تین دن گزر گئے اور جماعت کا رخ متعین نہیں ہوا تو منشی بشیر احمد رحمۃ اللہ علیہ مجھے حضرت کے پاس لے کر گئے۔ اور عرض کیا کہ حضرت ان کی جماعت کے بارے میں کیا کریں اور کہاں بھیجیں؟ اس پر فرمایا کہ میرے ذہن میں تو بردوان ہے، وہاں بھیج دی جائے۔ رفقاء جماعت آپس میں چہ میگوئی کرنے لگے کہ ہم تو کشمیر کی نیت سے آئے تھے۔

الغرض ہم بردوان پہونچے، شام کو گشت و اجتماع وغیرہ سے فراغت کے بعد ایک ہوٹل میں جو مسجد کے قریب تھا، پہونچے، چائے منگوائی، وہاں پر اسی روز کا اخبار رکھا ہوا تھا۔ اس کو اٹھا کر دیکھا تو سب سے پہلے خبر یہ تھی کہ شیخ عبداللہ گرفتار کشمیر کے حالات خراب۔ اور ہنگامی حالات کا نفاذ تب ساتھیوں کی سمجھ میں آیا کہ اس لئے ہمیں حضرت نے کشمیر نہیں بھیجا تھا۔

واقعہ نمبر (۱۲) میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ حج پر جانے لگا۔ میں نے سوچا کہ اس موقع پر حضرت کی خدمت میں سے کوئی نہ کوئی رہنا چاہئے۔ اس لئے میں نے ایک ساتھی کو اپنے ساتھ حضرت کی خدمت میں لے جانا شروع کر دیا۔ تاکہ جانہیں میں مناسبت پیدا ہو جائے اور موقع خدمت کا اسے اندازہ ہو جائے۔ کچھ دن بعد میں اپنے سفر حجاز کے لئے روانہ ہو گیا۔ یہ سفر تقریباً

نوماہ کا تھا۔ جب میری سفر سے واپسی ہوئی تو اس ساتھی نے مجھے اپنی جو سرگزشت سنائی اس میں خصوصیت سے یہ بات سنائی کہ میں نظام الدین سے تقریباً دو کلومیٹر دور ایک بستی میں نمازوں کی امامت کیا کرتا تھا۔ میرا معمول تھا کہ جب میں بعد نماز فجر وہاں سے آتا تو سب سے پہلے حضرت کے کمرے میں حاضری دیا کرتا تھا۔ ایک روز ایسا ہوا کہ جس گھر سے میرا شام کا کھانا آتا تھا۔ اس گھر کی عورت بعد نماز عشا مسجد میں میرے پاس آئی۔ اور مجھے کسی بہانے سے اپنے گھر لے گئی۔ میں اپنی سادگی میں چلا گیا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ اس کا شوہر باہر گیا ہوا ہے۔ اس عورت نے میرے گھر میں داخل ہونے کے بعد فوراً کنڈی اور تالا لگا دیا۔ اب میں پریشان کہ یہاں تو کوئی بات ہی دوسری ہے، تو اچانک مجھے باہر سے سخت لہجے میں حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب کی آواز سنائی دی کہ میرا نام لے کر فرما رہے ہیں، کہ کیا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا، حضرت ابھی حاضر ہوتا ہوں۔ میں دروازے کی طرف زور سے بھاگا، تو تالا کنڈی سب کھلا ہوا تھا۔ میں باہر نکلا تو دیکھا کوئی نہیں ہے۔

خیر میں نے مسجد میں جا کر آرام کیا۔ صبح بعد نماز فجر معمول کے مطابق حضرت کے یہاں حاضری ہوئی تو مجھے دیکھتے ہی فرمانے لگے۔ خدا کا خوف رہنا چاہئے۔ اپنے ایمان کی حفاظت کرنی چاہئے۔ یہ نہیں کہ جس وقت جو بلائے۔ اسی کے پیچھے چل دو وقت اور آدمی بھی تو دیکھا کرو۔

واقعہ نمبر (۱۳) ایک صاحب اپنا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میں ایسے موقع پر مرکز پہونچا کہ حضرت نظام الدین اولیاء کا عرس چل رہا تھا۔ میں اس میں ایک مشہور قوال کی قوالی سننے چلا گیا۔ صبح بعد نماز فجر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو بہت غور سے میرے چہرے کو دیکھ کر فرمایا کہ میان رات تم کہاں گئے تھے۔ میں نے اپنے جانے کو چھپانا چاہا تو فرمایا اچھا کیا رات تم فلاں صاحب کے پاس نہیں بیٹھے تھے۔ یہ سنکر اب میرے پاس اقرار کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا، چونکہ میں حقیقتاً انہی صاحب کے پاس بیٹھا تھا جن کا حضرت نے نام لیا تھا۔ اور میں نے ان کے ملاقات بھی کی تھی۔ میرے اقرار کے بعد حضرت نے مجھے محبت بھرے لہجے میں چند نصیحتیں

فرمانی جن کو میں نے گوش دل سے سنا۔ اور آئندہ سے ان پر عمل کرنے کا عزم مصمم کر لیا۔

شاید ۱۹۷۷ء سے کچھ پہلے کی بات ہے کہ ایک مشہور و معروف "جماعت" کی تحریک سے ایک ایسا حلقہ ہماری یونیورسٹی میں پیدا ہو گیا تھا جو اس تحریک سے وابستہ تو نہیں تھا مگر حمایت میں تھا۔ اور یہ لوگ ہماری محنت کو اچھی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور کبھی کبھی ہمارے اصرار پر اتوار کے ہفتہ واری اجتماع میں شریک بھی ہو جاتے تھے۔ میں نے ایسے اجاب کو — دس دن کے لئے مرکز نظام الدین چلنے کی دعوت دی، وہ تیار ہو گئے۔ یہ حضرات پٹنہ یونیورسٹی کے شعبوں میں پروفیسر تھے۔ سب کے نام تو اس وقت ذہن میں نہیں ہیں۔ چند افراد کے نام جو ذہن میں محفوظ رہ گئے، یہ تھے۔

"ڈاکٹر محمد ضیاء الدین، ڈاکٹر عبدالقدوس پروفیسر شعبہ کامرس، ڈاکٹر حدیث انصاری شعبہ کامرس۔ ڈاکٹر سبکتگین، شعبہ سائنس۔ ڈاکٹر خواجہ افضل امام شعبہ فارسی۔ پروفیسر مراض الدین شعبہ اردو وغیرہ۔ اس طرح تقریباً دس پروفیسر افراد تھے ہم لوگ دوپہر میں مرکز دہلی پہنچے۔ شام کو میں نے ارادہ کیا کہ حضرت سے انص کو ملانے سے پہلے ان کے رجحانات وغیرہ اور میدان کی بابت کچھ گوش گزار کر دوں گا مگر اس کا موقع نہیں مل سکا۔ اس لئے پہلے سے میں حضرت کو کوئی بات نہیں بتلا سکا۔ اشراق کے بعد حضرت سامنے والے کمرے میں تشریف لے گئے، تو کچھ وقفہ کے بعد میں اپنے ان ساتھیوں کو لے کر کمرہ میں آیا۔ اور سلام و مصافحہ کر کے بیٹھ گیا۔ حضرت اس وقت کچھ گفتگو فرما رہے تھے، ہم سے مصافحہ فرمانے کے بعد پھر ان حضرات سے مخاطب ہو گئے، جن سے پہلے گفتگو جاری تھی۔ اس وقت آپ نے یہ تین مختصر جملے ارشاد فرمائے۔

"بھائی مسلمان کا منصب حکومت نہیں ہے خلافت ہے۔ حکومت جبر ہے خلافت صبر ہے۔ حکومت کی حکمرانی جبر پر ہوتی ہے اور خلافت کی حکمرانی دلوں پر ہوتی ہے۔"

یہ جملے ارشاد فرما کر خاموش ہو گئے۔ میرے تمام ساتھی پرو فیسر حضرات جو سو فیصد اس تحریک سے متاثرہ بلکہ جہنوا تھے، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حضرت کو دیکھنے لگے۔ اور میں سمجھ گیا کہ میرا ارادہ جو حضرت سے پہلے ملکر اپنے ساتھیوں کی نوعیت سے باخبر کر دینا تھا اور جس کا مجھے موقع نہیں ملا تھا، اللہ نے وہ ان کے دل پر القاء فرما دیا۔

نوٹ:- ان تمام واقعات کے
راوی معلوم موجود ہیں۔ لیکن یہاں
ان کے ناموں کا اظہار مناسب نہیں
سمجھا گیا۔

معمولات

سفر کے معمولات

حضرت مولانا کی زندگی کا زیادہ تر حصہ دینی و دعوتی اسفار میں گزرا۔ ماہ رمضان المبارک کو مستثنیٰ کرتے ہوئے پورے سال کوئی ہینڈ ہی بشکل ایسا گزرتا تھا جس میں سفر نہ ہوتے ہوں اور پھر چونکہ یہ اسفار خالص دعوتی اور تبلیغی ہوتے تھے۔ اس لئے ان میں اس کا پورا پورا لحاظ اور خیال رکھا جاتا کہ مقصد سفر پورے طور پر حاصل ہو۔ یعنی اجتماع میں بھرپور مشغولیت ہو اور نکلنے والی جماعتوں کی تعداد زائد سے زائد ہو۔ ان دونوں چیزوں کے لئے کھانے پینے کے اوقات، سونے جاگنے کے معمولات سب بدل جاتے اور وقت اور مقام کے اعتبار سے بڑا تغیر و تبدل ان میں ہو جاتا۔ چنانچہ رات کی نیندوں کے مختلف اوقات میں پوری کرنا اور دوپہر کا کھانا صبح ناشتہ میں کھالینا ایک عام عادت سی بن گئی تھی۔ لیکن اس بھرپور مشغولیت و مصروفیت کے باوجود تمام اسفار پورے ضوابط اور اصول کے ساتھ معمولات کی پابندی کرتے ہوئے پورے فرماتے تھے۔

آپ کے سفر اور دورانِ مسافرت کے جو معمولات جو عمومی طور پر مشاہدہ میں آئے وہ یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

مرکز نظام الدین سے روانہ ہوتے وقت

معمول یہ تھا کہ زمانہ نماز میں تشریف لے جا کر رخصتی۔

سلام و دعا کرتے۔ آیات کریمہ اور معوذتین وغیرہ پڑھ کر بچوں پر دم فرما کر باہر تشریف لاتے اور مصافحہ کے خواہشمند احباب سے ملاقات کرتے ہوئے سفر پر روانہ ہو جاتے۔ سفر اگر ہذرے کا رہتا تو ہمیشہ پچھلی سیٹ پر بائیں جانب بیٹھتے۔ برابر میں مولانا محمد عمر یا مولانا زبیر الحسن صاحب میں سے کوئی ہوتا تھا۔ اپنی کار کے لئے ہمیشہ اس ڈرائیور کو پسند فرماتے جو معتدل رفتار کے ساتھ چلانے کا عادی ہوتا۔ تیز رفتاری آپ کو ہمیشہ ناپسند رہی۔ فرمایا کرتے تھے کہ تیز رفتار ڈرائیور خود بھی دماغی طور پر جلدی تھکتا ہے۔

اور مسافروں کو بھی تھکاتا ہے۔ اتفاقی طور پر اگر ڈرائیور گاڑی کی رفتار تیز کرتا تو بہت نرم انداز میں اس کو یہ فرما کر روک دیتے کہ "بھائی ہم ضعیف اور کمزور ہیں ہمیں تو آہستہ آہستہ ہی پہنچا دو۔"

۱۹۷۵ء میں ہونے والے افریقہ کے سفر میں طویل طویل مسافتیں بذریعہ کارٹے ہوتی تھیں۔ وہاں کی صاف شفاف سڑکوں پر گاڑیوں کی رفتار بڑی تیز ہوتی۔ لیکن حضرت مولانا جب بھی گاڑی میں بیٹھتے تو ڈرائیور سے فرماتے کہ بھائی اگر غابطہ و قانون میں چلاؤ گے تو بیٹھیں گے۔ ورنہ کسی اور گاڑی میں چلے جائیں گے۔ چلانے والے احباب وعدہ بھی کر لیتے۔ لیکن بسا اوقات طبیعت و عادت وعدہ پر غالب آجاتی اسلئے حضرت مولانا کی گاڑی زیادہ تر مولانا یوسف تھلا صاحب چلا تے تھے۔

اگر سفر ریل سے ہوتا تو کھڑکی کی جانب تشریف فرما ہوتے اور سمت سفر کی طرف رخ کر کے بیٹھتے۔ دوران سفر اگر کسی جگہ اترتے یا گاڑی سے اترے بغیر مصافحہ و دعا یا کسی صاحب کے یہاں کھانا اور ناشتہ کا وعدہ فرما لیتے تو اس کے ایفاء کا پورا پورا اہتمام فرماتے۔ بسا اوقات کام کرنے والے احباب کی رعایت و دلداری میں دشوار گزار راستہ کی مشقت اور تکلیف بھی برداشت فرما لیتے۔ ٹرین سے ہونے والے سفر میں منزل پر پہنچ کر اطمینان سے ملاقات و مصافحہ فرما کر دعا فرماتے جس میں سفر کی خیریت و عافیت اور اہل شہر کے لئے برکت و رحمت کی خصوصی طور پر دعا فرماتے۔

نماز سفر خواہ ریل کا ہو یا ہوائی جہاز کا، اپنی سیٹ کے متصل ایک دور فقار کے ساتھ تمام نمازیں باجماعت ادا فرماتے۔ اگر ریل کے اوقات میں گنجائش ہوتی تو نیچے اتر کر پلٹ فارم پر جماعت کرتے ورنہ اسٹیشن پر اتر کر جماعت کرنے میں ہمیشہ محتاط رہے کہ گاڑی چھوٹنے کا خطرہ اس میں لگا رہتا ہے۔ تہجد و اہلین اور دیگر نوافل کا جتنا اہتمام حضرت میں ہوتا تھا اتنا ہی سفر اور دوران سفر بھی تھا۔ شب میں ادائیگی تہجد کے لئے اس طرح اٹھتے کہ سونے والوں کی نیند متاثر نہ ہوتی۔ بیت الخلاء آنے جانے کے لئے جوتا پہنتے ہونے کسی بھی طرح کی ہلکی سی آواز محسوس نہ ہونے دیتے۔ ایک مرتبہ ریل میں تہجد کے لئے بیدار ہونے تو خادم نے جوتے روز سے نیچے

رکھ دیئے۔ جس سے ایک آواز پیدا ہوئی تو فوراً انھیں یہ کہہ کر تنبیہ کی کہ جوتا آہستہ رکھنا چاہئے۔ ورنہ لوگوں کے آرام میں خلل آئے گا۔ اسی طرح ریل یا ہوائی جہاز میں اگر ساتھی عام آمد و رفت کی جگہ بیٹھ جاتے یا نماز ادا کرتے تو یہ کہہ کر منع فرما دیتے کہ یہ عام آمد و رفت کا راستہ ہے، اس سے مسافروں کو وقت ہوگی۔

صحت کے زمانہ میں عموماً تمام نمازیں اجتماع گاہ میں ہی ادا کرنے کا معمول تھا۔ آخر میں اس معمول میں یہ تغیر ہو گیا تھا کہ تمام نمازیں مولانا زبیر صاحب کی امامت میں اول وقت بڑی جماعت کے ساتھ قیام گاہ پر ادا فرمانے لگے تھے۔

قیام گاہ پر پہنچ کر خواہ کیسا ہی وقت ہو اور کتنا ہی تعب ہو فوراً

مشورہ

عمومی مشورہ کے لئے بیٹھتے اور پورا نظام الاوقات طے فرماتے۔ کبھی پہلی نشست میں ہی پورے جلسے کا نظام طے فرما دیتے اور کبھی ایک ایک دن کا مشورہ فرما لیتے۔ مشورہ میں مغرب بعد ہونے والے بیان کے لئے جب رفقاء حضرت مولانا کا نام پیش کرتے اور اکثریت اس پر جم جاتی تو کبھی تو قبول فرما لیتے۔ اور کبھی تقریری مشق نہ ہونے کا عذر فرما کر انکار کر دیتے۔ ایسا بھی بہت سی مرتبہ ہوا کہ مخلصین کے اصرار پر فرما دیا کہ یہ ہم پر اور مولوی محمد عمر پر چھوڑ دو۔ ہم خود طے کر لیں گے۔

سفر کے دوران رفقاء سفر کی بے حد رعایت فرماتے

رفقاء کی رعایت

اور ان کے چھوٹے چھوٹے حقوق کی ادائیگی پر پوری توجہ فرماتے۔ ساتھیوں کے قیام و طعام اور ان کے راحت و آرام کے متعلق خود بھی معلوم فرماتے رہتے۔ اور مولانا احمد لاٹ کو (جو عام طور پر امیر سفر ہوتے تھے) اس طرف متوجہ کرتے رہتے۔ قافلہ میں شامل عربوں کا بہت زیادہ اہتمام و احترام فرماتے۔ اور ان کی اس نسبت کا خصوصی خیال رکھتے کہ وہ اسلام کے اولین داعی اور اولین مخاطب ہیں۔ رفقاء سفر میں جو حضرات بیان و تشکیل یا خصوصی گشت وغیرہ میں گئے ہوتے ان کا بھی بہت فکر و اہتمام ہوتا۔ ان کے لئے کھانا رکھواتے۔ ان کی واپسی کا انتظام کرتے۔ چنانچہ مولانا محمد عمر صاحب بعد مغرب ہونے والے اپنے بیان

سے فارغ ہو کر جب تک قیامگاہ پر واپس پہنچ کر حضرت مولانا سے اجتماع کے احوال جمع کی کیفیت اور تشکیل وغیرہ کی تفصیل نہ بتلا دیتے اس وقت تک آرام نہ فرماتے۔ اور انتظار میں مسند پر تشریف فرما رہتے۔ مولانا محمد بن سلیمان لکھتے ہیں، ایک مرتبہ مولانا محمد عمر صاحب کی واپسی کا انتظار کرتے کرتے حضرت جی کی آنکھ لگ گئی جب مولانا محمد عمر صاحب واپس آئے تو میں نے ان سے کہہ دیا کہ حضرت سو گئے ہیں۔ یہ شکر موصوف بھی اپنے کمرے میں چلے گئے۔ کچھ ہی دیر بعد حضرت جی کی آنکھ کھلی تو فوراً دریافت فرمایا کہ مولوی محمد عمر آگئے؟ تو بندہ نے کہا جی ہاں آئے تھے اور واپس چلے گئے اس پر فوراً ان کو بلوایا اور پھر مجمع حال اور تشکیل کی کیفیت اور جماعتوں کے نظم و انتظام کو معلوم فرمایا۔

حافظ محمد یوسف صاحب (ٹانڈہ چھپرولی) اپنے مرسلہ مضمون میں رفقاہ سفر کی رعایت و دلداری کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

”حضرت جی کے ساتھ ایک چلہ کے لئے ہم پانچ نفر، بھائی نصیب الدین مرحوم، حاجی سبط حسن آگرہ، حاجی عبدالقدیر لکھنؤ، ڈاکٹر مظاہر حسن نہپور اور یہ فقیر سری لنکا گئے، پورے قافلہ کے امیر مولوی احمد لاٹ صاحب تھے۔ حضرت کو ہماری اتنی فکری رہتی تھی کہ کیا کسی حقیقی ماں باپ کو ہوگی۔ ٹرین میں کئی کئی بار مولوی صاحب مذکور کو ہماری خیر خبر لینے بھیجتے۔ حالانکہ ہمارا ڈبہ حضرت کے ڈبہ سے کافی فاصلہ پر تھا۔ دونوں وقت کھانا اور دونوں وقت چائے اور ناشتہ اور پھل وغیرہ ہمارے پاس روانہ فرماتے جب کوئٹہ پہنچ گئے اور نظام وغیرہ بن گیا تو وہں بھرہم لوگ مصروف رہتے، لیکن شام کو ہم لوگ بعد عشاء حضرت کی خدمت میں حاضری دیتے، اگر ذرا بھی کسی دن تاخیر ہو جاتی تو حضرت بے چین ہو جاتے، جب تک ساتھ آ نہ جاتے اس وقت تک حضرت کو چین نہ آتا، جب ساتھ آتے تو شفقت سے فرماتے ارے بھائی تم کہاں رہ گئے تھے۔ پھر کارگزاری سنتے اور دعائیں دیتے۔“

مشہور مفسر قرآن کریم مولانا اخلاق حسین قاسمی ایک مرتبہ حضرت مولانا کی معیت میں بھوپال اجتماع میں گئے۔ وہ دوران سفر کا اپنا مشاہدہ و تاثر بتلاتے ہیں کہ:

”مولانا کی سیٹ میرے قریب تھی، تمام راستہ مولانا تبلیغی نصاب سنتے رہے اور اس کے نکات پر روشنی ڈالتے رہے۔ میں چونکہ نووارد کی حیثیت رکھتا تھا اس لئے مرحوم نے میرا بڑا خیال رکھا۔ اور برابر لوگوں کو میری طرف متوجہ کرتے رہے۔“

ایک ممبر اور قدیم کارکن تبلیغ جو عزیز پور کے اجتماع میں شریک تھے، لکھتے ہیں:

”عزیز پور کے اجتماع میں مجمع کثیر تھا بارش ہو گئی، سردی کا موسم میں اکیلا تشکیل میں تھا۔ میں نے اپنے چالیس ساتھی اور تیار کئے۔ لیکن نہ بیٹھنے لیٹنے کی جگہ اور نہ کھانے پینے کی کوئی چیز، مجمع کی کثرت کی وجہ سے بکھلنے کو راستہ نہیں تھا۔ ادھر جماعتیں اتنی تعداد میں کہ ان کا بٹھانا، ان کی ترتیب لگانا بڑا المہا کام ہو گیا۔ ساتھی پیارے قربانی دے رہے تھے۔ تقریباً ۱۲ بجے ہوں گے کہ دو ساتھیوں کے ہاتھ حضرت جی نے پھلوں کی دو پیٹیاں بھیجی، اور کہلوا یا کہ یہ پھل تھوڑے تھوڑے سب ساتھیوں کو دینا میں نے گن گن کر تمام ساتھیوں کو وہ پھل تقسیم کئے۔“

معائنہ جلسہ گاہ

ایک معمول (جب تک صحت رہی) یہ رہا کہ اجتماع گاہ کا خود چل پھر کر معائنہ فرماتے اور کوئی غیر معمولی بات دیکھتے، تو منتظرین سے اس کی تحقیق فرماتے۔ اور نتیجہ و انجام کے اعتبار سے اگر وہ چیز غلط ہوتی تو مناسب ہدایت دے کر اس کو ختم کر دیتے۔ اس سلسلہ کا ایک واقعہ گجرات کے ایک عالم دین اس طرح بیان کرتے ہیں۔

”گودھرا (گجرات) کا بڑا اجتماع تھا۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ اجتماع گاہ کا معائنہ فرما رہے تھے۔ آپ نے دو کیمپ لگے ہوئے دیکھے۔ تو دریافت فرمایا کہ یہ دو کیمپ کیسے ہیں؟ ذمہ دار ساتھیوں نے جواب دیا کہ ایک عمومی لوگوں کے لئے اور دوسرا خصوصی لوگوں کے لئے ہے۔ یہ سن کر اس وقت خاموش

ہو گئے۔ اور پھر اپنی قیامگاہ پر پہنچ کر تمام ذمہ داروں کو جمع کر کے فرمایا کہ میں عوام میں کام کرنا ہے اور دعوت کو عمومی طور پر لوگوں میں پہنچانا ہے اسلئے خصوصی لوگ عمومی لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہیں تاکہ آپس میں جوڑ اور تعلق قائم ہو۔ البتہ مشورہ وغیرہ امور کے لئے خواص کو ایک جگہ جمع کیا جاسکتا ہے۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی اس ہدایت کے بعد اب سب کیلئے ایک ہی کیمپ لگایا جاتا ہے۔“

زندگی کے آخری سالوں میں اگرچہ چل پھر کر معائنہ کرنے والی بات ختم ہو گئی تھی۔ لیکن اس کی جگہ تفقہ احوال اور تحقیق حالات نے لے لی تھی۔ حضرت مولانا پر ایسے ایسے طریقوں سے حالات کا انکشاف ہوتا تھا کہ بقول خود ”ان کو زبان پر نہیں لایا جاسکتا“ اپنے رفقاء سفر اور کام کرنے والے دیگر احباب کے حالات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اگر کوئی ناشائستہ بات معلوم ہوتی یا کسی شخص کا کسی سے سوال کرنا علم میں آجاتا تو مضبوط لب لہجہ میں اس پر گرفت فرماتے تھے۔

آخری سالوں میں یہ بھی فرمانے لگے تھے کہ الحمد للہ اپنے ساتھیوں کے احوال کا علم رہتا ہے لیکن تنبیہ ان ہی کو کرتا ہوں جن میں استعداد ہوتی ہے اور جہاں استعداد و صلاحیت نہیں ہوتی وہاں چشم پوشی کر لیتا ہوں۔ البتہ ایسے لوگوں کے احوال کی اصلاح کے لئے دعائیں خوب کرتا ہوں۔“

اسی طرح اجتماعات میں ہونے والی تقریروں کو بھی بغور سننے اور کوئی خامی یا قابل اصلاح بات ہوتی تو اچھے اور مناسب انداز میں اس کی اصلاح فرماتے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے تقریر کے دوران ایک حدیث سنا کر کہا ”رواہ البخاری“ اس پر ہر جہت سے فرمایا ”یہ بخاری کی روایت نہیں سلم کی روایت ہے۔“

ایک مرتبہ ایک صاحب نے تقریر میں وہ حدیث سنائی جس میں ہے کہ سب سے پہلے عالم کو حافظ کو، قاری کو مجاہد کو بلایا جائے گا۔ اور ان کو جہنم میں منہ کے بل پھینکنے کا حکم ہو گا۔ مقرر نے تشریح و توضیح کے زور میں ایک دو جملے ایسے کہ دیئے جو اس حدیث کے مفہوم و مطلب سے ہٹ کر تھے۔ حضرت مولانا یہ تقریر سن رہے تھے۔ ان جملوں کو

سن کر راقم سطور سے جو قریب ہی میں موجود تھا فرمایا "دیکھو یہ انہوں نے غلط کہا!"

کھانا کھانا اگرچہ حضرت مولانا قدر سے پرہیزی کھاتے تھے جس میں مریح اور چکنائی وغیرہ نہیں ہوتی تھی۔ لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس کے لئے کسی فکر و اہتمام کی خواہش ظاہر کی ہو۔ بلکہ اگر آثار و قرائن سے ایسا کچھ محسوس بھی ہو جاتا تو منع فرما دیتے۔

ایک مرتبہ آپ کے خادم مولانا محمد بن سلیمان نے عرض کیا کہ حضرت آپ اپنے کھانے کے متعلق کبھی کچھ نہیں فرماتے کہ کیا پکایا جائے اور کیا کھایا جائے۔ اس پر فرمایا کہ میں نے کبھی اپنی والدہ ماجدہ سے بھی یہ نہیں کہا کہ مجھے یہ کھانا ہے اور یہ نہیں کھانا ہے بس جو کھانا تیار ہوتا تھا اسی کو شکر کے ساتھ کھالیا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ ٹانڈہ کا سفر تھا۔ وہاں میزبان نے مغالطہ سے کھانے میں مرچیں، ڈال دیں آپ نے خاموشی سے چند تھپتھپ کھا کر اوپر سے پانی پی لیا۔ ایک خادم نے صورت حال سے مطلع ہو کر افسوس کا اظہار کیا تو فرمایا۔ اگر میں تین دن بھی کھانا نہ کھاؤں تو الحمد للہ مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔

کھانے میں اگر میزبان کی جانب سے افراط ہوتی اور دسترخوان پر متعدد قسم کے کھانے ہوتے تو خوش اسلوبی سے اس پر تنبیہ فرما دیتے۔ اکثر و بیشتر ایسے مواقع پر یہ جملہ فرماتے کہ بھائی رغبت کے ساتھ تو ایک دو چیزیں کھائی جاتی ہیں۔ اتنے کھانے دیکھ کر تو ویسے ہی بھوک ختم ہو جاتی ہے۔

دوپہر کا کھانا کھا کر تھوڑی دیر آرام ضرور فرماتے تھے اور اگر کسی وجہ سے وقت میں آرام کی گنجائش نہ ہوتی تو کھانا بھی ترک کر دیتے۔ فرماتے تھے کہ کھانے کے بعد فوراً سفر کرنے سے اعصاب بہت متاثر ہوتے ہیں۔ میوات کے اسفار میں دوپہر کا کھانا صبح ناشتے میں کھالینا اسی وجہ سے معمول بنالیا تھا کہ وہاں سے واپسی عام طور پر ٹھیک دوپہر میں ہوتی تھی۔

دوسرے علاقوں اور ملکوں میں استعمال ہونے والی غذا اور خورد و نوش کے متعلق ایک مرتبہ سفر کے دوران یہ عجیب بات ارشاد فرمائی کہ جہاں جاؤ وہاں گی جو

غذا ہو وہی استعمال کرو تو تندرستی قائم رہے گی ورنہ بیمار ہو جاؤ گے۔ کیونکہ جس علاقہ میں البتہ پاک جیسی غذا پیدا فرماتے ہیں وہ وہاں کی فضا اور آب ہوا کے مطابق ہوتی ہے۔

پھر اس کی وضاحت میں اپنا ایک واقعہ سنایا کہ میں ایک دفعہ مدراس گیا، تو وہاں معمول کے مطابق روٹی کھاتا رہا۔ جس سے شدید قبض ہو گیا۔ بڑی وقت ہوئی۔ پھر میں نے وہاں کی غذا چاول شروع کئے تو الحمد للہ طبیعت ٹھیک ہو گئی۔ اور وہ قبض ختم ہو گیا۔

سامان سفر سفر میں آپ کا اپنا بستر ہمیشہ ساتھ رہتا تھا جس میں دو تکیے، جاننا، تولیہ، موسم کے مطابق چادر، رضائی وغیرہ ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ مولوی محمد سلیمان نے عرض کیا کہ حضرت آپ کے لئے تو ہر جگہ عمدہ سے عمدہ بستر اور آرام کی خاطر اچھا سے اچھا بند و بست میزبان حضرات اپنی سعادت سمجھ کر کرتے ہیں، پھر آپ اپنا بستر کیوں ساتھ رکھتے ہیں۔ اس پر فرمایا کہ بھائی اگر وہ ساتھ نہ ہو تو اشراؤں پیدا ہوتا ہے اور خیال لگا رہتا ہے۔ اس لئے بستر ساتھ رکھتا ہوں۔

نماز فجر اذان فجر کے بعد دو رکعت سنت ادا کر کے نماز فجر سے فراغت حاصل کر لیتے اور پھر استراحت فرماتے۔ مولانا محمد سلیمان صاحب جہانجی اس وقت آپ سے تھوڑا سا فاصلے پر بیٹھ کر ذکر بارہ تسبیح مناسب جہر کے ساتھ کرتے رہتے۔ تھوڑی دیر آرام کے بعد ناشتہ ہوتا، جس میں تمام رفقا اور موقع پر موجود دیگر حضرات شامل ہوتے۔ اس کے بعد اسی جگہ کافی دیر نشست فرماتے۔ اور ملاقات کے لئے آنے والوں سے ملاقات کرتے۔ پانی پر دم کرنا اور اہل حوائج کے پرچے پڑھنا بھی اسی وقت میں ہوتا رہتا تھا۔

نماز ظہر ابتداء معمول یہ تھا کہ کھانے سے فارغ ہو کر کچھ دیر آرام فرماتے اور پھر اجتماع میں نماز ظہر ادا کرتے۔ لیکن آخر کے چند سالوں میں عوارض کی وجہ سے یہ معمول ہو گیا تھا کہ اول وقت نماز ظہر ادا کر کے کھانا کھایا جاتا اور پھر حسب ضرورت قیلولہ فرما کر یا تو کتب بینی فرماتے یا مرکز نظام الدین سے آنے والی

ڈاک (جو تقریباً روزانہ ہی آتی تھی) مطالعہ فرماتے۔

نماز عصر | ادا فرما کر قیام گاہ میں بنی ہوئی نشست گاہ میں تشریف لاتے۔ اس وقت مجمع تو حضرت مولانا کی زیارت میں مصروف ہوتا۔ لیکن خود

حضرت مولانا تسبیح ہاتھ میں لے کر اپنے اوراد و وظائف اور شام کے وقت میں پڑھتی جانی والی تسبیحات پوری فرماتے۔ آپ کو دیکھ کر مجمع بھی کامل سکوت اور خاموشی کے ساتھ اپنی تسبیحات پوری کرنے میں مشغول ہو جاتا۔ اس طرح یہ مجلس شروع سے آخر تک سکوت اور خاموشی اپنے اندر لئے ہوئے رہتی تھی۔ اذان مغرب پر حضرت مولانا کلمی وغیرہ فرما کر نماز کی جگہ صف اول میں پہنچ جاتے۔

نماز مغرب | پڑھ کر اوابین اور نوافل ادا کرتے جس میں اچھا خاصا وقت صرف ہو جاتا اسی عرصہ میں بیعت ہونے والوں اور ذکر کا

طریقہ معلوم کرنے والوں کا بڑا مجمع آ جاتا تو مولانا محمد بن سلیمان اس مجمع کو جوڑ کر ان سے بات شروع کر دیتے۔ اور بیعت کا طریقہ اس کا فائدہ بتلا کر اس کے

امول و آداب بیان کرتے۔ کچھ دیر بعد حضرت مولانا تشریف لے آتے اور سلوک انسان کی راہ کی چند سوٹی سوٹی باتیں بیان فرما کر بیعت کرتے۔ اور دعا فرماتے۔

ذکر بارہ تسبیح دریافت کرنے والوں کو بھی اس کا طریقہ اور تعداد اسی موقع پر بتلایا کرتے تھے۔ لیکن بعد میں جب مولانا زبیر الحسن صاحب کو آپ نے اجازت بیعت و

خلافت دیدی تو پھر ایسے اصحاب کو ان کے پاس یہ کہہ کر بھیج دیتے کہ ان سے دریافت کر لو۔ مولانا محمد بن سلیمان جہانگیر بیان کرتے ہیں کہ بہت سے لوگ ذکر کے بارے

میں جب معلوم کرنے آتے تو آپ ان کو مولانا زبیر صاحب کے پاس بھیج دیتے۔ ایک مرتبہ بندہ نے غرض کیا کہ حضرت آپ تو بیمار ہیں۔ لیکن باشار الہیہ مولانا زبیر الحسن صاحب

مہمانوں کی غیر خبر حسب مراتب ان کی خدمت اور کھانے وغیرہ کا بہت ہی خیال فرماتے ہیں۔ پسکر حضرت ہی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا ہاں بھائی اسی لئے میں نے اسکو اجازت دی ہے۔

نمازِ عشر

اول وقت ادا کرنے کا معمول تھا۔ اور شام کا کھانا کبھی نمازِ عشر سے مقدم فرمائیے اور کبھی مؤخر۔ اس معاملہ میں میزبان حضرات پر اصرار نہیں تھا بلکہ ان کی سہولت و راحت دیکھتے۔ اگر معلوم ہوتا کہ کھانے کی تیاری میں ابھی وقت ہے۔ یا میزبان اور ذمہ دار احباب اجتماع میں مشغول ہیں تو تاخیر کر دیتے تھے۔ البتہ اپنی صحت کی رعایت فرماتے ہوئے سونے سے کم از کم دو گھنٹہ قبل کھانا کھانے میں راحت محسوس کرتے تھے۔ اس کے بعد کچھ دیر بیٹھتے، خدام اور دیگر ملنے جلنے والوں سے ملاقات اور گفتگو ہوتی۔ اسی اثناء میں مولانا محمد عمر صاحب اپنے بیان سے فارغ ہو کر آجاتے تو ان سے مجمع کی کیفیت اور تشکیل کی تفصیلات معلوم کر کے آرام و استراحت کے لئے اٹھ جاتے۔

سونے سے قبل

ضروریات استنجاء وغیرہ سے فارغ ہو کر بڑے اہتمام کے ساتھ مسنون طریقہ پر آنکھوں میں سرمہ ڈالتے اور کئی وغیرہ کر کے سونے سے قبل کی دعا اور معوذتین و آیۃ الکرسی وغیرہ پڑھ کر طریقہ مسنون کے مطابق دائیں کروٹ پر آرام فرماتے۔ مولانا محمد سلیمان جھانجی، مولوی احمد مڑھی میوات وغیرہ دیگر خدام قریب ہی میں رہتے تاکہ شہد میں اٹھ کر وضو وغیرہ کرا سکیں۔ قیام گاہ پر جتنا اہتمام روزانہ کی ڈاک ملاحظہ کرنے کا تھا۔ اتنا ہی دوران سفر بھی اس کا اہتمام تھا۔ مرکز نظام الدین سے تقریباً روزانہ ہی ڈاک آپ کی خدمت میں بھیجی جاتی جس کو بڑے اہتمام سے ساری مشغولیتوں کے باوجود ملاحظہ فرماتے۔ اور ان کے مندرجات کے متعلق مشورے فرما کر مناسب ہدایات دیتے۔

ڈاک و مطالعہ

سفر میں ایک دو کتابیں ضرور ساتھ رکھتے اور ان کے مطالعہ کا کوئی نہ کوئی وقت نکال ہی لیتے تھے۔ حضرت اقدس تھانویؒ کے ملفوظات اور ان کی دیگر تالیفات نیز دیگر علمی و تاریخی کتابیں جیسے حیاۃ الصحابہ عربی، سیرۃ المصطفیٰ، سیرت رحمۃ اللعالمین، نبی رحمت، النفاس عیسیٰ وغیرہ بکثرت کتابیں آپ نے سفر کے دوران ہی مطالعہ فرمائیں۔

سفر سے واپسی

پہرہ (اگر ریل سے تشریف آوری ہوتی) تو اسٹیشن پہنچنے سے کافی وقت پہلے تیار ہو کر بیٹھ جاتے۔ سامان بستر وغیرہ ساری چیزیں خدام کے حوالہ فرما دیتے تاکہ سہولت کے ساتھ ہانڈھ لی جائیں۔ جب گاڑی پلیٹ فارم پر ٹھہر جاتی تب اپنی سیٹ چھوڑ کر باہر تشریف لاتے۔ اطمینان کے ساتھ نیچے اتر کر تمام ساتھیوں کے اترنے اور سامان باہر آ جانے کا انتظار کرتے اور پھر بذریعہ کار (جو عام طور پر الحاج حافظ کرامت الشرح صاحب دہلی کی ہوتی تھی) مرکز تشریف لاکر اس کے صدر دروازہ سے داخل ہو کر مصافحہ و ملاقات فرماتے ہوئے زنان خانہ میں آتے۔ چند منٹ مستورات اور بچوں کے درمیان بیٹھتے، ان کی خیر و عافیت معلوم کرتے اور پھر اپنے حجرہ میں تشریف لے آتے۔ معمول یہ تھا کہ حجرہ میں داخل ہوتے وقت مناسب آواز کے ساتھ الترحیل شانہ کی حمد و ثنائی الفاظ سے فرماتے۔ الحمد للہ الذی بعزتنا و جلالہ، تتم الصالحات، یہ گویا سفر سے بجز و عافیت واپسی اور اپنے نامہ اعمال میں مزید ایک دینی و دنیوی سفر کے اضافہ پر بارگاہ ایزدی میں آپ کی جانب سے حمد و ثناء ہوتی تھی۔

مرکز کے قیام میں آپ کے معمولات

آپ کی امارت کے ابتدائی دور میں (جونہی صحت و قوت کا زمانہ تھا)

چوبیس گھنٹہ کے معمولات و مشاغل کی ترتیب یہ رہتی تھی۔

مولانا عبدالشکور (میوات) آپ کی شب خیزی (اور بارگاہ الہیہ میں سر بسجود ہونے کی کیفیت اور اپنا مشاہدہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

نماز ہجرت

”یہ اقرب شب میں حضرت کو بیدار کرتا تو پہلے آپ یہ دعا الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور، پڑھتے اور پھر آیت شریفہ ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنهار لآیات لاوی الالباب الذین یدکرون اللہ قیاما وقعودا وعلیٰ جنوبہم ویفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت هذا باطلا سبحانک فقنا عذاب النار تلامذت کرتے۔“

جب ربنا ماخلقت هذا باطلا پر پہنچتے تو اس کو باواز بلند بار بار پڑھتے۔

اس کے بعد استنجاء سے فارغ ہو کر ایک ایک سنت اور مستحبات کی رعایت رکھتے ہوئے اور ادعیہ مسنونہ پڑھتے ہوئے وضو فرماتے، بعد وضو پہلے دو رکعتیں بالکل ہلکی ادا فرماتے اور بعد میں حسب موقع طویل رکعتیں پڑھتے۔ حضرت کا معمول پورے قرآن پاک کی تلاوت پورے سال کرنے کا تھا۔

جہاں سے بھی ترتیب ہوتی وہیں سے نوافل و سنت و تہجد میں پڑھتے۔ تہجد سے فراغت کے بعد آپ اور ادو وظائف میں مشغول ہو جاتے اور کسی سے کلام نہ فرماتے۔ نماز فجر تک آپ اس طرح مشغول و مصروف رہتے تھے۔

کی سنین مسجد میں پہنچ کر ادا کرتے اور وہیں بیٹھے بیٹھے تلاوت فرماتے یا دعاء و استغفار میں مشغول ہو جاتے۔ مولانا عبد الشکور

لکھتے ہیں:

”جماعت کی صف اول میں حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ و حضرت مولانا شاہ محمد یوسفؒ کے حجرہ سے متصل کھڑے ہوتے تھے۔ احقر بھی حضرت کے قریب ہی نماز ادا کرتا تھا۔ نماز ختم ہونے کے بعد حضرت کا معمول تھا کہ پہلے آیت الکرسی اور اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علیٰ عہدک (الحی الآخرہ) اور اعوذ باللہ السميع العليم من الشيطان الرجيم اور تین مرتبہ سورہ حشر کی تین آیات اور سورہ مؤمن میں حشر تنزیل الكتاب من اللہ العزیز العليم سے الیہ المصیر تک پڑھتے اور اس کے بعد

امام کی دعا میں اللھم انت السلام ومنت السلام اور مختلف ادعیہ پڑھتے رہتے تھے۔ بعد دعا حجرہ میں تشریف لے جاتے۔ اور مہالوں کی چائے کے لئے دسترخوان نکھنے تک حجرہ بند رہتا رہتا بعد میں جب زنان خانہ میں اوپر مکرہ بن گیا تو بعد فجر وہاں تشریف لے جانے کا معمول بن گیا۔“

ناشتہ: مسجد سے متصل نیچے کے حجرے میں صبح کی چائے ناشتہ کا معمول تھا۔

اس موقع پر خصوصی مہمان نیز عرب (جو اس زمانہ میں ۵-۱۰ سے زیادہ نہیں ہوتے تھے) شریک دسترخوان ہوتے۔ اس دسترخوان کی ترتیب و اہتمام مولانا امین الدین کے سپرد تھا۔ چائے کی مجلس سے فراغ پر حجرہ میں ہی مرکز کے چوبیس گھنٹہ کے امور کا مشورہ ہوتا۔ پھر انفرادی ملاقات کرنے والوں کی آمد و رفت شروع ہو جاتی۔ اسی عرصہ میں ڈاک آ جاتی تو اس کے ملاحظہ میں مصروف ہو جاتے۔

روانگی اور رخصتی مصافحہ | جماعتوں کی روانگی کے لئے تقریباً اڑبچے کا وقت متعین تھا۔ حضرت مولانا کی مسجد میں آمد

سے قبل کوئی صاحب جماعتوں کو جوڑ کر ان کے درمیان ترتیب قائم کر لیتے اور ہر جماعت کے لئے ایک پرچہ بن کر تیار ہو جاتا، جس میں افراد جماعت کے نام، ان کا متعین علاقہ، مدت سفر اور خرچ وغیرہ لکھا ہوا ہوتا تھا۔ ایسے تمام پرچے (جو کم و بیش ساٹھ ہوتے) حضرت مولانا مسجد میں آنے سے قبل ہی ملاحظہ فرما لیتے اور پھر مسجد میں بیچ کے دروازہ میں تشریف فرما ہو کر کچھ دیر تقریر فرماتے جس میں جماعت میں جانے والوں اور جماعت سے واپس آنے والوں کو مشترکہ طور پر مخاطب فرما کر نصائح فرماتے۔ جانے والوں کو ترغیب دیتے کہ وہ وقت صحیح طور پر اصولوں کے ساتھ لگا کر آئیں۔ اور واپس آنے والوں کو متوجہ فرماتے کہ وہ مقامی کام میں اہتمام کے ساتھ جبرطے رہیں۔ اس کے بعد دعا پھر مصافحہ فرماتے

کھانا اور قیلولہ | دعا اور مصافحہ سے فارغ ہو کر اعلان ہوتا کہ مہمان حضرات مرکز کے عقبی حصہ میں جا کر کھانا کھالیں۔ مرکز کے مقیمین اور

مختلف خواص نیز بیرونی مہمان حضرت مولانا کے دسترخوان پر کھانا کھاتے۔ یہ کھانا جس میں تنوع بھی ہوتا اور کچھ زائداہتمام بھی، گھر کی مستورات تیار کرتی تھیں۔ گھر میں سے گرم گرم روٹی بن کر آتی رہتی۔ جس کے آپ متعدد ڈسکڑے کر کے بشرکار دسترخوان پر تقسیم کرتے رہتے۔

کھانے سے فراغ پر حجرہ میں آرام فرماتے۔ بعض خدام اس وقت تھوڑی دیر سر پر تیل لگاتے پھر اذان پڑھ کر آرام ہوتا۔

نماز ظہر

کے لئے اذان پر بیدار ہو کر استنجاء وضو سے فارغ ہو کر اندر حجرہ میں چار رکعت سنت (جس کا ہمیشہ آپ نے اسفار میں بھی اہتمام کیا) پڑھتے اور پھر مسجد میں اپنی متعینہ جگہ پہنچ جاتے۔ نماز ظہر کے بعد اذان عصر تک حجرہ میں قیام فرماتے اس وقت کسی کو حجرہ میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ وقت تلاوت قرآن پاک اور مراقبہ جمال الہی اور مشاہد جلال الہی میں غرق ہونے کے لئے مخصوص تھا۔ آخر میں کچھ وقت بیچ جاتا تو حیاۃ الصحابہ کا مطالعہ فرماتے۔ اذان عصر پر خدام پہنچ جاتے اور نماز کی تیاری شروع ہو جاتی۔ جناب منشی الشردتہ صاحب مرحوم اس موقع پر اہتمام سے آتے اور وضو کراتے تھے۔

نماز عصر

کی ادائیگی کے بعد زنان خانہ میں تشریف لے جاتے۔ گھر کے صحن میں مقعد چار پایاں اس وقت ڈال دی جاتیں۔ یہ وقت گویا اطفال و ستورات کی مجلس کا تھا اور اس موقع پر چائے پلی جاتی رہے۔

بعد میں اس معمول میں یہ تغیر ہوا کہ حضرت مولانا باہر ہی تشریف فرما رہنے لگے۔ پارک میں یا مرکز کے عقبی حصہ میں آپ کی مجلس ہوتی جن میں ۳، ۲ خدام کے علاوہ مولانا انوار الحسن صاحب، مولانا محمد عمر صاحب، منشی بشیر احمد صاحب، مولانا یعقوب صاحب، مولانا محمد سلیمان جھانجی، مولانا احمد لاٹ۔ منشی الشردتہ صاحب وغیرہ بیٹھتے تھے۔ یہ مجلس عمومی نہیں ہوتی تھی، انفرادی طور پر خصوصی مہمان یا دہلی کے احباب مصافحہ کے لئے آتے جاتے رہتے تھے۔ حضرت مولانا اس وقت تسبیح ہاتھ میں لے کر اپنی تسبیحات پوری فرماتے۔ تاہم مولانا محمد عمر صاحب گاہ بگاہ کوئی اہم خط بھی اس وقت ملاحظہ کے لئے پیش کر دیتے تھے۔ اذان مغرب سے چند منٹ قبل کلی وغیرہ فرما کر مسجد پہنچ جاتے۔

نماز مغرب

کی ادائیگی کے بعد اوایین ادا فرماتے جس میں کافی وقت لگ جاتا کبھی سپارے اس وقت تلاوت کرنے کا معمول تھا۔ پھر گھر کے

لے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کا بھی یہی معمول تھا کہ بعد عصر اہتمام کے ساتھ گھر تشریف لیا کر والدہ ماجدہ والیہ محترمہ مرحومہ کے درمیان تشریف رکھتے اور چائے نوشی فرماتے تھے۔

دروازہ (یا کھڑکی) پر پہنچ کر اندر آنے کی اجازت لیتے جس کے لئے کبھی تو بچوں میں سے زہیر و صالح کو آواز دے لیتے۔ کبھی "میں آجاؤں" کہہ کر اپنی آمد کی اطلاع فرمادیتے۔ زنان خانہ میں تشریف لا کر کھانے سے فارغ ہوتے، اہلیہ محترمہ اور دیگر مستورات بھی اس وقت موجود رہتیں۔ جماعتوں میں آنے والی مستورات کو اگر کچھ دریافت کرنا یا اپنے مقاصد کے لئے دعاء کی درخواست کرنا ہوتا تو اس کے لئے بھی یہی وقت ہوتا تھا۔ حضرت مولانا کو چھوٹے گود کے بچوں سے بہت انس تھا۔ اس موقع پر کوئی معصوم و بے زبان بچہ بھی حضرت مولانا کے قریب ہوتا تو اس سے بے تکلفانہ لب و لہجہ میں بات چیت فرماتے، اس کو چمکارتے، اس کے کان کے پاس ہو کر بہت ملائم اور نرم لب و لہجہ میں اللہ اللہ کی صدا لگاتے۔ اور پھر حب الشجر شانہ نے آپ کو بہت سے پوتے و نواسے اور پوتیاں و نواسیاں مرحمت فرمائیں تو آپ کی دل بستگی اور مسرت و شادمانی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اب یہ بعد مغرب کی مجلس میں آپ کے سامنے ہونے لگے۔ سردی کا موسم ہوتا تو آپ اپنی انگلی پر شہد لگا کر سب کو چٹاتے اپنے ہاتھ سے گاہ بگاہ زعفران کی ایک ایک دودھ پتیاں ان کے منہ میں ڈالتے۔ اسی طرح گرمی سے بچانے کے لئے ٹھنڈی چیزیں استعمال کراتے۔ اذان عشاء تک یہ سلسلہ چلتا رہتا۔

نماز عشاء

مسجد میں ادا فرما کر فوراً اپنے حجرہ میں واپس آجاتے اور سنت و وتر یہاں ادا کرتے۔ پھر پان کھا کر حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر کتاب حیاۃ الصحابہ لے کر مسجد کے وسط میں پہنچ جاتے اور پہلے سے بھی ہوئی ایک چوکی پر بیٹھ کر بلند آواز کے ساتھ عربی عبارت پڑھ کر اس کا ترجمہ و مطلب بیان فرماتے۔ سیرت نبویہ اور صحابہ کرام کے واقعات سے نتائج اخذ کر کے سامعین کو اس طرف متوجہ کرتے اور پھر دعا فرماتے۔ آپ کتاب سنانے کا وقت بہت محدود و مختصر رکھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ بڑے حضرت جی بھی بس تھوڑی دیر پڑھا کرتے تھے۔ کتاب سے فارغ ہو کر مولانا محمد بن سلیمان جھانجی یا کوئی دیگر شخص مسجد میں کپڑا بچھا کر سونے اور نماز تہجد کی ترغیب پر چند جملے کھڑے ہو کر کہتے۔ مولانا محمد بن سلیمان راوی ہیں کہ:

"ایک مرتبہ حضرت جی نے مجھ سے فرمایا کہ مولوی سلیمان تم فقط سامان کی حفاظت کا

اعلان کرتے ہو حالانکہ سامان کی تو عام طور پر لوگ حفاظت کر ہی لیتے ہیں اس لئے تم ایمان کی حفاظت کا اعلان کیا کرو اس لئے کہ ایمان کی حفاظت میں لوگوں کی طرف سے بڑی سستی ہو رہی ہے۔ اس پر بندہ نے دوسرے دن سے اس طرح اعلان شروع کیا کہ بھائیو! اپنے ایمان کی اور سامان کی حفاظت کریں۔ چند ہی دن گزرے تھے کہ حضرت جی نے فرمایا کہ مولوی سلیمان ایمان کی حفاظت کیسے کریں یہ بات تو تم اپنے اعلان میں بتاتے نہیں۔ بندہ نے کہا کہ مجھے تو معلوم نہیں اس پر فرمایا کہ حضرت اقدس مدنی اور دیگر علماء کرام نے ایمان کی حفاظت کے لئے ایمان پر خاتمہ کی دعائیں اور سنتوں کی پابندی کرنے کی تاکید لکھی ہے چنانچہ پھر بندہ نے اس طرح اعلان کرنا شروع کر دیا کہ ایمان کی حفاظت کے لئے سنتوں کی پابندی کے ساتھ ساتھ یہ دعائیں مانگی جائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ ایمان پر فرماوے اس ترغیب پر یہ مجلس ختم ہو جاتی اور پھر حضرت مولانا حجرہ میں تشریف لاتے تو خدام چند منٹ بدن دباتے۔ سر پر تیل کی مالش ہوتی اور پھر آپ سنت کے مطابق بائیں کروٹ پر آرام فرماتے۔

حافظ محمد یوسف صاحب (ٹانڈہ چیرولی) اس مسنون ہیئت پر سونے سے متعلق ایک واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں :

”میرا معمول تھا کہ میں کتاب کے بعد کچھ دیر خدمت کی غرض سے حجرہ میں حاضر ہو کر بدن دبایا کرتا تھا اور میں ہمیشہ حضرت کو بائیں کروٹ پر چھوڑ کر چلا آتا تھا۔ مجھے ایک روز دباتے دباتے خیال آیا کہ دائیں کروٹ پر سونا سنت ہے لیکن میں حضرت کو بائیں کروٹ پر ہی چھوڑ کر چلا جاتا ہوں۔ بس یہ خیال آیا ہی تھا کہ حضرت جیؒ نے فوراً دائیں جانب کروٹ بدلی۔ میں یہ منظر دیکھ کر بھاگتا ہوں۔ میں نے سوچا کہ میرے دل میں تو نہ جانے کیا کیا خیالات آتے رہتے ہیں خدا نخواستہ کوئی غلط خیال آگیا تو فوراً پکڑا ہو جائے گی۔“

وفات سے چند سال قبل ربیع الاول ۱۳۸۷ھ (دسمبر ۱۹۶۷ء) میں جب ضعف و علالت کی بنا پر مرکز کی

آخری دور کے معمولات

جدید عمارت کے کمرہ ۷ میں آپ کا قیام ہو گیا اور معالجین کی ہدایات کے مطابق زیادہ تر اوقات وہیں گزرنے لگے تو پھر شب و روز کے معمولات یہ ہو گئے۔ کہ تہجد کی نماز کی ادائیگی کے بعد اپنے مصلیٰ پر تشریف فرما رہتے اور اذان فجر کے ساتھ ہی نماز ادا کرتے آرام فرماتے تقریباً ۸ بجے زمان خانہ میں تشریف لا کر چائے ناشتہ کرتے اور پھر مشورہ میں (جو کمرہ ۷ میں ہی ہوتا تھا) شرکت فرماتے۔ اسی عرصہ میں ڈاک اور جماعتوں کی روانگی کی تفصیلات آپ کی خدمت میں پہنچ جاتی۔ تو ان کو ملاحظہ فرماتے۔ تقریباً ۱۱ بجے بیعت کے خواہشمند لوگ آجاتے ان سے اولاً مولوی محمد بن سلیمان مختصر بات کرتے اور پھر حضرت مولانا انکو بیعت اور نصائح فرما کر دعا فرماتے۔ مستورات بھی اس موقع پر بیعت ہوتیں جن کے لئے الگ کمرے میں بیٹھنے کا انتظام ہوتا۔ اور مالک کے ذریعہ وہاں تک آواز پہنچا لیا جاتی تھی۔ ۱۱ بجے نیچے تشریف لا کر آنے اور جانے والی جماعتوں سے خطاب فرما کر دعا و مصافحہ ہوتا اور پھر اوپر تشریف لے جا کر مرکز کے مقیمین اور آنے والے ملکی و غیر ملکی خواص کے ساتھ کھانا کھاتے۔ اور پھر نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد عصر تک آرام فرماتے۔ عصر اور مغرب کے درمیان مجلس ہوتی۔ لیکن اس کی نوعیت عمومی نہیں ہوتی تھی۔ نماز مغرب کے بعد اوابین سے فارغ ہو کر کچھ دیر تشریف رکھتے اور پھر کھانا۔ کھاتے۔ جس میں حضرت مولانا اور ایک دو خدام اور گھر کے بچے شریک ہوتے۔ بگاہ بگاہ مولانا انظار الحسن صاحب بھی شرکت فرماتے۔ حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کا ندھلوی کا معمول اس موقع پر ہمیشہ شریک طعام ہونے کا رہا۔ کھانے سے فراغ پر نماز عشاء اول وقت ادا فرمالینے اور پھر کچھ دیر اپنی مسند پر تشریف فرما رہتے اس موقع پر آپ کے آخری چند سالوں کے معالج خصوصی ڈاکٹر محسن ولی بٹ سے اہتمام سے روزانہ آ کر حضرت مولانا کا طبی معائنہ فرماتے۔ دواؤں کے استعمال اور شوگر وغیرہ کا چارٹ ملاحظہ کرتے۔ اور اس مجلس میں مولانا محمد بن سلیمان ملکی وغیر ملکی اور عالمی خبروں کے

لے کمرہ نمبر ۶ میں حضرت مولانا کی پجوقہ نمازوں کے انام شروع کے چند ماہ میں تو مختلف حضرات (مولانا محمد یعقوب مولانا محمد بن سلیمان وغیرہ) رہے لیکن ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۲ ستمبر ۱۹۶۷ء جمعہ کی عصر سے پانچوں نمازوں کی امامت مولانا زہیر الحسن صاحب کی متعین ہو گئی تھی جیسا کہ موصوف نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے۔

دھبوں کی شکل اختیار کر لیتا۔ عطور میں عود اور شامہ العنبر پسند تھا۔
جدید خوشبوئیں بالکل استعمال نہیں کرتے تھے۔ کوئی دوسرا شخص بھی اگر ایسے عطر کے ساتھ آجاتا
تو فوراً آپ کو چھینک آجاتی۔

نماز جمعہ سے قبل سورہ کہف کا اہتمام تھا۔ جو کبھی نوافل میں اور کبھی بغیر نماز کے
تلاوت فرمایا کرتے۔ کھانا ہمیشہ نماز جمعہ کے بعد کھانے کا معمول تھا۔ اسی طرح اس دن
نماز عصر کے بعد والد اور والد شریف "اللہم صل علی محمد النبی الہی وعلی آلہ
وسلم تسلیماً بھی اسٹی مرتبہ پڑھنے کا معمول تھا۔

رمضان المبارک کے معمولات

اس عنوان کے تحت پیش نظر کتاب
کی جلد اول میں جو تفصیلات لکھی
گئی ہیں وہ حضرت مولانا کے دور امارت سے تعلق رکھتی ہیں۔ اب یہاں وہ معمولات
لکھے جاتے ہیں جو آپ کے دور امارت سے قبل کے ہیں۔

راقم سطور مولانا مفتی عبدالشکور صاحب (میوات) کا ممنون و مشکور ہے، کہ
انہوں نے اس سلسلہ کی واضح تفصیلات قلم بند کر کے ارسال فرمائیں۔ یہاں سے یہ
تفصیلات انہی کے الفاظ میں پیش کی جاتی ہیں۔ لکھتے ہیں کہ:

”حضرت اقدس سیدی و مرشدی مولانا محمد انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کا معمول رمضان المبارک حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے زمانہ میں یہ
تھا کہ بعد نماز فجر آرام فرماتے اور ساڑھے آٹھ یا نو بجے تک بیدار ہو کر میر
سے مقبرہ و مسجد عیسیٰ خاں تک بلاناغہ سیر و تفریح کے لئے تشریف لے جاتے
تھے۔ اور حجرہ سے حفظ تلاوت فرماتے ہوئے مقبرہ کے پرے پرے
میدان میں چہل قدمی فرماتے۔ وہاں سے واپس ہوتے ہوئے دس
پارے تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ یہ تلاوت حضرت کی بہت دھیمی آواز سے
ہوتی تھی۔ حجرہ میں تشریف لا کر وضو فرماتے اور حضرت شیخ الہندؒ کے
قرآن پاک سے اپنا تراویح میں پڑھا جانے والا سو پارہ دیکھ کر بار بار
تلاوت فرماتے۔“

ظہر سے قبل حضرت ڈاک دیکھتے۔ پھر نماز ظہر ادا فرماتے۔ اور پھر تلاوت شروع فرما دیتے۔ عصر سے آدھ گھنٹہ پہلے مولانا کی ہدایات پر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے خادم خاص مولانا معین الدین صاحب ریلوے اسٹیشن سے صبح وقت معلوم کر کے آتے۔ پھر حضرت مولانا اپنی تمام گھڑیوں کی جانچ فرماتے، ان کے اوقات درست کرتے۔ پھر وضو فرما کر عصر کی نماز کے لئے اپنی جگہ پہنچ کر نماز باجماعت ادا فرماتے۔

بعد عصر مراقبہ فرماتے تھے۔ اس وقت حجرہ کا دروازہ بند ہو جاتا تھا۔ غروب سے پندرہ منٹ پہلے باہر تشریف لاتے اور خادم کسی اونچی جگہ کھڑے ہو کر غروب شمس دیکھتے کا حکم فرماتے اور بار بار دریافت فرماتے کہ اب کتنا ہوا بچا ہے۔ جب ہم یہ کہہ دیتے کہ بالکل غروب ہو چکا تو اونچے گھڑی سے اطمینان فرماتے اور واپس حجرہ میں تشریف لاتے۔ بسا اوقات خود بہ نفس نفیس چڑھ کر غروب کو دیکھتے۔ ایک مرتبہ مسجد کی چھت پر جو جنگلے لگے ہوئے ہیں ان پر چڑھ کر آپ غروب دیکھ رہے تھے کہ اچانک پاؤں پھسل گیا اور چوٹ آگئی۔ کافی دن تک ہم اس کی مرہم پیٹتے رہے۔ افطار و طعام سے فراغ پر نماز مغرب ادا کی جاتی۔ بعد نماز مغرب سواپارہ نوافل میں پڑھتے۔

تراویح شروع میں مسجد نل والی میں پڑھاتے تھے۔ ایک مرتبہ میوات کے میاں جی رحمت نے کہا کہ مولوی انعام! ہم کو روٹی کھلانے میں بہت دیر ہو جاتی ہے۔ اور مسجد کی تراویح تراویح نکل جاتی ہے۔ اس لئے آپ ہم کو تراویح پڑھا دیا کرو۔ ہم میاں بجی، میاں بجی آپ کے پیچھے پڑھ لیا کریں گے۔ حضرت نے ان کی درخواست قبول فرمائی۔ اور پھر کئی برس تک مطبخ کی چھت پر یہ تراویح ہوتی رہی۔ وہاں آپ کے مقتدی صرف تین جا ہوتے تھے۔ میاں بجی رحمت ناگل، میاں بجی مشرف، میاں بجی عیسیٰ، میاں بجی سلیمان، جب قرآن ختم ہوتا تو دعا کے بعد کھجور ہانٹتے تھے، ہم طلباء بھی ختم قرآن

میں شریک ہوتے تھے۔

تراویح سے فارغ ہو کر آپ حجرہ میں تشریف فرما ہوتے۔ ایک مرتبہ بندہ اپنی تراویح سے فارغ ہو کر حضرت کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ حضرت نوافل کی تیاری فرما رہے ہیں۔ چنانچہ نماز کی نیت باندھ لی۔ احقر نے بھی اس ارادہ سے نیت باندھ لی کہ حضرت ایک آدھ پارہ پڑھ کر سلام پھیر دیں گے۔ لیکن حضرت نے دوسرا پھر تیسرا یہاں تک کہ سات پارے دور رکعت میں پڑھے اور پھر سلام پھیرا۔ سلام پھیرتے ہی میں نے نیند کی مدہوشی میں کہا کہ آپ کو اتنی لمبی رکعتیں نہیں پڑھنی چاہئے تھیں۔ آپ نے کچھ جواب نہیں دیا اور دعاء کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ میں نے بھی آپ کے ساتھ دعاء میں شرکت کی۔

حضرت جب پارہ ولوانا تلاوت فرماتے اور آیت واذا جاء لهم آیت قالوا لن نومن حتی نوقی مثل ما اوتی رسلنا اننا اعلم بحیث یجعل رسالتہ پڑھتے تو رسول اللہ پر بہت وقفہ فرماتے ہر تلاوت میں یہی معمول تھا۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ وقفہ کیسا ہے؟ تو فرمایا کہ دونوں اسم جلالت کے درمیان دعاء قبول ہوتی ہے۔ اس لئے میں میں مشغول ہو جاتا ہوں۔

پھر جب تلاوت فرماتے تو پہلے اعوذ باللہ السميع العليم من الشیطن الرجیم پڑھتے اور پھر جہاں سے پڑھنا ہوتا پڑھتے۔

ایسا اوقات تراویح کے بعد مسائل کی کوئی کتاب ہدایہ یا عالمگیری وغیرہ مطبخ کی چھت کے اوپر والے مقعدیوں میں مولانا محمد عامر صاحب ابن حکیم محمد طیب صاحب اور بابو ایاز صاحب بطور خاص ہوتے تھے۔ بقول مولانا عامر صاحب آپ کے قرآن کریم کی یادداشت نوادرات میں سے تھی۔ اور پڑھنے کا انداز از اول تا آخر یکساں ہوتا تھا الفاظ غلط ملط ہونے یا حروف کے کٹنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ کبھی کبھی تراویح سے فارغ ہونے کے بعد پڑھے ہوئے پارے کے مضامین کو اجمالاً مقعدیوں کے سامنے بیان بھی فرماتے تھے۔ روایت مولانا محمد الیاس پھر انوی میوات

کے مطالعہ میں مستغول ہو جاتے۔ کبھی کبھی کچھ دلچسپ حالات اور واقعات بھی سنا دیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے تراویح کے بعد کی مجلس میں فرمایا کہ تم میں ہر شخص اپنی بیوی کی کوئی خصوصی صفت بیان کرے کہ اس میں کیا خوبی ہے۔ حاضرین مجلس نمبر وار اپنی اپنی بیویوں کے اوصاف بیان کرنے لگے۔ کسی نے کہا پانچ وقت کی نماز کی پابند ہے۔ کسی نے کہا خدمت میں بہت آگے ہے، کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ۔ جب حضرت کا نمبر آیا، تو فرمایا، بھائی مجھے بھی بیان کرنا پڑے گا؟ پھر سب کے عرض کرنے پر فرمایا کہ میری بیوی کے اندر یہ صفت ہے کہ جب وہ چاہتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر لیتی ہے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میں بڑے حضرت جی کے زمانہ میں ماہ رمضان المبارک کا ندھلہ گزارتا تھا۔ اور تراویح کا قرآن شریف ختم کر کے فوراً وہاں سے روانہ ہو کر عید کی نماز دہلی میں بڑے حضرت جی کے ساتھ پڑھتا۔ جب کا ندھلہ سے چلتا تو قرآن شریف پڑھنا شروع کر دیتا۔ مسجد بنگلہ والی تک پہنچتے پہنچتے ایک کلام پاک پورا ہو جاتا۔ ایک مرتبہ میں اپنی سیٹ پر بیٹھا ہوا پڑھ رہا تھا۔ سامنے کی سیٹ پر ایک غیر مسلم عورت بیٹھی ہوئی میرے مسلسل پڑھنے کو دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد وہ کہنے لگی۔ ”ہائے رام اس کا منہ بھی نہیں دکھتا۔“

تراویح کے بعد کی یہ مجلس تھوڑی دیر جیتی اور پھر آپ کچھ دیر نوافل پڑھتے یا کوئی حدیث و فقہ کی کتاب مطالعہ کرتے اور پھر ادعیہ مانگوں۔ اللھم لک اسلمت و جہی و وضعت جنی اور اللھم بآسک اموت و آحییٰ، نیز چاروں قل پڑھتے ہوئے آرام فرماتے۔ سحری کے وقت بسا اوقات خود ہی بیدار ہو جاتے اور بسا اوقات ہم خدام بیدار کرتے جیسے بیدار ہوتے فوراً الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور اور ان فی خلق السموات والارض والاختلاف اللیل والنهار لآیات

لا دلی الا لباب ، الذین یدکرون اللہ ، قیاما و قعودا و علی جنوبہم
و یتفکرون فی خلق السموات والارض ، ربنا ما خلقت هذا باطلا
سبحانک فقنا عذاب النار تلاوت کرتے ، جب ربنا ما خلقت هذا باطلا
پر پہنچتے ، تو اس تو بآواز بلند بار بار پڑھتے ۔ اس کے بعد وضو و نوافل
سے فارغ ہو کر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے پاس تشریف لیجاتے
اور سحری تناول فرماتے رہے

مختلف عادات اور معمولات اہتمام (۱) دوا کے استعمال اور پرہیز کا پورا اہتمام فرماتے تھے ۔ بڑے

بڑے معالج اور ڈاکٹر ، اطباء آپ کی خدمت میں آتے ، آپ سے احوال کی تشخیص کرتے
ادویہ تجویز کرتے ، آپ بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ ان کے مشوروں اور تجویزوں
کو سنتے ، لیکن عمل اپنے متعین معالج کی رائے پر کرتے تھے ۔ شروع میں صرف یونانی
دوا کا استعمال پسند فرماتے تھے ۔ بعد میں ڈاکٹری دوائیں بھی استعمال کرنے لگے تھے ۔

(۲) آخری پندرہ بیس سالوں میں ماہ زمزم کا اہتمام شروع فرما کر پانی کا استعمال
بالکل ختم فرما دیا تھا ۔ جب بھی ضرورت ہوتی صرف زمزم استعمال فرماتے ۔ اہل تعلق
عرب احباب بڑی مقدار میں تازہ تازہ زمزم بھیجتے رہتے جو پورے سال چلتا رہتا ۔
(۳) مسواک و سرمہ کا بڑا اہتمام تھا ، پنجوقتہ نمازوں کی وضو بغیر مسواک کے
نہیں فرماتے تھے ۔ اسی طرح شب میں سوتے وقت سرمہ ڈالنے کی عادت تھی جو
سنت کے مطابق دونوں آنکھوں میں ڈالتے تھے ۔ نیز بعد نماز فجر آرام کرتے وقت
ایک ایک سلائی خالص شہد کی آنکھ میں لگاتے تھے ۔ آنکھ کے مریضوں کو بھی شہد کے
استعمال کا یہ کہہ کر مشورہ دیتے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے شفا رکھی ہے ۔

(۴) سورج گرہن کے موقعہ پر دعا و استغفار اور متوجہ الی اللہ ہونے کا بڑا
اہتمام تھا ۔ اور شریعت اسلامیہ کی ہدایت کے موافق اس موقعہ پر مرکز کی مسجد میں نماز
بھی پڑھواتے جس میں تمام مجمع شریک ہوتا ۔ عام طور پر یہ نماز مولانا زبیر الحسن صاحب

لے مکتوب مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ہینگوٹ (میوات)

پڑھاتے تھے۔ جس میں سورہ بقرہ سورہ آل عمران اور سورہ نساء جیسی بڑی سورتوں کی قرأت ہوتی تھی۔

(۵) پان کھانے کا معمول ہمیشہ رہا اور خوب رہا۔ ذبیہ بڑا سفر و حضر میں ساتھ رہتا تھا۔ لونگ، الائچی پان میں کھاتے تھے۔ سردی کے موسم میں تھوڑی زعفران کا بھی اضافہ ہو جاتا۔ دعا یا تقریر اور دس کے موقع پر پان نہیں کھاتے تھے۔ بلکہ کلی کے بعد خوب منہ صاف کر کے ان چیزوں میں مشغول ہوتے تھے۔

حضرت مولانا کے کمالات و خصوصیات، اخلاق و صفات اور معمولات و عادات پر یہ مضمون اس احساس و تاثر کے ساتھ ختم کیا جاتا ہے کہ ابھی اس کے بہت سے گوشے تشنہ تکمیل ہیں، بہت سے پہلو نوکِ قلم پر آنے سے رہ گئے ہیں۔ اور کتنے ہی زاویوں سے نئے نئے عنوانات اس میں مزید قائم ہو سکتے ہیں لیکن

ورق تمام ہوا، اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لیے



انیسواں باب

دعا کی اہمیت اس کا مقام

اور

آخری اجتماع کی آخری دعا

اس خاک کو اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسو
کرتی ہے چمک جن کی ستاروں کو عرق ناک

دعا کی اہمیت اس کا مقام اور آخری اجتماع کی آخری دعا

مادیت پرستی کے اس ماحول میں جہاں ہر طرف لات و منات بکھرے پڑے ہیں۔ حضرت مولانا اس جدوجہد اور کوشش میں مصروف نظر آتے ہیں کہ مخلوق کا رخ دعا کے ذریعہ ان کے خالق اور مالک حقیقی کی طرف موڑ دیا جائے تاکہ تمام دنیا کے محتاج سراپا احتیاج بن کر اس پاک ذات سے اپنا رشتہ جوڑ لیں جو ہر طرح سے غیر محتاج ہے۔

جن لاکھوں بندگانِ خدا کو حضرت مولانا کی دعاؤں میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی ہے ان کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اللہ جل شانہ و علم نوالہ نے اس مرد حق کو دعوت کے ساتھ دعا کی حقیقت بھی مرحمت فرمائی تھی۔ سوز و ساز، تپش و کڑھن، استغاثہ و فریاد مانگنے والے کی عبدیت و بیچارگی دینے والے کی صمدیت و بے نیازی سے حیرانی و سرگردانی اور نہ معلوم کیا کیا کچھ ان کی دعاؤں میں دل کی آنکھ رکھنے والوں کو عیاں طور پر محسوس ہوتا تھا۔

دعا کی اہمیت اس کا مقام اس کے ذریعہ حالات کے بننے و سنورنے کے یقین پر حضرت مولانا کے ارشادات کا ایک جامع نمونہ یہاں پیش کر کے آپ کی غریب اور اردو دعا نقل کی جائے گی۔

• ایک مرتبہ دعا کی حقیقت اور اہمیت پر فرمایا کہ:
"میرے عزیز و دوستو اور بزرگو! دعا کی حقیقت کو سمجھو حدیث پاک میں بتایا

گیا ہے الدعاء سلاح المؤمن دعا مومن کا ہتھیار ہے اللہ ہی کرنے والے ہیں اللہ ہی کے قبضے میں سب کچھ ہے اللہ ہی سے مانگنا تمام مشکلات کا حل ہے لیکن اللہ جل شانہ غافل قلب کی دعا نہیں سنتے۔ لہذا بہت ہی اہتمام بہت توجہ کے ساتھ رورو کر مانگنا بہت اونچی دولت ہے خدائے پاک سے مانگنے والا محروم نہیں رہتا۔ اللہ جل شانہ ہر مانگنے والے کی آواز کو سنتے ہیں۔

خدائے پاک نے دعا کی قبولیت کا وعدہ بھی فرمایا ہے ادعونی استجب لکم اس لیے جو بھی بات پیش آئے اس میں اللہ کی طرف متوجہ ہونا اور اللہ سے مانگنا بس اسی کا اہتمام کیا جائے۔ نیز یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اس طرح دعا کرو کہ اس کی اجابت اور قبولیت کا یقین ہو، اور اس کے قبول ہونے میں کوئی تردد اور اور شک نہ ہو۔

ایک مجلس میں قبولیت دعا کی تین صورتیں اور اللہ جل شانہ سے ہدایت مانگنے پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

”خدا کے یہاں۔ دعا قبول ہونے کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جو کچھ مانگا جائے وہ مل جائے اور ایک یہ کہ اس کے ذریعہ بلائیں اور مصیبتیں دور۔ ہو جائیں تیسری صورت یہ ہے کہ آخرت میں اس کو اس کی دعا کا بدلہ مل جائے اب اگر جو کچھ مانگا گیا ہے وہ نہیں ملا تو اس سے مایوس نہ ہو، دل گرفتہ نہ ہو بلکہ یوں سمجھے کہ اللہ کی مصلحت یہ ہے کہ آخرت میں ملے یا اس دعا کے بدلے مصیبتیں دور ہوں اللہ جل شانہ سے سب کچھ مانگا جائے لیکن اللہ جل شانہ، اصل مانگنے کی چیز ہدایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور سارے عالم کو ہدایت، سب فرمائیں، بڑوں سے بڑی چیز مانگی جاتی ہے اگرچہ ہم اس کے نامور ہیں کہ شہر سے چھوٹی سے چھوٹی چیز مانگیں لیکن اصل یہی ہے کہ بڑوں سے بڑی چیز ہی مانگی جاتی ہے اس لیے اصل چیز مانگنے کی ہدایت ہی ہے اپنی ہدایت اپنے علاقہ والوں کی ہدایت اپنے قوم کی ہدایت اپنے نبی کی امت کی ہدایت اور تمام اقوام عالم کی

ہدایت یہ مانگنے کی چیز ہے۔" لہ

ایک موقع پر دعا کے اصول و آداب اور اللہ جل شانہ کی داد و پیش کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

بھائیو، دوستو! اللہ بہت دینے والے ہیں اللہ سے مانگنا بہت اچھی عبادت ہے، دعا

مانگنے میں جو لوگ ناک مزہ چڑھاتے ہیں اللہ نے ان کے لیے وعید رکھی ہے اللہ عارف

العبادۃ دعا عبادت کا مغز ہے جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اس سے عرصہ ہوتے

ہیں، بندے کا اپنے آپ کو بے بس سمجھنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف دست سوال دراز کرنا یہ

اللہ کو بہت پسند ہے۔ لیکن میرے بھائیو اور دوستو! ہر چیز کے اصول و آداب ہوتے ہیں۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے جو چاہتا ہے اس میں ہم لگتے نہیں اور

چاہتے یہ ہیں کہ ہم جو چاہیں اللہ کر دے اور وہ جو چاہے ہم اس کو کر کے نہ دیں۔ یہ کتنی

اٹلی بات ہے۔ ہم خدا کے راستے میں نثار ہونے کے لیے آئے ہیں لگے رہیں تاکہ ویسے

ہی فیصلے آئیں جو ہم چاہتے ہیں خدا سے مانگے بغیر کسی کی گاڑی نہیں چلتی ہم کو تو اللہ

سے وہ مانگنا چاہئے جو اللہ کو محبوب ہے یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اور آپ

کی سنتیں۔ اللہ تعالیٰ کو اس سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب اور پسندیدہ نہیں ہے لیکن آج

تو ہمارے اعمال و افعال خدا کے عذاب کو اتارنے والے بن رہے ہیں۔ اللہ جل شانہ اس

سے خوش ہوتے ہیں کہ ان سے مانگا جائے۔ دنیا والے تو مانگنے سے ناراض ہوتے ہیں

لیکن اللہ جل شانہ نہ مانگنے سے ناراض ہوتے ہیں۔ مانگو اللہ سے اپنے کو ضرورت مند سمجھ

کر۔ مانگو اللہ سے، اللہ مانگنے والے کو محروم نہیں فرماتے، اللہ جو ہاتھ ان کی طرف اٹھائے

اس کو خالی بھیجنے سے شرماتے ہیں، البتہ ادب اس کا یہ ہے کہ اللہ کی قدرت کا دھیان

ہو اور اس سے ملنے کا یقین ہو، پھر اللہ تعالیٰ دیتے ہیں اور کمی نہیں کرتے۔

دعا کیوں مانگی جاتی ہے اور اگر نہ مانگی جائے تو حق تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اس

کے متعلق ایک تقریر میں فرمایا :-

لہ ارشاد بوقعدہ اجتماع بنگلہ دیش ابہ شکر یہ جناب عبدالعزیز سورتی (کراچی)

عبادت میں بھی عبدیت ہے اور دعائیں بھی عبدیت ہے، ہو گا وہی جو مقدر میں ہے لیکن دعا صرف اس لیے مانگنی ہے تاکہ اپنی عاجزی اور بے کسی خدا کے سامنے ظاہر ہو جائے آج تو بجائے بندگی کے خدائی چاہتا ہے خدا جو چاہے وہ تو کر کے نہیں دیتے اور خود جو چاہتا ہے وہ خدا کر دے ایسا نہیں ہو گا، خدا کی کوئی غرض انکی ہوئی ہے جو تمہاری چاہی کرے ہاں خدا جو چاہتا ہے وہ کرو، پھر تم جو چاہو گے خدا وہ اپنے کرم سے فرمائیں گے اصل تو یہ ہے کہ اپنی بے کسی اور عاجزی ان کی بارگاہ میں ظاہر کی جائے۔

بے طریقہ دعا مانگنے والے سے اللہ تعالیٰ خفا ہوتے ہیں، دنیا کا انسان جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اگر اس سے بھی بے طریقہ مانگے تو دھتکار دیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے بے طریقہ کیوں مانگا جائے، اللہ کے یہاں بھی مانگنے کے اصول اور آداب ہیں۔ ان میں سب سے اہم چیز یہ ہے کہ کچھ کر کے مانگا جائے۔ اب عمل کا ارادہ کر کے مانگو تو زیادہ قبول ہوگی۔ ارادہ کرو پھر مانگو تو زیادہ جاندار بات ہے۔

دعائیں طاقت اور اس میں قوت و صفت قبولیت پیدا ہونے کے لیے جن اعمال کا کرنا ضروری ہے۔ حضرت مولانا اپنے ایک مکتوب میں ان کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

”مکرم بندہ و فقنا اللہ و ایاکم لما یحب و یرضی“

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ موصول ہوا، کاشف احوال ہوا، آپ نے دعا کے بارے میں تحریر فرمایا ہے اللہ تعالیٰ آپ کے جملہ جائز مقاصد میں کامیابی و کامرانی عطا فرمائیں۔ میرے عزیز اس عالم میں جملہ احوال کا تعلق اللہ رب العزت سے ہے سب حالات کی سبزی و فروغ کو اللہ رب العالمین نے اعمال صالحہ کے ساتھ جوڑا ہے اور اعمال صالحہ کا ایمان و یقین کے ساتھ تعلق ہے اور یقین کی مایا کا حصول مجاہدہ پر رکھا ہے اور بقدر جد ایمان پیدا ہوتا ہے اور اس کی ترتیب یہ ہے کہ روزانہ اپنے مشاغل سے نکل کر اہتمام کے ساتھ تعلیم میں بیٹھنا، نمازوں کو اہتمام کے ساتھ جماعت کے ساتھ ادا کرنا تلاوت و تسبیحات اور ذکر کا وقت مقررہ پر معمول بنانا

مذکورہ اعمال کی استعداد و قوت پیدا کرنے کے لیے دو گشت ہفتہ میں پابندی سے کرنا ہفتہ میں تین روز باہر نکل کر یکسوئی کے ساتھ ان انفرادی و اجتماعی اعمال میں لگ کر اپنی دعاؤں میں طاقت پیدا کرنا اور اس محنت کے ساتھ راتوں کو خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی محنت کی نفی کرتے ہوئے اپنے لیے اور اپنے خاندان کے لیے اور پوری امت محمدیہ کے لیے خصوصاً پوری انسانیت کے لیے عموماً دعا کرنا اور ہر لائن کی صحیح محنت حتی الامکان کر کے خدا تعالیٰ سے دعا مانگنا یہی کامیابی کا زینہ ہے۔ حق تعالیٰ شانہ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

بندہ محمد انعام الحسن

اجتماعی طور پر حضرت مولانا جس طرح اہتمام دعا اور احتیاج دعا کی طرف احباب کو متوجہ فرماتے تھے انفرادی طور پر بھی اہل تعلق کو اس کی ترغیب دیتے تھے کہ وہ تنہائیوں میں خوب الحاج و زاری کے ساتھ دعائیں کریں۔ چنانچہ ایک مرتبہ مولانا روح الحق صاحب (ترجمی) کو مخاطب کر کے فرمایا: ”بھائی ہمارے لیے اور اپنے لیے دعا کرو“ دعا کا اہتمام ہوا اللہ سے رجوع ہوا اور انابت ہو فاذا فرغت فانصب والی ربك فارغب اور دیکھو دعا کا زبردست اثر ہے روایت میں ہے کہ الدعاء والقضاء یختلجان بین السماء والارض الی یوم القیمۃ کہ آسمان سے خدا کا فیصلہ سلسلہ عذاب اترتا ہے اور زمین سے دعا اوپر جاتی ہے اور یہ دونوں درمیان میں متضادم ہو کر قیامت تک لڑتے رہتے ہیں اس لیے بھائی خوب دعا کیا کرو۔ ۲

• حافظ محمد یوسف صاحب (ٹانڈہ چیمبر ولی) کو ایک مرتبہ تنہائیوں میں دعا کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: ”تنہائیوں میں دعا کی مفت دار کو خوب بڑھاؤ، خوب آٹھو پہاؤ، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ تنہائی کی دعائیں لمبی ہوں اور مجمع کی دعائیں مختصر ہوں، لیکن بھائی ہو یہ رہا ہے کہ مجمع کی دعائیں لمبی اور تنہائی کی دعائیں مختصر ہو رہی ہیں۔ ۳

۱۔ نقل مکتوب بہ شکر یہ مولانا شمیم احمد اعظمی۔ ۲۔ مکتوب مولانا روح الحق ترجمی بنام مصنف کتاب۔

۳۔ مکتوب حافظ صاحب موصوف بنام راقم سطور۔

محرم ۱۴۳۷ھ میں حرم مکہ مکرمہ میں المناک سانحہ پیش آنے پر حضرت مولانا نے ذیل کی چند سطور مولانا
سید احمد خاں صاحب کو تحریر فرماتے ہوئے اس وقت کا سب سے اہم عمل دعا کو بتلایا۔ چنانچہ
لکھتے ہیں :

”مولانا کھیرہ افغان سے بعد سلام سنون کہہ دیں کہ اس وقت بس دعا ہی عمل
ہے انفرادی اعمال کی انفرادی کوشش ہے اور اللہ جل شانہ سے بڑی بڑی۔
امیدیں باندھیں املوا و ابشروا، ہمیں حکم ہے رنج سے فائدہ نہیں ہم سب
دعا گو ہیں اور اچھی امیدیں ہیں“۔

آخری اجتماع کی آخری دعا | چھ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ (۶ جون ۱۹۹۵ء) میں حضرت مولانا نے
کیر وہ (ضلع مظفر نگر) کے اجتماع میں اپنی جیات کی
آخری دعا اس طرح فرمائی :

اللھم صل علی محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کسا

صلوات علی ابراہیم و علی آل ابراہیم انک حمید مجید۔

ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من

الضالین۔ رب اغفر وارحم و تجاوز عما تعلم، انک انت الاعز الاکرم۔

اللھم اغفرلنا و للمؤمنین و المؤمنات و المسلمین

والمسلمات، الاحیاء منهم و الاموات۔ ربنا اغفرلنا و لاخواننا

الذین سبقتونا بالایمان و لا تبعنا فی قلوبنا غلا للذین آمنوا

ربنا انک رؤوف رحیم۔

ربنا اغفرلنا ذنوبنا و اسرافنا فی امرنا و ثبت اقدامنا

و انصرنا علی القوم الکفرین۔ ربنا لا تؤاخذنا ان ذنبنا ار اخطانا،

ربنا ولا تؤاخذنا علینا بصراً کما خطیئتنا علی الذین من قبلنا، ربنا

۱۔ راقم سطور کا قیام اس وقت مدینہ منورہ میں تھا اور اس کے نام کے مکتوب۔ (محررہ ۱۶ جنوری ۱۹۸۵ء) میں یہ
چند سطور لکھی گئی تھیں۔

وَلَا تَحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ، وَاعْفَ عَنَّا وَارْحَمْنَا إِنَّكَ
 مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ . اللَّهُمَّ اشْرَحْ صُدُورَنَا
 لِلْإِسْلَامِ وَزِينَهُ فِي قُلُوبِنَا ، وَكِرْهِ الْيُنَا الْكُفْرِ وَالْفُسُوقِ
 وَالْعَصْيَانِ . اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِينَ ، اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ
 الرَّاشِدِينَ ، اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِينَ . اللَّهُمَّ الهممنا مرشد
 أمورنا واعدنا من شرور نفوسنا ، وإعذنا من شرور نفوسنا ،
 واعدنا من شرور نفوسنا .

اللَّهُمَّ اشْرَحْ صُدُورَنَا لِلْإِسْلَامِ . اللَّهُمَّ حَبِّبِ الْيُنَا الْإِيمَانَ ،
 وَزِينَهُ فِي قُلُوبِنَا ، وَكِرْهِ الْيُنَا الْكُفْرِ وَالْفُسُوقِ وَالْعَصْيَانِ .
 اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِينَ . اللَّهُمَّ الهممنا مرشد أمورنا .
 واعدنا من شرور نفوسنا .

يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ رَبِّ ثَبِّتْ قُلُوبَنَا عَلَى دِينِكَ ، يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ
 ثَبِّتْ قُلُوبَنَا عَلَى دِينِكَ ، يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قُلُوبَنَا عَلَى
 دِينِكَ . يَا مُصْرِفَ الْقُلُوبِ ، صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلَى طَاعَتِكَ .

اللَّهُمَّ إِنْ قُلُوبَنَا وَنَوَاصِيحُنَا وَجَوَارِحُنَا بِيَدِكَ ، لَمْ تَمْلِكْنَا
 مِنْهَا شَيْئًا ، فَإِذَا فَعَلْتَ ذَلِكَ بَنَّا فَكُنْ أُنْتَا وَلِيْنَا وَاهْدِنَا إِلَى
 سَوَاءِ الْمُسْتَبِيلِ . اللَّهُمَّ اهْدِنَا إِلَى سَوَاءِ السَّبِيلِ ، اللَّهُمَّ اهْدِنَا إِلَى
 سَوَاءِ الْمُسْتَبِيلِ .

اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ الرِّدَى وَالتَّقَى وَالعِفَافَ وَالْغِنَى . اللَّهُمَّ
 اهْدِنَا وَاهْدِنَا ، اللَّهُمَّ اهْدِنَا وَاهْدِنَا ، اللَّهُمَّ اهْدِنَا وَاهْدِنَا ، اللَّهُمَّ اهْدِنَا
 جَمِيعًا . اللَّهُمَّ افْتَحْ أَبْوَابَ هِدَايَتِكَ ، اللَّهُمَّ افْتَحْ أَبْوَابَ هِدَايَتِكَ ، اللَّهُمَّ
 افْتَحْ أَبْوَابَ هِدَايَتِكَ . اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ فِي رِضَاكَ ضَرْفًا ، وَنَخَذُ
 إِلَى الْخَيْرِ بِنَوَاصِيحِنَا وَاجْعَلِ الْإِسْلَامَ مَفْتَحَ رِضَائِنَا .

اللَّهُمَّ انْفَسْ بِنَا فِي تَيْسِيرِ كُلِّ عَسِيرٍ فَإِنْ تَيْسِيرَ كُلِّ عَسِيرٍ
 عَلَيْكَ يَسِيرٌ ، وَنَسْأَلُكَ الْيُسْرَ وَالْمَعَافَاتِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ،

ونسئلك اليُسر و المعافات في الدنيا و الآخرة ، ونسئلك
اليُسر و المعافات في الدنيا و الآخرة .

اللهم انا نسئلك العقو و العافيه والفوز بالجنة و النجاة
من النار .

اللهم احى الدين كله في العالم كله ، اللهم احى الدين كله
في العالم كله ، اللهم احى الدين كله في العالم كله .

تلهم اجعلنا دُعاة اليك و الي رسولك ، اللهم اجعلنا دُعاة
اليك و الي رسولك ، اللهم اجعلنا دُعاة اليك و الي رسولك .
اللهم اجعلنا من الذين يجاهدون في سبيلك حقاً .

اللهم لاسهل الا ما جعلته سهلاً وانت تجعل الحزن سهلاً
اذا شئت . لا اله الا الله الحليم الكريم ، سبحان الله رب العرش
العظيم ، الحمد لله رب العالمين ، نسئلك موجبات رحمتك ،
وعزائم مغفرتك والغنيمة من كل بر ، والسلامة من كل اثم .

لاتدع لنا ذنباً الا غفرته ، ولاهماً الا نفسته ، ولا كرباً الا
فرجته ، ولا ضرراً الا كشفته ، ولا مرضاً الا شفيته ، ولا بلاءً الا رفعته
ولا حاجةً هي لك رضاء الا قضيتها يا ارحم الراحمين ، يا ارحم
الراحمين ، يا ارحم الراحمين .

اليك رب فحببتنا ، وفي انفسنا لك رب فذللتنا ، وفي
اعدائنا فغظمتنا ، ومن سيئى الاخلاق فحببتنا ، وعلى
صالح الاخلاق فقومنا وعلى الصراط المستقيم فثبتتنا ، وعلى
الاعداء اعدائك اعداء الاسلام فانصرتنا .

اللهم انصرتنا ولا تنصر علينا وزدنا ولا تنقصنا واكرمنا ولا
تهنا ، وايسرنا ، ولا تعسر علينا ، واعظنا ولا تحرمنا ، واعظنا ولا
تحرمنا ، واعظنا ولا تحرمنا و امكر بنا ولا تمكر علينا ، اللهم
ارحمنا ولا تسلط علينا من لا يرحمنا

اللهم انا نسئلك من خير ما سئلك منه نبيك سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم ، ونعوذ بك من شر ما استعاذك منه نبيك سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم .

اللهم انا نسئلك الجنة وما قرب اليها من قول او عمل ، ونعوذ بك من جهنم وما قرب اليها من قول او عمل . اللهم نسئلك رضاك و الجنة ، ونعوذ بك من غضبك والنار ، ونعوذ بك من غضبك والنار .

اللهم انا نسئلك حبك و حب رسولك ، وحب من ينفعنا حبك ، والعمل الذي يبلغنا حبك . اللهم اجعل حبك احب الاشياء الينا ، واجعل خشيتك اخوف الاشياء عندنا . وقضى عنا حاجات الدنيا بالشوق الى لقائك من غير ضراء مضرة ولا فتنة مضلة وقنا السيئات ومن تق السيئات يومئذ فقد رحمته وذلك هو الفوز العظيم .

ربنا آتنا في الدنيا حسنة ، وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار . يا حي يا قيوم برحمتك نستغيث ، اصلح لنا شأننا كله ولا تكلنا الى انفسنا طرفه عين ، اللهم لا تكلنا الى انفسنا طرفه عين ، اللهم لا تكلنا الى انفسنا طرفه عين ، فانك ان تكلنا الى انفسنا تكلنا الى ضعف و عورة و ذنب و خطية و انا لانسق الا برحمتك . يا ارحم الرحمين يا ارحم الراحمين .

اے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما، یا اللہ ہماری خطاؤں سے ذر گذر فرما، اے اللہ ہماری سیئات کو حسنات سے تبدیل فرما، اے اللہ ہم نے یا اللہ اپنی زندگی میں، یا اللہ تیرے احکامات کو توڑا ہے اور اے اللہ تیرے نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں کو چھوڑا ہے، اے اللہ ہمارے اس جرم عظیم کو معاف فرما، اے اللہ اپنے کریم سے معاف فرما، اے اللہ اپنے کریم سے معاف فرما۔

اے اللہ سنت والی زندگی ہم کو نصیب فرما، اے اللہ سنتوں کا شوق ہمارے اندر پیدا فرما، اے اللہ توحید و سنت کی ہوائیں چلا دے، اے اللہ توحید و سنت کی ہوائیں چلا دے، اے اللہ توحید و سنت کی ہوائیں چلا دے۔ اے اللہ شفاق و رفاق کو ختم فرما دے، اے اللہ اتفاق و اتحاد کو زندہ فرما دے، اے اللہ اتفاق و اتحاد کو زندہ فرما دے۔

اے اللہ اپنے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت پر رحم فرما دے، اے اللہ کرم فرما دے۔ اے اللہ بے کسی ہے بے بسی ہے اے اللہ ترے سوا کوئی سہارا نہیں ہے، اے اللہ تو ہمیں بے سہارا نہ چھوڑ دے۔ اے اللہ اپنے حبیب کی امت پر رحم فرما دے، اے اللہ خصوصی رحم فرما دے، اے اللہ کرم فرما دے، اے اللہ بے یار و مددگار نہ چھوڑ دے، اے اللہ پوری پوری دستگیری فرما، اے اللہ بھرپور نصرت اور مدد فرما، اے اللہ نجیبی تائید شامل حال فرما۔

اے اللہ اپنے والے طریقے کو یا اللہ پورے عالم میں زندہ فرما، اے اللہ عرب میں اور عجم میں، یا اللہ یورپ میں ایشیا میں، اے اللہ افریقہ، امریکہ میں اے اللہ آسٹریلیا میں غرض ہر براعظم میں ہر براعظم میں اے اللہ ایمانی زندگی کو زندہ فرما، اے اللہ بے ایمانی کو ختم فرما، اے اللہ بے ایمانی کو ختم فرما، اے اللہ بے ایمانی کو ختم فرما۔ اے اللہ ایمان کی ہوائیں چلا دے، اے اللہ ایمان کی ہوائیں چلا دے، اے اللہ ایمان کی ہوائیں چلا دے۔ اے اللہ بے ایمانی کو مٹا دے، اے اللہ بے ایمانی کو مٹا دے، اے اللہ ایمانی اعمال کا شوق ہمارے اندر پیدا فرما دے، اے اللہ ایمانی اخلاق ہم کو نصیب فرما دے، اے اللہ ایمانی معاشرت ہم کو نصیب فرما دے، اے اللہ ایمانی معاملات ہمارے فرما دے، اے اللہ ہمارے معاملات کو یا اللہ پاک اور صاف فرما دے، اے اللہ، اے اللہ پاک اور صاف فرما دے، اے اللہ ہماری معاشرت کو یا اللہ پاکیزہ فرما دے، اے اللہ ہمارے اخلاق کو یا اللہ بلند تر فرما دے۔ اے اللہ پوری انسانیت پر رحم فرما، اے اللہ پوری انسانیت پر رحم فرما، اے اللہ تیری یہ ضعیف مخلوق اے اللہ یہ انسان جو حیوانی زندگی گزار رہا ہے اور اے اللہ بے ایمانی کی زندگی بسر کر رہا ہے اے اللہ اس پر رحم فرما کر یا اللہ اسکو صحیح انسانی زندگی گزارنے والا بنا دے، اے اللہ اسے سچا اور پکا انسان بنا دے۔

اے اللہ انسانیت کو زندہ فرما دے، اے اللہ حیوانیت کو مردہ فرما دے، اے اللہ

شیطن کو ختم فرمادے، اے اللہ ظلم و تعدی کو ختم فرمادے، اے اللہ عدل و انصاف کو زندہ فرمادے، اے اللہ عدل و انصاف کو زندہ فرمادے، اے اللہ رحمت کی ہوائیں چلا دے اے اللہ ہدایت عامہ کے فیصلے فرمادے۔ اے اللہ تمام عالم کو ہدایت نصیب فرمادے، اے اللہ پورے عالم کی یا اللہ قوموں کو یا اللہ صحیح راہ پر چلنے والا بنادے، اے اللہ غلط راہوں میں رکاوٹیں پیدا فرمادے، اے اللہ غلط راہوں میں روکاوٹیں پیدا فرمادے۔

اے اللہ صحیح انسانی زندگی کو زندہ فرمادے، اے اللہ صحیح انسانی زندگی کو زندہ فرمادے۔ اے اللہ آج تیری مخلوق اے اللہ جو جانوروں سے اور حیوانات سے بھی بدتر ہو گئی ہے اے اللہ اسکو توفاز دے، اے اللہ اس کو انسانیت مرحمت فرمادے، اے اللہ آخرت کی فکر نصیب فرمادے۔

اے اللہ موت کے بعد کی زندگی کی یا اللہ، تیاری کرنے کی یا اللہ توفیق نصیب فرمادے۔ اے اللہ یہ دنیا کی زندگی یا اللہ جو ختم ہی ہونے کے لئے ہے اے اللہ باقی رہنے کے لئے نہیں ہے، اے اللہ اسی میں الجھ کر اور اے اللہ اسی میں پھنس کر اے اللہ ہمیں اپنی آخرت بگاڑنے والا نہ بنا، اے اللہ اپنی آخرت سدھارنے والا بنادے۔ اے اللہ موت کے بعد کی زندگی کو یا اللہ کامیاب فرمادے، اے اللہ اس میں نجات مقدر فرمادے۔

اے اللہ دنیا کی زندگی بھی میں عافیت نصیب فرمادے۔ اے اللہ دنیا اور آخرت کی عافیت مقدر فرمادے، اے اللہ دنیا اور آخرت کی آفات سے حفاظت فرمائے، اے اللہ دنیا و آخرت کی آفات سے حفاظت فرمادے، اے اللہ تمام امور میں ہمارے انجام کو خیر فرما، اے اللہ تمام احوال کو درست فرما۔ اے اللہ مظلومین کی حمایت فرما۔ اے اللہ محرومین کی حمایت فرما، اے اللہ محرومین کی حمایت فرما۔

اے اللہ جن بھائیوں نے یا اللہ دعاؤں کیلئے کہا ہے یا اللہ یا ہمیں لکھا ہے اور اے اللہ ہم سے متوقع ہیں اور کہہ نہیں پاتے ہیں، اے اللہ ان کی حاجات کو اے اللہ ان سے زیادہ جانتا ہے اے اللہ ان کی جائز حاجات کو پورا فرما، اے اللہ ان کی پریشانیوں کو دور فرما، اے اللہ ان کی دشواریوں کو ختم فرما، اے اللہ جو مقروض ہیں ان کے قرضوں کے ادا ہونے کی غیب سے صورتیں پیدا فرما۔ اے اللہ جو بیمار ہیں یا اللہ ان کو شفا نصیب فرما، اے اللہ جس کی جو حاجت ہے اے اللہ اپنے کرم سے، یا اللہ اپنے فضل سے، یا اللہ اسکو پوری فرمادے۔

اللہ امت کی پوری مدد فرما، اے اللہ بھرپور تائید فرما۔

اے اللہ ہماری اور ہمارے ساتھیوں کی اور اے اللہ ہمارے سے تعلق اور محبت رکھنے والوں کی اور اے اللہ ہمیں بھلی نگاہوں سے دیکھنے والوں کی پوری پوری حفاظت فرما، اے اللہ پوری پوری حفاظت فرما، اے اللہ پوری پوری حفاظت فرما۔ اے اللہ ہر شر سے حفاظت فرما۔

اے اللہ ہمارے اس کام کی اے اللہ کام کرنے والوں کی، یا اللہ ہر طرح سے حفاظت فرما، اے اللہ تشمت سے تفرق سے، یا اللہ اختصار سے خلفشار سے اے اللہ حفاظت فرما۔ اے اللہ اخلاص اور للہیت نصیب فرما، اے اللہ اغراض سے پاک فرما۔ اے اللہ حب جاہ سے یا اللہ حب مال سے اور اے اللہ حب دنیا سے اور اے اللہ ہر رذیلہ عافیت کے ساتھ پاک فرما، اے اللہ خصائل سے آراستہ اور پیراستہ فرما۔

اے اللہ ہمارے اس اجتماع کو قبول فرما، اے اللہ اسکی محنت کرنے والوں کو قبول فرما، اے اللہ اس میں شرکت کرنے والوں کو قبول فرما، اے اللہ اس اجتماع سے یا اللہ اپنی راہ میں جانے والوں کو قبول فرما، اے اللہ ان کی جان میں مال میں یا اللہ آل میں اعمال میں یا اللہ برکت نصیب فرما۔

اے اللہ ان کی ہم سب کی یا اللہ بہترین تربیت فرما، اے اللہ تو ہی مربی حقیقی ہے اے اللہ تیری ہی تربیت حقیقی تربیت ہے، اے اللہ ہم سب کی بہترین تربیت فرما، اے اللہ بہترین تربیت فرما۔ اے اللہ اس اجتماع کو قبول فرما، اے اللہ اسکو پورے عالم میں اے اللہ ہدایت کے آنے کا ذریعہ فرما، اے اللہ انسانیت کے زندہ ہونے کا ذریعہ فرما، اے اللہ بھیمت کے اور اے اللہ حیوانیت کے ختم ہونے کا ذریعہ فرما۔

اے اللہ جتنے مدارس عربیہ ہیں اور اے اللہ جتنے مکاتب قرآنیہ ہیں اور اے اللہ جتنے مراکز دیجہ ہیں، اے اللہ ان سب کی حفاظت فرما، اے اللہ پوری پوری حفاظت فرما، اے اللہ پوری پوری حفاظت فرما۔ اے اللہ شریک کی شرارت سے اور اے اللہ قسین کے فتنے سے اور اے اللہ بد خواہ کی بد خواہی سے یا اللہ پوری پوری حفاظت فرما۔

اے اللہ پوری انسانیت کو یا اللہ صحیح سمجھ نصیب فرما کہ اے اللہ سید عالمی راہ پر چلنے کیلئے قبول فرما۔ اے اللہ اپنی نادانی سے یا اللہ جو اپنی تباہی کا راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں اے

اللہ ان کو سمجھ نصیب فرما کر اے اللہ صحیح راستے پر چلنے والا بنادے۔ اے اللہ اپنی ضعیف مخلوق کو یا اللہ جہنم کے راستے پر چلنے کے بجائے جنت کے راستے پر چلنے والا بنادے۔

اے اللہ ہمارے اس اجتماع میں یا اللہ جتنی ہم سے کوتاہیاں ہوئی ہیں اے اللہ جتنی تقصیرات ہوئی ہیں اے اللہ اپنے کرم سے معاف فرما، اے اللہ اپنے کرم سے معاف فرما، اے اللہ ہم معصروں میں، اے اللہ کوتاہ ہیں، یا اللہ ہمیں اے اللہ اپنے قصور کا اعتراف ہے اور اے اللہ ترے یہاں جو اپنے قصور کا اعتراف کر کے آتا ہے اے اللہ تو معاف فرمادیتا ہے، اے اللہ ہمیں یا اللہ اعتراف ہے اے اللہ اپنے قصوروں کا اقرار ہے لیکن تو عفو ہے اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے اور اے اللہ معاف کرنے کو پسند فرماتا ہے، اے اللہ ان کوتاہیوں کو معاف فرما، اے اللہ ان بے عنوانیوں کو معاف فرما، اور اے اللہ جو تیرے ہی کرم سے ذرا خیر وجود میں آگیا ہو اے اللہ اس کو قبول فرما لے۔ اے اللہ اسکو آب یاری نصیب فرما دے، یا اللہ اسکو بار آور فرما دے۔

اے اللہ قلوب ترے قبضے میں ہے اے اللہ تو ہی دلوں کا پھیرنے والا ہے اے اللہ تو ہی دلوں کا موڑنے والا ہے اے اللہ پوری انسانیت کے یا اللہ دلوں کو یا اللہ خیر کی طرف موڑ دے اے اللہ شر کی طرف سے ہٹا دے۔ اے اللہ خیر کے فیصلے فرما دے، اے اللہ خیر کے فیصلے فرما دے، اے اللہ پوری انسانیت میں یا اللہ صحیح راہ پر چلنے کے جذبے پیدا فرما دے، اے اللہ صحیح راستے پر چلنے والا بنادے، اے اللہ امت کے تمام طبقات میں یا اللہ دینی فکر پیدا فرما دے، اے اللہ اسکی محنت کے جذبے پیدا فرما دے، اے اللہ اس پر جان و مال لگانے کے حوصلے پیدا فرما دے۔

اے اللہ تو ہی قبول فرمانے والا ہے، اے اللہ تو ہی کرم فرمانے والا ہے، اے اللہ ہماری ساتھ یا اللہ اپنے کرم کا معاملہ فرما، اے اللہ ہماری ساتھ استحقاق پر معاملہ نہ فرما، اے اللہ اگر استحقاق پر معاملہ رکھا تو اے اللہ خسارہ ہی خسارہ ہے، اے اللہ جہاں ہی تیری نسیب ہے۔ اے اللہ تو کرم ہے اے اللہ کرم کا معاملہ فرما، اے اللہ فضل کا معاملہ فرما، اے اللہ اپنی یا اللہ رحمت عامہ سے یا اللہ پوری انسانیت کو نواز دے، اے اللہ ہدایت عامہ کے فیصلے فرما دے، اے اللہ ہدایت عامہ کے فیصلے فرما دے، اے اللہ اقوام عالم کو ہدایت نصیب

فرمادے، اے اللہ ہدایت کی ہوائیں چلا دے۔

اے اللہ ہمارے سفر کو ہمارے حضر کو قبول فرما، اے اللہ عافیت اور سہولت کا معاملہ فرما، اے اللہ اخلاص اور للہیت نصیب فرما، اے اللہ اغراض سے اور اے اللہ، اے اللہ حب دنیا سے اور اے اللہ حب جاہ سے اے اللہ حب مال سے یا اللہ ہماری سب کی حفاظت فرمادے۔

یا اللہ اپنے راضی کرنے کے جذبہ کے ساتھ قدم بڑھانے والا بنادے، اے اللہ قدم اٹھانے والا بنادے، اے اللہ قدموں کے پیچھے ہٹنے سے اور اے اللہ قدموں کے یا اللہ ڈگمگانے سے اے اللہ قدموں کے اے اللہ غلط اٹھانے سے ہماری حفاظت فرما۔

اے اللہ توحی حقیقہ ہے، اے اللہ توحی نصیر ہے، اے اللہ تونے اگر مدد فرمائی تو اے اللہ ہال بیکا نہیں ہو سکتا ہے اور اے اللہ تونے اگر اپنی نظر ہٹائی تو اے اللہ کوئی دھرم و مددگار نہیں ہے۔ اے اللہ بھرپور مدد فرما، اے اللہ بھرپور مدد فرما، اے اللہ پوری پوری مدد فرما، اے اللہ غیبی تائید شامل حال فرما۔

اے اللہ ہمارے ان دوستوں کو اور اے اللہ اس اجتماع میں شرکت کرنے والوں کو، اے اللہ اس میں کہنے سننے والوں کو، اور اے اللہ جہن جس نیت سے آیا ہو اے اللہ اس کے آنے کو قبول فرما کر اے اللہ اس راہ پر چلنے کے فیصلے فرما، اے اللہ سیدھی راہ پر چلنے کے فیصلے فرما۔

اے اللہ ہمارے گھروں کو اور اے اللہ ہماری بستیوں کو، اے اللہ ہمارے علاقوں کو یا اللہ ایمانی اعمال سے عافیت کے ساتھ آباد فرمادے، اے اللہ ایمانی اعمال سے آباد فرمادے، اے اللہ ایمانی اعمال سے عافیت کے ساتھ آباد فرمادے، اے اللہ شیطانی اثرات سے پاک فرمادے، اے اللہ شیطانی اثرات سے پاک فرمادے۔

اے اللہ بیماروں کو شفا نصیب فرما، اے اللہ ہمیں اور ہماری اولادوں کو اے اللہ قیامت تک آنے والی اولادوں کو یا اللہ دین کی خدمت کیلئے قبول فرما، اے اللہ اے اللہ اخلاص کے ساتھ اُس پر لگے رہنے کی اس پر جسے رہنے کی توفیق نصیب فرما اور اے اللہ ضروریات کا محفل فرما، اے اللہ ماسوا کی محتاجگی سے یا اللہ پوری پوری حفاظت فرما۔

اے اللہ اپنی ذات پر یا اللہ نگاہیں جمائے کی توفیق نصیب فرما، اے اللہ اپنی ذات پر

اعتماد یقین کی دولت نصیب فرما، اے اللہ اپنی ذات پر اعتماد یقین کی دولت نصیب فرما،
 اے اللہ اپنی ذات پر اعتماد یقین کی دولت نصیب فرما۔ اے اللہ ہمیں یا اللہ اپنی ذات پر
 یقین کرنے والا بنادے، اے اللہ اُس پر اعتماد کی حقیقت نصیب فرمادے یا اللہ ہمارے
 یقینوں کو اے اللہ خالص یقین فرمادے، اے اللہ یقینوں میں یا اللہ قوت فرمادے، اے
 اللہ ہمارے یقین جو آج منتشر ہوئے ہوئے ہیں اے اللہ، اے اللہ عالم کی چیزوں میں
 بکھرے ہوئے ہیں، یا اللہ ان یقینوں کو اپنی ذات کی طرف جوڑ دے، اے اللہ اپنی ذات
 کی طرف جوڑ دے، اے اللہ اپنی ذات کی طرف جوڑ دے۔

اے اللہ اپنا تعلق نصیب فرمادے، اے اللہ اپنا تعلق نصیب فرمادے، اے اللہ اپنا
 تعلق نصیب فرمادے، اے اللہ اپنی رضا کی دولت سے مالا مال فرمادے، اے اللہ اپنی رضا کی
 دولت سے مالا مال فرمادے، اے اللہ اپنی رضا کی دولت سے مالا مال فرمادے۔ اے اللہ اپنی
 رضا والے کاموں میں یا اللہ لگنے والا بنادے، اے اللہ اپنے بارائیں لگنے والے کاموں سے یا اللہ
 ہماری حفاظت فرمادے۔

اے اللہ موت اور مابعد الموت میں ہمارے لئے برکت مقدر فرما، اے اللہ شہداء
 موت اور غمرات موت پر ہماری امانت فرما، اے اللہ قبر کے عذاب سے اور جہنم کے عذاب
 سے ہماری حفاظت فرما، اے اللہ جنت الفردوس کا ہمارے لئے فیصلہ فرما، اے اللہ اپنے اپنے
 وقت پر یا اللہ حسن خاتمہ مقدر فرما، اے اللہ سوئے خاتمہ سے یا اللہ اپنی پناہ میں لے لے۔
 اے اللہ ہم سب کی جو اصلی ضرورت ہے اے اللہ وہ حسن خاتمہ ہے اے اللہ اس کا ہم سب
 کے لئے فیصلہ فرما، اے اللہ رحم کا معاملہ فرما۔ اے اللہ اپنے فضل و کرم سے ہماری دعاؤں
 کو قبول فرما۔

(بہ شکر یہ خاص نمبر احوال و آثار کا نندھہ)